تالیف
علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا ابو محمد عبد الحق

تخریج
محمد سرور عاصم

مکتبہ اسلامیہ

تلبیس ابلیس
تالیف
علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ
مولانا ابو محمد عبدالحق
تخریج
محمد سرور عاصم
مکتبہ اسلامیہ

کتاب .... تلبیس ابلیس

تالیف .... علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ .... مولانا ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی

ناشر .... محمد سرور عاصم

کمپوزنگ/ڈیزائننگ .... مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز

اشاعت .... جون 2009ء

قیمت ....

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، لاہور۔ پاکستان فون: 042-7244973

بیسمنٹ اٹلس بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

مختصر حالات امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

آپ کا نام عبدالرحمٰن ہے لقب جمال الدین، کنیت ابوالفرج، اور ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبیداللہ بن عبداللہ بن حمادیٰ بن احمد بن محمد جعفر بن عبداللہ بن النضر بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، القرشی التیمی البکری البغدادی الحنبلی جوزی کی نسبت میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ آپ کے جدّ جعفر بصرہ کے ایک فُرضہ کی طرف منسوب تھے۔ جس کا نام جوزہ تھا۔ فرضۃ النہر، نہر کے دہانے کو کہتے ہیں جہاں سے پانی لیا جاتا ہے۔ اور فُرضۃ البحر اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کشتیاں بندرہتی ہیں۔ یہ اکثر لوگوں کا قول ہے۔ اور منذری کہتے ہیں کہ یہ ایک مقام کی طرف نسبت ہے جس کو فُرضۃ الجوز کہتے ہیں۔

پیدائش:

آپ کے سنِ پیدائش میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۵۰۸ھ ہے، اور بعض کا قول ہے کہ ۵۰۹ھ ہے، اور بعض کا قول ہے کہ ۵۱۰ھ خودان کی تحریر ملی تھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ ''مجھ کو اپنی پیدائش کا سن ٹھیک معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ والدصاحب کا ۵۱۴ھ میں انتقال ہوا تھا، اور والدہ کہتی تھیں کہ اس وقت تمہاری عمر تقریباً تین برس کی تھی۔'' اس بنا پر آپ کا سنِ پیدائش ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ ہوگا۔ آپ بغداد میں درب حبیب میں پیدا ہوئے تھے۔

ابتدائی حالات اور تحصیل علم:

آپ کے والد بچپن میں انتقال کر گئے تو آپ کی والدہ اور پھوپھی نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کے ہاں تانبے کی تجارت ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کی بعض قدیم سندوں میں ابن الجوزی الصفّار لکھا ہوا ہے۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ کی پھوپھی حافظ ابوالفضل ابن ناصر کے ہاں لے گئیں تو آپ نے ان کی طرف توجہ کی اور ان کو حدیث سنائی۔

مشائخ (اساتذہ):

آپ نے اپنے مشائخ میں ستاسی ۸۷ اشخاص کو ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کے سوا بھی کئی اور علما سے علم حاصل کیا۔ چند بڑے بڑے اساتذہ کے نام یہ ہیں:۔ ابوالقاسم بن الحصین، قاضی ابوبکر الانصاری، ابوبکر محمد بن الحسین المزرفی، ابوالقاسم الحریری، علی بن عبدالواحد الدینوری، احمد بن احمد التوکلی، ابوغالب بن البناء اور ان کے بھائی یحیٰ، ابوعبداللہ الحسین بن محمد البارع، ابوالحسن علی بن احمد الموحد، ابوغالب محمد بن الحسن الماوردی، فقیہ ابوالحسن ابن الزاغونی، ابومنصور بن خیرون، عبدالوہاب الانماطی، عبدالملک الکروجی، خطیب اصبہان ابوالقاسم عبداللہ بن محمد۔

مجالسِ وعظ:

۵۶۰ھ میں آپ کو وعظ کی اجازت دی گئی آپ کی مجالسِ وعظ کی نظیر نہ تو دیکھی گئی اور نہ سُنی گئی۔ ان سے بڑا نفع پہنچتا تھا غافل نصیحت حاصل کرتے تھے، جاہل علم کی باتیں سیکھتے تھے، گنہگار توبہ کرتے تھے، مشرک مسلمان ہوتے تھے۔

آپ نے کتاب القصّاص والمذکرین کے آخر میں لکھا ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں کو وعظ کرتا رہا اور ان کو توبہ اور تقویٰ کی ترغیب دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کتاب میں ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ کی فہرست جمع کرلی۔ اور دس ہزار سے زیادہ بچوں کی پیروں کے نام کی رکھی ہوئی چوٹیاں کاٹی گئیں۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

الغرض آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کے انقلاب انگیز مواعظ اور مجالسِ درس ہیں۔ ان مجالسِ وعظ نے سارے بغداد کو زیروزبر کررکھا تھا۔ خلفا، سلاطین، وزرا اور اکابر علما ان میں بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے شرکت کرتے۔ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔ اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنی مجالسِ وعظ میں بدعات ومنکرات کی کھل کر تردید کی، عقائد صحیحہ اور سنت کا اظہار کیا۔ اپنی بے مثل خطابت، زبردست علمیّت اور عام رجوع کی وجہ سے اہلِ بدعت کو ان کی تردید کا حوصلہ نہ ہوا۔ سنت کو ان کے مواعظ ودرس اور تصنیفات سے بہت فروغ ہوا۔

تصانیف:

علامہ ابن الجوزیؒ نے زبانی وعظ وتقریر پر اکتفانہیں کیا۔آپ نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

فنون الأفنان في عجائب القرآن، زاد المسير في علم التفسير، الناسخ والمنسوخ، الواهيات، الموضوعات، جامع المسانيد، تلقيح فهوم أهل الأثر، المنتظم، صفة الصفوة، مناقب عمر بن الخطاب، التحقيق في مسائل الخلاف، المناسك، البلغة في الفقة، تحريم المتعة، بستان الواعظين، التبصرة، المدهش، رؤوس القوارير، اللطف في الوعظ، تنبيه النائم الغمر على حفظ مواسم العمر، أخبار الأذكياء، أخبار الحمقى والمغفلين، الظرفاء، البر والصلة، صيد الخاطر، تلبيس إبليس، ذم الهوى، ذكر القصاص، المقلق، آفة المحدثين۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے محی الدین اور پوتے شمس الدین یوسف بن قزاغلی واعظ اور حافظ عبدالغنی، ابن الدبیثی، ابن النجار، ابن خلیل، التقی الیلدانی، ابن عبدالدائم اور النجیب عبداللطیف، قابل ذکر ہیں۔

وفات:

آپ نے ۱۲ رمضان ۵۹۷ھ کو جمعرات کے روز مغرب وعشاء کے درمیان اپنے گھر میں وفات پائی۔آپ کی نماز آپ کے صاحبزادے ابوالقاسم علی نے پڑھائی۔

آپ کے حالاتِ زندگی پندرہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ''طبقات ابن رجب'' میں مذکور ہیں۔جن میں بڑے بڑے علمی معرکوں کا بیان ہے۔

خطبة الكتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

شیخ امام عالم ربانی جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی معروف بابن الجوزی الحنبلی واعظ بغدادی نے فرمایا:

حمد وثناء اعلیٰ شایان حضرت باری تعالیٰ ہے جس نے ترازوئے عدل عُقلا کے ہاتھوں میں سپرد فرمائی اور انبیا برگزیدہ بھیج کر مطیعین کو ثواب کی خوش خبری سنائی اور منکرین کو عذاب الٰہی سے ڈرایا اور ان پر سچی کتابیں نازل فرما کر ٹیڑھی جہنمی راہوں سے راہ راست کی تمیز صاف صاف بتلائی اور ہر قسم کی عملی شریعت بغیر نقص وعیب کے کمال کو پہنچائی۔ میں ایسے شخص کی طرح اس کی حمد کرتا ہوں جس کو یقین ہے کہ وہ ہی مسبب الاسباب ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی ایسے مخلص کی طرح ادا کرتا ہوں جس کی نیت میں نہ کچھ شک ہے، نہ ارتیاب ہے اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، خاتم النبیین احمد مجتبیٰ بکمال عبودیت ازلی مقبول ہیں جن کو رب عزوجل نے ایسے وقت مبعوث فرمایا جب ایمان کے چہرے پر کفر نے اپنا پردہ لٹکایا۔ تو اس سراج منیر آفتاب رسالت نے نور ہدایت سے تاریکی کو مٹایا اور امر حق کے چہرے سے باطل کا پردہ اٹھایا اور بندوں کے لیے جو پیغام اترا اس کو صاف صاف بیان کیا اور قرآن مجید کے مشکلات کو واضح کر دیا۔ آخر ان کو ایسے صاف ہموار روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس میں نہ اونچا خالی ہے نہ دھوکا ہے (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى جَمِيْعِ الْآلِ وَكُلِّ الْأَصْحَابِ وَعَلَى التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الْحَشْرِ وَالْحِسَابِ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً.)

اما بعد واضح ہو کہ انسان کے لیے عقل بڑی نعمت ہے کیونکہ اسی ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسی وسیلہ سے رسولوں کی تصدیق نصیب ہوتی ہے، لیکن جو تعلق

بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے جب عقل سے اس کا کام پورا نہ ہو سکا تو رسول بھیجے گئے اور کتابیں اتاریں گئیں تو عقل کی مثال آنکھ ہے اور شرع کی مثال آفتاب ہے۔ پس آنکھ کھلنے پر جب ہی آفتاب دیکھے گی کہ درست ہو ورنہ نہیں اور جب عقل کے نزدیک انبیا کے دلائل معجزات سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ انبیا فرماتے ہیں یہ اقوال سچ ہیں تو عقل نے ان کا کہنا قبول کیا اور پوشیدہ امور میں ان کے کہنے پر اعتماد کیا۔

فائدہ: جب انبیا علیہم السلام نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے رب عز وجل نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ ہم پر ایمان لاؤ تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر اپنے جی کی پیروی کرو تو تمہارے لیے عذاب جہنم ہے۔ عقل نے دیکھا کہ یہ چیزیں نظر نہیں آتی ہیں تو اس نے دلیل چاہی کہ یہ کیوں کر معلوم ہو کہ آپ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انبیا نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں وہ چیزیں پیدا کیں جو یہاں کسی ترکیب سے نہیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تو عقل نے جان لیا کہ یہ بیشک اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں تو ان کا سب کہنا سچ ہے۔ واضح ہو کہ مصنف نے ''رسالۂ اذکیاء'' میں کہا ہے کہ عقل کا لفظ چار معنی پر بولا جاتا ہے:۔

اول: وہ چیز جس سے انسان وحیوان میں فرق ہے جس سے فکر وتدبیر کر کے باریک صنعتیں نکالتا ہے۔ امام احمد وحارث محاسبی نے جو کہا کہ وہ پیدائشی قوت ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہیں۔

دوم: جائز ومحال سمجھنے والی قوت طبعی کا علم۔

سوم: تجربہ سے جو ملکہ حاصل ہو۔ چہارم: پیدائشی قوت کا کمال حتیٰ کہ فانی خواہشیں چھوڑے اور آخرت مانگے۔ مترجم کہتا ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقل جسمانی! جو مجموعہ حواس ظاہری وباطنی کا نام ہے اور حیوانات میں یہ سب حواس نہیں ہیں بلکہ تھوڑے تھوڑے ہیں۔ کیوں کہ انسان دنیا کی زندگی سے سامان پیدا کرتا ہے۔ تجربہ وسن بلوغ سے یہ عقل قوی ہو جاتی ہے اور اسی عقل سے انسان دنیا کی زندگی میں سامان پیدا کرتا ہے اور جس قدر بدن قوی ہو اسی قدر عقل تیز ہوتی ہے اور بدن کی موت کے ساتھ مر جاتی ہے۔ دوم عقل روحانی! وہ روح کے حواس ہیں اور جب قلب پر مہر ہو تو نہیں کھلتے ہیں بلکہ ایمان ہی سے کھلتے ہیں۔ بدلیل

قولہ تعالیٰ:

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [1]

''یعنی کسی جی کو ایمان حاصل کرنے کی قدرت نہیں، مگر جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔ اور شرک کی پلیدی بے عقلوں پر ڈالتا ہے''۔

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ [2]

''یعنی ملت ابراہیمی سے وہی منہ موڑتا ہے، جو بے عقل ہے''۔

معلوم ہوا کہ کافر بے عقل ہوتے ہیں، یعنی یہ عقل نہیں رکھتے۔ اگرچہ قسم اول میں بڑے ہوشیار ہوں اور اس کے لیے آیات کثیرہ دلیل ہیں۔ فَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَم.

جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم انسانی پر عقل کا انعام کیا تو پہلے پہل ان کے باپ آدم کی پیغمبری سے شروع کیا۔ پس آدم علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے تعلیم فرمایا کرتے تھے، سب انسان ٹھیک راہ پر جمع تھے، یہاں تک کہ قابیل نے خواہش نفس کی پیروی میں جدا ہو کر اپنے بھائی (ہابیل) کو قتل کیا۔ (تب سے اختلاف شروع ہوا) پھر تو لوگ مختلف خواہشوں کی پیروی میں جدا جدا شاخیں ہو کر مختلف گمراہیوں کے بیابانوں میں بھٹکنے لگے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بت پوجنے لگے اور طرح طرح کے عقیدے و افعال ایسے نکالتے کہ وہ رسول کے ارشاد سے اور عقل کی ہدایت سے مخالف تھے۔ یہ سب اس لیے کہ انہوں نے اپنے جی کا کہنا مانا اور اپنی رسوم و عادات کے پابند ہوئے اور اپنے باپ دادوں کی تقلید کی۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ [3]

''پس ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر لیا کہ ان فرقوں نے اس کی پیروی کر لی سوائے ایک فریق مومنین کے''۔

فصل

واضح ہو کہ انبیا علیہم السلام کافی بیان لائے اور ہر مرض کی شافی دوا بتلائی اور سب پیغمبروں کا اتفاق ایک ہی راہ مستقیم (توحید) پر ہے۔ اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ پھر شیطان ابلیس

---

[1] ۱۰/ یونس: ۱۰۰۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۳۰۔ [3] ۳۴/ سباء: ۲۰۔

نے آ کر بیان کافی کے ساتھ اپنا شبہ ملایا اور دوائے شافی کے ساتھ اپنا زہر ملایا اور واضح راہ کی دونوں طرف گمراہ کرنے والی پگڈنڈیاں ملائیں اور اسی طرح وہ برابر ان کی عقلوں سے کھیلتا رہا یہاں تک کہ اس نے اسلام سے پہلے زمانۂ جہالت والے لوگوں کو حماقت کے مختلف مذاہب میں اور قبیح بری بدعتوں میں پراگندہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیت الحرم (کعبہ) میں بت پرستی کرنے لگے اور بحیرہ وسائبہ وحام ووصیلہ کو [1] حرام ٹھہرایا اور بیٹیوں کو زندہ درگور دفن کرنا بہتر جانتے اور لڑکیوں اور ان کی مانند کمزور وارثوں کو میراث نہ دیتے۔ اسی طرح کی بہت گمراہیاں ابلیس نے ان کی نظر میں رچائی تھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے قبیح بری عادتیں دور فرمائیں اور نیک مصلحت کی باتوں کی شرع مقرر فرمائیں۔ چنانچہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ اور آپ ﷺ کے بعد شرع نورانی کی روشنی میں دشمن شیطان اور اس کے فریب سے بچے ہوئے راہ چلتے رہے۔ جب ان کے نورانی چہرے جن سے دن کی طرح روشنی تھی فوت ہوئے تو پھر گھٹا ٹوپ تاریکی سامنے آئی اور نفس پرستی دوبارہ بدعتوں کی بنیاد جمانے لگی اور جو کشادہ راہ شریعت چلی آئی تھی اس میں کوتاہی کا جال بنانے لگی۔ چنانچہ بہت سے لوگ دین حق سے پھوٹ کر جدا جدا فرقے ہو گئے حالانکہ پہلے متفق جماعت تھے۔ ابلیس نے ان کو مکاری میں پھانسا اور بدکاری ان پر رچانا اور ان کو پھوٹ میں ڈالنا شروع کیا۔ جان رکھو کہ ابلیس کا داؤ اس وقت ہی چلتا ہے کہ نادانی و جہالت کی اندھیری رات ہو اور اگر اس پر صبح علم کی روشنی پڑ جائے تو وہ رسوا ہو جائے گا۔

لہٰذا مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ابلیس کی مکاریوں سے ڈرا دوں، اور اس کے شکاری جال کے موقعے بتا دوں۔ کیوں کہ بدی کی شناخت بتلانا گویا اس میں مبتلا ہونے سے بچانا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ ہے کہ لوگ تو رسول اللہ ﷺ سے نیکیاں دریافت کیا کرتے اور

[1] بحیرہ: وہ اونٹنی جو پانچ بچے جنم دینے کے بعد چھٹی مرتبہ نہ بچے کو جنم دیتی تو اس کا کان چیر کر بتوں کے نام چھوڑ دیتے۔ سائبہ: وہ اونٹنی جو کسی بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد یا کسی مراد پوری ہونے کے بعد بتوں کے نام بطور نذرانہ چھوڑ دی جائے۔ وصیلہ: وہ بکری جو نر اور مادہ کو جنم دیتی تو نر کو بتوں کے نام چھوڑ دیا جاتا۔ حام: اس نسل کشی کے اونٹ کو کہتے ہیں جس کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے بھی بتوں کے نام پر کھلا چھوڑ دیا جاتا۔ کتب تفاسیر میں دوسری تشریحات بھی موجود ہیں مزید تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ کریں۔

میں آپ سے برائیاں پوچھتا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ میں اس میں مبتلا ہو جاؤں۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ آج روئے زمین پر کوئی دوسرا ہے جس کا مرنا شیطان کو میرے مرنے سے زیادہ پسند ہو۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیوں؟ فرمایا کہ شیطان کہیں مشرق یا مغرب میں کوئی بدعت نکالتا ہے جس کو کوئی مسلمان (حکم پوچھنے) میرے پاس لاتا ہے۔ پس وہ مجھ تک یہ بدعت لے کر پہنچا ہی تھا کہ میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر لگا دیتا ہوں۔ پس شیطان کی نکالی ہوئی بدعت جوں کی توں اس پر پھینک ماری جاتی ہے۔

فصل

میں نے اس کتاب کا موضوع یہ رکھا ہے کہ یہ ابلیس کے فتنوں سے ہوشیار کرنے والی، اس کی قبیح بیہودگیوں سے ڈرانے والی، اس کی چھپی چالوں کو کھولنے والی، اور اس کے خفیہ دھوکے ظاہر کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سچے کی مراد پوری کرنے والا ہے اور میں نے اس کتاب کو تیرہ ابواب پر منقسم کیا۔ ان سب کے مجموعہ سے شیطان کی تلبیس کھل جائے گی اور سمجھ دار کو اس کی تلبیس سمجھنا آسان ہوگا۔ اور جس بندۂ صالح نے اس پر عمل کرنے کا عزم مصمم پختہ کیا تو اس سے شیطان ہار کر چیخ اٹھے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے میرے مقصود کی توفیق دینے والا اور میری مراد میں ٹھیک بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

مضامینِ ابواب کا مجمل بیان

---

[1] بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم ۳۶۰۶۔ مسلم: کتاب الإمارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین، رقم ۴۷۸۴۔ ابوداؤد: کتاب الفتن، باب ذکر الفتن ودلائلھا، رقم ۴۲۴۴، ۴۲۴۷۔

[2] سنت وہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے اور وہ یقینی طور سے متواتراً صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل ہوا اور امت مسلمہ اسی پر متفق تھی۔ سب سے پہلے خارج نے پھوٹ ڈالی پھر فتنہ پھیلا۔

[1] یعنی ان لوگوں نے وہ عمل اختیار کیا جو شرع میں گناہ ہے مگر ان کو ظاہر میں نفع حاصل ہوا تو شیطان نے تلبیس کی کہ اس سے تم کو کرامت حاصل ہوگی۔

باب اول

سنت و جماعت کو لازم پکڑنے کی تاکید کا بیان

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں لوگوں سے فرمایا کہ جس طرح میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سنایا۔ پس فرمایا ''کہ تم میں سے جس کو وسط جنت مرغوب ہو اس کو چاہیے کہ طریقۂ جماعت کو لازم پکڑا رہے، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دو سے دور تر ہے۔'' [1]

فائدہ: یہ حدیث متعدد عبارات سے مذکور ہے۔ شاید مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا کہ یہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے بعض نے خطبۂ جابیہ میں اور بعض نے بدون ذکر جابیہ کے بھی روایت کی۔ یہ حدیث طویل ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر میں مسند کیا کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جابیہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ سنایا۔ پس فرمایا کہ جیسے میں تم میں کھڑا ہوں اسی طرح ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا ''کہ تم لوگ بزرگی مانو میرے اصحاب کی، پھر جو اصحاب کے بعد ہوں گے، پھر جو ان کے بعد ہوں گے، پھر جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا حالانکہ وہ موقع پر حاضر و گواہ نہیں کیا گیا تھا، اور قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم نہیں چاہی گئی، پس جس کو یہ پسند ہو کہ وہ وسط جنت میں گھر پاوے تو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہے اور وہ دو سے دور تر ہے، خبردار رہو کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کیونکہ ان دونوں کا تیسرا شیطان ہوگا۔ خبردار کہ جس شخص کو اس کی برائی ناگوار گزرے، اور اس کی نیکی اس کو خوش کرے وہ مومن ہے۔'' [2] طحاوی نے اس کو مختصر روایت کیا۔ طبرانی نے دوسرے مقام پر کہا کہ اس حدیث کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ربعی بن حراش ثقہ تابعی وغیرہم نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ امام ترمذی نے بطریق عبداللہ بن

[1] ترمذی: کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، رقم ۲۱۶۵۔ احمد: ۱/ ۱۸۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۱۹۸، کتاب العلم، برقم ۳۸۷۔ [2] سنن ابن ماجہ: کتاب الشھادات، باب کراھیۃ الشھادات لمن لم یستشھد، رقم ۲۳۶۳۔ مسند احمد: ۱/ ۲۶۔ مسند ابی داؤد الطیالسی: ۱/ ۲۳، رقم ۳۱۔ تاریخ بغداد: ۳/ ۳۱۹، ترجمۃ ۲۱۲۳۔ تہذیب تاریخ دمشق: ۳/ ۳۸۸، ترجمہ جابر بن سمرۃ۔

عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پورا خطبۂ جابیہ روایت کیا اور اس میں یہ لفظ زیادہ ہے۔ ''لوگو تم پر فرض ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو، اور خبردار پھوٹ سے بہت بچو'' [1] ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بطریق زید بن وہب تابعی کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بدون قصۂ جابیہ کے روایت کیا، عرفجہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ''جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور جو کوئی جماعت سے مخالف ہو شیطان اسی کے ساتھ ہے۔'' [2]
اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ''جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی پھوٹ کے الگ ہوا تو اسی کو شیطان اچک لیتے ہیں، جیسے بھیڑیا گلہ سے الگ بھٹکی ہوئی بکری کو اچک لے جاتا ہے۔'' [3]
فائدہ: رَوَاهُ اَحْمَدُ مَعْنَاهُ فِي التِّرْمَذِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قولہ ''جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے'' یعنی اللہ کی حفاظت و رحمت ہے۔ جیسے بندوں میں یہ محاورہ معروف و مشہور ہے کہ فلاں مفلس کے سر پر ہاتھ رکھو کہ اس کا بیڑا پار ہو جائے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ایک خط سیدھا کھینچا، ''پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ مستقیم ہے۔ پھر اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے پھر فرمایا کہ یہ کج راہیں ہیں ان میں سے کوئی راہ خالی نہیں جس پر شیطان نہ ہو جو اپنی راہ کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:''

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط﴾ [4]

[1] ترمذی: کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، رقم ۲۱۶۵۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۱۹۸، کتاب العلم، رقم ۳۸۷۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۳۴۱، رقم ۲۰۷۱۰۔ مسند احمد: ۱/ ۱۸۔ [2] نسائی: کتاب تحریم الدم، باب قتل من فارق الجماعۃ، رقم ۴۰۲۵۔ نسائی فی الکبریٰ: ۳/ ۴۲۸، کتاب المحاربۃ، باب قتل من فارق الجماعۃ، رقم ۳۴۶۹۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۷/ ۱۳۶، رقم ۳۶۸۔ [3] اس حدیث کی سند ابن ابی المساور کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن شواہد کی کثرت سے متن صحیح ہے۔ شواہد یہ ہیں ابن عمر کمانی الترمذی، رقم ۲۱۶۵ وابن عباس کما الترمذی، رقم ۲۱۶۶ وعرفجہ کمانی النسائی، رقم ۴۰۲۵۔ حدیث اسامہ کی حوالہ: مجمع الزوائد: ۵/ ۲۱۸، کتاب الخلافۃ باب لزوم الجماعۃ وطاعۃ الائمۃ۔ کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۱/ ۸۷، باب الامر بلزوم الجماعۃ، رقم ۸۱۔ والطبرانی فی الکبیر: ۱/ ۱۵۳، رقم ۴۸۹۔
[4] احمد: ۱/ ۴۶۵۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۳۴۸، کتاب التفسیر، رقم ۳۲۴۱۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۳۴۳۔ کتاب التفسیر، رقم ۱۱۱۷۵۔ مجمع الزوائد: ۷/ ۲۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الانعام۔

’’بیشک یہی میری سیدھی راہ ہے۔تم اس کی پیروی کرو اور دیگر راہوں پر نہ چلنا کہ وہ تم کو میری راہ سے جدا کر کے بچلا دیں‘‘

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’شیطان آدمیوں کا بھیڑیا ہے (یعنی جس کو جماعت کی راہ سے جدا پاتا ہے ہلاک کر دیتا ہے) جیسے بکریوں کا بھیڑیا جس بکری کو گلہ سے دور اور بھٹکی پاتا ہے پکڑ لیتا ہے۔پس خبردار تم پھوٹ کر مختلف راستوں پر چلنے سے بچنا اور تم پر واجب ہے کہ جماعت و عامہ مومنین و مسجد کو لازم پکڑو۔‘‘ [1] ابوذر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’کہ ایک سے دو بہتر ہیں اور تین سے چار بہتر ہیں۔پس تم پر واجب ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو کیوں کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو سوائے ہدایت کے جمع کرے۔‘‘ [2] (یعنی ہدایت ہی پر متفق کرے گا۔)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جو فتنہ بنی اسرائیل پر آیا وہی قدم بقدم میری امت پر آنے والا ہے۔حتیٰ کہ اگر ان میں ایسا شخص ہوا ہے جس نے علانیہ اپنی ماں سے بدکاری کی تو اس امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو یہ حرکت کرے۔بنی اسرائیل پھوٹ کر بہتر طریقوں پر ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی یہ سب فی النار (آگ میں) ہیں۔سوائے ایک فرقہ کے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ ناجی (نجات پانے والا) فرقہ کونسا ہوگا؟ فرمایا: جس صفت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔‘‘ [3] اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کر کے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے تفسیر کے ساتھ فقط اسی اسناد سے ملی ہے۔

فائدہ: یعنی بدون تفسیر فقط تہتر فرقوں کی پھوٹ تک متعدد اسانید صحیحہ سے ثابت ہے اور شک نہیں کہ جو فرق اس طریقہ پر ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تھے وہ جنتی ہے۔

ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی کہ

---

[1] احمد: ۵/ ۲۳۳، ۲۴۳۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۰/ ۱۳۶، رقم ۳۴۴، ۳۴۵۔ مجمع الزوائد: ۵/ ۲۱۹، کتاب الخلافۃ، باب لزوم الجماعۃ وطاعۃ الائمۃ۔ کنز العمال: ۱/ ۲۰۶، رقم ۱۰۲۷۔ [2] مجمع الزوائد: ۵/ ۲۱۸، کتاب الخلافۃ، باب لزوم الجماعۃ وطاعۃ الائمۃ۔ مسند احمد: ۵/ ۱۴۵۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱/ ۱۹۴، رقم ۱۲۳۔

[3] ترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، رقم ۲۶۴۱۔ مستدرک حاکم: ۱/ ۲۱۸، کتاب العلم، رقم ۴۴۴۔ والآجری فی کتاب الشریعۃ: ۱/ ۳۰۸، رقم ۲۳، ۲۴۔ کشف الخفاء: ۱/ ۱۶۹، رقم ۴۴۲۔

انہوں نے کھڑے ہو کر فرمایا: ''خبردار ہو جاؤ کہ اہل کتاب جو تم سے پہلے تھے وہ بہتر ملتوں میں متفرق ہوئے اور یہ امت عنقریب تہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے گی۔ ان میں سے بہتر جہنم میں اور ایک فریق جنت میں۔'' [1]

فائدہ: واضح ہو کہ فی النار ہونا دو صورتوں کو شامل ہے ایک یہ کہ آدمی ایمان کے لگاؤ سے بالکل خارج نہ ہو، اگرچہ دین رسالت سے خارج ہو گیا۔ جیسے معتزلہ اور شیعہ وغیرہ ہیں تو نتیجہ یہ کہ اول فی النار ہوں گے۔ پھر ان کے لیے وہاں سے نکالے جانے کی امید ہے اور دوم یہ کہ دین توحید ہی سے خارج ہو گیا جیسے بعضے روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں الوہیت کہتے ہیں اور جیسے اباحیہ فقیر اور بعضے مرجیہ جو نفاق اقراری کو ایمان کہتے ہیں۔ حالانکہ دل میں کچھ نہیں ہے تو یہ کفار ہیں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سنت کے طریقے پر اوسط چال سے عبادت کرنا بدعت کے طریقہ پر بہت کوشش کی عبادت سے بہتر ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ راہ حق و طریقہ رسالت کو لازم پکڑنا تم پر واجب ہے۔ کیوں کہ جس بندہ نے طریق حق تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ الرحمن الرحیم کو یاد کیا اس کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو یہ نہ ہو گا کہ اس کو آگ چھو جائے، اور راہ الٰہی و سنت رسالت پناہی پر اعتدال کی عبادت کرنا بہت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ برخلاف سبیل و سنت کے جد و جہد کرے۔

فائدہ: اگر ایک شخص رات دن نمازیں پڑھے اور وہ طریقہ سنت پر نہ ہو تو اس سے وہ شخص بہتر ہے جو ظاہر و باطن میں طریقہ سنت کے موافق فرائض و سنتیں ادا کرتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کوئی طریقہ سنت پر ہو کہ بدعت سے منع کرتا ہو اور طریقہ رسالت کی وصیت کرتا ہو تو ایسے شخص کو دیکھنا عبادت ہے۔

فائدہ: کیوں کہ یہ ولی ہے۔ اس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی یاد اچھی

[1] ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم ۴۵۹۷۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۲۱۸، کتاب العلم، رقم ۴۴۳۔ سنن الدارمی: ۲/ ۶۹۰، کتاب السیر، باب فی افتراق ھذہ الامۃ، رقم ۲۴۲۳۔

عبادت ہے۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی نے فرمایا کہ تم پر واجب ہے کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کرو جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ابوالعالیہ کا قول حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا تو کہا کہ ہاں واللہ ابوالعالیہ نے سچ کہا اور تم کو اچھی وصیت فرمائی۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ طریقۂ سنت پر اپنے جی کو تھامے رہ اور جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم ٹھہر گئے تو بھی وہاں ٹھہر جا اور جہاں انہوں نے کلام کیا وہاں تو کلام کر اور جس چیز سے وہ رک رہے تو بھی رک رہ اور اپنے دین کے سلف صالحین (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی راہ چل کیوں کہ جہاں ان کی سمائی ہوئی تیری بھی سمائی ہوگی۔

فائدہ: یعنی تو بھی جنت عالیہ میں ان کے ساتھ پہنچ جائے گا۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے رب العزت جل جلالہ کو خواب میں دیکھا مجھ سے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن تو ہی میری راہ میں نیک باتوں کا تقید کرتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ اے رب تیرے ہی فضل سے مجھے نصیب ہوا ہے اور میں نے التجا کی کہ اے رب! تو مجھے اسلام پر موت دیجیو۔ فرمایا: بلکہ اسلام اور سنت پر۔

فائدہ: یعنی اسلام وسنت پر موت کی آرزو کر، کیونکہ میں تجھے اپنے پسندیدہ دین اسلام پر اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ سنت پر وفات دوں گا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کوئی قول ٹھیک نہیں جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ پھر کوئی قول ٹھیک نہیں ہوتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ سنت کے مطابق نہ ہو۔

فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حدیث شریف سے طریقۂ رسالت معلوم ہوتا ہے اور یہ متقی ظاہر وباطن کی موافقت سے ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر ظاہری اعمال میں موافق ہو اور باطنی خوف وعظمت الٰہی و شوق آخرت ودائمی یاد سے غافل ہو تو گویا بے نیت ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ سے بہت کم ہیں۔

یوسف بن اسباط نے کہا کہ مجھ سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے یوسف! اگر تجھے خبر ملے کہ فلاں شخص سرحد مشرق میں سنت کے طریقہ پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج اور اگر تجھے خبر کہ ایک شخص دیگر سرحد مغرب میں طریقۂ سنت پر مستقیم ہے تو اس کو سلام بھیج کہ اہل سنت و

الجماعت بہت کم رہ گئے ہیں۔ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں طریقۂ نبوت پر عمل کرنے والوں میں سے جب کسی کے مرنے کی خبر سنتا ہوں تو اس کا جانا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میرے بدن کا کوئی حصہ جاتا رہا۔ایوب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے کہ عرب اور عجم دونوں کی نیک بختی کے آثار میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اہل السنۃ کا عالم عطا فرمادے۔

فائدہ: یعنی ایسا عالم ان کا پیشوا کرے جو طریقۂ رسالت کا عالم ہو سنت پر مستقیم ہو۔اس زمانہ میں لوگ عالم کی تعظیم واقتدا کرتے تھے۔اب تو ربانی عالم کے دشمن ہو جاتے ہیں اور شیطانی، مکار، جاہل، طالب دنیا کی پیروی کرتے ہیں۔

عبداللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نوجوان جب طاعت الٰہی پر متوجہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ اس کا بھائی چارہ ایسے مرد صالح سے کر دے جو طریق سنت پر مستقیم ہوتا ہے کہ وہ صاحب سنت اس نوجوان کو بھی طریق سنت پر ابھار لے جاوے۔یوسف بن اسباط نے کہا کہ میرا باپ قدری معتزلی تھا اور میرے ننھیال کے لوگ رافضی تھے۔پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے مجھے ان دونوں گمراہ فرقوں سے نکال کر نجات دی۔معتمر بن سلیمان التیمی نے کہا کہ میں اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں شکستہ خاطر تھا۔مجھ سے فرمایا کہ تیرا حال کیا ہے۔میں نے عرض کیا کہ میرا ایک دوست انتقال کر گیا۔مجھ سے پوچھا کہ کیا وہ طریق سنت پر مرا ہے۔میں نے کہا کہ جی ہاں، فرمایا کہ پھر تو کچھ غم نہ کر (یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں گیا۔)

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنے علما شاگردوں سے) فرمایا کہ اہل سنت کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، یہ پردیسی بیچارے بہت کم ہیں۔امام ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح شرک و باطل مذاہب کی بہ نسبت اسلام نادر عزیز ہے اسی طرح اسلام میں بدعتی فرقوں کی بہ نسبت یہ فریق نادر عزیز بلکہ بہت نادر عزیز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی شخص کو جو حدیث وسنت والا ہو دیکھتا ہوں تو ایسا ہے گویا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کو دیکھ لیا۔

شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ راہیں سب خلق پر بند ہیں۔سوائے اس شخص کے جس

نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اور آپ ﷺ کا طریقہ لازم پکڑا تو نیکیوں کی سب راہیں اس پر کھلی ہیں۔ شیخ جنید رحمہ اللہ سے دوسری روایت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرنے کی راہ سب خلق پر مسدود ہے سوائے ان مومنوں کے جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے اور آپ کے طریقہ سنت کے تابع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [1]

''یعنی بے شک تمہارے واسطے نیک طریقہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے۔''

[1] ۳۳/الاحزاب:۲۱۔

باب دوم

ہر قسم کی بدعت و بدعتیوں کی مذمت کے بیان میں

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کسی نے ہمارے امر (دین) میں ایسی چیز نکالی جو اس (دین) میں نہیں تو وہ رد ہے۔“ [1]

فائدہ: یعنی اسی نکالنے والے بدعتی پر الٹی پھینک ماری گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسی بدعت سے بغض رکھتا ہے تو بجائے رضائے الٰہی کے وہ مردود کیا گیا، یہ حدیث دوسری اسناد صحیح سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ [2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کسی نے ایسا کام کیا جس کسی پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے“ [3] (صحیحین)، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جس کسی نے میرے طریق سنت سے بے رغبتی کی تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔“ [4]

عبدالرحمٰن بن عمرو السلمی اور حجر بن حجر الکلاعی نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ یہ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ص﴾ [5]

”ان محتاج مومنوں پر بھی جہاد میں ساتھ نہ جانے میں کچھ حرج نہیں کہ جو تیری خدمت میں اس امید پر آئے تھے کہ تو ان کو سواریاں عطا فرمائے تو نے ان سے کہا

---

[1] بخاری: کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، رقم ۲۶۹۷۔ مسلم: کتاب الأقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، رقم ۴۴۹۲۔ ابوداؤد: کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم ۴۶۰۶۔ ابن ماجہ: المقدمة، باب تعظیم حدیث رسول اللہ، رقم ۱۴۔ احمد: ۶/ ۲۴۰، ۲۷۰۔ [2] ایضاً۔

[3] بخاری: معلقاً کتاب البیوع، باب النجش ومن قال لا یجوز ذلک البیع۔ مسلم: کتاب الأقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، برقم ۴۴۹۳۔ ابوداؤد: کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، رقم ۴۶۰۶۔ سنن الدارقطنی: ۳/ ۴۶۹، کتاب فی الاقضية والاحکام، رقم ۴۴۵۷۔ احمد: ۶/ ۱۴۶، ۱۸۰، ۲۴۰۔ [4] احمد: ۲/ ۱۵۸۔ صحیح ابن خزیمہ، ۱/ ۹۹ کتاب الوضوء، باب التغلیظ فی ترک المسح علی الخفین رغبة عن السنة، رقم ۱۹۷۔ [5] ۹/ التوبہ: ۹۲۔

کہ میرے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ تمہاری سواری کا انتظام کروں تو وہ اس غم سے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے لوٹے کہ ان کے پاس ایسی مالیت نہیں کہ جس کو راہ الٰہی میں خرچ کرتے"

(یعنی یہ صحابی اللہ تعالیٰ کی گواہی سے سچے مومنین میں سے تھے) پس ہم نے عرباض رضی اللہ عنہ کو سلام کر کے کہا کہ ہم لوگ آپ کی خدمت میں اس نیت سے آئے ہیں کہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوں اور آپ سے فیوض علمی حاصل کر کے لیے جاویں۔ عرباض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ایسی نصیحت بلیغ فرمانے لگے جس کو سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور دل خوف الٰہی سے لرزنے لگے (پھر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے) کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نصیحت گویا الوداعی (رخصتی) نصیحت ہے۔ پس آپ ہماری پرداخت کے واسطے ہم پر کیا عہد رکھتے ہیں۔ (یعنی ہم کو وصیت فرما دیجئے) فرمایا "کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھنا اور اپنے امام کا حکم سننا اور فرمانبرداری کرنا اگرچہ تمہارا امام کوئی حبشی غلام ہو۔ کیوں کہ میرے بعد جو کوئی تم میں سے جیتا رہے گا وہ بکثرت اختلاف اور پھوٹ دیکھے گا پس تم پر واجب ہے کہ میرا طریقہ اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدیین کا طریقہ لازم پکڑنا اس کو ہاتھوں سے مضبوط پکڑنا بلکہ اس کو دانتوں سے سخت پکڑے رہنا اور خبردار! خبردار! تم نئی نکالی ہوئی باتوں سے بہت بچنا۔ کیوں کہ ہر نئی نکالی ہوئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔" [1]) امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

فائدہ: خلفائے راشدین بالاتفاق حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں، کیوں کہ حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے۔ پھر سلطنت کی خلافت ہوگی۔ اس مدت میں چھ مہینے باقی رہے تھے کہ حضرت سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے خلافت کر کے خلافت نبوت پوری کی۔ ٹھیک

[1] ابوداؤد: کتاب السنۃ: باب لزوم السنۃ، رقم ۴۶۰۷۔ ترمذی: کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع، رقم ۲۶۷۶۔ ابن ماجہ: المقدمۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، رقم ۴۲۔ مستدرک حاکم: ۱/۱۷۵ کتاب العلم، رقم ۳۲۹۔ احمد فی مسندہ: ۴/۱۲۶، ۱۲۷۔

۴۰ھ کے بعد شروع سال میں خلافت چھوڑ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے۔ پس ان خلفائے راشدین کی سنت بھی طریقہ نبوت میں شامل ہے کیوں کہ یہ نبوت کی خلافت تھی۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سب جہان کو پہنچانے کیلیے اور اسلام کا طریقہ اطاعت و بغاوت پورا کرنے کیلیے یہ کبار اصحاب رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ خلیفہ تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب لوگ خلیفۂ رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ جان رکھو کہ اہل معرفت کے نزدیک مومن کا ہر کام دین ہے۔ لیکن عوام کو سمجھانے کیلیے علمانے کہا کہ دین میں جو کوئی نئی بات نکالے وہ بدعت نکالنے والا بدعتی ہے۔ اس پر قیامت تک اس بدعت پر عمل کرنے والوں کا عذاب بھی لکھا جائے گا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ میں حوض کوثر پر تمہارا امیر منزل ہوں گا اور ضرور کچھ قومیں آئیں گی، وہ مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی روک لی جائیں گی تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا نیا طریقہ نکالا تھا۔'' [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے اکثر طرق میں یہ مضمون ہے وہ لوگ دور ہی سے گرفتار کر لیے جائیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ اے رب یہ لوگ تو کچھ دیر میری صحبت میں رہے تھے۔ ارشاد ہو گا کہ تجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تیرے بعد انہوں نے کیا برا طریقہ اختیار کیا۔ یہ لوگ برابر الٹے پاؤں مرتد ہوتے گئے۔ علمائے امت سب متفق ہیں کہ یہ وہی قومیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اصحاب و مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ جمیع اصحاب نے ان قوموں کی کثرت دیکھ کر یہ رائے دی کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ ہم لوگ کیونکر ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کہا کہ اگر کوئی میرا ساتھ نہ دے تو بھی میں تنہا لڑوں گا، یہاں تک کہ یہ لوگ اسلام میں واپس آجائیں یا میں مارا جاؤں تا کہ جناب باری تعالیٰ میں عذر ہو کہ میں نے تیری راہ میں جہاد سے دریغ نہیں کیا۔ آخر صحابہ آپ کے حکم ماننے پر مجبور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لشکروں کو ایسی فتح و نصرت دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں سب مسلمان ہوئے اور بہت سے مرتد مارے گئے اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی خلافت کو

[1] بخاری: کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم ۶۵۷۶۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا، رقم ۵۹۷۸۔ مسند احمد: ۱/ ۴۰۶، ۴۰۲۔ تاریخ بغداد: ۴/ ۲۳۵، ترجمۃ ۱۹۵۴۔ کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۱/ ۴۹۹، رقم ۷۵۳۔

اسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم جانا اور بہت شکر گزار ہوئے۔

عبداللہ بن محیریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دین ایک ایک سنت کر کے جاتا رہے گا۔ جیسے رسی ایک ایک بل ٹوٹ کر جاتی رہتی ہے۔ (جو بدعت نکلی اس کی شامت سے ایک سنت اٹھالی جاتی ہے)

معمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طاؤس (تابعی) بیٹھے تھے، اور ان کے پاس ان کا بیٹا بیٹھا تھا۔ اتنے میں ایک شخص فرقۂ معتزلہ میں سے آیا اور ایک شرعی بات میں بداعتقادی کی گفتگو کرنے لگا۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور بیٹے سے کہا کہ اے فرزند تو بھی اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں دے لے تاکہ تو اس کی گفتگو کچھ نہ سنے۔ اس لیے کہ یہ دل ضعیف ہے پھر کہا کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کر لے۔ پھر برابر یہی کہتے رہے کہ اے فرزند خوب زور سے کان بند کیے رکھنا۔ یہاں تک کہ وہ معتزلی گمراہ اٹھ کر چلا گیا۔ عیسیٰ بن محل الضبی نے کہا کہ ایک شخص ہمارے ساتھ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ پھر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ وہ شخص مرجیہ کے گروہ میں شامل ہوا ہے۔ تو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ اب تو ہمارے پاس سے جاتا ہے تو پھر ہمارے یہاں نہ آنا۔

فائدہ: مرجیہ گمراہ بدعتی فرقہ تھا جس نے اپنی رائے سے دین نکالا تھا کہ قرآن شریف میں جہنم کے عذاب کی آیتیں فقط دھمکانے کے لیے ہیں اور جس نے خالی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو وہ جنتی ہے، چاہے دل میں اعتقاد نہ ہو اور چاہے نماز وغیرہ نہ پڑھے اور اس کے گناہ کچھ نہیں لکھے جائیں گے بلکہ نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی قسم کے باطل اعتقادات نکالے ہیں۔

محمد بن داؤد الحداد کہتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا کہ یہ شخص جس کا نام ابراہیم ابن ابی یحییٰ ہے تقدیر کے معاملہ میں کلام کرتا ہے تو ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ لوگوں کو اس کے حال سے ہوشیار کر دو اور اپنے رب عزوجل سے عافیت مانگو۔

فائدہ: تاکہ اس شخص کے دھوکے و فتنہ سے محفوظ رہو۔ واضح ہو کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن یحییٰ کی تعریف کی ہے۔ شاید اس نے قدریہ مذہب جو خوارج و معتزلہ کا اعتقاد ہے کہ بندہ افعال پیدا کرتا ہے اور جیسا کرے ویسا ہو جاتا ہے یہ قبیح عقیدہ نہیں نکالا تھا۔ بلکہ تقدیر کے معاملہ میں مباحثہ کیا تھا۔ لیکن بالاتفاق محققین محدثین کے نزدیک اس کی روایت ضعیف ہے۔

صالح نے کہا کہ میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور تقدیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ گفتگو کرنے کے لیے کھولا تو ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ تو اٹھ جا یا میں ہی اٹھ جاؤں۔ ابن ابی مطیع سے روایت ہے کہ ایک بدعتی نے کہا کہ آپ سے ایک کلمہ کہوں۔ فرمایا کہ نہیں بلکہ آدھا بھی مت کہو۔ ایوب سختیانی (تابعی) نے فرمایا کہ بدعتی جس قدر جدوجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔

فائدہ: یہ نہایت عمدہ نکتۂ معرفت ہے۔ اس لیے کہ جب تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے ہے جس کا ایک قطرہ بھی تمام مخلوقات آسمان و زمین کو نہیں ملا ہے تو جس قدر زیادہ غور کرے گا اسی قدر زیادہ شیطان کی گمراہی میں پڑے گا۔ اسی طرح جو مشرک مانند بت پرست یا نصرانی وغیرہ کے جس قدر زیادہ کلمہ شرک کا ورد کرے گا اسی قدر گناہ کی زیادہ کثرت اور اللہ تعالیٰ سے دوری ہوگی۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابلیس کو گناہ کی نسبت بدعت زیادہ پسند ہے اس لیے کہ گناہ سے توبہ کی جاتی ہے۔ (یعنی گنہگار خود اس کو گناہ جانتا ہے تو اس سے توبہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے) اور بدعت ایسی گمراہی ہے کہ اس سے توبہ نہیں کی جاتی (کیوں کہ بدعتی مانند معتزلی و نیچری و رافضی کے اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے) مؤمل بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ عبدالعزیز بن ابی رواد نے انتقال کیا۔ میں ان کے جنازہ میں شریک تھا۔ ان کا جنازہ باب الصفا پر لا کر رکھا گیا۔ وہاں لوگوں نے نماز کے لیے صفیں جمائیں۔ اتنے میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نمودار ہوئے لوگوں نے کہا وہ سفیان ثوری آئے ہیں میں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا لیکن وہ آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے جنازہ سے آگے بڑھے چلے گئے۔ یعنی نماز نہیں پڑھی اور لوگ دیکھتے رہ گئے۔ اس لیے کہ یہ شخص مرجیہ سمجھا جاتا تھا۔

فائدہ: عبدالعزیز بن ابی رؤاد سے مرجیہ کا عقیدہ ثابت نہیں ہوا۔ شاید ان میں مرجیہ کے دوسرے معنی یہ ہوں کہ اعمال کو ایمان کا رکن نہیں کہتے تھے، واللہ اعلم اور مصنف کا مطلب یہ ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو دکھلا کر نماز نہ پڑھی تا کہ لوگ بدعت کی تہمت سے بھی دور رہیں۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے علم سنا تو اس سے اللہ تعالیٰ

اس کو نفع نہ دے گا اور جس نے بدعتی سے مصافحہ کیا تو اس نے اسلام کی دستکی توڑی۔ (صدمہ پہنچایا) سعید الکریزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ سلیمان التیمی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے تو حالت مرض میں بہت کثرت سے رونا شروع کیا۔ آخر آپ سے عرض کیا گیا کہ یا حضرت آپ کیوں روتے ہیں۔ کیا موت سے اس قدر گھبراہٹ ہے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ ایک روز میرا گزر ایک بدعتی کی طرف ہوا تھا، جو تقدیر سے منکر اور مخلوق کو قادر کہتا تھا۔ میں نے اس بدعتی کو سلام کر لیا تھا تو اب مجھے سخت خوف ہے کہ میرا پروردگار کہیں مجھ سے اس کا حساب نہ کرے۔ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی نے کسی بدعتی سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال مٹا دیتا ہے اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ (اس مقام سے خیال کرو کہ خود بدعتی کا کیا حال ہوگا) فضیل رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب تو بدعتی کو راستہ میں دیکھے تو اپنے واسطے دوسرا راستہ اختیار کر لے اور بدعتی کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ اور جس کسی نے فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جس نے اپنی دختر کسی فاسق (بدعتی) سے بیاہی تو اس نے قرابت پدری کا ناتا اس سے قطع کر دیا؟ اس پر فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیا کہ جس شخص نے اپنے لڑکی کو بدعتی سے بیاہ دیا تو اس نے قرابت پدری کا ناتا اس سے قطع کر دیا اور جو کوئی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اس کو حکمت (دینی معرفت) نہیں دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس بندہ کو جانتا ہے کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو میں امید وار ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں سے تھوڑا کلام حدیث میں روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ جس کسی نے بدعتی کی توقیر کی تو اس نے اسلام کی بنیاد ڈھانے میں مدد دی۔'' [1] محمد بن النصر الجاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص نے بدعتی کی بات سننے کو کان لگائے تو اس سے حفاظت الٰہی نکال لی جاتی ہے اور وہ اپنے نفس کے بھروسے پر چھوڑا جاتا ہے۔ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

[1] یہ حدیث حسن بن یحییٰ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے دیکھئے۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۲/ ۷۳۶، موضوعات ابن الجوزی: ۱/ ۲۷۱، باب اهانة اهل البدع۔ اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة: ۱/ ۲۵۳ کتاب السنة۔ تنزیه الشریعة: ۱/ ۳۱۴، رقم ۱۴ کتاب السنة۔ حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۴۸، رقم ۷۰۰۱۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۶/ ۳۰۸، رقم ۹۰۸۲۔

اگر میں بدعتی کو دیکھوں کہ ہوا پر اڑتا پھرتا ہے تو بھی اس کو قبول نہ کروں۔ بشر الحافی فرماتے تھے کہ میں نے مریسی (بدعتی پیشوا) کے مرنے کی خبر بیچ بازار میں سنی۔ اگر وہ مقام شہرت نہ ہوتا تو یہ موقع تھا کہ میں شکر کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا کہ (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَمَاتَهٗ) یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس مفسد بدعتی کو موت دی اور تم لوگ بھی ایسا ہی کہا کرو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ محمد بن سہل البخاری نے کہا کہ ہم لوگ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے انہوں نے بدعتیوں کی مذمت شروع کی، تو ایک نے عرض کیا کہ اگر آپ یہ ذکر چھوڑ کر ہم کو حدیث سناتے تو ہم کو زیادہ پسند تھا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ بدعتیوں کی تردید میں میرا کلام کرنا مجھے ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔

فصل

مصنف نے کہا کہ اگر یہاں کوئی ہم سے پوچھے کہ آپ نے طریق سنت کی تعریف فرمائی اور بدعت کی مذمت بیان کی تو ہم کو بتلائیے کہ سنت کیا ہے اور بدعت کیا ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر بدعتی اپنے آپ کو اہل سنت میں سے جانتا ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ سنت کے معنی راہ کے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اہل حدیث و آثار ہیں کہ بذریعہ ثقات اولیا کی روایات کے رسول اللہ ﷺ آپ کے اصحاب وخلفائے راشدین کے نشان قدم کی پیروی کرتے ہیں، یہی لوگ اہل السنۃ ہیں۔ کیوں کہ یہی اس راہ طریقہ پر ہیں جس میں کوئی نئی نکالی ہوئی بات شامل نہیں ہونے پائی۔ اس لیے کہ بدعتیں اور نئے طریقے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے بعد نکلے ہیں اور بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جو نیا نکل آیا اور پہلے نہیں تھا اور اکثر بدعات کا یہ حال ہے کہ وہ شریعت کی مخالفت سے شریعت کو درہم برہم کرتی ہیں یا جب بدعت پر عملدرآمد ہو تو شریعت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ایسی بدعت نکالی جائے جو شریعت سے مخالف نہیں ہے اور نہ اس پر عمل درآمد سے نقص یا زیادتی لازم آتی ہے تو ایسی بدعت سے بھی عموماً بزرگان سلف کراہت کرتے اور عموماً ہر قسم کے بدعتی سے نفرت کیا کرتے تھے اگرچہ وہ جائز ہوتا، کہ اصل جو کہ اتباع سلف ہے محفوظ رہے۔

تم دیکھو کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قرآن شریف جمع کرو، زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ دونوں صاحب کیوں کر ایسا کام کرنے پر آمادہ ہوئے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ہے۔

عبداللہ بن ابی سلمہ نے کہا کہ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ (ابن ابی وقاص) نے ایک حاجی سے سنا کہ وہ تلبیہ میں یہ لفظ کہتا ہے (لَبَّیْکَ ذَالْمَعَارِجِ) ''تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے''

(یعنی اس کو منع نہ کیا لیکن بتلا دیا کہ یہ بدعت ہے) ابو البختری رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ یہاں مسجد میں مغرب کے بعد کچھ لوگ (حلقہ کر کے) بیٹھتے ہیں۔ ان میں ایک شخص کہتا جاتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہو، اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو اور اتنی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد کیا کرو (یہ لوگ اس کے کہنے کے موافق کرتے جاتے ہیں)۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ جب تو ان کو ایسا کرتے دیکھے تو میرے پاس آ کر مجھے خبر دینا کہ اب وہ لوگ بیٹھے ہیں (اس نے وقت پر خبر دی) تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ان کی مجلس میں جا کر نزدیک بیٹھ گئے۔ جب ان کا ذکر کرنا بطور مذکورہ بالا سن لیا تو کھڑے ہو گئے، اور ابن مسعود سخت آدمی تھے۔ پھر فرمایا کہ میں ہوں عبداللہ بن مسعود قسم ہے اس پاک معبود کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے کہ تم لوگوں نے بے جا ظلم سے ایک بدعت نکالی ہے، اور تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (اپنے نزدیک) علم میں بڑھ چلے ہو پھر عمرو بن عتبہ نے کہا (اَسْتَغْفِرُ اللہَ) تم پر واجب ہے کہ طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب کو پہچان کر اسی کو لازم پکڑو اور اگر ادھر ادھر پڑے پھرے تو بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ: مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث کو امام دارمی نے اس سے زیادہ طویل روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے کلمات کہے کہ ہنوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پینے کے برتن سلامت موجود ہیں کہ تم نے یہ بدعت نکالی اور فرمایا کہ اگر تم میں سے ہر ایک اتنی دیر تک اپنے لیے استغفار کرتا تو اس سے بہت بہتر ہوتا۔ راوی نے بیان کیا کہ واللہ ہم نے اس کے بعد دیکھا اس جماعت والوں میں سے اکثر خارجیوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ [1]

---

[1] دارمی: ۱/ ۷۷، المقدمۃ، باب کراھیۃ اخذ الرأی، رقم ۲۰۸۔

ابن عوف سے روایت ہے کہ ہم لوگ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے آکر کہا کہ اے ابو عمران آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا کرے۔ تو میں نے دیکھا کہ ابراہیم نخعی کو اس کلمہ سے سخت کراہت پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ ہم نے ان کے چہرے سے اس کے آثار دیکھے اور ابراہیم نخعی نے طریقہ سنت کا ذکر فرما کر اسی کی رغبت دلائی اور لوگوں نے جو بدعت نکالی ہے اس کو ذکر کر کے کراہت ظاہر کی، اور اس کی مذمت فرمائی۔ ذوالنون مصری کے پاس محدثین علما میں سے لوگ آئے، اور ذوالنون سے نفسانی خطرے اور شیطانی وساوس کو دریافت کیا (یعنی اس کی کیا حقیقت ہے) تو شیخ ذوالنون نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کچھ گفتگو نہیں کرتا ہوں کیوں کہ ایسی گفتگو نئی نکالی ہوئی (بدعت) ہے۔ تم مجھ سے کچھ نماز سے یا حدیث سے متعلق پوچھو۔ ذوالنون نے اپنے بیٹے کو سرخ موزہ پہنے دیکھ کر فرمایا کہ اے فرزند یہ شہرت کی چیز ہے۔ ''اس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں پہنا بلکہ آپ نے سادہ سیاہ موزے پہنے ہیں۔'' [1]

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم نے یہ بات بیان کردی کہ پیشوایان سلف وخلف ہر بدعت سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ وہ ایسی بدعت نکالی گئی ہو کہ اس میں بظاہر کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ شریعت میں ایسی بات ہی پیدا نہ ہونے پائے جس کا وجود پہلے نہ تھا۔ تاہم ایسی چند باتیں جاری ہوگئیں جن سے شریعت کو صدمہ نہیں پہنچا اور ان پر عمل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ رمضان کی راتوں میں کچھ لوگ تنہا ایک ایک اپنی اپنی نماز پڑھا کرتے تھے اور کہیں ایک نمازی کے پیچھے کچھ لوگ اقتدا کر کے اس کی امامت سے نماز پڑھتے تھے۔ پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کردیا۔ پھر ایک رات نکلے تو ان (مقتدیوں) کو دیکھ کر فرمایا ''کہ یہ اچھی بدعت ہے'' [2] کہ اس

[1] ترمذی: کتاب الادب، باب ماجاء فی نعت رسول اللہ رقم ۲۸۲۰، مختصر الشمائل المحمدیہ للترمذی بتحقیق الالبانی ص ۵۲، برقم ۵۸۔ ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، رقم ۱۵۵۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب الخفاف السود، رقم ۳۶۲۰۔

[2] بخاری: کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم ۲۰۱۰۔ مؤطا امام مالک: کتاب الصلاۃ فی رمضان، باب ماجاء فی قیام رمضان، رقم ۳۔

مجلس میں بہت سے دینی دوست مل جاتے ہیں اور اکثر دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جماعت میں اس لیے جمع کر دیا کہ شروع میں جماعت سے نماز ثابت ہے اور حسن بصری نے وعظ کو اس لیے بدعت حسنہ فرمایا کہ وعظ خود مشروع ہے اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جو نئی بات کسی شرعی اصل پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں ہوتی ہے اور اگر کوئی بدعت ایسے طریقے سے نکالی جائے کہ گویا وہ کسی امر خیر کو پورا کرنے والی سمجھی جائے تو شریعت کے ناقص ہونے کا اعتقاد ہوا۔ (یہ بدتر اعتقاد ہے) پھر اگر وہ کسی شرعی اصل سے مخالف ہو تو نہایت بدتر ہو گئی۔

فائدہ: اصل اس میں حدیث صحیح ہے کہ ایسی بات نکالے جو ہمارے اس دین میں نہ ہو تو بدعت مردود ہے اور خود اسی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد میں کچھ لوگ تو ایک شخص کی امامت سے تراویح پڑھتے تھے اور کچھ لوگ تنہا فرداً فرداً پڑھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقط یہ کیا کہ جو فرداً فرداً تھے ان کو بھی ایک ہی امام کے پیچھے جمع کر دیا۔ لیکن تنہا پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ عشرہ اخیر میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ نیز اس زمانہ میں صحابہ کے واسطے جماعت سے ادا کرنے کے لیے شرعی اصل موجود تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز ان کو جماعت سے پڑھائی تھی بلکہ جب حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم خلافت نبوت پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقہ کو بھی سنت قرار دیا تو ہمارے لیے یہی کافی ہے ہم کو اس میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی بلکہ جو بات ان کے طریقہ کے علاوہ ہو وہ بحث میں آئے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت فقط اس وجہ سے فرمایا کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عموماً شب رمضان میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ اہل سنت وہی لوگ ہیں جو آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع کرتے ہیں۔ (جو طبقہ صحابہ و تابعین و مابعد میں متواتر ظاہر چلے آئے ہیں) اور اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو جماعت کا متواتر طریقہ چھوڑ کر ایسی چیز ظاہر کرتے ہیں جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور نہ وہ کسی اصل شرع پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے بدعتی لوگوں کو دیکھو گے کہ اپنی بدعت کو چھپاتے رہتے ہیں۔ برخلاف ان کے

اہل السنۃ اپنے مذہب کو نہیں چھپاتے اور ان کا کلمہ ظاہر اور ان کا مذہب متواتر مشہور چلا آتا ہے اور عاقبت ان ہی کے لیے ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہمیشہ میری امت میں سے ایک قوم لوگوں پر ظاہر (غالب) رہے گی، یہاں تک کہ جب امر الٰہی آئے گا جب بھی یہ قوم ظاہر ہوگی۔'' [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہمیشہ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ظاہر ہوگا۔ ان کو کچھ مضر نہ ہوگا اگر کوئی ان کی مدد نہ کرے۔ (وہ برابر بنصرت الٰہی غالب رہیں گے) یہاں تک کہ امر الٰہی آجائے۔'' [2] (رواہ مسلم فقط) واضح ہو کہ اس معنی کو آنحضرت ﷺ سے حضرت جابر بن عبداللہ و معاویہ وقرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں جس قوم کا ذکر ہے یہ اہل حدیث (احادیث پر عمل کرنے والے) ہیں۔

فائدہ: علی بن المدینی کے زمانے میں مامون بن الرشید کی وجہ سے معتزلہ فرقہ نے بہت زور باندھا اور صدہا عالم اس فتنہ میں مقتول ہوا۔ لیکن آخر کو اہل حدیث ہی غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بعد اس امتحان کے انہیں کو احترام و عزت عطا کی اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ نے طریقہ نبوت پر آخرت کو چاہنے والے امتی پانچ سو برس تک اپنی امت میں سے فرمائے جیسا کہ صحیح الاسناد حدیث سنن ابی داؤد میں مصرح ہے اور یہی واقع ہوا۔ پھر آپ کے معجزہ بیانی کے مطابق دشمنوں کے دلوں سے اس امت کی ہیبت جاتی رہی اور تداعی الامم کا واقعہ پیش آیا۔ اہل روم ارض وابق میں اترے اور خراسان کی طرف ترکوں کے ہاتھوں بلابل پیش آئے ہو لیکن اہل السنۃ جو اس وقت شام و مصر میں اور کچھ ہندوستان میں منحصر تھے اس وقت بھی غالب رہے۔ چنانچہ کتب

---

[1] بخاری: کتاب الاعتصام، باب قول النبیؐ، لاتزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق، رقم ۷۳۱۱۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب قولہ، لاتزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق، رقم ۴۹۵۱۔ مسند احمد: ۴/۲۴۴، ۲۵۲۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۰/۳۳۳، رقم ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲۔

[2] صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، باب قولہ لاتزال طائفۃ من امتی، رقم ۴۹۵۰۔ ابوداؤد: کتاب الفتن، باب ذکر الفتن ودلائلھا، رقم ۴۲۵۲۔ ابن ماجۃ: المقدمۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ، رقم ۱۰۔ احمد: ۵/۲۷۹۔

تواریخ میں صاف ان معجزات کے مطابق ظہور ہوا ہے۔

فصل

اہل بدعت کے اقسام کا بیان۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہودی تو اکہتر فرقوں میں متفرق ہوئے تھے یا بہتر فرقوں میں، اور اسی قدر فرقوں میں نصاریٰ متفرق ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی۔'' [1] امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مصنف نے کہا کہ ہم نے اس حدیث کو سابق میں ذکر کیا ہے۔اس روایت میں اس قدر زائد ہے کہ یہ سب فرقے فی النار ہیں سوائے ایک فریق کے۔تو اصحاب رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نجات پانے والے فریق کی کیا نشانی ہوگی؟ فرمایا کہ وہ فریق اسی بات پر ہوگا جس پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بنی اسرائیل باہمی اختلاف سے پھوٹ کر اکہتر فرقے ہو گئے جن میں سے ستر فرقے ہلاکت (جہنم) میں پڑے اور ایک عذاب سے چھوٹا اور تھوڑے دنوں بعد میری امت کے بہتر فرقے ہو جائیں گے۔جن میں سے اکہتر ہلاکت میں پڑیں گے اور فقط ایک فرقہ نجات پائے گا۔اصحاب رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فریق کیا ہو گا؟ فرمایا کہ وہ جماعت ہوگا۔'' [2]

فائدہ: یعنی اسی طریقۂ نبوت پر جمع رہیں گے۔جس پر اصحاب رضی اللہ عنہم مجتمع ہیں اور واضح ہو کہ محققین علما نے بیان کیا کہ ایمانِ توحید آدمی کی نجات کا اصل اصول ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت غمناک اور متحیر ہو گئے حتیٰ کہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا اور ہم یہ پوچھنے نہ پائے کہ اس امر کی نجات کیونکر ہے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پوچھ چکا ہوں۔عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا

---

[1] ابوداود: کتاب السنۃ، باب شرح السنۃ، رقم ۴۵۹۶۔ترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، رقم ۲۶۴۰۔ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب افتراق الامم، رقم ۳۹۹۱۔مستدرک الحاکم: ۱/ ۴۷، کتاب الایمان، رقم ۱۰۔

[2] مسند احمد: ۳/ ۱۴۶۔مجمع الزوائد: ۶/ ۲۲۶، کتاب قتال اھل البغی، باب ماجاء فی الخوارج۔

ہوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کمال سے سرفراز کیا ہے، آپ ہم کو آگاہ کیجئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجات کا مدار اس کلمہ پر ہے جو میں نے اپنے چچا ابوطالب پر پیش کیا تھا اور ابوطالب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل نجات اعتقاد توحید ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، اور جب یہ اعتقاد دل میں سچا ہوگا یعنی نفس کا دھوکا نہ ہوگا تو پہچان یہ کہ آدمی اپنے جی کی بندگی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے گا اور نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ پر عامل ہوگا۔ بعض محققین نے کہا کہ یہ اعمال بمقابلۂ ایمان توحید کے ایسے ہیں جیسے ذرہ برابر دنیا میں سے ایک آدمی کا گھر بمقابلۂ عرش اعظم کے حقیر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو کوئی اس اعتقاد توحید پر ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمایا تھا اور اپنے آپ کو دین حق کے لیے وقف کرے، اسلام سچا لائے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے واسطے گردن جھکا دے، جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اس پر یقین لائے اور جس طریق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے اسی طریق سنت کو راہ حق جانے، تو یہ نجات کی راہ ہے اور اگر اس اعتقاد میں خارجی یا رافضی یا معتزلی کی طرح مخالفت کی تو نجات کی راہ سے بھٹک گیا اور شرک کی بدبو اس میں آنے لگی، تو جہنم میں آگ سے ظاہر و باطن جلے گا۔ بشرطیکہ اس ضلالت میں یہاں تک نہ پہنچا ہو کہ دین حق سے خارج ہی ہو گیا ہو تو پھر کافروں و مشرکوں کے ساتھ ہمیشہ جہنم کی بستی میں رہے گا اور دیکھو اگر کلمہ توحید و طریق سنت پر سچا اعتقاد ہو لیکن وہ بدکاری کی شامت میں پھنسا اور ظاہر میں اتنے حصہ میں نفس کی پیروی کی اور یہاں تک ہوا کہ آخرت میں حرارت آفتاب سے سرکا۔ بھیجا ابلنے اور ہولناک تکلیفوں سے بھی کفارہ نہ ہوا بلکہ جہنم میں ڈالا گیا تو اس کا عذاب گمراہ فرقہ کی طرح نہ ہوگا جیسے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل توحید میں سے جو جہنم میں گیا تو اوپر کے طبقہ میں رہے گا اور وہاں پہنچتے ہی مردے کی مثل ہو جائے گا اور اس کے دل کو آگ نہ جلائے گی۔ یہ پوری روایت جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔ اس بیان سے حدیث شریف کے معنی حل ہو گئے کہ گمراہ فرقے فی النار ہوں گے اور جس فرقہ سنت و جماعت کو نجات ہے وہی نجات کے واسطے ہے۔ وَلِلّٰهِ تَعَالٰى الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

مصنف نے کہا کہ اگر پوچھا جائے کہ بھلا اس امت کے یہ گمراہ فرقے جن کی خبر حدیث میں دی گئی ہے تمہاری پہچان میں بھی آگئے ہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ اتنی بات تو ہم نے قطعی پہچان لی کہ پھوٹ پڑگئی (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم جس اتفاق و جماعت پر تھے اس جماعت سے پہلے پہل خارجیوں کے ٹکڑے ٹکڑے پھوٹ کے علیحدہ ہوگئے۔ پھر معتزلہ وراوفض وغیرہ کی ٹکڑیوں نے جماعت کو چھوڑ کر اپنی ٹکڑی علیحدہ کر لی تو یہ معجزہ تو ہم نے صاف دیکھ لیا کہ جماعت سے پھوٹ ہوئی) اور ہم کو ان پھوٹے ہوئے فرقوں کی اصلیں بھی پہچان پڑتی ہیں بلکہ یہ بھی پہچان لیا گیا کہ خود ہر فرقہ جو جماعت اعظم سے پھوٹ کر جدا ہوا تھا خود اس کے ٹکڑے در ٹکڑے ہوگئے۔ اگر چہ ہم کو ان سب فرقوں کے نام گمراہی کے مذہب الگ الگ تفصیل کے ساتھ معلوم نہ ہوں اور دیکھو کہ بدعتی فرقوں کی اصلوں میں سے مفصلہ ذیل فرقے ہم کو ظاہر میں معلوم ہو گئے ہیں۔ (۱) حروریہ (۲) قدریہ (۳) جہمیہ (۴) مرجیہ (۵) رافضیہ (۶) جبریہ (یہ چھ ظاہر ہیں) اور بعضے اہل علم نے کہا کہ بدعت وضلالت کہ جڑ یہی چھ فرقے ہیں اور ہر فرقے کی بارہ شاخیں ہیں۔ تو کل بہتر شاخیں ہوئیں جو جماعت سے پھوٹ کر فرقہ فرقہ ہوگئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عجب قدرت وتمام رحمت اس دین اسلام پر یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کی باوجودیکہ اس کثرت سے شاخیں ہوگئیں اور فریق جماعت فقط ایک فریق ہے لیکن ہر زمانہ اور صدی میں ابتدا سے اس وقت تک فریق جماعت بکثرت زائد رہتا چلا آیا۔ حتیٰ کہ جب فریق جماعت دس کروڑ مانا جاتا تھا تو اس وقت میں یہ بہتر گمراہ فرقے ایک کروڑ بھی ہرگز نہ ہوئے بلکہ آدھا کروڑ بھی نہ تھے۔ بلکہ شائد دس لاکھ ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا دین حق ہمیشہ بندگان حق اہل توحید سے متواتر چلا جائے۔ کیوں کہ جب تک فریق اس قدر زائد نہ ہوتب تک قطعی متواتر نہیں رہ سکتا تھا بلکہ دو تین صدی کے بعد ان کے بہت سے فرقے تو کالعدم ہوگئے۔

مصنف نے فرمایا کہ فرقہ حروریہ کی بارہ شاخیں ہیں (ہر ایک خارجی فرقہ کا عجب مختلف گمراہ اعتقاد ہے) چنانچہ:۔

☆ شاخ اول: ازرقیہ ہے۔ (اس کا بانی ابوراشد نافع بن ازرق خارجی تھا) یہ فرقہ زعم رکھتا تھا

کہ اس کو تو کوئی آدمی مومن نہیں دکھائی دیتا سوائے اس شخص کے جو اس فرقہ کے قول پر ہو۔
انہوں نے اہل قبلہ کو کافر قرار دیا۔(اس زمانہ میں ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم و بکثرت اکابر تابعین کی موجودگی کے باوجود اس ظالم گمراہ فرقہ کا قول دیکھو)

☆ شاخ دوم: **اباضیہ** ہے(اس کا بانی عبداللہ ابن اباض) جس کا قول یہ تھا کہ جو کوئی ہمارے کہنے پر ہو تو مومن ہے اور جو ہم سے منہ پھیرے وہ منافق ہے(نہ مومن ہے نہ کافر ہے)

☆ شاخ سوم: **ثعلبیہ** ہے(اس کا بانی ثعلبہ بن مشکان تھا) جس گمراہ فرقہ کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا نے نہ کچھ جاری کیا اور نہ کچھ تقدیر میں مقدر کیا۔

فائدہ: خارجی فرقہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کو جن میں مہاجرین وانصار واہل بدر وبیعۃ الرضوان وغیرہ بکثرت شامل تھے سب کو کافر کہتا تھا۔تو اس فرقہ سے کہا گیا کہ ابھی آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات پائے چالیس برس نہیں گزرے اور حضرت ابو بکر وعمر کی طرح سے عثمان وحضرت علی اور یہ اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے اکابر مقرب صحابہ میں سے ہیں یہ سب زمانہ متواتر جانتا ہے۔کیا تم انکار کر سکتے ہو؟ خارجیوں نے کہا کہ بے شک یہ تو سب ہی جانتے ہیں اور جو بات آفتاب کی طرح روشن ہے ہم اس سے کیونکر انکار کریں گے۔تو کہا گیا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مومنین صادقین اور ﴿مُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ اور ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ فرمایا ہے تو یہ اصحاب کبار سب سے پہلے اس صفت میں داخل ہو گئے۔خارجی فرقہ نے کہا کہ ہاں اس وقت بے شک داخل ہو گئے پھر اس کے بعد ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما تو بے شک اسی طریقہ پر رہے لیکن عثمان وعلی رضی اللہ عنہما نے ہماری رائے میں وہ طریقہ بدلا تو اس صفت سے خارج ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے مطابق ان لوگوں کو جنتی کہا تھا۔پھر جب وہ حال نہ رہا تو سب باتیں جاتی رہیں۔تب خارجی فرقہ کو جواب دیا گیا کہ یہ تم نے بڑی غلطی کھائی۔کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جنتی ہونا مقدر کیا تو قضائے مقدر پوری ہو گئی۔ اب اس میں تغیر کیونکر ممکن ہے۔خارجی کہا کہ ہم نے اپنے نزدیک ضرور جانتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہو گئے اور ہم یہ نہیں مانیں گے کہ خدا نے کچھ مقدر کیا ہے۔بلکہ تقدیر کچھ چیز نہیں ہے۔ لیکن جو کوئی جیسا کرے ویسا ہوتا جائے گا اور تقدیر ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔مترجم کہتا ہے کہ

دیکھو اس بد بخت فرقہ نے متواتر اعتقاد کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا منظور کر لیا اور وہ عداوت جو اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم سے اس کے جی میں بیٹھ گئی تھی وہ نہ چھوڑی۔ یہی حال روافض (شیعہ) وغیرہ کا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الضَّلَالِ.

☆ شاخ چہارم: **حازمیہ** (اس کا بانی حازم بن علی تھا) ان کا قول ہے کہ ہم نہیں جان سکتے کہ ایمان کیا چیز ہے اور مخلوق بیچارے سب معذور ہیں۔ (ان کو معاف ہے جب کہ ایمان پہچاننا محال ہے)

☆ شاخ پنجم: **خلفیہ** ہے۔ (اس کا بانی خلف خارجی تھا) اس نے یہ قول نکالا کہ جس کسی نے جہاد چھوڑا وہ کافر ہے مرد ہو یا عورت ہو۔

☆ شاخ ششم: **کوزیہ** نے نکالا کہ کسی کو کسی کا چھونا روا نہیں ہے کیونکہ ہم کو پاک ونجس کی شناخت واقعی نہیں ہو سکتی ہے اور جب تک ہمارے سامنے کوئی نہا کر توبہ نہ کرے تب تک اس کے ساتھ کھانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ: دیکھو اس پاکیزگی کے مکر سے کس طرح شیطان نے اس احمق فرقہ کو دھوکا دیا جس سے لوگوں میں بے انتہا پھوٹ وجدائی پڑ جائے حالانکہ شرع میں باہم میل جول واتفاق کی بہت تاکید رکھی گئی ہے۔

☆ شاخ ہفتم: **کنزیہ** کا یہ قول ہے کہ کسی کو کچھ مال دینا حلال نہیں ہے کیوں کہ شاید یہ شخص مال کے پانے کا مستحق نہ ہو (تو غیر مستحق کو دینا ظلم ہوگا تو اس گناہ سے کفر ہو جائے گا) بلکہ واجب یہ ہے کہ مال کو خزانہ کر کے زمین میں دفن کر دے۔ پھر جب قطعی یقینی دلیل سے کوئی شخص سب سے زیادہ مستحق معلوم ہو تو اس کو دے۔ (پھر جو کوئی اسی طرح دوسرے درجہ کا مستحق ہو اس کو دے وعلیٰ ھذا القیاس یعنی اس مکر سے کبھی زکوٰۃ دینا نہ پڑے)

☆ شاخ ہشتم: **شمراخیہ** اس خبیث فرقہ کا یہ قول ہے کہ اجنبی عورتوں کو چھونے ومساس کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اس لیے کہ عورتیں تو ریاحین بنائی گئی ہیں۔ (ریاحین کی خوشبو سونگھنا اور چھونا روا ہوتا ہے)

☆ شاخ نہم: **اخنسیہ** کا یہ قول ہے کہ مرنے کے بعد میت کو کچھ بھلائی یا برائی لاحق نہیں

ہوتی ہے (یعنی عذاب و ثواب سے انکار کرتے ہیں)

☆ شاخ دہم: **محکمیہ** کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی مخلوق کی طرف فیصلہ چاہنے جائے تو کافر ہے (اسی وجہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ و اہل شام میں ثالثی فیصلہ قرار پایا تو اس خارجی فرقہ نے امیر المومنین کے لشکر سے جدا ہو کر دونوں فریق کو کافر کہنا شروع کیا)

☆ شاخ یازدہم: **معتزلہ** یعنی حروریہ میں سے معتزلہ یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب و معاویہ کا معاملہ ہم پر مشتبہ ہوا۔ یعنی حکم صاف نہیں کھلتا ہے اس لیے ہم دونوں فریق سے بیزاری و تبرا کرتے ہیں۔

☆ شاخ دوازدہم: **میمونیہ** (اس کا بانی میمون بن خالد تھا) یہ فرقہ کہتا ہے کہ کوئی امام نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے چاہنے والے اس سے راضی نہ ہوں۔

فرقہ قدریہ بھی بارہ میں منقسم ہوا۔

☆ شاخ اول: **احمریہ** جس کا قول یہ ہے (اللہ تعالیٰ پر عدل جاری کرنا فرض ہے) اور اللہ تعالیٰ کے عدل میں شرط یہ ہے کہ بندوں کو ان کے کاموں کا مختار کرے اور ان کے گناہوں کے درمیان ان میں حائل ہو کر ان کو روکے۔

☆ شاخ دوم: **ثنویہ** کہتا ہے کہ بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور برائی ابلیس پیدا کرتا ہے۔

☆ شاخ سوم: **معتزلہ** کہتا ہے کہ یہ قرآن پیدا کیا ہوا ہے اور آخرت میں خدا کا دیدار محال ہے (سب بدعتی فرقے اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہتے ہیں، اس میں خوارج و روافض وغیرہ یکساں ہیں)

☆ شاخ چہارم: **کیسانیہ** جو کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ یہ افعال آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی ہم نہیں جانتے کہ موت بعد کے ثواب پائیں گے یا عذاب پائیں گے۔

☆ شاخ پنجم: **شیطانیہ** جس کا یہ قول ہے کہ خدا نے شیطان کو نہیں پیدا کیا ہے۔

☆ شاخ ششم: **شریکیہ** جو کہتے ہیں کہ سب برائیاں مقدور ہیں سوائے کفر کے۔

☆ شاخ ہفتم: **وھمیہ** کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی ذات نہیں اور نہ نیکی وبدی کی ذات ہے۔

☆ شاخ ہشتم: **ربویہ** (**راونديه**) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اتری ہیں ان پر تو عمل کرنا فرض ہے۔خواہ کوئی اس کو ناسخ کہے یا منسوخ کہے۔

فائدہ: اس نفس پرست فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کے وقت میں بھائی بہن کا نکاح دو بطن مختلف سے جائز تھا تو اب بھی یہ لوگ اس پر عمل کریں گے۔اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنوں کا نکاح اور مابعد شراب خوری وغیرہ سب عمل میں لائیں گے۔

☆ شاخ نہم: **بزیہ** کہتے ہیں کہ جس نے گناہ کر کے توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

☆ شاخ دہم: **ناکثیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت توڑ دی تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

☆ شاخ یازدہم: **قاسطیہ** یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں زاہد ہونے سے افضل ہے کہ دنیا تلاش کرنے میں کوشش کرے۔

☆ شاخ دوازدہم: **نظامیہ** جس نے ابراہیم نظام کی پیروی میں یہ کہا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو شے کہے تو وہ کافر ہے۔

فائدہ: یہ بھی فرقہ اعتقاد معتزلہ پر گمراہ ہے اور یہ ایک بات اس گمراہی پر اور زیادہ بڑھائی ہے۔ اس طرح ان سب فرقوں میں باہم مخالفت ہے اور سب خلاف رسالت ہیں۔

جہمیہ فرقہ میں بھی بارہ شاخیں ہیں۔

☆ شاخ اول: **معطلہ** جو کہتے ہیں کہ جس چیز پر انسان کا وہم پڑے وہ مخلوق ہے اور جو کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو وہ کافر ہے۔

☆ شاخ دوم: **مرسیہ** (**مُرَیسیہ**) فرقہ گمراہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں۔

☆ شاخ سوم: **ملتزقہ** کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

فائدہ: تعجب ہے کہ اسی گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد اکثر عوام اہل السنہ میں پھیل گیا اور یہ لوگ بھی کہنے لگے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔شاید اس کا سبب یہ طریقہ تھا کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاؤ یا گواہی دو تو عوام اپنی بے علمی سے یہ سمجھے کہ خدا حاضر موجود ہے حالانکہ قاضی کا مطلب یہ تھا کہ

اللہ تعالیٰ عالم وناظر ہے اور یہی عربی محاورہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھتا اور علیم وخبیر ہے۔ یہ یاد کر کے سچی قسم کھائے گا۔ عوام نے اپنی سمجھ سے حاضر کے یہ معنی لگائے جیسے آپس میں بولا کرتے ہیں۔ لہٰذا علما پر فرض ہے کہ وعظ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت واعتقاد حق کو اول بیان کیا کریں، تاکہ آئندہ ان کی نصیحت سچے ایمان والوں کو مفید ہو۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ تَعَالٰی ھُوَالْمُوَفِّقُ.

☆ شاخ چہارم: **واردیہ** کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ جہنم میں نہ جائے گا اور جو کوئی جہنم میں گیا وہ کبھی وہاں سے نہیں نکالا جائے گا۔

فائدہ: اس فرقہ جاہل کے نفس نے ان کو یہ یقین دلایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والے ہو، اور اس جاہل نے اپنے نفس کا غرہ بے دلیل مان لیا۔

☆ شاخ پنجم: **زنادقہ** کہتے ہیں کہ کسی کے واسطے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذات کے واسطے کوئی رب (پروردگار) ثابت کرے۔ اس لیے کہ ثابت کرنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس سے ادراک کر لے۔ حالانکہ یہ ادراک ممکن نہیں ہے یہ حواس کے ادراک کرنے کا آلہ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر جو چیز ادراک ہی نہیں ہو سکتی ہے تو ثابت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

فائدہ: یہ دلیل محض غلط اور بالکل خبط ہے اور سرے سے یہی غلط ہے کہ رب کو ثابت کرے۔ اس لیے کہ پہچاننا اور ہے اور ثابت کرنا اور ہے۔ اسی واسطے مصنف نے ان احمقوں کی دلیل بھی نقل کر دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ فرقہ کیسا بے وقوف ہے۔

☆ شاخ ششم: **حرقیہ** اس فرقہ کا قول ہے کہ کافر کو (جب جہنم میں ڈالا جائے گا) آگ ایک بار جلا کر کوئلہ کر دے گی پھر وہ ہمیشہ کوئلہ پڑا رہے گا۔ اس کو آگ کی جلن محسوس نہ ہوگی۔

☆ شاخ ہفتم: **مخلوقیہ** کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

☆ شاخ ہشتم: **فانیہ** اس فرقہ کا قول ہے کہ جنت ودوزخ دونوں فنا ہونے والی ہیں اور ان میں سے بعضے یہ کہتے ہیں کہ ہنوز وہ دونوں پیدا ہی نہیں ہوئی ہیں۔

☆ شاخ نہم: **عبریہ** (غبیریہ) اس فرقہ نے پیغمبروں سے انکار کیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ صرف عقلا تھے۔

فائدہ: یہ قول محض کفر ہے اور یہی اس زمانہ میں نیچریہ فرقہ کا قول ہے، جو سر سید احمد خاں کی

کتاب میں جو تفسیر کے نام سے لکھی ہے صاف مذکور ہے۔

☆ شاخ دہم: **واقفیہ** کہتے ہیں کہ ہم توقف کرتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور نہ یہ کہ مخلوق نہیں ہے۔

☆ شاخ یازدہم: **قبویہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ قبر میں عذاب (ثواب) نہیں ہے اور نہ آخرت میں شفاعت ہے۔

☆ شاخ دوازدہم: **لفظیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کے ساتھ ہمارا تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

اسی طرح مرجیہ فرقہ کی بھی بارہ قسمیں ہیں۔

☆ شاخ اول: **تارکیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مخلوق پر کوئی عمل فرض نہیں ہے سوائے ایمان کے۔ پس جب بندہ اس پر ایمان لایا اور اس کو پہچانا تو پھر جو چاہے وہ کرے۔

☆ شاخ دوم: **سائبیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں وہ کریں۔ یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ پھر جو کچھ کریں گے اس کا عوض آخرت میں پائیں گے۔ لیکن اس گمراہ فرقہ نے اس سے انکار کیا۔

☆ شاخ سوم: **راجیہ** کہتا ہے کہ ہم کسی بدکار کو عاصی و نافرمان نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی نیکوکار کو طابع و فرمانبردار کہہ سکیں۔ کیوں کہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے لیے عند اللہ کیا ہے۔

فائدہ: اس فرقہ کا مطلب یہ نہیں کہ ہم انجام نہیں جانتے ہیں۔ اس لیے کہ انجام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جو حالت بالفعل موجود ہے یہ ظاہر ہے تو یہ فرقہ اس سے بھی منکر ہے گویا کہتا ہے کہ اس بدکار کی بدکاری شاید پسندیدہ ہو، یہ قبیح گمراہی ہے۔

☆ شاخ چہارم: **شاکیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ نیک اعمال اور طاعات ایمان میں سے نہیں ہیں۔

☆ شاخ پنجم: **بیہسیہ** کہتا ہے کہ ایمان علم ہے اور جس نے حق کو باطل سے تمیز کرنا اور حلال کو حرام سے تمیز کرنا نہ جانا وہ کافر ہے۔

☆ شاخ ششم: **عملیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ ایمان فقط عمل ہے۔

☆ شاخ ہفتم: **مستثنیہ** نے ایمان سے استثنا (یہ کہنا کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ) سے انکار کیا۔

☆ شاخ ہشتم: **مشبہ** کہتے ہیں کہ خدا کی آنکھ میری آنکھ جیسی ہے اور میرے ہاتھ کی طرح اس کا ہاتھ ہے۔ (عرش پر اسی طرح مستوی ہے جیسے ہم لوگ تخت پر بیٹھتے ہیں)

☆ شاخ نہم: **حشویہ** نے سب احادیث کا ایک حکم ٹھہرایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک فرض ترک کرنے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے نفل ترک کرنے کا۔

فائدہ: حشویہ نام اس لیے ہوا کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں الٓمٓ اور طٰسٓ اور حٰمٓ وغیرہ حروف مقطعات صرف زائد حرف بے معنی ہیں اور جو آیتیں عذاب کا خوف دلانے والی ہیں۔ وہ فقط دھمکی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُفْرِھِمْ.

☆ شاخ دہم: **ظاہریہ** جو شرعی مسائل میں قیاس سے حکم اجتہادی نکالنے سے انکار کرتے ہیں۔

☆ شاخ یازدہم: **بدعیہ** اس فرقہ نے اول اول اس امت میں بدعت کا احداث شروع کیا۔

☆ شاخ دوازدہم: **منقوصیہ** یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (بعض نے کہا کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب ہم نے ایمان کا اقرار کیا تو کچھ نیکی کریں وہ مقبول ہے اور جو برائیاں مانند زنا اور چوری وغیرہ کے عمل میں لائیں وہ بخشی جاتی ہیں۔ چاہے توبہ کرے یا نہ کرے۔ واللہ اعلم.

فرقہ رافضہ کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔

☆ شاخ اول: **علویہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ رسول کا پیغام اصل میں جرائیل علیہ السلام کے ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا تھا اور جرائیل علیہ السلام نے غلطی کر کے وہ دوسری جگہ پہنچا دیا۔ (جیسے یہود کہتے تھے کہ جرائیل علیہ السلام نے ہماری عداوت سے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمٰعیل میں وحی اتاری ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں)

☆ شاخ دوم: **امویہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ کار نبوت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ شریک ہیں۔ (یہ بھی ظاہر کفر ہے)

☆ شاخ سوم: **شیعیہ** یہ فرقہ کہتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ تھے اور امت نے دوسرے کی بیعت کر کے کفر کیا۔

فائدہ: امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ قدیم شیعہ فرقہ کا قول فقط یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور جس نے ان سے لڑائی کی اس نے گناہ کمایا۔ پھر اس فرقہ میں بعضے بڑھ کر کہنے لگے کہ بلکہ علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو پہلے خلیفہ اس لیے کر دیا تا کہ خلافت کا خاتمہ علی رضی اللہ عنہ پر ہو اور آپ کی اولاد میں قیامت تک باقی رہے۔ جیسے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور جو قول مصنف نے بیان کیا یہ رافضیہ فرقہ کا عقیدہ ہے جو آخر میں پیدا ہوا۔

☆ شاخ چہارم: **اسحاقیہ** فرقہ کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت ہوتی چلی جائے گی اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہی نبی ہوتا رہے گا۔

☆ شاخ پنجم: **نادوسیہ** فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علی سب امت سے افضل ہیں۔ پس کوئی کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت دے وہ کافر ہو گا۔

☆ شاخ ششم: **امامیہ** فرقہ کہتا ہے کہ دنیا کبھی ایک امام سے خالی نہ ہو گی اور وہ امام اولاد حسین رضی اللہ عنہ سے ہو گا اور اس کو جبرائیل علیہ السلام تعلیم کرتے رہیں گے جب وہ مرے گا تو بجائے اس کے دوسرا اس کے مثل قائم ہو گا (اس زمانہ میں جس فرقہ نے امامیہ اپنا نام رکھا ہے وہ نادوسیہ ورافضیہ وغیرہ کا مجموعہ مرکب ہے)

☆ شاخ ہفتم: **زیدیہ** فرقہ کہتا ہے کہ امام کل اولاد حسین ہیں تو جب تک ان میں سے کوئی ہو تو کسی غیر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ پرہیز گار ہو یا اس کے افعال خلاف شرع ہوں۔

☆ شاخ ہشتم: **عباسیہ** فرقہ کا یہ زعم ہے کہ سب سے زیادہ حق دار خلافت عباس بن عبد المطلب تھے۔

☆ شاخ نہم: **متناسخہ** فرقہ کا قول ہے کہ روحیں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر وہ شخص نیکو کار تھا تو اس کی روح نکل کر ایسے بدن میں جاتی ہے جو دنیا میں عیش سے رہنے والا ہے اور اگر بدکار تھا تو ایسے بدن میں پڑتی ہے جو دنیا میں کوفت و تکلیف سے زندگی بسر کرے گا۔

☆ شاخ دہم: **رجعیہ** فرقہ کا زعم یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم دنیا

میں دوبارہ لوٹ آئیں گے اور یہاں اپنے دشمنوں سے اپنا بدلہ لیں گے۔

☆ شاخ یازدہم: **لاعنیہ** فرقہ وہ ہے جو حضرت عثمان وطلحہ وزبیر ومعاویہ وموسیٰ اشعری وام المومنین عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں۔

☆ شاخ دوازدہم: **متربصہ** ایک فرقہ ہے کہ عابد فقیروں کا لباس پہنتے ہیں اور ہر وقت میں ایک شخص کو مقرر کر کے رکھتے ہیں کہ یہی اس عصر میں صاحب الامر ہے اور یہی اس امت کا مہدی ہے پھر جب وہ مرا تو دوسرے کو اسی طرح کر لیتے ہیں۔

جبریہ فرقہ بھی بارہ قسموں میں منقسم ہوا ہے۔

☆ شاخ اول: **مضطریہ** فرقہ کہتا ہے کہ آدمی کچھ نہیں کر سکتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کام کرتا ہے۔

☆ شاخ دوم: **افعالیہ** فرقہ کہتا ہے کہ ہمارے افعال تو ہم سے صادر ہوتے ہیں لیکن ہم کو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں استطاعت خود نہیں ہے بلکہ ہم لوگ بمنزلۂ جانوروں کے ہیں کہ وہ رسی سے باندھ کر جدھر چاہتے ہیں ہانکے جاتے ہیں۔

☆ شاخ سوم: **مفروغیہ** فرقہ کہتا ہے کہ کل چیزیں پیدا ہو چکیں، اب کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔

☆ شاخ چہارم: **نجاریہ** فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے نیک و بد افعال پر عذاب نہیں کرتا بلکہ اپنے فعل پر عذاب کرتا ہے۔

☆ شاخ پنجم: **مبائنیہ (متانیہ)** فرقہ کہتا ہے کہ تجھ پر لازم فقط وہ ہے جو تیرے دل میں آئے۔ پس جس دلی خطرہ سے تجھے بہتری نظر آئے اس پر عمل کر۔

☆ شاخ ششم: **کسبیہ** فرقہ کہتا ہے کہ بندہ کچھ ثواب یا عذاب نہیں کماتا ہے۔

☆ شاخ ہفتم: **سابقیہ** وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے نیک کام کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے۔ اس لیے کہ جو نیک بخت ہے اس کو گناہ سے کچھ ضرر نہیں ہوگا اور جو بد بخت ہے اس کو نیکیوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

☆ شاخ ہشتم: **حُبّیہ** فرقہ کہتا ہے کہ جس نے محبت الٰہی کا پیالہ پیا اس سے ارکان عبادت ساقط ہو جاتے ہیں۔

☆ شاخ نہم: **خوفیہ** فرقہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اس کو روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرے اس لیے کہ محبّ اپنے محبوب سے خوف نہیں کر سکتا۔

☆ شاخ دہم: **فکریہ** فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر علم معرفت بڑھے اسی قدر عبادت اس کے ذمہ ساقط ہو جاتی ہے۔

☆ شاخ یازدہم: **حسنیہ** فرقہ کہتا ہے کہ دنیا سب لوگوں میں برابر مشترک ہے۔ کسی کو دوسرے پر زیادتی نہیں ہے کیوں کہ وہ ان کے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔

☆ شاخ دوازدہم: **معیہ** فرقہ کہتا ہے کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں اور ہم کو ان کی استطاعت وقدرت حاصل ہے۔

باب سوم

ابلیس کی مکاری، چالوں اور فتنوں سے بچنے کی تاکید کا بیان

انسان میں خواہش نفسانی وشہوات مرکب ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ ایسی چیزیں تلاش کرتا ہے جن کو اپنے جی میں آرام ونفع پہنچانے والی جانتا ہے اور انسان میں غضب (غصہ) بھی رکھا گیا ہے۔ جس سے وہ ایذا دینے والی چیزیں دفع کرتا ہے اور اس کو عقل بھی عطا ہوئی ہے۔ جو اس کے طفیل نفس کے واسطے گویا ادب دینے والی معلم ہے۔ کہ اس کو سکھاتی رہتی ہے کہ جو چیزیں حاصل کرکے یا جن کو دفع کرکے سب اعتدال کے ساتھ ہوں اور شیطان اس کا دشمن پیدا کیا گیا ہے۔ جو گمراہ کو ابھارتا رہتا ہے کہ حاصل کرنے اور دفع کرنے میں حد سے بڑھ جائے حکمائے ربانیہ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا کہ عاقل پر لازم ہے کہ ایسے دشمن سے ہر وقت بچا رہے جس کی عداوت انسان کے ساتھ زمانہ آدم علیہ السلام سے صاف ظاہر ہو چکی ہے جس نے اپنے آپ کو تمام عمر اسی واسطے وقف کر دیا ہے کہ ہر حال میں اولاد آدم علیہ السلام کی بربادی میں اپنی پوری کوشش صرف کرے گا اور اللہ عزوجل نے انسان کو (اگر یہ قوت نہیں دی کہ شیاطین کو دیکھیں تو اس کے عوض میں آگہی دیدی اور) اس دشمن سے بچے رہنے کی تاکید فرمائی

ولقوله تعالیٰ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [1]

''یعنی اے اہل ایمان تم لوگ شیطان کے قدموں کے نشان پر مت چلو وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے وہ تم کو بری باتوں اور بدکرداریوں ہی کی تاکید کرتا رہتا ہے اور نیز اس امر کی کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی بات کہو جس کا علم تم کو نہیں ہے''۔

ولقوله تعالیٰ ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ﴾ [2]

''یعنی شیطان تم کو محتاج ہو جانے سے ڈراتا ہے اور قبیح بدکاریوں کی تاکید کرتا ہے۔''

فائدہ: یہ معجزہ آنکھوں دیکھا ہے کہ راہ خیر میں خرچ کرتے وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ بال بچوں کا ساتھ ہے اور پھر یہی شخص بال بچوں کے ختنہ وغیرہ میں، فحش وقبائح میں اسراف کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ یہ بالکل شیطان کی اتباع ہے۔

---

[1] ۲/البقرۃ:۱۶۸۔ [2] ۲/البقرۃ:۲۶۸۔

ولقوله تعالیٰ ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ ❶

''یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسان کو دور کی گمراہی میں بھٹکا دے''۔

ولقوله تعالیٰ ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ الاية ❷

''یعنی شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب وقماری بازی سے تم لوگوں میں باہمی عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو یاد الٰہی ونماز سے روک رکھے۔ اب تو تم ان کاموں سے باز رہو گے۔

ولقوله تعالیٰ ﴿اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ❸

''یعنی شیطان کھلا ہوا گمراہ کرنے والا دشمن ہے''۔

ولقوله تعالیٰ ﴿اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ الاية ❹

''یعنی شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو دشمن بنائے رکھو۔ وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ بھی جہنم میں رہنے والے ہو جائیں۔''

ولقوله تعالیٰ ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ ❺

''یعنی شیطان تم کو اللہ کے ساتھ دھوکہ میں نہ ڈالے (اس سے بچے رہو)

اور قرآن مجید میں اس قسم کی آیات بکثرت وارد ہیں۔

فصل

جان لینا چاہیے کہ ابلیس جس کا یہی کام ہے کہ اپنے ہم جنس مخلوقات کو تلبیس شبہ میں ڈالتا رہے۔ سب سے پہلے وہ خود شبہ میں پڑا ہے اور امر الٰہی سے مشتبہ ہو کر صریح حکم سجدے سے جو بالکل صحیح تھا منہ موڑ کر قیاس دوڑانے لگا اور خلقت کے عناصر میں فضیلت دینے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ فرمایا:

﴿خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ ❻

❶ ۴/النساء:۶۰۔ ❷ ۵/المائدة:۹۱۔ ❸ ۲۸/القصص:۱۵۔

❹ ۳۵/فاطر:۶۔ ❺ ۳۱/لقمان:۳۳۔ ❻ ۷/الأعراف:۱۲۔ ۳۸ص:۷۶۔

''یعنی ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے گوندھی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس نافرمانی کے بعد مالک حکیم عزوجل کی جناب میں اعتراض لایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ 1

''یعنی مجھے آگاہ کر دے کہ آخر تو نے اس کو کیوں مجھ پر فضیلت دی''؟

اس اعتراض کی تہہ میں اس کی یہ جہالت ہے کہ تو نے جو اس کو مجھ پر فضیلت دی تو یہ کچھ حکمت نہیں ہے پھر اس کے بعد تکبر کرنے لگا کہ

﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ 2

''یعنی میں اس سے بہتر ہوں''

پھر سجدہ بجالانے سے باز رہا اس سے کچھ نہ ہوا۔ سوائے اس کے شیطان نے خود اپنے نفس کو دائمی لعنت وعذاب سے خوار کیا۔ حالانکہ اپنے نزدیک وہ اپنے نفس کی بزرگی کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب شیطان کسی انسان پر کوئی بات رچائے تو انسان کو سخت پرہیز کے ساتھ شیطان دشمن سے ڈرنا چاہیے اور جب وہ بری بات کہے تو اس کو جواب دے کہ اے شیطان جو کچھ تو مجھ سے کہتا ہے اس میں میری خیر خواہی بس یہی ہے کہ جو کچھ میری خواہش ہے وہ مجھے حاصل ہو جائے لیکن جس نے اپنی ذات کی خیر خواہی نہ کی وہ دوسرے کی سچی خیر خواہی کیونکر کرے گا۔ اس کے علاوہ میں خالص دشمن کی خیر خواہی پر کیونکر بھروسہ کروں۔ لہٰذا تو اپنی راہ لے کیوں کہ میرے نزدیک تیری بات کارگر ہونے والی نہیں ہے۔ اب شیطان کو کوئی حیلہ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے وہ انسان کے نفس امارہ سے مدد لے۔ کیوں کہ وہ ثابت قدم ہو کر گناہ کے انجام کار میں فکر کرے۔ امید ہے کہ توفیق اپنا مددی لشکر عزم بھیج دے کہ اس کی مردانہ ہمت سے لشکر شیطانی ونفسانی بھاگ کھڑے ہوں گے۔

عیاض بن حمار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے لوگو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم کو وہ باتیں بتاؤں جو تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آج ہی بتائی ہیں وہ یہ کہ

---

1 ۱۷/ الاسراء: ۶۲۔ 2 ۷/ الاعراف: ۱۲، ۳۸/ ص: ۷۶۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مال میں نے اپنے بندوں کو بخش دیا وہ اس کو حلال ہے اور میں نے اپنے تمام بندوں کو ایک سچے دین پر پیدا کیا۔ پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین سے پھیر دیا اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کریں جن کے بارے میں میں نے کوئی برہان نہیں نازل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو عرب سے لے کر عجم تک دیکھا تو سوائے چند بقایائے اہل کتاب کے سب پر غصہ فرمایا۔'' [1]

عیاض بن حمار رحمۃ اللہ علیہ سے (ایک دوسرے سلسلۂ سند سے روایت ہے) کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں فرمایا کہ میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تم کو وہ باتیں تعلیم کروں جو تم نہیں جانتے اور مجھ کو آج ہی اللہ تعالیٰ نے تعلیم فرمائی ہیں (پھر وہی حدیث بیان فرمائی جو نقل ہو چکی ہے) [2]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ابلیس لعین اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ ان لشکروں میں سے شیطان کے نزدیک زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو بڑے سے بڑا فتنہ برپا کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ شیطان جواب دیتا ہے کہ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص اور اس کے اہل میں تفرقہ ڈال دیا۔ یہ سن کر شیطان اس کو اپنے قریب بٹھاتا ہے، یا یہ فرمایا کہ بغل میں لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بیشک تو اچھا ہے اور تو نے بڑا کام کیا ہے۔'' [3]

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی پرستش کریں لیکن ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ڈالنے میں ان پر قابو پائے گا۔'' [4]

---

[1] مسلم: کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا اھل الجنۃ واھل النار، رقم ۷۲۰۷۔ احمد: ۴/۱۶۲۔ مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۲۰، ۱۲۱، رقم ۲۰۰۸۸۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۷/۳۰۵، ۳۰۹، رقم ۹۸۷، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۴، ۹۹۵۔ [2] ایضاً۔ [3] مسلم: کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ...... رقم ۷۱۰۶۔ احمد: ۳/۳۱۴۔ مسند عبد بن حمید ص ۳۱۶، رقم ۱۰۳۳۔ [4] مسلم: کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان...... رقم ۷۱۰۳۔ احمد: ۳/۳۶۶۔ ترمذی: کتاب البر والصلۃ: باب ماجاء فی التباغض، رقم ۱۹۳۷۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱۳/۲۷۰، کتاب الرھن، باب ماجاء فی الفتن، رقم ۵۹۴۱۔

یہ اخیر کی دونوں حدیثیں فقط مسلم نے روایت کی ہیں، اوران کی روایت میں اس طرح ہے کہ شیطان کواس سے ناامیدی ہوگئی کہ جزیرہ عرب میں نمازی لوگ اس کی عبادت کریں۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان اپنی سونڈ کوفرزند آدم کے دل پر رکھے ہوئے ہے اگر وہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو سونڈ پیچھے ہٹالیتا ہے اور اگر خدا کو بھول جاتا ہے تو اس کے دل کونگل جاتا ہے۔'' [1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شیطان کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو ذکر الٰہی میں مشغول تھی۔ اس نے اس کوفتنہ میں ڈالنا چاہا۔ مگر تفرقہ پردازی نہ کرسکا۔ پھر ایک اور لوگوں میں آیا۔ جو دنیا کی باتیں کررہے تھے۔ ان کو بہکایا یہاں تک کہ کشت وخون ہونے لگا۔ خدا کا ذکر کرنے والے لوگ ان میں بیچ بچاؤ کرنے کے لیے اٹھے۔ اس طرح ان میں تفرقہ پڑ گیا۔

قتادہ سے روایت ہے کہ ابلیس کے پاس ایک شیطان ہے جس کوقبقب کہتے ہیں اس کے منہ پر چالیس برس سے لگام چڑھا رکھی ہے (یعنی اس سے کوئی کام نہیں لیا تاکہ تگڑا رہے) جب لڑکا اس رستے میں آتا ہے تو اس شیطان سے کہتا ہے کہ اس لڑکے کو پکڑ لے۔ اسی کے لیے میں نے تیرے منہ میں لگام چڑھائی تھی۔ اس پر غلبہ کر اور اس کوفتنہ میں ڈال۔

ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی کہ ابلیس حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس پر ہر قسم کے (لٹکن) ہیں۔ پوچھا کہ اے ابلیس! یہ لٹکن کیسے ہیں جو تجھ پر نظر آتے ہیں۔ کہنے لگا کہ یہ دنیا کی شہوتیں ہیں، جن میں فرزند آدم کو مبتلا کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان میں میرے واسطے بھی کچھ ہے؟ بولا جب آپ شکم سیر ہوتے ہیں تو نماز کا پڑھنا آپ پر گراں کردیتا ہوں اور ذکر الٰہی آپ پر بار ہو جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کے سوائے اور بھی کچھ ہے؟ بخدا اور کچھ نہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا خدا کی قسم! اب میں کبھی ہرگز پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ ابلیس بولا کہ خدا کی قسم! میں اب کسی مسلمان کی خیر خواہی نہیں کروں گا۔

حارث بن قیس سے روایت ہے کہ جب نماز پڑھنے کی حالت میں تیرے پاس شیطان

[1] [ضعیف] الکامل فی ضعفاء الرجال: ۳/۱۰۴۴۔ حلیۃ الاولیاء: ۶/۲۶۸، ترجمہ (۳۷۴) زیاد النمیری۔ مجمع الزوائد: ۷/۱۴۹، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المعوذتین۔ شعب الایمان للبیہقی: ۱/۴۰۳، باب فی محبۃ اللہ عزوجل، رقم ۵۴۰ اور دیکھیے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۳/۵۴۷، رقم ۱۳۶۷۔

آئے اور کہے کہ تو ریا کر رہا ہے، تو نماز کو خوب طویل کر دے۔

ابن عامر نے عبید بن رفاعہ سے سنا وہ رسول اللہ ﷺ تک سند پہنچا کر روایت کرتی ہیں "بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا۔ اس کے زمانے میں شیطان نے آ کر ایک لڑکی کا گلا دبا دیا اور اس لڑکی کے گھر والوں کے دل میں ڈال دیا کہ اس کی دوا راہب کے پاس ہے۔ وہ لوگ اس لڑکی کو لے کر راہب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس کو اپنے پاس رکھو۔ الغرض وہ لڑکی راہب کے پاس رہنے لگی۔ پھر اس کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ اب تو رسوا ہو جائے گا۔ لڑکی کے گھر والے آ کر تجھ کو مار ڈالیں گے۔ تو اس لڑکی کو مار ڈال۔ جب وہ لوگ تیرے پاس آئیں تو کہہ دینا کہ مر گئی۔ راہب نے اس کو قتل کر دیا اور دفنا دیا۔ اس کے بعد شیطان لڑکی کے گھر والوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ راہب نے اس کو پیٹ رکھوایا اور فضیحت کے خوف سے اسے قتل کر ڈالا۔ لڑکی کے گھر والے آئے اور پوچھا۔ راہب نے کہا لڑکی مر گئی۔ لوگوں نے راہب کو پکڑا۔ شیطان راہب کے پاس آیا اور کہا کہ دیکھ میں نے ہی اس لڑکی کا گلا دبایا تھا اور میں نے ہی اس کے گھر والوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی تھی اور میں نے ہی تجھ کو اس بلا میں پھنسایا ہے۔ اب میرا کہا مان تو نجات ہو گی۔ مجھ کو دو سجدے کر لے۔ راہب نے شیطان کو دو بار سجدہ کیا۔" [1]

اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ﴾ [2]

"شیطان کی مثال ہے کہ آدمی سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہتا ہے میں تجھ سے الگ ہوں میں رب العلمین سے ڈرتا ہوں"

ہم کو اس حدیث کی روایت ایک اور طرز پر بھی پہنچی ہے۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا کہ اس کے زمانہ میں کوئی عابد اس کا مقابل نہ تھا۔ اس کے وقت میں تین بھائی تھے۔ ان کی ایک بہن تھی جو باکرہ تھی۔ اس کے سوا وہ اور بہن نہ رکھتے تھے۔ اتفاقاً تین بھائیوں کو کہیں لڑائی پر جانا پڑا ان کو کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس کے پاس اپنی بہن کو

---

[1] شعب الایمان: ۴/۳۷۲، باب فی تحریم الفروج، رقم ۵۴۴۹ اور مستدرک الحاکم: ۲/۵۲۶، کتاب التفسیر، رقم ۳۸۰۱ میں امام حاکم نے حضرت علی سے موقوفاً بیان کیا ہے۔ [2] ۵۹/ الحشر: ۱۶۔

چھوڑ جائیں اور اس پر بھروسہ کریں۔ لہٰذا سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ اس کو عابد کے سپرد کر جائیں۔ وہ عابد ان کے خیال کے موافق تمام بنی اسرائیل میں ثقہ و پرہیز گار تھا۔ اس کے پاس آئے اور اپنی بہن کو حوالہ کرنے کی درخواست کی کہ جب تک ہم لڑائی سے واپس آئیں ہماری بہن آپ کے سایہ عاطفت میں رہے عابد نے انکار کیا اور ان سے اور ان کی بہن سے خدا کی پناہ مانگی۔ انہوں نے نہ مانا۔ حتیٰ کہ راہب نے منظور کر لیا اور کہا کہ اپنی بہن کو میرے عبادت خانہ کے سامنے چھوڑ جاؤ۔ انہوں نے ایک مکان میں اس کو اتارا اور چلے گئے۔ وہ لڑکی عابد کے قریب ایک مدت تک رہتی رہی۔ عابد اس کے لیے کھانا لے کر آتا تھا اور اپنے عبادت خانہ کے دروازے پر رکھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا اور اندر واپس چلا جاتا تھا اور لڑکی کو آواز دیتا تھا۔ وہ اپنے گھر سے آ کر کھانا لے جاتی تھی۔ راوی نے کہا کہ پھر شیطان نے عابد کو نرمایا اور اس کو خیر کی ترغیب دیتا رہا اور لڑکی کا دن میں عبادت خانہ تک آنا اس پر گراں ظاہر کرتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکی دن میں کھانا لینے کے لیے گھر سے نکلے اور کوئی شخص اس کو دیکھ کر اس کی عصمت میں رخنہ انداز ہو بہتر یہ ہے کہ اس کا کھانا لے کر اس کے دروازے پر رکھ آیا کرے اس میں اجر عظیم ملے گا۔ غرضیکہ عابد کھانا لے کر اس کے گھر جانے لگا۔ بعد ایک مدت کے پھر شیطان اس کے پاس آیا اور اس کو خیر کی ترغیب دی اور اس بات پر ابھارا کہ اگر تو اس لڑکی سے بات چیت کیا کرے تو تیرے کلام سے یہ مانوس ہو۔ کیوں کہ اس کو سخت وحشت ہوتی ہے۔ شیطان نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ راہب اس سے بات چیت کرنے لگا۔ اپنے عبادت خانہ سے اتر کر اس کے پاس آنے لگا۔ پھر شیطان نے اس کو صومعہ سے اتار کر دروازے پر لا بٹھایا۔ لڑکی بھی گھر سے دروازے پر آ گئی۔ عابد باتیں کرنے لگا۔ ایک زمانے تک یہ حال رہا۔ پھر شیطان نے عابد کو کار خیر کی رغبت دی اور کہا بہتر ہے کہ تو خود لڑکی کے گھر کے قریب جا کر بیٹھے اور ہمکلامی کرے اس میں زیادہ دلداری ہے عابد نے ایسا ہی کیا۔ شیطان نے پھر تحصیل ثواب کی رغبت دی اور کہا کہ اگر لڑکی کے دروازے سے قریب ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ اس کو دروازے تک آنے کی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ عابد نے یہی کیا کہ اپنے صومعہ سے لڑکی کے دروازے پر آ کر بیٹھتا تھا اور باتیں کرتا تھا۔ ایک عرصہ تک یہ کیفیت رہی۔ شیطان نے پھر عابد کو ابھارا کہ

اگر عین گھر کے اندر جا کر باتیں کیا کرے تو بہتر ہے تا کہ لڑکی باہر نہ آئے اور کوئی اس کا چہرہ نہ دیکھ پائے۔ غرض عابد نے یہ شیوہ اختیار کیا کہ لڑکی کے گھر کے اندر جا کر دن بھر اس سے باتیں کیا کرتا اور رات کو اپنے صومعے میں چلا آتا۔ اس کے بعد پھر شیطان اس کے پاس آیا اور لڑکی کی خوب صورتی اس پر ظاہر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عابد نے لڑکی کے زانو پر ہاتھ مارا اور اس کے رخسار کا بوسہ لیا۔ پھر روز بروز شیطان لڑکی کو اس کی نظروں میں آرائش دیتا رہا اور اس کے دل پر غلبہ کرتا رہا حتیٰ کہ وہ اس سے ملوث ہو گیا اور لڑکی نے حاملہ ہو کر ایک لڑکا جنا۔ پھر شیطان عابد کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب یہ بتاؤ کہ اگر اس لڑکی کے بھائی آ گئے اور اس بچے کو دیکھا تو تم کیا کرو گے میں ڈرتا ہوں کہ تم ذلیل ہو جاؤ یا وہ تمہیں رسوا کریں۔ تم اس بچہ کو زمین میں گاڑھ دو۔ یہ لڑکی ضرور اس معاملہ کو اپنے بھائیوں سے چھپائے گی اس خوف سے کہ کہیں وہ نہ جان لیں کہ تم نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی۔ عابد نے ایسا ہی کیا۔ پھر شیطان نے اس سے کہا کہ کیا تم یقین کرتے ہو کہ یہ لڑکی تمہاری ناشائستہ حرکت کو اپنے بھائیوں سے پوشیدہ رکھے گی، ہرگز نہیں۔ تم اس کو بھی پکڑو اور ذبح کر کے بچے کے ساتھ دفن کر دو۔ غرض عابد نے لڑکی کو بھی ذبح کیا اور بچے سمیت گڑھے میں ڈال کر اس پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ دیا اور زمین کو برابر کر کے اپنے عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنے لگا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد عورت کے بھائی لڑائی سے واپس آئے اور عابد کے پاس جا کر اپنی بہن کا حال پوچھا۔ عابد نے ان کو اس کے مرنے کی خبر دی اور افسوس ظاہر کر کے رونے لگا اور کہا کہ وہ بڑی نیک بی بی تھی دیکھو یہ اس کی قبر ہے بھائی قبر پر آئے اور اس کے لیے دعائے خیر کی اور روئے۔ اور چند روز اس کی قبر پر رہ کر اپنے لوگوں میں آئے۔ راوی نے کہا جب رات ہوئی اور وہ اپنے بستروں پر سوئے تو شیطان ان کو خواب میں ایک مسافر آدمی کی صورت بن کر نظر آیا۔ پہلے بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس کی بہن کا حال پوچھا۔ اس نے عابد کا اس کے مرنے کی خبر دینا اور اس پر افسوس کرنا اور مقام قبر دکھانا بیان کیا۔ شیطان نے کہا کہ سب جھوٹ ہے تم نے کیونکر اپنی بہن کا معاملہ سچ مان لیا۔ عابد نے تمہاری بہن سے فعل بد کیا اور وہ حاملہ ہو کر ایک بچہ جنی۔ عابد نے تمہارے ڈر کے مارے اس بچے کو اس کی ماں سمیت ذبح کیا اور ایک گڑھا کھود کر دونوں کو ڈال دیا۔ جس گھر میں وہ تھی اس

کے اندر داخل ہونے میں وہ گڑھا داہنی جانب پڑتا ہے تم چلو اور اس گھر میں جاؤ تم کو وہاں دونوں ماں بیٹے ایک جگہ ملیں گے۔ جیسا کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ پھر شیطان منجھلے بھائی کے خواب میں آیا اس سے بھی ایسا ہی کہا۔ پھر چھوٹے کے پاس گیا اس سے بھی گفتگو کی۔ جب صبح ہوئی تو سب لوگ بیدار ہوئے اور یہ تینوں اپنے اپنے خواب سے تعجب میں تھے۔ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے سے بیان کرنے لگا کہ میں نے رات عجیب خواب دیکھا ہے۔ سب نے باہم جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ بڑے بھائی نے کہا یہ خواب فقط خیال ہے اور کچھ نہیں یہ ذکر چھوڑ دو اور اپنا کام کرو۔ چھوٹا کہنے لگا کہ میں تو جب تک اس مقام کو دیکھ نہ لوں گا باز نہ آؤں گا۔ تینوں بھائی چلے۔ جس گھر میں ان کی بہن رہتی تھی آئے۔ دروازہ کھولا اور جو جگہ ان کو خواب میں بتلائی گئی تھی تلاش کی اور جیسا ان سے کہا گیا تھا اپنی بہن اور اس کے بچے کو ایک گڑھے میں ذبح کیا ہوا پایا۔ انہوں نے عابد سے کُل کیفیت دریافت کی۔ عابد نے شیطان کے قول کی اپنے فعل کے بارے میں تصدیق کی۔ انہوں نے اپنے بادشاہ سے جا کر نالش کی۔ عابد صومعے سے نکالا گیا اور اس کو دار پر کھینچنے کے لیے لے چلے جب کہ اس کو دار پر کھڑا کیا گیا شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ میں ہی تمہارا وہ ساتھی ہوں جس نے تم کو عورت کے فتنے میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ تم نے اس کو حاملہ کر دیا اور ذبح کر ڈالا۔ اب اگر تم میرا کہنا مانو اور جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اس کی نافرمانی کرو تو میں تم کو اس بلا سے نجات دوں۔ راوی نے کہا کہ عابد خدا تعالیٰ سے کافر ہو گیا۔ پھر جب عابد نے کفر باللہ کیا۔ شیطان اس کو اس کے ساتھیوں کے قبضہ میں چھوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے اس کو دار پر کھینچا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْقَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ﴾ [1]

''یعنی شیطان کی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کفر کر جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ رب العالمین سے خوف کرتا ہوں۔ اس شیطان اور اس کافر دونوں کا انجام یہی ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور ظلم کرنے والوں کی یہی سزا ہے''۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک راہب

[1] ۵۹ الحشر: ۱۶۔

اپنے صومعے میں خلوت گزین تھا۔ ابلیس نے اس کا ارادہ کیا تو کچھ قابو نہ چلا اور اس کے پاس ہر ڈھب سے آیا لیکن کسی طرح اس پر قابو نہیں چلا۔ یہاں تک کہ اس کے آس پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ بن کر آیا راہب نے کہا کہ اگر تو عیسیٰ ہے تو مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ کیا تو نے ہم کو عبادت کرنے کا حکم نہیں کیا اور قیامت کا وعدہ نہیں دیا۔ چل اور اپنا کام کر مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں۔ ابلیس لعین چلا گیا اور اسے چھوڑ دیا۔

سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو اس میں ایک انجان بڈھے کو دیکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس سے کہا تو یہاں کیوں آیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں تمہارے یاروں کے دلوں پر قابو کرنے کو آیا ہوں تا کہ ان کے دل میرے ساتھ اور جسم تمہارے ساتھ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل جا۔ ابلیس بولا کہ پانچ چیزیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں۔ ان میں سے تین تمہیں بتاؤں گا اور دو تم سے نہ کہوں گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اس سے کہو تین کی مجھے حاجت نہیں۔ وہ دو بیان کر۔ ابلیس نے کہا، انہی دو سے میں آدمیوں کو ہلاک کرتا ہوں اور ان کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ایک حسد کہ اسی وجہ سے میں ملعون ہوا اور شیطان مردود کہلایا۔ دوسری حرص کہ آدم کے لیے تمام جنت مباح کر دی گئی۔ میں نے حرص کی بدولت ان سے اپنا کام نکال لیا۔

راوی نے کہا کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا اے موسیٰ علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی رسالت کے لیے برگزیدہ فرمایا ہے اور تم سے ہمکلام ہوا ہے۔ میں بھی خدا کی مخلوق میں شامل ہوں اور مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔ اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے پروردگار عزوجل کے پاس سفارش کیجئے کہ میری توبہ قبول کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ حکم ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم تمہاری حاجت بر لائے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام شیطان سے ملے اور کہا کہ مجھے ارشاد ہوا ہے کہ تو حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے تو تیری توبہ قبول ہو شیطان نے انکار کیا اور غصے میں آ کر کہنے لگا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو ان کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اب مرنے پر کیا سجدہ کروں گا۔ پھر شیطان نے کہا

کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تم نے جو اپنے پروردگار کے پاس میری سفارش کی ہے اس لیے تمہارا مجھ پر ایک حق ہے۔ تم مجھ کو تین حالتوں میں یاد کیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم کو ان تین وقتوں میں ہلاک کردوں۔ ایک تو غصہ کے وقت مجھ کو یاد کرو کیونکہ میرا وسوسہ تمہارے دل میں ہے اور میری آنکھ تمہاری آنکھ میں ہے اور میں تمہارے رگ و پوست میں خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہوں۔ دوسرے جہاد وغزوات کی حالت میں میرا خیال کیا کرو کیوں کہ میں فرزند آدم کے پاس اس وقت جاتا ہوں جب وہ وہ کفار سے مقابلہ کرتا ہے اور اس کے بال بچے بی بی گھر والے یاد دلاتا ہوں یہاں تک کہ جہاد سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ تیسرے غیر محرم عورت کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو کیوں کہ میں تمہارے پاس اس کا قاصد ہوں اور اس کے پاس تمہارا پیامبر ہوں۔

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر یہ کہ شیطان اس بات سے ناامید نہیں ہوا کہ اس کو عورتوں کے ذریعہ ہلاک کردے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم کو اپنے بعض مشائخ سے یہ حدیث پہنچی کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے تھے۔ شیطان سے فرشتے نے کہا وائے ہو تجھ پر اس حالت میں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار سے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کیا خواہش رکھتا ہے۔ جواب دیا کہ میں ان سے وہی خواہش رکھتا ہوں جو اس کے باپ آدم علیہ السلام سے بہشت میں چاہا تھا۔

عبدالرحمٰن بن زیاد سے روایت ہے کہ ایک وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی مجلس میں بیٹھے تھے اتنے میں ابلیس ان کے پاس آیا اور اس کے سر پر کلہ دار ٹوپی تھی جس میں طرح طرح کے رنگ تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار ڈالی اور سامنے رکھ لی۔ پھر آ کر سلام علیک کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو کون ہے، بولا، میں ابلیس ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام بولے خدا تجھے زندہ نہ رکھے تو کیوں آیا۔ کہنے لگا میں آپ کو سلام کرنے کے لیے آیا تھا کیوں کہ آپ کا مرتبہ اور آپ کی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جو میں نے تیرے سر پر دیکھی تھی۔ کہا کہ اس سے اولاد آدم علیہ السلام کے دلوں کو لبھا لیتا ہوں۔ پوچھا کہ بھلا یہ تو بتا وہ کونسا کام ہے جس کے مرتکب ہونے سے تو انسان پر

غالب آجاتا ہے۔ جواب دیا کہ جب آدمی اپنی ذات کو بہتر سمجھتا ہے اور اپنے عمل کو بہت کچھ خیال کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ اے موسیٰ میں تم کو تین باتوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک تو غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا کیوں کہ جب کوئی غیر محرم کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اس کے ساتھ میں بذات خود ہوتا ہوں۔ میرے ساتھی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ اس عورتؔ کے ساتھ اس کو فتنے میں ڈال دیتا ہوں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کرو اس کو پورا کیا کرو کیوں کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے تو اس کا ہمراہی اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر میں خود ہوتا ہوں یہاں تک کہ اس شخص اور وفاء عہد کے درمیان حائل ہو جاتا ہوں۔ تیسرے جو صدقہ نکالا کرو اسے جاری کر دیا کرو کیوں کہ جب کوئی صدقہ نکالتا ہے اور اسے جاری نہیں کرتا تو میں صدقہ اور اس کے پورا کرنے کے بیچ میں حائل ہو جاتا ہوں اور یہ کام بذات خود کرتا ہوں اپنے ساتھ والوں سے نہیں لیتا۔ یہ کہہ کر شیطان چل دیا اور تین بار کہا، ہائے افسوس! موسیٰ نے وہ باتیں جان لیں جن سے بنی آدم کو ڈرائے گا۔

حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے سنا ہے کہ شیطان عورت سے کہتا ہے تو میرا آدھا لشکر ہے اور تو میرے لیے ایسا تیر ہے کہ جس کو مارتا ہوں نشانہ خطا نہیں کرتا اور تو میری بھید کی جگہ ہے اور تو میری حاجت برلانے میں قاصد کا کام دیتی ہے۔

عقیل بن معقل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں نے وہب بن منبہ سے سنا کہ ایک راہب پر شیطان ظاہر ہوا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ اولاد آدم کی کونسی ایسی خصلت ہے جو ان کے بارے میں تیری بہت معاون ہوتی ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ تیزیٔ غضب۔ جب انسان تند مزاج ہوتا ہے تو ہم شیاطین اس کو اس طرح الٹتے پلٹتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو لڑھکاتے پھرتے ہیں۔

ثابت سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس لعین نے اپنے شیاطین کو اصحاب رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجنا شروع کیا۔ وہ سب کے سب نامراد لوٹے اور اپنی کارروائی کے دفتر اسی طرح سادہ لے گئے۔ کچھ ان میں نہیں لکھا تھا شیطان نے ان سے کہا تم کو کیا ہو گیا۔ اس قوم پر کچھ بھی حملہ نہ کر سکے۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے ایسے لوگ آج تک نہیں دیکھے۔ ابلیس نے کہا خیر اس وقت ان کو جانے دو اور درگزر کرو۔ عنقریب دنیاوی فتوحات ان کو

حاصل ہوں گی، اس وقت تم ان سے خاطر خواہ اپنا مطلب نکال لوگے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صبح ہوتی ہے۔ ابلیس اپنے لشکروں کو منتشر کر دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ جو تم میں سے کسی مسلمان کو گمراہ کرے گا میں اس کو تاج پہناؤں گا۔ راوی نے کہا کہ ایک ان میں سے آ کر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کی بی بی کو طلاق ہی دلوا کر چھوڑا۔ ابلیس کہتا ہے عجب نہیں کہ دوسری شادی کر لے۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے اس کے ماں باپ کی نافرمانی ہی کرا کر چھوڑی۔ شیطان کہتا ہے عجب نہیں کہ وہ پھر ان کی خدمت کرے گا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں کو شراب پلا کر چھوڑی، شیطان کہتا ہے تو نے بڑا کام کیا۔ ایک اور بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں مسلمان سے زنا کرا کے چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بھی بڑا کام کیا۔ ایک اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے قتل کرا کر چھوڑا۔ شیطان کہتا ہے تو نے بہت بڑا کام کیا۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک درخت تھا جس کی لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس درخت کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس درخت کو ضرور کاٹ ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر خدا کے خوف سے اس نے درخت کے کاٹنے کا قصد کیا۔ اتنے میں شیطان ایک انسان کی صورت اختیار کر کے اس کے سامنے آیا اور کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کو لوگ خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہیں۔ شیطان نے کہا تم درخت کی پرستش نہیں کرتے تو دوسروں کی عبادت کرنے سے تمہارا کیا نقصان ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو ضرور کاٹوں گا۔ شیطان نے کہا، کیا تم ایسی چیز چاہتے ہو جو تمہارے لیے بہتر ہو؟ اس درخت کو مت کاٹو، تم کو ہر روز علی الصباح دو دینار تکیہ کے نیچے سے ملا کریں گے اس نے کہا کہ تمہاری بات کا ضامن کون؟ شیطان بولا میں خود ذمہ دار ہوں۔ وہ شخص واپس لوٹ آیا۔ اگلے روز صبح دو دینار اپنے سرہانے پائے۔ پھر جو دوسرے دن صبح اٹھا تو اسے کچھ نہ ملا۔ غصہ میں آ کر درخت کو کاٹنے کے لیے اٹھا۔ شیطان اس کے پاس آدمی کی صورت میں آیا تو کہا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اس درخت کو کاٹنا چاہتا ہوں جس کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔ شیطان نے کہا، تو جھوٹا ہے تو خدا کے خوف سے اس کو نہیں کاٹتا۔ وہ شخص درخت کو کاٹنے

لگا۔شیطان نے اس کو زمین پر دے مارا اور اس کا گلا گھونٹ دیا قریب تھا کہ اس کا دم نکل جائے۔پھر اس سے کہا تو مجھے جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ مجھ کو شیطان کہتے ہیں۔پہلی بار تو خدا کے واسطے غصے میں بھرا ہوا آیا تھا تو میں تجھ پر قابو نہ پا سکا۔اس لیے تجھ کو فریب دیا کہ دو دینار ملا کریں گے۔تو نے اس کو چھوڑ دیا۔اب جب کہ تو دیناروں کے لیے غصہ کر کے آیا تو میں تجھ پر غالب ہوا۔

زید بن مجاہد نے کہا کہ ابلیس کی اولاد میں سے پانچ ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک کام پر جس کا اس نے حکم کیا ہے مقرر کر رکھا ہے۔اور ان کے نام یہ ہیں: ثبر، اعور، مسبوط (مسوط)، داسم، زکنبور۔ثبر کے اختیار میں تو مصیبتوں کا کاروبار ہے۔جن میں لوگ ہائے واویلا کرتے ہیں اور گریبان پھاڑتے ہیں اور منہ پر طمانچہ مارتے ہیں اور ایام جاہلیت کے سے نوحے بیان کرتے ہیں۔اور اعور زنا کا حاکم ہے۔لوگوں کو زنا کا مرتکب کرتا ہے اور اسے اچھا کر کے دکھاتا ہے۔اور مسبوط (مسوط) اس کذب و دروغ پر مامور ہے جسے لوگ کان لگا کر سنیں۔ایک انسان سے ملتا ہے جھوٹی خبر اس کو دیتا ہے وہ شخص لوگوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا جس کی صورت پہچانتا ہوں مگر نام نہیں جانتا مجھ سے ایسا ایسا کہتا تھا۔اور داسم کا کام یہ ہے کہ آدمی کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور گھر والوں کے عیب دکھاتا ہے اور اس کو ان پر غضبناک کرتا ہے۔اور زکنبور بازار میں آ کر اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔

مخلد بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو کسی شے کی طرف نہیں بلاتا مگر یہ کہ شیطان اس میں دخل دے کر دو میں سے ایک کام کر گزرتا ہے یا تو وہ اس شے میں افراط کرتے ہیں یا اس سے کوتاہی کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شیطان سب سے نیچے والی زمین میں جکڑا ہوا ہے۔پھر جب وہ جنبش کرتا ہے تو زمین پر سب شر و فساد جو کہ دو یا زیادہ شخصوں میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کی حرکت سے ہوتا ہے۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ شیطان کے مکر اور فتنے بہت ہیں۔اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر بیان ہوں گے اور چونکہ شیطان کے فتنے بکثرت ہیں

اور دلوں کو گھیرے ہوئے ہیں اس لیے انسان کو اس کے مکائد سے بچنا مشکل ہے۔ کیوں کہ جو شخص آدمی کو اس کی مرغوب الطبع چیز پر ابھارتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسے کشتی کے لیے دریا کا بہاؤ ہوتا ہے۔ دیکھو کس تیزی سے کشتی رواں ہوتی ہے اور جب کہ ہاروت و ماروت میں خواہش نفسانی کا مادہ پیدا کر دیا گیا تو وہ ضبط نہ کر سکے۔ لہٰذا جب فرشتے کسی مسلمان کو ایمان پر مرتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کے سلامت بچنے سے تعجب کرتے ہیں۔

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ جب بندہ مومن کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں سبحان اللہ اس بندے کو خدا نے شیطان سے نجات دی۔ تعجب ہے کہ یہ بیچارہ کیونکر بچ گیا۔

ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے

ابن قسط کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو رشک ہوا۔ پھر آپ میرے پاس آئے تو مجھ کو سوچ میں پایا۔ فرمایا ''اے عائشہ تجھ کو کیا ہوا؟ کیا تجھے رشک ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھلا مجھ جیسی عورت کو آپ ایسے کے بارے میں کیونکر رشک نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تجھ پر تیرا شیطان غالب آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرے ساتھ شیطان ہے۔ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا اور آپ کے ساتھ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے مگر میرے پروردگار عزوجل نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔'' [1]

مصنف نے کہا یہ حدیث مسلم میں ہے اور دوسرے لفظ میں یوں آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا اس لیے میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ ابوسلیمان خطابی نے کہا عامہ رواۃ لفظ فَأَسْلَمَ کو بصیغہ ماضی کہتے ہیں یعنی وہ شیطان مسلمان ہو گیا، مگر سفیان بن عیینہ فَأَسْلَمُ بصیغہ مضارع متکلم کہتے ہیں یعنی میں اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ سفیان کا قول ہے

---

[1] صحیح مسلم: کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان...... رقم ۲۸۱۵۔ مسند احمد: ۶/ ۱۱۵۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۳۵۲ کتاب الصلاۃ، رقم ۸۳۲۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۷/ ۱۰۲، باب ماجاء فی ان مع کل احد قرینہ من الجن......

کہ شیطان مسلمان نہیں ہوتا۔ مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ ابن عیینہ کا قول حسن ہے اور اس سے ریاضت ومحنت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ کیوں کہ شیطان اس کے مخالف ہے لیکن بظاہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن عیینہ کے قول کو رد کرتی ہے ۔چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی فرد وبشر نہیں مگر اس کے ساتھ ایک ہمراہی جن ایک ہمراہی فرشتہ موکل ہے ۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اور آپ کے ساتھ یارسول اللہ؟ فرمایا میرے ساتھ بھی۔ مگر اللہ عزوجل نے اس پر مجھے غالب کر دیا۔اس لیے مجھ کو حق بات کے سوا نہیں بتایا۔''

سالم رحمہ اللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر ایک آدمی کے ساتھ اس کا قرین موکل ہے۔لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ؟ فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کر دیا لہٰذا وہ اسلام لے آیا تو اب مجھے نیک کام کے سوا نہیں بتاتا۔'' [1] مصنف نے کہا کہ یہ حدیث فقط مسلم میں ہے اور سالم راوی حدیث ابوالجعد کے بیٹے ہیں اور ابوالجعد کا نام رافع ہے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے شیطان کا اسلام لانا پایا جاتا ہے اور احتمال دوسرے قول کا بھی ہے۔

شیطان آدمی میں خون کی طرح دوڑتا ہے

حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی نے کہا کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے ۔میں رات کو آپ کی زیارت کے لیے گئی اور آپ سے باتیں کر کے واپس آنے لگی۔آپ میرے ساتھ مجھ کو گھر پہنچانے کے لیے ہو لیے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مکان اسامہ بن زید کے احاطہ میں تھا۔اتنے میں دو انصار کے آدمی نمودار ہوئے۔انہوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔آپ نے ان سے فرمایا: ''ٹھہرو ٹھہرو میرے ساتھ صفیہ رضی اللہ عنہا ہے وہ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کیا فرماتے ہیں ارشاد فرمایا

[1] مسلم: کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان...... رقم ۷۱۰۸۔ احمد فی مسندہ: ۱/ ۳۸۵۔ سنن الدارمی: ۲/ ۶۲۷، کتاب الرقاق، باب ما من احد الا ومعہ قرینہ من الجن، رقم ۲۶۳۴۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۷/ ۱۰۱، باب ما جاء فی ان مع کل احد وقرینہ من الجن۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۰/ ۲۶۹، رقم ۱۰۵۲۲۔

کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں تمہارے دلوں میں ''خیال فاسد'' یا فرمایا ''کوئی بات'' نہ ڈال دے۔'' [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابو سلیمان خطابی نے کہا کہ اس حدیث میں فقہی بات یہ ہے کہ انسان کو ہر ایسے امر مکروہ سے بچنا مستحب ہے جس سے بدگمانیاں پیدا ہوں، اور دلوں میں خطرے گزریں اور چاہیے کہ عیب سے اپنی برأت ظاہر کر کے لوگوں کے طعن سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسی بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خوف ہوا کہ کہیں ان دونوں انصاریوں کے دل میں کوئی خیال ناقص نہ آئے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائیں اور یہ آپ کا فرمانا ان کی بہتری کے لیے تھا۔ کچھ اپنے نفع کے واسطے نہیں۔

شیطان سے پناہ مانگنے کا بیان

مصنف کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ایک تو تلاوت قرآن مجید کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ الخ [2]

''یعنی جب تم قرآن شریف پڑھا کرو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگو''

دوسرے جادو کیے جانے کے وقت، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ الخ [3]

جب کہ ان دو موقعوں میں شیطان کے شر سے بچنے کا حکم فرمایا تو دوسرے موقعوں کا تو کیا ذکر ہے۔

ابو التیاح کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن خنبش سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ بولے ہاں۔ میں نے کہا بھلا یہ تو بتاؤ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے شیاطین نے مکر گانٹھا تھا تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ شیاطین جنگل کی

---

[1] بخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنوده، رقم ۳۲۸۱۔ مسلم: کتاب السلام، باب بیان انہ یستحب لمن رؤي خالیا بامرأة ان یقول ...... رقم ۵۶۷۹۔ ابوداؤد: کتاب الصیام، باب المعتکف یدخل البیت لحاجة، رقم ۲۴۷۰۔ ابن ماجہ: کتاب الصیام، باب المعتکف یزوره اهله فی المسجد رقم ۱۷۷۹۔ احمد: ۶/ ۳۳۷۔

[2] ۱۶/ النحل: ۹۸۔ [3] ۱۱۳/ الفلق۔

نالیوں سے اور پہاڑی کی گھاٹیوں سے رسول اللہ ﷺ پر ٹوٹ پڑے تھے اور ان میں سے ایک شیطان اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لیے ہوئے تھا۔ چاہتا تھا کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو جلا دے۔ اتنے میں آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ کہیے فرمایا: کیا کہوں؟ کہا یہ دعا پڑھیے۔

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ اِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ))

راوی نے بیان کیا کہ اس دعا کے پڑھنے سے شیاطین کی آگ بجھ گئی اور خدا نے ان کو شکست دی۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے پاس شیطان آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا، وہ کہتا ہے خدا نے، پھر پوچھتا ہے کہ خدا کو کس نے بنایا۔ پس جب تم میں کسی کے دل میں یہ خیال آئے تو یوں کہنا چاہیے۔

﴿اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾

اس کے کہنے سے یہ خیال جاتا رہے گا۔'' [2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فرزند آدم کو شیطان بھی چھوتا ہے اور فرشتہ بھی مس کرتا ہے۔ جب شیطان چھوتا ہے تو وہ برائی میں پڑ جاتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور جب فرشتہ مس کرتا ہے تو نیکی کی طرف جھکتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ جب تمہارے دل میں خیال نیک آئے تو سمجھ لو خدا کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اور جب بری بات جی میں آئے تو شیطان سے پناہ مانگو۔ پھر یہ آیت پڑھی۔'' [3]

---

[1] مسند احمد: ۳/ ۴۱۹۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ۶/ ۲۱۳، رقم ۶۸۰۹۔ مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۲۷، کتاب الاذکار، باب ما یقول اذا ارق اوفزع۔ الترغیب والترهیب: ۲/ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ [2] مسند احمد: ۶/ ۲۵۷۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ۴/ ۳۶۶، رقم ۴۶۸۵۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۳۳، کتاب الایمان، باب فی الوسوسۃ۔ الترغیب والترهیب: ۲/ ۴۶۱۔ کشف الاستار: ۱/ ۳۴ باب ماجاء فی الوسوسۃ، رقم ۵۰۔ [3] نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۳۰۵، کتاب التفسیر، تفسیر قولہ الشیطان یعدکم الفقر...... رقم ۱۱۰۵۱۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ۵/ ۱۹، رقم ۴۹۷۸۔ جامع الترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ البقرۃ، رقم ۲۹۸۸۔ تفسیر الطبری: ۳/ ۸۸، ۸۹، رقم ۶۱۶۹، تفسیر سورۃ البقرۃ ومشکوۃ الالبانی ۱/ ۲۷، رقم: ۷۴۔

﴿اَلشَّيْطَانُ يَعِدُ كُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُ كُمْ بِالْفَحْشَاءِ الخ﴾ [1]

''شیطان تم کو محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور بری باتیں بتاتا ہے''

مصنف نے کہا کہ اس حدیث کو جریر نے عطاء سے اور عطاء نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے تعویذ فرماتے تھے اور اس طرح کہتے تھے:

((اُعِيذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَةٍ))

پھر فرماتے تھے کہ اسی طرح میرے باپ ابراہیم علیہ السلام بھی اسماعیل واسحق علیہما السلام کے لیے پناہ مانگا کرتے تھے۔'' [2] یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا ھامۃ ہوام کا واحد ہے۔ اور ھامۃ اس مخلوق کو کہتے ہیں جو بدی کا قصد کرے اور لامہ بمعنی ملمّہ ہے یعنی رنج دینے والی اور حدیث میں لامۃ فقط ھامہ کی مناسبت سے آیا ہے اور زبان پر خفیف ہے۔

ثابت رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مطرف نے کہا کہ میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ فرزند آدم اللہ عزوجل اور ابلیس کے درمیان میں پڑا ہے۔ اگر خدا چاہتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھے تو بچا لیتا ہے اور اگر چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کو لے جاتا ہے۔

بعض سلف سے حکایت منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب شیطان گناہ کو تیری نظروں میں آرائش دے گا تو کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس کو محنت میں ڈالوں گا۔ ان بزرگ نے پھر دو مرتبہ کہا اگر پھر وہ ایسا کرے گا تو تو کیا کرے گا؟ شاگرد نے دونوں مرتبہ کہا اس کو مشقت میں ڈالوں گا۔ بزرگ نے فرمایا یہ بات بہت بڑی ہے۔ یہ بتا کہ اگر تو کسی بکریوں کے گلے پر گزرے اور گلے کا کتا تجھ پر حملہ کرے اور تجھ کو چلنے سے باز رکھے تو تو کیا کرے گا، اس نے کہا میں کتے کو ماردوں گا اور بقدر امکان ہٹاؤں گا۔ بزرگ نے کہا یہ

[1] ۲/البقرہ:۲۶۸۔ [2] بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب یزفون، النسلان فی المشی، رقم ۳۳۷۱۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب فی القرآن، رقم ۴۷۳۷۔ ترمذی: کتاب الطب، باب کیف یعوذ الصبیان، رقم ۲۰۶۰۔ ابن ماجہ: کتاب الطب، باب ماعوذ بہ النبی وماعوذ بہ، رقم ۳۵۲۵۔ احمد: ۱/۲۳۶، ۲۷۰۔

تیرے لیے بڑا کام ہے تم کو چاہیے کہ گلے کے مالک کو پکارا کر وہ تم کو کتے کے شر سے بچائے گا۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ جاننا چاہیے ابلیس کی مثال متقی اور دنیادار کے ساتھ ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیٹھا ہوا ور اس کے سامنے کھانا نہ ہو اس پر کتے کا گزر ہوا اور اس نے اس کو دھتکارا تو وہ جھٹ چل دیا۔ پھر دوسرے شخص پر گزرا اور اس کے آگے کھانا اور گوشت ہے۔ جب وہ اس کو ڈانٹتا ہے تو وہ بھاگتا نہیں۔ پہلی مثال متقی کی ہے کہ اس کے آس پاس شیطان آتا ہے تو اس کے وار کرنے کے لیے ذکر خدا کافی ہے۔ اور دوسری مثال دنیادار کی ہے کہ اس سے شیطان جدا نہیں ہوتا کیوں کہ وہ ہر ایک سے ملا جلا رہتا ہے۔

باب چہارم

تلبیس اور غرور کے معانی کا بیان

مصنف نے کہا کہ تلبیس کے معنی باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرنا ہے۔اور غرور ایک قسم کی نادانی ہے جس کی وجہ سے فاسد عقیدہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور ناقص چیز اچھی معلوم ہوتی ہے۔اور اس نادانی کا سبب فقط کسی ایسے شبہ کا وجود ہے جس سے یہ بات پیدا ہوئی اور ابلیس اپنے حتی المقدور لوگوں کے پاس آتا ہے اور ان پر قابو پانا چاہتا ہے اور اس کا غالب ہونا آدمیوں کی عقل ودانش اور جہل وعلم کے موافق کم وپیش ہوتا ہے اور جاننا چاہیے کہ انسان کا دل مثل قلعے کے ہے اور اس قلعے کی ایک چار دیواری ہے اور اس چار دیواری میں دروازے ہیں اور روزن ہیں۔اس میں عقل رہتی ہے اور فرشتے اس قلعے میں آتے جاتے رہتے ہیں اور قلعے کے ایک طرف پناہ گاہ ہے اس میں خواہشات اور شیاطین آتے جاتے رہتے ہیں جن کو کوئی نہیں روکتا۔ قلعے والوں اور پناہ گاہ والوں میں لڑائی ہوتی ہے اور شیاطین قلعے کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پاسبان غافل ہو جائے یا کسی روزن سے آڑ ہٹ جائے تو قلعے میں گھس پڑیں لہٰذا پاسبانوں کو چاہیے کہ ان کو قلعے کے جن جن دروازوں کے لیے مقرر کیا ہے ان کی خبر گیری رکھیں اور تمام روزنوں کا خیال رکھیں اور پاسبانی سے ایک لحظہ بے خبر نہ ہوں ۔کیوں کہ دشمن موقعہ کا منتظر ہے اور بے خبر نہیں (کسی شخص نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یا حضرت کیا کبھی شیطان سوتا بھی ہے؟ جواب دیا کہ شیطان کو نیند آتی تو ہم لوگوں کو بہت راحت ملتی) پھر وہ قلعہ ذکر خدا سے روشن اور ایمان سے پر نور ہے۔اس میں ایک جلا کیا ہوا آئینہ ہے جس میں صورتیں نظر آتیں ہیں۔جب شیاطین پناہ گاہ میں بیٹھتے ہیں تو پہلے دھواں کثرت سے کرتے ہیں۔جس سے قلعے کی دیواریں سیاہ ہو جاتی ہیں اور آئینہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔یہ دھواں فکر کی ہوا سے زائل ہوتا ہے اور آئینہ پر ذکر الٰہی صیقل کا کام کرتا ہے۔دشمن کا حملہ کئی طرح سے ہوتا ہے کبھی تو قلعہ کے اندر آنے لگتا ہے تو پاسبان اس پر حملہ کرتا ہے اور کبھی داخل ہو کر چھپ رہتا ہے اور کبھی پاسبان کی غفلت سے قلعے میں قیام کرتا ہے۔بسا اوقات دھویں کو اڑا دینے والی ہوا ٹھہر جاتی ہے اور

اس کو کوئی نہیں جانتا اور اکثر اوقات پاسبان اپنی غفلت کی وجہ سے باہر چلا جاتا ہے تو قید کر لیا جاتا ہے اور اس سے شیاطین خدمت لیتے ہیں، اور وہ ہوائے نفسانی کی موافقت کر کے خوش دلی سے لشکر شیاطین میں رہ جاتا ہے اور اکثر ہوتا ہے کہ شر وفساد کا گرو گھنٹال بن جاتا ہے۔

کسی بزرگ نے کہا، میں نے شیطان کو دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں لوگوں سے ملتا تھا تو ان کی تعلیم دیتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ ان سے ملتا ہوں اور خود تعلیم لیتا ہوں اور اکثر اوقات شیطان ہوش منداور عاقل آدمی پر ہجوم کرتا ہے اور خواہش نفسانی کو ایک دلہن کی صورت میں اس کی نظروں میں جلوہ گر کرتا ہے۔ وہ شخص اس کو دیکھ کر شیطان کی قید میں پھنس جاتا ہے۔ اور زیادہ قوی دشمن جس کی زنجیر میں آدمی جکڑ جاتا ہے جہل ونادانی ہے۔ اس سے کم خواہش نفسانی ہے۔ اس کے بعد ایک دشمن ضعیف غفلت ہے۔ جب تک ایمان کی زرہ مومنوں پر رہتی ہے اس وقت تک دشمن کا تیر کارگر نہیں ہوتا۔

حسن بن صالح کہتے ہیں کہ شیطان آدمی کے لیے ننانوے دروازے نیکی کے کھول دیتا ہے۔ جس سے ایک دروازہ برائی کا مقصود ہوتا ہے۔

اعمش نے کہا کہ ایک شخص نے بیان کیا جو جنوں سے باتیں کرتا تھا کہ شیاطین باہم گفتگو کرتے تھے کہ جو لوگ سنت نبوی ﷺ کے تابع ہیں وہ ہمارے لیے نہایت سخت ہیں۔ لیکن جو خواہش نفسانی کے بندے ہیں ان کے ساتھ تو ہم کھیلتے ہیں۔

باب پنجم

شیطان کا عقائد و دیانات میں تلبیس کرنا

سوفسطائیہ کے لیے شیطان کی تلبیس کا بیان

مصنف نے کہا سوفسطائیہ ایک قوم ہے جو ایک شخص کی طرف منسوب ہیں جس کو سوفسطا کہتے ہیں۔ اس قوم کا خیال ہے کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیوں کہ جو چیز ہم دور سے دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جیسی ہم دیکھتے ہیں ویسی ہی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف ہو۔ علما نے ان پر اعتراض کیا ہے اور پوچھا ہے کہ تمہارے اس قول کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر تم کہو کہ کچھ حقیقت نہیں اور اس کے بطلان کو جائز رکھو تو ایسا دعویٰ جس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے اس لیے کہ تم اس قول سے اقرار کرتے ہو کہ تمہاری بات قابل تسلیم نہیں اور اگر تم یہ کہو کہ اس قول کی حقیقت ہے تو تم نے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے مذہب کا تذکرہ ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی نے کتاب الآراء والدیانات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اکثر علماء متکلمین کو دیکھا کہ اس جماعت کے بارے میں انہوں نے صریح غلطی کی۔ کیوں کہ انہوں نے اس قوم سے بحث و مباحثہ کیا اور دلائل و مناظرہ سے ان کی تردید کی حالانکہ یہ لوگ حقیقت، امر اور مشاہدہ ہی کو ثابت نہیں کرتے۔ پھر ایسے شخص سے کیونکر کلام کرے جو کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم تم مجھ سے کلام کرتے ہو یا نہیں اور ایسا آدمی کس طرح مناظرہ کرتا ہے جو اتنا نہیں جانتا کہ خود وہ موجود ہے یا معدوم، اور ایسا انسان کیسے خطاب کرتا ہے جو خطاب کو بمنزلۂ سکوت سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے اور صحیح کو مثل فاسد کے خیال کرتا ہے۔ نوبختی نے کہا پھر مناظرہ وہی شخص کرتا ہے جو ایک ضرورت کا مقر ہو اور ایک امر کا معترف ہو اور جس کا وہ مقر ہو اس کو ایسی چیز کی صحت کا سبب قرار دے جس سے وہ منکر ہو۔ لیکن جو شخص اسکا معترف نہ ہو اس کا مجادلہ اعتبار سے ساقط ہے۔

مصنف نے کہا، میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا ابوالوفاء بن عقیل نے رد کیا اور کہا ہے کہ ایک جماعت کا قول ہے کہ ہم سوفسطائیوں سے کلام کیا کریں؟ کیوں کہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ مباحثہ کرنے والا معقول کو محسوس سے ملائے اور شاہد کو پیش کر کے اس کی وجہ سے غائب پر

دلیل لائے۔ حالانکہ یہ لوگ سرے سے محسوسات ہی کے قائل نہیں۔ ابوالوفاء کہتے ہیں اور یہ کلام تنگ حوصلگی ہے۔ یہ نہ چاہیے کہ ان لوگوں کے معالجہ سے مایوس ہوکر فارغ ہو جائیں، کیوں کہ ان کو جو کچھ خبط ہوا ہے۔ وہ فقط وسواس سے زیادہ نہیں۔ لہٰذا ایسا زیبا نہیں کہ ان کے تعرض سے حوصلہ تنگ کیا جائے۔ کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو برگشتگی مزاج کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ ہماری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو خدا نے بھینگا بیٹا بخشا۔ وہ ہمیشہ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے حتیٰ کہ اس کو اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ آسمان پر دو چاند ہیں۔ اس کا باپ کہتا ہے کہ چاند ایک ہی ہے صرف قصور تیری آنکھ کا ہے۔ اپنی عیب دار آنکھ بند کر کے دیکھ۔ جب وہ لڑکا اس طرح کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ایک چاند اس وجہ سے دیکھتا ہوں کہ ایک آنکھ بند کیے ہوں دوسرا چاند غائب ہوگیا۔ اب اس قول سے ایک اور شبہ پیدا ہوگیا۔ پھر اس کے باپ نے کہا کہ اگر تیرے قول کے مطابق اس وجہ سے ایک چاند جاتا رہا تو اچھی آنکھ بند کر کے نظر کر۔ جب اس نے ایسا کیا تو دو چاند دکھائی دیئے اب اس نے باپ کی بات کو درست جانا۔

محمد بن عیسیٰ نظام نے کہا کہ صالح بن عبدالقدوس کا ایک بیٹا مر گیا۔ اس کے پاس ابو الہذیل کا گزر ہوا۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا اور اس زمانے میں لڑکا تھا۔ صالح نے دردناک آواز سے گفتگو کی۔ اس کی حالت متغیر دیکھ کر ابوالہذیل نے کہا کہ مجھ پر تمہارے رنج وغم کی کوئی وجہ نہیں کھلتی۔ کیوں کہ تمہارے نزدیک آدمی ایسے ہیں جیسے کھیتی۔ صالح نے جواب دیا کہ اے ابو الہذیل میں بیٹے کا غم محض اس لیے کرتا ہوں کہ اس نے کتاب الشکوک کو نہ پڑھا۔ ابوالہذیل نے پوچھا، کتاب الشکوک کیا ہے۔ کہنے لگا ایک کتاب ہے جو میں نے تصنیف کی ہے۔ جو اس کو پڑھتا ہے اس کو گزری ہوئی چیزوں میں شک پڑتا ہے یہاں تک کہ اس کو وہم ہو جاتا ہے کہ نہیں ہوئیں اور جو باتیں نہیں ہوئیں ان میں شبہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خیال کر لیتا ہے کہ ہو چکیں۔ نظام کہتے ہیں میں نے صالح سے کہا کہ پھر اب تم بھی اپنے بیٹے کے مرنے میں شک کرو اور اس پر عمل کرو کہ وہ نہیں مرا گو کہ مر چکا، اور شبہ میں پڑ جاؤ کہ اس نے کتاب الشکوک پڑھ لی اگرچہ نہیں پڑھی۔

ابوالقاسم بلخی حکایت کرتے ہیں کہ ایک سوفسطائی شخص کسی متکلم کے پاس آیا جایا کرتا تھا، ایک بار ان کے پاس آیا اور کچھ مناظرہ کیا۔ ان عالم نے کسی سے کہہ دیا کہ اس شخص کی

سواری کہیں لے جاؤ جب وہ سوفسطائی باہر آیا تو اپنی سواری کو نہ پایا۔ عالم کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میری سواری چوری ہوگئی۔ عالم نے جواب دیا کہ یہ کیا کہتے ہو۔ شاید تم سواری پر نہ آئے ہو گے، اس نے کہا کیوں نہیں۔ عالم بولے سچ بولو، وہ کہنے لگا میں اس امر کا یقین کرتا ہوں۔ عالم نے بار بار کہنا شروع کیا کہ یاد کرلو۔ وہ کہنے لگا آپ کیا فرماتے ہیں یہ کچھ یاد کرنے کی بات نہیں۔ مجھ کو کامل یقین ہے کہ میں سوار ہو کر آیا ہوں۔ عالم نے کہا پھر تم کیونکر دعویٰ کرتے ہو کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں، کیوں کہ حالت بیداری اور حالت خواب یکساں ہے۔ سوفسطائی لاجواب ہوا اور اپنے مذہب سے رجوع کیا۔

ابو محمد نوبختی نے کہا کہ نادانوں کا گروہ خیال کرتا ہے کہ اشیاء کی حقیقت خاص ایک نہیں، بلکہ ہر شے کی حقیقت ہر قوم کے نزدیک ان کے اعتقاد کے موافق ہے۔ مثلاً شہد صفراوی مزاج والے کو تلخ معلوم ہوتا ہے اور دوسروں کو شیریں، اسی طرح عالم کو بھی جو لوگ قدیم مانتے ہیں ان کے نزدیک قدیم ہے اور جو حادث جانتے ہیں ان کے نزدیک حادث ہے۔ اور رنگ کو جو لوگ جسم فرض کرتے ہیں ان کے نزدیک عارض ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اب ہم اگر اعتقاد رکھنے والوں کو بھی معدوم خیال کریں تو یہ اعتقاد رکھنے والے کے وجود پر موقوف ہوگا۔ نوبختی نے کہا یہ لوگ بھی سوفسطائیہ کی قسم سے ہیں۔ ان کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا قول صحیح ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہمارے نزدیک صحیح ہونا مردود ہے اور تمہارا یہ اقرار کرنا کہ تمہارا مذہب تمہارے مخالف کے نزدیک باطل ہے تم پر حجت ہے اور جو کسی وجہ سے اپنے قول کے باطل ہونے پر حجت لائے تو اس کا مخالف اس کے فسادِ مذہب کے ظاہر ہونے میں کافی و غالب ہو جائے گا اور ایک دوسرا جواب اس قوم کا یہ ہے کہ اس سے پوچھا جائے تم مشاہدہ کے لیے کوئی حقیقت ثابت کرتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو اس کا جواب اول الذکر جماعت میں مذکور ہو چکا ہے اور اگر کہیں کہ مشاہدہ کی حقیقت اعتقاد پر موقوف ہے، تو انہوں نے اس سے نفس حقیقت کی نفی کردی۔ اب ان کے ساتھ وہی کلام ہوگا جو پہلے فرقہ کے ساتھ تھا۔

نوبختی نے کہا، اس قوم میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ عالم پگھلتا رہتا ہے اور بہتا رہتا ہے۔ ان کا قول ہے کہ انسان ایک شے کو دوبارہ ذہن میں نہیں لاسکتا کیوں کہ اشیاء ہمیشہ

متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ تم کو یہ علم کہاں سے آ گیا حالانکہ تم خود اسی چیز کا انکار کرتے ہوئے جس کی وجہ سے یہ علم آیا۔دوسرے جب ہم تم میں سے کسی کو جواب دیں گے تو وہ شخص اب وہ نہ ہوگا جس سے ہم نے کلام کیا تھا۔

دہریہ پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف نے کہا، ابلیس نے بہت سی مخلوق کو اس وہم میں ڈال دیا ہے کہ نعوذ باللہ کوئی معبود اور صانع نہیں اور یہ اشیاء بغیر کسی موجود کنندہ کے وجود میں آ گئیں۔ان لوگوں نے جب کہ صانع کو جس کے ذریعہ سے نہ پایا اور اس کی معرفت کے لیے عقل کو کام میں نہ لائے تو اس کی ہستی کا انکار کر بیٹھے۔کیا بھلا کوئی عاقل آدمی صانع کے وجود میں شک لا سکتا ہے۔اگر انسان کا گزر کسی ایسے میدان میں ہوتا ہے جہاں کوئی عمارت نہ ہو پھر کبھی دوبارہ وہاں پر دیوار کھڑی دیکھے تو یقیناً جانے گا کہ اس دیوار کا کوئی بنانے والا ہے۔پھر کیا یہ فرشِ زمین اور یہ آسمان بلند اور یہ عجیب بنیادیں اور حکمت کے موافق جاری قوانین صانع مطلق پر دلالت نہیں کرتے۔کسی عرب نے کیا خوب کہا:

اِنَّ الْبَـعْرَةَ تَـدُلُّ عَـلَـى الْبَـعِيْرِ

فَهَيْـكَـلٌ عُـلْـوِيٌّ بِهٰذِهِ اللَّطَافَةِ

وَمَـرْكَـزٌ سُـفْلِيٌّ بِهٰذِهِ الْكَثَافَةِ

اَمَايَدُلَّانِ عَلَى اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ

''یعنی اونٹ کی مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے پھر پیکر علوی اس لطافت سے اور مرکز سفلی اس کثافت سے کیا لطیف وخبیر پر دلالت نہیں کرتے۔؟''

پھر اگر انسان اپنے نفس میں تامل کرے تو اس کے واسطے ایک کافی وشافی دلیل موجود ہے کیوں کہ اس جسم انسانی میں وہ حکمتیں ہیں جن کے بیان کی کتاب میں گنجائش نہیں جو شخص غور کرے گا کہ دانت اس لیے تیز ہیں تا کہ ٹکڑے کریں۔ڈاڑھیں اس لیے چوڑی ہیں کہ پیس ڈالیں اور زبان لقمہ کو الٹتی پلٹتی ہے اور جگر طعام پر مسلط ہے اسے پکاتا ہے پھر خارجی حصہ کو بقدر ضرورت غذا پہنچاتا ہے اور ان انگلیوں میں اس لیے گرھیں لگائیں تا کہ کھلیں اور بند ہو جائیں

اور کام کر سکیں، پھر انگلیوں کو ہڈی سے خالی نرا گوشت ہی نہ رکھا۔ کیوں کہ پولی ہوتیں تو مضبوط چیز سے انہیں صدمہ پہنچتا اور ٹوٹ جاتیں۔ پھر کوئی انگلی بڑی، کوئی چھوٹی بنائی جب سب مل جاتی ہیں تو برابر ہو جاتی ہیں اور بدن جسمانی میں اس چیز کو پوشیدہ کیا جس سے بدن قائم ہے وہ نفس ہے جس کے نکل جانے سے بدن فاسد ہو جاتا ہے اور عقل ہے جو مصلحتوں کی ہدایت کرتی ہے۔ ان چیزوں میں سے ہر ایک بآواز بلند پکار کر کہتی ہے:

اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ [1]

''کیا خدا کی ہستی میں کوئی شبہ ہے''

منکرین فقط اس وجہ سے بے راہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا کو حس ظاہری کے ذریعے سے طلب کیا۔ بعض لوگوں نے خدا کا اس لیے انکار کیا کہ جس کا وجود اجمالی طور پر ثابت کیا گیا۔ انہوں نے تفصیلی حیثیت سے اس کا ادراک نہ کیا۔ لہٰذا اصل وجود ہی سے منکر ہو گئے اور یہ لوگ اپنے غور و فکر کو کام میں لاتے تو جان لیتے کہ خود ہم میں ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک ہم اجمالی طور پر کرتے ہیں جیسے نفس اور عقل۔ حالانکہ کوئی ان کا وجود ثابت کرنے سے باز نہیں رہا اور زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ خالق کا وجود مجمل طور پر ثابت کیا جاتا ہے اور یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیسا ہے اور کیا ہے جب کہ نہ اس کی کوئی کیفیت ہے نہ ماہیت۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قطعی دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ عالم حادث ہے۔ کیوں کہ وہ حوادث سے خالی نہیں اور جو چیز کہ حوادث سے بچی نہ ہو وہ حادث ہے۔ ملحدین زبان درازی سے ہمارے اس قول پر اعتراض کرتے ہیں کہ صنعت کے لیے صانع کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس صورت کے لیے جو صانع نے بنائی ایک مادہ کا ہونا لازمی ہے جس میں وہ صورت واقع ہو۔ جیسے لکڑی دروازے کی صورت کے لیے اور لوہا کلہاڑی کی صورت کے لیے۔ ملحدین کہتے ہیں کہ اب جس دلیل سے تم نے صانع کا وجود ثابت کیا تھا اسی دلیل سے عالم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ صانع کو مادہ کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صانع نے اشیاء کی ایجاد و اختراع کی ہے۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ جسم میں صورتیں اور اشکال متجددہ جیسے دولاب کی صورت اس میں کوئی مادہ نہیں۔ حالانکہ صانع نے اس صورت کو اختراع کیا ہے اور اس کے لیے

---

[1] ۱۴/ابراہیم:۱۰۔

مصور کا ہونا ضرور ہے۔اب ہم نے تم کو ایک ایسی صورت دکھادی۔جس کا وجود عدم محض سے ہوا اور تم ہم کو کوئی ایسی صنعت نہیں دکھا سکتے جو بغیر کسی صانع کے ظہور میں آئی ہو۔

طبیعیات والوں (طبائعیین) پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف نے کہا کہ جب شیطان نے دیکھا کہ صانع کا انکار کرنے میں اس کی بات کم مانی جاتی ہے۔کیوں کہ عقلیں اس بات کی شاہد ہیں کہ مصنوع کے لیے صانع کا ہونا لازم ہے تو چند اقوام کی نگاہوں میں اس عقیدہ کو زینت دی کہ یہ تمام مخلوقات صرف طبیعت کا فعل ہے اور سمجھایا کہ دنیا میں جو اشیاء ہیں وہ سب چاروں طبیعتوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ وہ طبیعتیں ہی فاعل ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں طبائع کا اجتماع تو اس کی دلیل ہے کہ طبائع موجود ہیں نہ یہ کہ وہ خود فاعل ہیں۔پھر یہ بھی ثابت ہوا کہ طبائع بغیر اجتماع اور باہمی آمیزش کے فعل نہیں کرتیں اور یہ امر خود طبائع کی طبیعت کے خلاف ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ طبائع مجبور ومقہور ہیں اور یہ امر مسلّم ہے کہ طبائع میں حیات،علم اور قدرت نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک با انتظام اور باقاعدہ فعل کسی عالم ودانا ہی سے سرزد ہوگا۔پھر جب کوئی چیز خود عالم نہیں وہ دوسرے عالم کا فاعل کب ہوسکتی ہے اور جس میں خود قدرت نہیں وہ ایک قادر کا فاعل کیا ہوگی۔اگر منکرین کہیں کہ فاعل اگر حکیم ودانا ہوتا تو اس کی عمارت میں خلل نہ پایا جاتا اور یہ موذی حیوانات موجود نہ ہوتے،معلوم ہوا کہ سب کچھ طبیعت سے ہے۔ہم جواب دیں گے کہ یہ اعتراض تمہیں پر لوٹتا ہے کہ اس سے جو امور با انتظام اور استوار صادر ہوئے طبیعت سے ایسے امور صادر نہیں ہوسکتے اور خلل جو تم کہتے ہو تو ممکن ہے کہ امتحان اور تنبیہ اور سزا کی غرض سے ہو یا اس خلل میں ایسے منافع پوشیدہ ہوں جنہیں ہم نہیں جانتے۔پھر ہم پوچھتے ہیں کہ ماہ نیسان میں آفتاب کی طبیعت کا اثر کہاں چلا جاتا ہے کہ انواع واقسام کے غلوں اور میووں پر طلوع ہوتا ہے پھر غورہ انگور وغیرہ کو تر کرتا ہے اور گیہوں کا عرق کھینچ کر اس کو خشک کر دیتا ہے۔اگر آفتاب کا فعل طبعًا ہوتا تو سب کو خشک کر دیتا یا تر کر ڈالتا۔اب فاعل مختار کے سوا کوئی نہ رہا جس نے اپنی مرضی کے موافق آفتاب سے کام لیا کہ ایک کو ذخیرہ کے لیے خشک کر دیا اور دوسرے کو کھانے کے لیے تر

رکھا اور لطف یہ ہے کہ جس کو حرارتِ آفتاب نے خشکی پہنچائی ہے وہ غلاف میں ہوتا ہے اور اس کے جسم سے حرارت ملحق نہیں ہوتی اور جس کے جسم سے ملی ہوتی ہے اس کو تر رکھا۔ یعنی گیہوں کو خشک کر دیا اور انگور کو تری پہنچائی۔ پھر وہی حرارت خشخاش کے پھول کو سفید کرتی ہے اور گل لالہ کو سرخ بناتی ہے اور انار کو کھٹا میٹھا رکھتی ہے اور انگور کو ترشی پہنچاتی ہے حالانکہ پانی ایک ہی ہے اور اسی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ فرماتا ہے۔

﴿يُسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ﴾ [1]

''یعنی میوہ جات ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ہم کھانے میں بعض کو بعض پر فوقیت بخشتے ہیں۔''

ثنویہ پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف نے کہا ثنویہ وہ قوم ہے جس کا مقولہ ہے کہ صانع عالم دو ہیں۔ ایک فاعل خیر جو نور ہے۔ دوسرا فاعل شر جو ظلمت ہے اور یہ دونوں قدیم ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں قوی حساس سمیع وبصیر ہیں اور دونوں کے دونوں نفس اور صورت میں مختلف ہیں۔ فعل اور تدبیر میں باہم برعکس ہیں۔ جو جو ہر نور ہے وہ صاحب فضل وحسن اور صاف ہے۔ خوشبو اور خوب صورت ہے اور اس کی ذات خیر وبرکت والی، جود وکرم والی، دانا اور نفع رساں ہے۔ اسی سے خیر، لذت، سرور اور بہتری ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں کسی قسم کی زیاں رسانی اور برائی نہیں، جو ہر ظلمت ہے وہ اس کے برخلاف ہے۔ اس میں کدورت، نقص، گندگی اور بدنمائی ہے اور اس کی ذات مفسد، کنجوس، نادان، زیاں دہ ہے۔ اسی سے جھگڑا اور فساد نکلتا ہے۔ ثنویہ کی کتابوں سے ان کا یہ عقیدہ ابو محمد نوبختی نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ نوبختی نے کہا ایک دوسرے کی جانب ہے۔ اور اکثر کا خیال ہے کہ ہمیشہ بعض ثنویہ کا خیال ہے کہ نور ہمیشہ ظلمت کے اوپر رہتا ہے، بعض کا گمان ہے کہ جانب شمال بلند ہوتا رہا اور ظلمت جانب جنوب گرتی رہی اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ نوبختی نے کہا، ثنویہ کا مقولہ ہے کہ یہ دونوں خدا پانچ پانچ جنس پر منقسم ہیں۔ جن میں چار جسم ہیں اور پانچویں روح۔ نور کے چاروں جسم یہ ہیں۔ نار، نور، ہوا، پانی اور

---

[1] ۱۳/ الرعد:۴۔

روح روشنی ہے۔ جوان بدنوں میں ہمیشہ متحرک رہتی ہے۔ ظلمت کے چار جسم یہ ہیں سوزش، تاریکی، باد سموم، غبار اور روح دھواں ہے۔ انہوں نے نور کے اجسام کا نام ملائکہ رکھا ہے اور ظلمت کے اجسام کا نام شیاطین اور عفاریت رکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ظلمت سے شیاطین پیدا ہوتے ہیں اور نور سے ملائکہ تولّد پاتے ہیں۔ اور نور کو شر پر قدرت نہیں اور نہ شر اس سے ممکن ہے ظلمت خیر پر قادر نہیں اور نہ خیر اس سے ممکن ہے۔ نوبختی نے ان کے مذاہب نور اور ظلمت کے متعلق مختلف بیان کیے اور لچر عقائد ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان پر محنت و مشقت فرض ہے اور ایک دن کی خوراک سے زیادہ ذخیرہ نہ جمع کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان پر عمر کے ساتویں حصے کی مدت کے روزے رکھنا، جھوٹ، بخل، جادو، بت پرستی، زنا اور چوری چھوڑ دینا فرض ہے اور کسی ذی روح کو ایذا نہ دینی چاہیے۔ اس بارے میں ان کے مذاہب ہیں جو انہوں نے اپنے خیالاتِ ناقصہ سے ایجاد کر لیے ہیں۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے کہا کہ ان میں سے ایک قوم ہے جن کو دیصانیہ کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عالم کی طینت سخت و درشت تھی۔ وہ طبیعت ایک زمانے تک جسم باری تعالیٰ میں جس کو نار کہتے ہیں حلول کیے رہی۔ باری تعالیٰ نے اس سے تکلیف پائی۔ جب اس کو زمانہ گزرا تو اس نے اپنے جسم سے اس طینت کو جدا کرنا چاہا۔ وہ جسم طینت میں مل گیا۔ اور گڈ مڈ ہو گیا۔ اسی جسم اور طینت سے یہ عالم مرکب ہوا کہ نوری اور ظلمی ہے۔ اب جو کچھ صلاح کی قسم سے ہوتا ہے وہ نور کی طرف سے ہے اور جو فساد کی قسم سے ہو وہ ظلمت کی جانب سے ہے۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے وہ آدمیوں کو قتل کرتے اور آزار پہنچاتے ہیں۔ ان کو اس عقیدہ پر جس نے مجبور کیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے عالم میں شر اور اختلاف دیکھا۔ لہٰذا سمجھ گئے کہ ایک اصل سے دو متضاد چیزیں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح آگ میں گرمی اور سردی جمع نہیں ہو سکتیں۔ علما نے ان کے اس قول کا کہ صانعِ عالم دو ہیں یوں رد کیا کہ اگر خدا دو ہوتے تو ضرور ہے کہ دونوں یا قادر ہوتے یا عاجز، یا ایک قادر ہوتا اور دوسرا عاجز۔ اب یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں عاجز ہوں۔ لہٰذا ایک صورت باقی رہ گئی کہ دونوں قادر ہوں، اب ذہن میں آتا ہے کہ دونوں میں سے ایک قادر کسی جسم کو ایک حالت میں حرکت دینا چاہتا ہے اور دوسرا اس کے سکون کا خواہاں ہے۔ یہ دونوں جس امر کا ارادہ کرتے ہیں اس کا ظہور میں آنا محال ہے۔ کیوں کہ اگر ایک کی مراد پوری ہوگی تو

دوسرے کا عجز ثابت ہوگا۔ مجوسیہ کے اس مقولہ کا کہ فاعل خیر نور ہے، اور فاعل شر ظلمت ہے۔ علما نے یوں رد کیا کہ اگر کوئی مظلوم بھاگ کر ظلمت سے پناہ لے تو یہ خیر ہے جو شر سے صادر ہوئی۔ اس قوم کے ساتھ کلام کرنے میں نفس کو راغب نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ان کے مذاہب محض خرافات ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔

فلاسفہ اور ان کے تابعین پر شیطان کی تلبیس کا ذکر

مصنف نے کہا کہ شیطان نے فلاسفہ کو دھوکا دینے پر اس جہت سے قابو پایا کہ یہ لوگ فقط اپنی آراء اور عقلوں کے ہو رہے اور اپنے خیالات کے مطابق گفتگو کی۔ انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ان میں بعض وہ ہیں جو دھریہ فرقہ کے ہم مشرب ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ فلاسفہ کا یہ مقولہ نوبختی وغیرہ نے ان کی کتابوں سے نقل کیا۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے ذکر کیا کہ ارسطا طالیس اور اس کے اصحاب کا خیال ہے کہ زمین ایک ستارہ ہے جو کہ آسمان کے جوف میں ہے اور ہر ایک ستارے میں اس زمین کی طرح کے عالم ہیں، درخت اور نہریں ہیں جیسے کہ زمین میں ہیں اور یہ فرقہ صانع کو نہیں مانتا اور ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عالم کے لیے علت قدیمہ ثابت کرتے ہیں۔ پھر عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قائل ہیں کہ عالم ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ساتھ موجود اور اس کا معلول رہا۔ اس کے وجود سے پیچھے نہیں ہٹا۔ اس کے ساتھ ایسا رہا جیسا کہ معلول علت کے ساتھ رہتا ہے اور نور شمس کے ساتھ لازم ہے اور یہ لزوم بالزمان نہیں بلکہ بالذات اور بالرّتبہ ہے۔ اس گروہ کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ تم قدیم ارادہ کی جہت سے عالم کے حادث ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو۔ کیوں کہ ارادہ قدیمہ اس عالم کے اسی وقت موجود ہونے کو چاہتا تھا جس وقت یہ عالم پایا گیا۔ پھر وہ کہیں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ وجود باری اور وجود مخلوقات میں ایک زمانہ ہو تو ہم جواب دیں گے کہ زمانہ مخلوق ہے اور زمانہ سے پہلے کوئی زمانہ نہیں، پھر اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ آیا خدا میں یہ قدرت ہے کہ آسمان کے دل کو موجودہ بلندی سے ایک آدھ ہاتھ کم یا زیادہ کر دے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ بات ممکن نہیں تو یہ ایک تو خدا کو عاجز بنانا ہے۔ دوسرے جس چیز کا بڑھنا گھٹنا ممکن نہ ہو اس کا اپنی اصلی حالت پر موجود رہنا واجب ہے نہ ممکن اور جو چیز واجب ہوتی ہے وہ علت سے

مستغنی ہے۔ان لوگوں نے جو یوں کہا کہ خدا تعالیٰ عالم کا صانع ہے تو دراصل اپنا مذہب چھپایا ہے، عالم کا مصنوع ہونا ان کے خیال میں جائز ہے حقیقت میں نہیں۔ کیوں کہ فاعل اپنے فعل میں ارادہ کرنے والا ہوتا ہے اوران کے نزدیک عالم کا ظہور ضروری ہے خدا کے فعل سے نہیں ہے۔اس فرقہ کے مذاہب میں سے یہ بھی ہے کہ عالم ہمیشہ رہے گا۔جس طرح اس کی ابتدا نہیں اسی طرح انتہا بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ عالم علتِ قدیمہ کا معلول ہے اور معلول اپنی علت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور جب عالم ممکن الوجود ہوا تو نہ قدیم ہوگا اور نہ معلول ہوگا۔ جالینوس نے کہا ہے کہ مثلاً فرض کرو اگر آفتاب قابل انعدام ہوتا تو اس قدر مدت دراز میں اس پژمردگی ظاہر ہوتی۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ بہت سی چیزوں میں پژمردگی نہیں آتی، بلکہ یکا یک فاسد ہو جاتی ہے۔علاوہ ازیں تم نے کیونکر جان لیا کہ آفتاب میں پژمردگی اور کمی نہیں آئی۔ کیوں کہ آفتاب فلاسفہ کے نزدیک زمین سے ایک سو ستر حصے یا اس سے کم وبیش بڑا ہے پھر اگر اس میں سے پہاڑوں کے برابر کم بھی ہو جائے تو وہ حس سے معلوم نہ ہوگا۔ پھر ہم جانتے ہیں کہ یاقوت اور سونا فاسد ہو جاتے ہیں حالانکہ برسوں تک باقی رہتے ہیں اوران کا نقصان محسوس نہیں ہوتا۔پس ظاہر ہوا کہ ایجاد اور اعدام اسی قادر کے ارادہ سے ہے جو اپنی ذات میں تغیر سے پاک ہے۔اوراس کی کوئی صفت حادث نہیں فقط اس کا فعل متغیر ہوتا ہے جو ارادۂ قدیمہ کے متعلق ہے۔

ابو محمد نوبختی نے کتاب الآراء والدیانات میں نقل کیا ہے کہ سقراط کا خیال ہے کہ اشیاء کے اصول تین ہیں۔علتِ فاعلی، عنصر اور صورت۔وہ کہتا ہے کہ اللہ عزوجل تو عقل ہے اور عنصر کون وفساد کا موضوع اول ہے اور صورت جسم نہیں بلکہ جوہر ہے۔اسی فرقہ میں سے دوسرے،قول ہے کہ اللہ تعالیٰ علت فاعلی ہے اور عنصر منفعل ہے۔تیسرا کہتا ہے کہ عقل نے اشیاء کو اسی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے۔چوتھے کا مقولہ ہے کہ عقل نے ترتیب نہیں دی بلکہ طبیعت کا فعل ہے۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے نقل کیا کہ فلاسفہ میں سے ایک قوم کا قول ہے کہ جب ہم نے عالم کو مجتمع، متفرق، متحرک اور ساکن دیکھا تو جان لیا کہ وہ حادث ہے اور حادث کے لئے کسی محدث کا ہونا ضروری ہے۔پھر ہم نے دیکھا کہ آدمی پانی میں جا گرتا ہے اور اچھی طرح تیرنا نہیں جانتا، لہٰذا اس صانع ومدبر سے فریاد کرتا ہے مگر وہ اس کی فریاد رسی نہیں کرتا۔اسی طرح

کوئی آگ میں گر پڑتا ہے تو ہم نے معلوم کر لیا صانع معدوم ہے یحییٰ نے کہا کہ عدم صانع کے بارے میں یہ لوگ تین فریق ہیں۔ایک فرقہ کا تو خیال ہے کہ جب صانع نے عالم کو کامل اور تمام کر دیا تو اس کو اچھا معلوم ہوا۔اس لیے وہ ڈرا کہ کہیں اس میں زیادتی یا کمی نہ آجائے جس سے وہ فاسد ہو جائے اس خوف سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا اور عالم اس سے خالی ہو گیا اور تمام احکام حیوانات اور عالم کے مطبوعات میں جاری حسب اتفاق باقی رہ گئے۔دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی ذات میں ایک شور و غوغا ظاہر ہوا۔اس لیے اس کی قوت منجذب ہوتی رہی اور نور گھٹتا رہا۔حتیٰ کہ وہ نور اور قوت اس شور و فریاد میں آگئے۔اسی شور کو عالم کہتے ہیں اور باری تعالیٰ کا نور بگڑ گیا اور اس میں سے ایک محدود رہ گیا۔اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ عالم میں سے نور جذب ہو کر اسی کی طرف جائے گا۔پھر وہ جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے گا اور چونکہ وہ اپنی مخلوقات کی کارپردازی سے کمزور تھا اس لیے ان کا کاروبار مہمل چھوڑ دیا۔اس لیے جور و ظلم شائع ہو گیا۔تیسرا فرقہ گمان کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ باری تعالیٰ نے جب عالم کو استوار کیا تو اس کے اجزاء عالم میں متفرق ہو گئے اور عالم میں جو قوت ہے وہ جوہر لاہوتی سے ہے۔

مصنف نے کہا، یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ یحییٰ بن بشر نے بیان کیا ہے جس کو میں نے نظامیہ میں ایک نسخہ سے نقل کیا جو دو سو بیس برس قبل لکھا گیا تھا اور اگر اس کے نقل کرنے سے ابلیس کی تلبیس کا بیان مقصود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے سبب سے اس بیان سے روگردانی بہتر ہوتی۔ایسے ناشائستہ عقائد کا ذکر کرنا زیبا نہیں۔لیکن ہم نے اس کے ذکر کرنے میں فائدہ کی صورت بیان کر دی۔

اکثر فلاسفر اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ علم نہیں فقط اپنی ذات کا علم ہے۔ حالانکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق کو اپنی ذات کا علم ہے،اور اپنے خالق کا بھی ہے علم تو گویا انہوں نے مخلوق کا رتبہ خالق سے بڑھا دیا۔مصنف نے کہا،اتنی ہی بات سے اس عقیدہ کی سخت رسوائی ظاہر ہو گئی۔زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔غور کا مقام ہے کہ ان احمقوں کو ابلیس نے کیسا فریب دیا۔باوجودیکہ یہ لوگ کمال عقل کا دعویٰ کرتے ہیں۔اس عقیدہ میں شیخ بوعلی سینا ان کے خلاف ہے۔وہ کہتا ہے کہ یہ بات نہیں بلکہ خدا کو اپنے نفس کا علم ہے اور اشیائے کلیہ

کا بھی علم ہے لیکن جزئیات کا علم نہیں ۔اس مذہب کو معتزلہ نے بھی ان لوگوں سے لیا ہے۔ گویا انہوں نے معلومات زیادہ بہم پہنچائیں ۔الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس جماعت میں داخل کیا جو ذات باری تعالیٰ سے جہل اور نقص کو دور کرتی رہی ۔اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر ایمان لائے ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ [1]

''یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا علم نہیں۔''

وَقَوْلُهُ ﴿وَيَعْلَمُ مَافِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ [2]

''یعنی اللہ تعالیٰ کو بحر و بر کی ہر چیز کا علم ہے۔''

کوئی پتہ درخت سے نہیں گرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔اور معتزلہ اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت خود اس کی ذات ہی ہے۔ یہ عقیدہ اس لیے رکھا تا کہ دو قدیم ثابت نہ کرنا پڑیں۔ جواب اس قوم کا یہ ہے کہ قدیم فقط ایک ذات ہے جو صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔

مصنف نے کہا کہ مرنے کے بعد اٹھنے سے، روحوں کے بدنوں میں لوٹائے جانے سے اور بہشت و دوزخ کے جسمانی ہونے سے فلاسفہ نے انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ فقط مثالیں ہیں جو عوام الناس کے لیے بیان کی گئی ہیں تا کہ عذاب و ثواب روحانی سمجھ میں آ جائے اور خیال کیا ہے کہ نفس بعد موت کے ہمیشہ کے لیے زندہ رہتا ہے یا تو ایسی لذت میں ہوتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتی وہ کامل نفوس ہوتے ہیں یا ایسی تکلیف میں ہوتا ہے جس کا بیان نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ وہ نفوس ہیں جو گناہوں میں آلودہ ہوتے ہیں اور اس تکلیف کے درجے لوگوں کے اندازوں کے موافق کم و بیش ہوا کرتے ہیں اور کبھی بعض نفوس سے یہ تکلیف مٹ بھی جاتی اور دور بھی ہو جاتی ہے۔اس قوم کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ موت کے بعد وجود نفس کے ہم منکر نہیں اور اسی واسطے نفس کے عود کو اعادہ کہتے ہیں اور نہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ نفس کے لیے راحت اور رنج ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ حشر اجساد کو کونسی چیز مانع ہے اور ہم بہشت اور دوزخ میں لذت جسمانی کا کیونکر انکار کریں جب کہ شریعت نے ہم کو اس کی تعلیم دی۔لہٰذا ہم سعادت و شقاوت روحانی و جسمانی دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور لیکن تم جو حقائق کو مقام امثال میں قائم کرتے ہو

---

[1] ٦٧/الملک:١٤۔ [2] ٦/الانعام:٥٩۔

یہ بلا دلیل زبردستی ہے۔ پھر اگر وہ کہیں کہ ابدان کا بعد ریزہ ریزہ اور معدوم ہونے کے پایا جانا محال ہے تو ہم جواب دیں گے کہ قدرت کے سامنے کوئی بات بعید نہیں۔ علاوہ اس کے انسان اپنی ذات میں انسان ہے اور اگر اس خاک کے سوا جس سے وہ پیدا ہوا ہے دوسری خاک کا بدن اس کے لیے بنا دیا جائے تو انسانیت سے خارج نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس کے اجزا خوردی سے بزرگی کی طرف اور لاغری سے فربہی کی جانب بدلتے رہتے ہیں اور اگر وہ کہیں کہ بدن وہ بدن نہیں رہا۔ جب کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کر گیا حتیٰ کہ رگ و پوست بن گیا۔ تو ہم جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مفہوم مشاہد پر موقوف نہیں۔

مصنف نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی کہ اجساد قبل از بعث قبروں سے اُگیں گے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کا زمانہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا، اے ابو ہریرہ! کیا چالیس دن کا زمانہ ہوگا۔ جواب دیا کہ مجھے یاد نہیں۔ پوچھا کیا چالیس مہینے ہوں گے۔ کہا مجھے خیال نہیں۔ سوال کیا کیا چالیس برس کی مدت ہوگی۔ جواب دیا کہ مجھے دھیان نہیں۔ آپ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا تو تم اس طرح اُگو گے جیسے سبزہ اگتا ہے اور فرمایا کہ انسان کی ہر شے بوسیدہ ہو جاتی ہے مگر صرف ایک ہڈی باقی رہتی ہے اور وہ ہڈی دم گزے کی ہے۔ (کمر کا آخری حصہ) اسی سے قیامت کے دن خلقت مرکب ہوگی۔'' [1] یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے ہمارے مذہب والوں میں سے چند قوموں پر تلبیس کی تو ان پر ان کی ذکاوت، ذہن اور عقلوں کی راہ سے داخل ہوا۔ ان کو سمجھایا کہ فلاسفہ ہی کی پیروی صواب ہے۔ کیوں کہ ان لوگوں سے ایسے ایسے افعال اور اقوال صادر ہوئے جو نہایت ذکا اور کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ سقراط و بقراط و افلاطون وارسطاطالیس و جالینوس کی حکمت میں پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان علما پر فقط علوم ہندسہ و منطق وطبعیات کا دارومدار ہے اور انہوں نے اپنی عقل سے پوشیدہ امور نکالے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے

[1] بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النباء، باب یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا، رقم ۴۹۳۵۔ مسلم: کتاب الفتن، باب ما بین النفختین، رقم ۷۴۱۴۔ فیض القدیر شرح جامع الصغیر: ۵/۵۵۲، رقم ۷۸۵۹۔

الٰہیات میں گفتگو کی تو گڈ مڈ کر دیا اور اسی وجہ سے ان میں اختلاف پڑا اور حساب و ہندسہ میں خلاف نہ ہوا۔ ہم نے ان کی تخلیط کا بیان ان کے عقائد میں کیا ہے اور ان کی تخلیط کا سبب یہ ہے کہ بشری قوتیں علوم الٰہیہ کو فقط اجمالی طور سے ادراک کر سکتی ہیں اور اس ادراک کے لیے شرائع کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے اور ان متاخرین کے لیے امثال میں بیان کیا گیا کہ حکماء متقدمین صانع کے منکر تھے اور شرائع کو دور کر دیتے تھے۔ بلکہ ان کو ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی سمجھتے تھے۔ متاخرین نے ان کے خیالات کی تصدیق کی۔ انہوں نے شعار دین کو چھوڑ دیا۔ نمازوں کو مہمل اور بے کار سمجھا۔ ممنوعات کے مرتکب ہوئے اور حدود شریعت کو ناچیز جانا اور اسلام کی پابندی ترک کر دی۔ ان لوگوں کی بہ نسبت یہود و نصاریٰ اپنے عقائد میں معذور ہیں کیوں کہ وہ اپنی شرائع کے پابند ہیں۔ جن پر معجزات دلالت کرتے ہیں اور اہل بدعت بھی معذور ہیں کیوں کہ وہ ادلہ شرعیہ میں غور وفکر کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے کفریات کی کچھ بھی سند نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ جانتے ہیں کہ فلاسفہ حکماء تھے۔ افسوس ان کو یہ خبر نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء بھی ہیں اور حکماء سے زیادہ بھی ہیں اور ان لوگوں کو جو حکماء سے انکار صانع کی خبر ملی ہے تو محض دروغ اور محال ہے کیوں کہ ان میں صانع کو ثابت کرتے ہیں اور نبوتوں کے منکر نہیں۔ الا آنکہ اس میں غور کرنا بیکار جانا۔ ان میں سے معدودے چند بچے کہ جو دہریہ کے تابع ہو گئے۔ جن کے فہم کا فساد کئی مرتبہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ہم نے اپنی امت کے تفلسف پیشوں میں سے اکثر کو دیکھا کہ ان کے اس تفلسف سے بجز سرگردانی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب نہ وہ مقتضائے فلسفہ ہی سمجھتے ہیں اور نہ ہی مقتضائے اسلام جانتے ہیں۔ بلکہ بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور پھر خالق اور نبوتوں پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں اور حشر اجساد کے انکار میں بحث کرتے ہیں اور جس کو دیکھئے کہ فقر وفاقہ کی مصیبت میں گرفتار ہے وہ عام طور پر قضا وقدر سے ناراض ہے۔ حتیٰ کہ مجھ سے بعض متفلسفہ نے کہا کہ ہم تو اسی سے مخاصمہ کرتے ہیں جو آسمان پر ہے اور اس بارے میں بہت سے اشعار پڑھتا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے جو دنیا کی صفت میں ہے۔ ’’کیا تم دنیا کو کسی صانع کی صنعت خیال کرتے ہو یا تم اس کو ایسا تیر سمجھتے ہو جس کا کوئی پھینکنے والا نہیں۔‘‘ انہی میں سے چند شعروں کا ترجمہ یہ

ہے۔ ''افسوس دنیا میں ہمارے لئے بھلائی کو نہ اختیار پیش کرتا ہے نہ علم سے حاصل ہوتی ہے پھر تحصیل علم سے کیا فائدہ ہے۔ ہم زمانے کے ہاتھوں سے ایسی مصیبت میں گرفتار ہیں جس سے نہ عقل ہی نجات دے سکتی ہے اور نہ ہی نرمی اور تند خوئی۔ ہم ایسی تاریکیوں میں پڑے ہیں جن میں نہ کوئی چاند چمکتا ہے نہ آفتاب روشن ہے اور نہ کوئی چنگاری سلگتی ہے۔ بیشک زمانے میں عمل کرنا محض بیکار ہے اور کسی قسم کی گفتگو کرنا بالکل ہوس ہے۔''

چونکہ ہمارے زمانے سے فلاسفہ اور رہبان دونوں کا زمانہ قریب ہے لہٰذا ہمارے اہل ملت میں سے بعض نے تو ان کا دامن پکڑ لیا اور بعض نے ان کی اطاعت کی۔ اسی لیے تم اکثر احمقوں کو دیکھتے ہو کہ جب وہ اعتقاد کے باب میں غور کرتے ہیں تو تفلسف میں پڑ جاتے ہیں اور جب زہد کے بارے میں فکر کرتے ہیں تو راہب بن جاتے ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو ہمارے مذہب پر قائم رکھے اور ہمارے دشمن سے ہمیں بچائے۔

ہیکل پرستوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

ہیکل پرست وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ علوی روحانیات میں سے ہر ایک روحانی کے لیے ایک پیکر ہے۔ یعنی اجرام فلکی میں سے ایک جرم اس کی صورت ہے اور ایک روحانی کی طرف جو اس کے ساتھ مختص ہے منسوب ہے۔ جس طرح ہماری روحوں کی نسبت ہمارے ابدان کی جانب ہے۔ وہی روحانی اس کا مدبر ہے اور وہی اس میں تصرف کرتا ہے۔ منجملہ ہیاکل علویہ کے ثوابت اور سیارے ہیں۔ اس گروہ کا قول ہے کہ ہماری رسائی خاص روحانی تک نہیں ہو سکتی، اس لیے ہم اس کے پیکر کی پرستش کرتے ہیں اور اس پر چڑھاتے چڑھاتے ہیں۔ اس قوم کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ ہر پیکر آسمانی کے لیے اسی کی صورت اور جوہر کا ایک شخص اشخاص سفلی میں سے ہے۔ لہٰذا اس فریق نے صورتیں بنائی ہیں اور بت تراشے ہیں اور ان کے لیے مکان تیار کئے ہیں۔

یحییٰ بن بشر نہاوندی نے ذکر کیا، ایک قوم کا قول ہے کہ سات ستارے زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد، اور قمر اس عالم کے مدبر ہیں اور ملأ اعلیٰ کے حکم سے صدور پاتے ہیں۔ اس قوم نے ان ستاروں کی صورتوں پر بت نصب کئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک حیوان

کا جو اس سے مشابہ ہے چڑھاوا مقرر کیا ہے۔

زحل کے واسطے ایک بت کور چشم سیسے کا بنایا ہے۔اس پر ایک بوڑھا بیل چڑھایا جاتا ہے اس بیل کو ایک گڑھے کے پاس لاتے ہیں جو نیچے کھودا ہوتا ہے۔اس گڑھے کے اوپر لوہے کی درازیں ہوتی ہیں بیل کو مارتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس گڑھے میں داخل ہوتا ہے اور ان درازوں پر چلتا ہے جس سے اس کے ہاتھ پاؤں جکڑ جاتے ہیں۔ پھر اس کے تلے آگ روشن کی جاتی ہے حتیٰ کی بیل جل کر رہ جاتا ہے نیاز چڑھانے والے کہتے ہیں کہ اے معبود نابینا تو پاک ہے۔تیری طبیعت میں وہ شر ہے کہ کبھی نیکی نہیں کرتا۔ہم نے تجھ پر وہ چیز چڑھائی جو تجھ سے مشابہ ہے۔ہم سے اس کو قبول کر اور اپنے شر اور اپنے ارواح خبیثہ کی برائی سے ہم کو بچا۔

مشتری پر ایک شیر خوار لڑکا چڑھاتے ہیں۔اس کا طریق یہ ہے کہ ایک لونڈی خریدتے ہیں۔اس سے ساتوں بتوں کے مجاور وطی کرتے ہیں وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔وضع حمل تک اس کو نہیں چھیڑتے۔اس کے بعد لاتے ہیں۔آٹھ روز کا بچہ اس کی گود میں ہوتا ہے، اس بچے کے جسم میں سوئیاں اور کانٹے چبھوتے ہیں۔وہ لونڈی ندامت کے مارے روتی ہے۔یہ نیاز چڑھا کر کہتے ہیں کہ اے معبود خیر جو کہ شر سے ناواقف ہے، ہم نے تجھ پر ایسے شخص کو چڑھایا ہے جو شر کو مطلق نہیں جانتا۔طبیعت میں تیرا ہم جنس ہے۔ہماری نیاز قبول کر اور اپنی ارواح نیک کی خیر ہم کو نصیب کر۔

مریخ پر ایک آدمی بھورے رنگ کا سفید داغوں والا جس کا سر بھورے پن کی وجہ سے سفید ہوتا ہے۔اس آدمی کو لاتے ہیں اور ایک بڑے حوض میں داخل کرتے ہیں اور حوض کی تہہ میں میخیں گاڑ کر اس کو باندھ دیتے ہیں۔پھر حوض کو روغن زیتون سے بھر دیتے ہیں وہ شخص اس میں گلے تک ڈوبا کھڑا رہتا ہے اور زیتون میں ایسی دوائیں ملاتے ہیں جو اعصاب کو قوت پہنچائیں اور جسم پر گوشت بڑھائیں۔جب ایک سال گزر جاتا ہے اور فربہی بخش غذاؤں سے موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اس کی چربی کھال سے جدا کرتے ہیں اور اس کے سر کے نیچے لپیٹتے ہیں۔پھر اس بت کے پاس لاتے ہیں جو مریخ کی صورت پر ہے اور کہتے ہیں اے معبود شریر صاحب فتنہ و فساد! ہم نے تجھ پر وہ نیاز چڑھائی جو تیرے مشابہ ہے۔ہماری نیاز قبول کر اور ہم کو اپنے اور

اپنی ارواح شریرہ وخبیثہ کے شر سے محفوظ رکھ۔ ان کا خیال ہے کہ اس کے سر میں سات دن تک حیات باقی رہتی ہے۔ وہ ان سے گفتگو کرتا ہے اور اس سال جو خیر وشر ان کو پہنچنے والا ہے وہ جانتا ہے۔

شمس پر اس عورت کو چڑھاتے ہیں۔ جس کے بچے کو مشتری کے لیے مار ڈالا تھا۔ شمس کی صورت کا طواف کراتے ہیں اور کہتے ہیں اے نورانی معبود قابل مدح وثنا ہے۔ ہم نے تجھ پر وہ چڑھاوا چڑھایا جو تیرے مشابہ ہے۔ ہماری نذر قبول کر اور ہم کو اپنی خیر نصیب کر اور اپنی برائی سے پناہ دے۔

زہرہ پر ایک بیباک ادھیڑ بڑھیا عورت چڑھاتے ہیں۔ اس طرح کہ اس ادھیڑ عورت کو زہرہ کے روبرو کر کے اس کے اردگرد پکارتے ہیں کہ اے بیباک معبود! ہم تیرے لیے وہ قربانی کرتے ہیں جس کی سفیدی تیری سفیدی کے مشابہ ہے۔ جس کی بیبا کی تیری بیبا کی سے ملتی ہوئی ہے۔ جس کی نظر بازی تیری نظر بازی کے مانند ہے۔ ہماری قربانی قبول کر۔ پھر لکڑیاں لاتے ہیں اور اس عورت کے گرد انبار لگا کر آگ سلگاتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورت جل کر خاک ہو جاتی ہے اور اس کی راکھ لے کر اس بت کے منہ پر ملتے ہیں۔

عطارد پر ایک جوان آدمی خوشخرام لکھا پڑھا، حساب داں، آداب سے واقف چڑھاتے ہیں اس کو کسی حیلہ سے پھانس لاتے ہیں اور ہر ایک کو جس قدر مذکور ہوئے اسی طرح مکروفریب میں پھانستے ہیں اور ایسی دوائیں کھلاتے ہیں جس سے عقل زائل اور زبان بند ہو جاتی ہے۔ اس جوان کو عطارد کے روبرو کر کے کہتے ہیں کہ اے ظریف معبود! ہم تیرے پاس ایک شخص میں ظریف لائے ہیں اور ہم نے تیری طبیعت کو پہچان لیا۔ اب ہم سے اس نیاز کو قبول کر لے۔ پھر اس جوان کو چیر کر دو ٹکڑے پھر چار ٹکڑے کر ڈالتے ہیں اور بت مذکور کے گرد چار لکڑیوں پر بٹھلایا جاتا ہے (یعنی ہر ٹکڑا ایک لکڑی پر ہوتا ہے) پھر ہر لکڑی میں آگ لگاتے ہیں وہ جلنے لگتی ہے۔ اس کے ساتھ چوتھائی ٹکڑا بھی جل جاتا ہے، اس کی راکھ لے کر بت کے منہ پر ملتے ہیں۔

قمر کے لیے ایک مرد گندم گوں بڑے چہرے والا چڑھاتے ہیں اور اس طرح پکارتے ہیں کہ اے معبودوں کے ہرکارے اور بالائی اجرام کے ہلکے۔

بت پرستوں پر تلبیس میں ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ہر امتحان جس سے ابلیس نے لوگوں پر شبہ ڈالا تو اس کا سبب یہ ہے کہ خواہش جو اس کی طرف جھکے اور عقل جس امر کو مقتضی ہے اس سے منہ پھیر لیا اور حواس کا میلان اپنے مثل کی طرف ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا ابلیس نے بکثرت مخلوق کو صورتوں کی پوجا کرنے کی طرف بلایا اور ان لوگوں میں عقل کا عمل ایکبارگی مٹا دیا۔ پس ان میں سے بعضوں کو تو یہ سمجھایا کہ یہی مورت خود تمہاری معبود ہے اور وہ احمق مان گئے اور بعضوں میں کچھ تھوڑی سی دانائی تھی جس سے وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے اس بات پر موافقت نہ کریں گے تو ان کے لیے یہ رچایا کہ اگر اس مورت کی بندگی کرو، تم کو خالق کی جناب میں تقرب دلائے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کا مقولہ ہے۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ﴾ [1]

''ہم ان کو نہیں پوجتے مگر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہم کو تقرب دلائیں۔''

بت پرستوں پر ابلیس کی ابتدائی تلبیس کا بیان

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ بت پرستی کی بنیاد اس طرح شروع ہوئی کہ جب آدم علیہ السلام نے انتقال کیا تو شیث بن آدم کی اولاد نے ان کی لاش اس پہاڑ کے غار میں رکھی جس پر جنت سے اتارے گئے تھے۔ وہ پہاڑ سرزمین ہندوستان میں ہے اور اس کا نام نوذ ہے اور وہ روئے زمین کے پہاڑوں سے زیادہ سرسبز ہے۔ ہشام نے کہا، پھر میرے باپ نے مجھے خبر دی بروایتہ عن ابی صالح عن ابن عباس کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ شیث کی اولاد اس پہاڑ کے غار میں آدم کی لاش کے پاس جایا کرتی۔ پس اس کی تعظیم کرتے اور اس پر ترحم کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر قابیل کی اولاد میں سے ایک نے کہا کہ اے بنی! قابیل دیکھو کہ بنی شیث کے پاس ایک ایسی چیز ہے جس کے گرد گھومتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں اور تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ پھر ان کے لیے ایک مورت گھڑی اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مورت بنائی۔

---

[1] ۳۹/الزمر:۳۔

ہشام نے کہا، میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ وَدٌّ، سُوَاعٌ.

یَغُوثُ. یَعُوقُ. اور نَسْرٌ

یہ سب بندگان صالح تھے۔ ایک ہی مہینے میں سب نے انتقال کیا۔ تو ان کی برادری والوں کو ان کی وفات سے بڑا صدمہ ہوا۔ پس بنی قابیل میں سے ایک نے کہا کہ اے قوم! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ان کی صورتوں کی پانچ مورتیں تم کو گھڑ دوں (تو گویا وہ تمہارے سامنے ہوں گے) سو اتنی بات کے کہ مجھے یہ قدرت نہیں کہ ان کی روحیں ان میں پہنچاؤں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم چاہتے ہیں۔ پس اس نے ان کے لیے پانچ بت بنا دیئے جو ان کی صورتوں کے موافق تھے اور وہاں نصب کر دیئے۔ پس آدمی اپنے بھائی و چچا و چچیرے بھائی کی مورت کے پاس آتا اور اس کی تعظیم کرتا اور اس کے گرد پھرتا۔ اس کی ابتدا بزمانہ یردی بن مہلائیل بن قینان بن انوش ابن شیث بن آدم ہوئی تھی۔ پھر یہ پہلی قرن [1] گزر گئی اور دوسری قرن آئی تو اول قرن سے بڑھ کر انہوں نے ان مورتوں کی تعظیم و تکریم کی۔ پھر ان کے بعد تیسری قرن آئی تو کہنے لگے کہ ہم سے اگلے لوگ جو ہمارے بزرگ تھے بے فائدہ ان کی تعظیم نہیں کرتے تھے بلکہ اس لیے تعظیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شفاعت (سفارش) کے امیدوار تھے پس یہ لوگ ان مورتوں کو پوجنے لگے اور ان کی شان بزرگ قرار دی اور کفر شدید ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ادریس علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ ادریس علیہ السلام نے ان کو توحید کی طرف بلایا تو انہوں نے ادریس کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کو مقام بلند میں اٹھا لیا۔ کلبی کی روایت ابی صالح عن ابن عباس میں ہے کہ بت پرستوں کا معاملہ سخت ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا اور وہ چار سو اسی (۴۸۰) برس کے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبری عطا کی پس نوح علیہ السلام نے ان کو ایک سو بیس برس تک اپنی نبوت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی جانب بلایا۔ انہوں نے نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو جھوٹا ٹھہرایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ کشتی بنا دے۔ پھر جب نوح علیہ السلام کشتی بنا کر فارغ ہوئے اور اس پر سوار ہو چکے تو چھ سو برس کے تھے اور طوفان میں جو غرق ہونے والے تھے غرق ہوئے اور نوح علیہ السلام اس کے بعد تین سو پچاس برس تک زندہ رہے۔ آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک دو ہزار دو سو برس کا فرق تھا اور پانی کا طوفان ان بتوں کو ایک جگہ سے

[1] یعنی یہ نسل جس کے عہد میں یہ مورتیں بنائی گئیں۔

دوسری جگہ اور ایک زمین سے دوسری زمین تک اچھالتا پھرا۔ یہاں تک کہ پانی کے تھپیڑوں نے ان کو جدہ میں لا کر ڈالا۔ جب پانی خشک ہوا تو یہ مورتیں ساحل کنارے پر پڑی رہیں اور ہوا کے جھونکوں سے ریگ بیابان اڑ کر اس قدر ان پر پڑی کہ یہ ریگ کے نیچے دب گئیں۔

کلبی نے کہا کہ عمرو بن لحی ایک کاہن تھا، اس کی کنیت ابوثمامہ تھی، اور ایک جن اس کا موکل تھا۔ اس نے کاہنوں کے لہجہ میں اس سے کہا کہ

عَجِّلِ الْمَسِيْرَ وَالظَّعْنَ مِنْ تُهَامَةَ، بِالسَّعْدِ وَالسَّلَامَةِ، ائْتِ صَفَاجُدَّةَ، تَجِدْ فِيْهَا أَصْنَامًا مُعَدَّةً، فَأَوْرِدْهَا تُهَامَةَ وَلَا تَهَبْ ثُمَّ ادْعُ الْعَرَبَ إِلٰى عِبَادَتِهَا تُجَبْ.

''یعنی تہامہ سے کجاوہ کس کے جلد اپنے آپ کو سعد و سلامہ میں پہنچا۔ پھر جدہ کے کنارے جا۔ وہاں تجھ کو رکھی ہوئی مورتیں ملیں گی۔ ان کو تہامہ میں لے آ اور یہاں کے سرداروں سے خوف نہ کھا۔ پھر عرب کو ان کی عبادت کے لیے بلا۔''

عمرو بن لحی نے جا کر نہر جدہ سے نشان ڈھونڈ کر ان کو نکالا پھر لا کر تہامہ لایا اور جب حج کا موسم آیا تو عمرو بن لحی نے سب اہل عرب کو بتوں کی پرستش کی جانب بلایا۔ پس عوف بن عذرہ بن زید اللات نے اس کا کہنا مان لیا۔ تو اس نے عوف مذکور کو وُدّ نام کا بت حوالہ کیا۔ وہ ودّ کو لے گیا اور وادی القریٰ کے قریہ دُوْمَةُ الْجَنْدَلِ میں رکھا اور اسی کے نام سے منسوب کر کے اپنے بیٹے کا نام عبدود رکھا اور یہی شخص سب سے پہلے اس بت کے نام سے منسوب ہوا۔ عوف نے اپنے دوسرے بیٹے عامر کو اس کا دربان (مجاور) مقرر کیا۔ اس وقت سے اس کی اولاد برابر اس بت کی پرستش کا دین رکھتے آئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا۔ کلبی نے کہا کہ محمد سے مالک ابن حارثہ نے بیان کیا کہ میں نے ود کو دیکھا تھا اور میرا باپ میرے ہاتھ دودھ بھیجا کرتا تھا کہ یہ لے جا کر اپنے معبود کو پلا، تو میں خود پی جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس بت کے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ وہاں عبدِ ودّ کی اولاد اور عامر کی اولاد نے خالد رضی اللہ عنہ کو توڑنے سے روکا اور مانع ہوئے۔ پس

خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کر کے اس بت کو منہدم کر کے توڑ ڈالا۔ اس لڑائی میں خالد رضی اللہ عنہ نے بنی عبد ودّ میں سے ایک مرد کو قتل کیا تھا جس کا نام قطن بن شریح تھا۔ تو اس کی لاش پر اس کی ماں یہ کہتی ہوئی دوڑی آئی۔

''آگاہ رہو یہ الفت ہمیشہ پائدار نہیں رہتی اور زمانے میں کوئی نعمت باقی نہیں رہے گی اور پہاڑی بزغالہ زمانے میں نہیں بچتا اور اس کی ماں چوٹی پر بے تاب ہے۔ پھر اس نے کہا اے میرے دل وجگر کے جمع کرنے والے، اے کاش تیری ماں پیدا نہ ہوئی ہوتی اور نہ تجھ کو جنتی۔ پھر اس کی لاش پر اوندھی گر کر لیٹی اور زور سے ایک نعرہ مار کر مر گئی۔''

کلبی نے کہا کہ میں نے مالک بن حارثہ سے کہا کہ ودّ کی مورت کو ایسی عبادت میں ظاہر کیجئے کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ مالک نے کہا کہ ''ایک مرد کی صورت تھا جو بڑے سے بڑا ہو سکتا ہے، اور اس پر دو حلے بنائے گئے تھے۔ ایک ازار کی طرح تھا۔ اور دوسرا اوڑھے تھا اور ادھر سے ایک تلوار لٹکائے اور کندھے پر کمان لگائے ہوئے اور آگے ایک نیزہ بطور جھنڈے کے لیے ہوئے تھا اور ترکش میں تیر تھے۔''

کلبی نے کہا کہ مضر بن نزار نے بھی عمرو بن لحی کا کہنا مان لیا تو اس نے ہذیل کے ایک شخص کو جس کا نام حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر تھا، ایک بت دیا جس کو سواع کہتے تھے اور وہ بطن نخلہ کی زمین رباط میں تھا اور اس کے قرب وجوار کے مضر اس کی عبادت کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے ایک شاعر کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

''تو ان کو دیکھے کہ اپنے قبیلہ کے گرد عبادت میں ایسے جھکے ہیں جیسے کہ ہذیل کے لوگ سواع کے گرد پوجا کرنے کے لیے جھکے رہتے تھے۔ ہمیشہ اس کی درگاہ پر انبار دیکھو کہ ہر ایک راعی کے ذخیرہ کے نفائس ہیں۔''

کلبی نے کہا کہ مَذْحِج نے بھی اس کا کہنا قبول کر لیا تو اس نے انعم بن عمرو المرادی کو وہ بت دیا جس کا نام یغوث تھا۔ وہ یمن کے ایک ٹیلہ پر تھا، مذحج اور اس کے حلیف قبائل اس بت کی پرستش کیا کرتے تھے۔

ہمدان نے اس کا کہنا مان لیا تو اس نے مالک بن مرثد بن جشم کو وہ بت دیا جس کا نام یعوق تھا وہ ایک گاؤں میں رکھا گیا جس کا نام خَیوان تھا اس کو قبیلہ ہمدان اور اس کے یمنی حلیف جا کرتے تھے۔

قبیلہ حمیر نے اس کا کہنا مانا تو اس نے ذی رُعین کے ایک شخص کو جس کا نام معدی کرب تھا ایک بت دیا اس کا نام نسر تھا۔ یہ بت زمین سبا کے موضع بلخع میں تھا جس کو قبیلہ حمیر اور اس کے حلیف دوست پوجتے تھے اور برابر اس بت کی پرستش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا تو (غلبہ پا کر) ان کے منہدم کرنے کا حکم فرمایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم میرے سامنے کی گئی تو میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ ایک شخص پست قد، سرخ رنگ کرنجا ہے وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ یہی تو عمرو بن لحی ہے جس نے سب سے اول بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حامی کو نکالا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین بگاڑا اور عرب کو بت پرستی کی طرف بلایا۔'' [1]

فائدہ: بتوں کے نام پر بحیرہ کان پھاڑ کر چھوڑتے اور وصیلہ نر و مادہ جننے والی یا دو نر کے بعد تیسری مادہ یا برعکس جنتی تو بت کے نام پر چھوڑتے اور اس کی دوسری صورتیں بھی تفسیر میں مذکور ہیں اور سائبہ جیسے سانڈے ہے اور حامی ایک مدت تک نر اونٹ کی جفتی لینے یا دلا دینے کے بعد بت کے نام پر آزاد کرتے۔

ہشام بن کلبی نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ محمد بن السائب اور دوسروں نے بیان کیا کہ جب اسمٰعیل علیہ السلام مکہ میں سکونت پذیر ہوئے اور ان کے بال بچے پیدا ہو کر بڑے ہوئے تو مکہ کے مالک ہو گئے اور وہاں سے قوم عمالقہ کو نکال دیا تو کثرت ہونے سے مکہ میں ان کی گنجائش نہ رہی۔ باہم ان میں لڑائیاں وعداوت واقع ہوئی اور بعض نے بعض کو نکال دیا۔ آخر

---

[1] بخاری: کتاب التفسیر، باب ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ و...... رقم ۳۶۲۳۔ مسلم: کتاب صفۃ الجنۃ: باب النار یدخلھا الجبارون...... رقم ۷۱۹۲، ۷۱۹۳۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۳۳۸ کتاب التفسیر: باب ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ، رقم ۱۱۱۵۶۔ احمد: ۲/ ۳۶۶۔ والحاکم: ۴/ ۶۴۸ کتاب الاھوال، رقم ۸۷۸۹۔

دوسرے بلاد میں پھیلے اور روزی کی تلاش میں نکلے۔ پھر جس سبب سے انہوں نے اول بتوں اور پتھروں کی پرستش شروع کی یہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی مکہ سے باہر جاتا تو وہ ضرور اپنے ساتھ حرم سے ایک پتھر کو رکھ لیتے اور طواف کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ کیوں کہ اس کو متبرک سمجھتے۔ اس لیے کہ حرم کو صوان جانتے اور اس سے محبت کرتے تھے۔ باوجودیکہ ان میں مکہ و کعبہ کی تعظیم بدستور باقی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی شریعت پر خانہ کعبہ کا حج و عمرہ ادا کیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی پسند کے موافق پوجنے لگے اور طریقہ قدیم کو بھول گئے اور دین ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے بدلے دوسرا دین اختیار کر لیا، بتوں کی پوجا کرنے لگے اور ان کا بھی وہی حال ہوا جو ان سے پہلی امتوں کا ہو چکا تھا۔ انہوں نے وہ بت نکالے جن کو نوح علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی۔ باوجود یہ کہ ان میں بعض امور شریعت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام سے ایسے باقی رہے جن کو نہیں چھوڑا۔ جیسے بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرنا، حج و عمرہ اور وقوف عرفات و مزدلفہ اور اونٹ وغیرہ قربانی کا ہدیہ بھیجنا اور حج و عمرہ کے لیے تلبیہ کہنا۔ قبیلۂ نزار کے لوگ جب احرام باندھتے تو تلبیہ اس طرح کہتے تھے:

((لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَلَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ))

”لبیک، الٰہی لبیک، لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے کہ وہ تیرا ہی ہے، تو ہی اس کا اور اس کی مملوک چیزوں کا مالک ہے۔“

فائدہ: قولہ (سوائے ایسے الخ) یہ فقرہ اپنی طرف سے ملا کر شریک کر لیا۔

پھر سب سے پہلے جس نے دین اسمٰعیل کو بدلا اور بت کھڑے کیے اور سانڈ چھوڑے اور وصیلہ کی رسم نکالی وہ عمرو بن ربیعہ ہے اور ربیعہ ہی لحی بن حارثہ ہے اور یہی حارثہ قبیلہ خزاعہ کا جدّ اعلیٰ ہے۔ عمرو بن لحی کی ماں فہیرہ بنت عمرو بن الحارث ہے اور یہی خانۂ کعبہ کا متولی تھا۔ پھر جب عمرو بن لحی بالغ ہوا تو متولی ہونے میں حارث سے جھگڑا کرنے لگا۔ آخر قبیلہ بنی جرہم نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے قتال کیا اور فتح یاب ہو کر ان کو کعبہ کے متولی ہونے سے بلکہ بلاد مکہ سے خارج کر دیا اور ان کے بعد خود خانہ کعبہ کا متولی بن بیٹھا۔

پھر عمرو بن لحی سخت بیمار ہوا تو اس سے کہا گیا کہ بلقاء شام میں ایک گرم چشمہ ہے۔ اگر تو جا کر اس میں نہائے تو اچھا ہو جائے۔ وہ منحوس وہاں جا کر نہایا اور اچھا ہو گیا اور دیکھا کہ وہاں لوگ مورتیں پوجتے ہیں، ان سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ انہوں نے کہا، ہم ان سے بارش پاتے ہیں، ان کی مدد سے دشمنوں پر غالب ہو جاتے ہیں۔ ابن لحی نے ان سے ایک بت مانگا۔ انہوں نے دیدیا۔ وہ اس کو مکہ میں لایا اور خانہ کعبہ کے گرد بٹھا دیا۔ اس طرح اہل عرب نے بتوں کو معبود بنا لیا۔ سب سے پرانا منات تھا۔ وہ بحرِ قلزم کے کنارے مشلّل کے ایک جانب قُدَید میں مکہ و مدینہ کے درمیان میں بنایا گیا تھا۔ عرب سب اس کی تعظیم کرتے اور اوس و خزرج اور جو کوئی مکہ و مدینہ اور اس قرب و جوار کے مواضع میں رہتا سب اس کی تعظیم کرتے اور اس کے لیے قربانی کرتے اور اس کے لیے ہدیئے بھیجتے رہتے تھے یوں تو یہ سب لوگ اس کی تعظیم کرتے، لیکن اوس و خزرج سے بڑھ کر کوئی اس کی تعظیم نہ کرتا۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ نے کہا کہ اوس خزرج [1] اور جو کوئی ان کے مسلک پر چلتا خواہ یثرب (مدینہ) کا ہو یا دوسری جگہ کا ہو۔ یہ لوگ حج کرنے آیا کرتے اور ہر موقف میں لوگوں کے ساتھ کھڑے ہوتے لیکن اپنا سر نہیں منڈاتے تھے۔ پھر جب مکہ سے روانہ ہوتے تو منات کے یہاں جا کر اس کے پاس اپنا سر منڈاتے اور وہاں ٹھہرتے تھے اور بدون اس کے اپنا حج پورا نہیں جانتے تھے اور بت منات قبیلۂ ہذیل و خزاعہ کا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو توڑ کر منہدم کر دیا۔ منات کے بعد لوگوں نے لاتؔ کو نکالا تھا۔ وہ منات کی بہ نسبت جدید تھا اور طائف میں ایک بڑے مربع پتھر پر بنایا گیا تھا۔ اس کے دربان قبیلۂ ثقیف کے لوگ تھے۔ انہوں نے اس پر عمارتیں بنائی تھیں۔ قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ عرب اس کی نسبت سے زید اللّات اور تیم اللّات وغیرہ نام رکھتے تھے۔ اور اب جہاں مسجد طائف ہے اس کے بائیں منارہ کے مقام پر تھا۔ پس وہ برابر اسی حالت پر رہا۔ یہاں تک کہ بنو ثقیف مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو منہدم کر کے آگ سے پھونک دیا۔

بت عزیٰ کو ظالم بن اسعد نے لیا اور ذات عرق سے اوپر نخلۂ شامیہ کی وادی میں نصب

---

[1] اوس و خزرج دو بھائی تھے جن کی اولاد سے انصار ہیں۔

کر کے اس پر کوٹھری بنائی یہ لوگ اس سے آواز سنا کرتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عزیٰ ایک شیطانیہ عورت تھی۔ جو بطن نخلہ کے تین درخت کیکر پر آیا کرتی تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو خالد بن ولید سے فرمایا ''تو بطن نخلہ میں جا وہاں تجھے کیکر کے تین درخت ملیں گے۔ ان میں سے اول درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالنا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر ایک درخت کو جڑ سے کھود پھینکا اور واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کچھ دیکھا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا جی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر دوسرے کو جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ حکم کی تعمیل کی۔ جب واپس آئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر جا کر تیسرے درخت کو بھی جڑ سے کاٹ دے۔ خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بال بکھیرے اپنے دونوں ہاتھ کندھوں پر رکھے اپنے دانت کٹکٹاتی ہے اور اس کے پیچھے دبیہ السلمی کھڑا ہے جو اس کا دربان تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا۔

يَا عُزُّ كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ اِنِّي رَاَيْتُ اللهَ قَدْ اَهَانَكِ

''اے عزیٰ تجھ سے کفر ہے تیری تعریف نہیں۔ کیوں کہ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے خوار کیا ہے۔''

پھر اس کو تلوار ماری تو اس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھا تو وہ کوئلہ ہے۔ پھر خالد رضی اللہ عنہ نے درخت مذکور کو کاٹ ڈالا اور دبیہ دربان کو بھی قتل کر ڈالا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہی عزیٰ تھی، اب آئندہ عرب کے واسطے عزیٰ نہ ہوں۔'' [1]

ہشام بن الکلبی نے بیان کیا کہ قریش کے بہت سے بت خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے گرد باہر تھے اور سب سے بڑا ان کے نزدیک ہبل تھا اور مجھے خبر ملی ہے کہ وہ سرخ یاقوت کا تھا۔ آدمی کی شکل جیسا بنا ہوا تھا۔ جس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اسی صورت سے اس کو پایا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ سونے کا بنا کر لگایا۔ سب سے اول اس بت کو خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر نے

---

[1] دلائل النبوۃ بیہقی: ۵/ ۷۷، باب ماجاء فی بعث خالد بن الولید۔ مجمع الزوائد: ۶/ ۱۷۶، کتاب المغازی والسیر، باب غزوۃ الفتح۔ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵/ ۱۰۱۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۴۷۴، کتاب التفسیر، قولہ تعالیٰ، افرأیتم اللات والعزیٰ، رقم ۱۱۵۴۷۔

نصب کیا تھا اور یہ بیچ کعبہ میں تھا۔ اس کے آگے سات لکڑیاں بے پھل کے تیر کی شکل کی پڑی تھیں۔ ایک میں صریح اور دوسرے میں ملصق لکھا ہوا تھا۔ لوگ جب کسی بچہ میں شک کرتے تو ہبل کے نام چڑھاوا لے جاتے۔ پھر ان تیروں سے پانسہ پھینکتے۔ اگر صریح نکلتا تو اس بچہ کو الفت سے لیتے اور اگر ملصق نکلتا تو دفع کرتے۔ اسی طرح جب کسی امر میں جھگڑتے یا سفر کا قصد کرتے تو ہبل کے پاس جا کر پانسہ پھینکتے تھے۔ ابوسفیان بن حرب نے احد کی لڑائی کے دن اسی بت کو کہا تھا کہ اُعْلُ هُبَلُ یعنی اے ہبل جا تیرا دین بلند ہوا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو جواب دو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ یعنی اللہ برتر اور بزرگ تر ہے۔'' [1]

مصنف نے کہا مشرکوں کے بتوں میں سے اساف اور نائلہ بھی تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اساف و نائلہ قبیلہ جرہم میں سے ایک مرد و عورت تھے۔ ان کو اساف بن یعلی اور نائلہ بنت زید کہتے تھے۔ یہ دونوں جرہم کی نسل سے تھے اور دونوں کا عشق زمین یمن سے شروع ہوا تھا۔ پھر قافلہ کے ساتھ دونوں حج کو آئے اور ایک رات دونوں خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں خالی گھر پایا۔ کوئی آدمی نہ تھا۔ پس اساف نے نائلہ سے بدکاری کی تو مسخ ہو کر پتھر ہو گئے۔ صبح کو لوگوں نے ان کو مسخ پا کر خانہ کعبہ سے باہر نکال کر قائم کیا۔ بعدازاں قریش وخزاعہ و دیگر عرب نے جو حج کو آتے تھے ان دونوں کو پوجنا شروع کیا۔

ہشام بن الکلبی نے کہا کہ جب دونوں مسخ ہو کر پتھر ہو گئے تو کعبہ کے باہر اس غرض سے رکھے گئے تھے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ جب زیادہ مدت گزری اور بتوں کی پوجا شروع ہوئی تو بتوں کے ساتھ ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔ پہلے ایک تو کعبہ سے متصل تھا اور دوسرا زمزم کے مقام پر تھا۔ پھر قریش نے کعبہ کے پاس والا بھی اٹھا کر دوسرے سے ملا دیا اور ان کے پاس قربانی کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ منجملہ بتوں کے ایک ذوالخلصہ تھا۔ سفید دودھیا پتھر کا بنا ہوا تھا اور اس پر تاج کی سی صورت نقش تھی اور مکہ سے سات روز کے راستہ پر یمن اور مکہ کے درمیان ایک مکان میں رکھا تھے۔ اس کی بھی تعظیم ہوتی اور چڑھاوے کی قربانی بھیجی جاتی

---

[1] صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ احد، رقم ۴۰۴۳۔ مسند احمد: ۴/۲۹۳۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۳۱۵، ۳۱۶۔ کتاب التفسیر: قولہ، والرسول یدعوکم فی اخراکم، رقم ۱۱۰۷۹۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر: ۶/ ۳۹۸۔ ترجمہ ابی سفیان۔

تھی۔ خشعم اور بجیلہ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اس پر قربانی چڑھاتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبداللہ بجلی سے فرمایا ''تو مجھے اس ذی الخلصہ سے کفایت نہیں کرتا۔'' پس جریر سواران احمس لے کر روانہ ہوئے۔ تو خشعم و باہلہ دونوں قبیلوں نے جریر رضی اللہ عنہ کو روکا۔ جریر نے مقابلہ میں ان کو بھگا دیا اور ذی الخلصہ کی عمارت میں آگ لگا دی اور منہدم کر ڈالی [1] ذی الخلصہ اب مسجد تبالہ کا چوکھٹ ہے یعنی اس بت کی جگہ کو چوکھٹ بنا دیا گیا۔

قبیلہ دَوس کا ایک بت تھا جس کو ذوالکفین کہا کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اسلام لائے تو رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو کو بھیجا۔ انہوں نے اس کو جلا دیا۔

بنی حارث بن یشکر کا ایک بت تھا جس کو ذوالشّریٰ کہتے تھے۔

قزاعہ ولخم وجذام وعاملہ وغفطان کا ایک بت مشارف شام (دیہات) میں تھا۔ اس کو اُقَیْصِر کہتے تھے۔

مزینہ کا ایک بت بنام نُہم تھا اور اسی کے نام پر اس کے پوجنے والوں کے نام عبدنہم لیے جاتے تھے۔

قبیلہ عنصرہ کے بت کا نام سُعیر تھا۔

قبیلہ طی کے بت کو فلس کہتے ہیں۔

مکہ کی ہر وادی میں ایک بت رہتا تھا۔ اس کو اسی علاقہ والے پوجتے تھے اور جب ان میں سے کوئی سفر کو جانا چاہتا تو سب سے پہلے کام اس کا یہ تھا کہ بت کو چھوئے اور جب سفر سے لوٹتا تو سب سے پہلے اس احاطہ میں داخل ہو کر یہ کام کرتا کہ اس بت کو چھوتا۔ بعض ان میں ایسے تھے کہ انہوں نے بت کا گھر بنایا تھا یعنی بت کو کوٹھری میں رکھا تھا۔ جس کے پاس کوئی مورت نہ تھی اس نے اپنی نظر سے کوئی اچھا پتھر ہی تلاش کر کے رکھ لیا تھا۔ پھر اس کا طواف کرتا تھا۔ مشرکین ان کو اَنصاب کہتے تھے۔ جب کوئی مشرک سفر کو جاتا اور کسی منزل پر اترتا تو چار

---

[1] بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ ذی الخلصۃ رقم: ۴۳۵۵، ۴۳۵۶، ۴۳۵۷۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل جریر بن عبد اللہ، رقم ۶۳۶۶۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی بعثۃ البشراء، رقم ۲۷۷۲۔ احمد: ۴/۳۶۰۔ نسائی فی الکبریٰ: ۵/۸۲، کتاب المناقب، باب مناقب جریر بن عبداللہ، رقم ۸۳۰۳۔ مسند الحمیدی: ۲/۳۵۱، رقم ۸۰۱۔

پتھر تلاش کر کے لاتا۔ ان میں سے جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو اپنا رب بنالیتا اور باقی سے اپنی ہانڈی کا چولہا بنالیتا اور جب وہاں سے کوچ کرتا تو اس کو چھوڑ جاتا۔ پھر جب دوسری منزل پر اترتا تو وہاں بھی ایسا ہی کرتا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو مسجد الحرام میں گئے۔ وہاں خانہ کعبہ کے گرد مورتیں تھیں اور آپ کمان کی نوک سے ان کی آنکھوں و چہروں پر مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝﴾ [1]

''یعنی حق آ گیا اور باطل مٹا اور باطل تو ہمیشہ ہی نسیت ہوتا ہے۔''

پھر حکم فرمایا تو سب بت اوندھے گرائے گئے پھر مسجد سے نکلوا کر جلا دیئے گئے۔ [2]

فائدہ: بعض کتب السیر میں ہے کہ جس بت کی طرف اشارہ فرماتے وہ اوندھا گر جاتا تھا اور یہ اقرب ہے اگرچہ اسناد میں کچھ کلام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ بت پرست لوگ لوٹائے جائیں گے۔ (زیادہ ہوں گے) اور جو پھرنے والے ہیں دین اسلام سے پھر جائیں گے۔

مہدی بن میمون نے کہا کہ میں نے ابورجاء العطاردی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہم نے آپ کی بعثت کی خبر سن لی۔ پھر مسیلمہ کذاب سے ملے تو آگ میں ملے۔ ابورجاء نے بیان کیا کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں پتھروں کو پوجا کرتے تھے۔ جب ہم ایک پتھر سے بہتر دوسرا پتھر پاتے تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے اور دوسرے کو پوجنے لگتے تھے اور جب ہم کسی مقام پر پتھر نہ پاتے تو ریگ کا تودہ جمع کر لیتے اور ایک بھیڑ لا کر اس پر کھڑی کر کے وہاں اس کا دودھ دوہ لیتے۔ پھر اس تودہ کے گرد طواف کیا کرتے۔

ابورجاء العطاردی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بالو لے کر اس کو جمع کر کے اس پر دودھ دوہ لیتے پھر اس کو پوجتے اور سپید پتھر لے کر ایک مدت تک پوجتے پھر اسے پھینک دیتے۔

---

[1] ۱۷/الاسرآء:۸۱۔ [2] بخاری: کتاب المغازی، باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح، رقم ۴۲۸۷۔ مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب ازالۃ الاصنام من حول الکعبۃ، رقم ۴۶۲۵۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم ۳۱۳۸۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/۳۸۲، کتاب التفسیر، قولہ، جاء الحق وزھق الباطل، رقم ۱۱۲۹۷۔ احمد: ۱/۳۷۷، ۳۷۸۔

ابوعثمان النہدی سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں پتھر پوجتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے قوم والو! تمہارا رب تباہ و ہلاک ہو گیا ہے اب کوئی دوسرا رب تلاش کرو۔ تو ہم لوگ نکل کر ہر طرف اونچے نیچے میدان ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ اتنے میں ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ ہم نے تمہارا رب پایا ہے۔ (یا اسی طرح کوئی اور لفظ کہا) پھر ہم لوگ آئے تو دیکھا کہ ایک پتھر پایا ہے۔ پھر اس پر اونٹوں کی قربانی کی گئی۔ عمرو بن عنبسہ نے کہا کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں سے تھا جو پتھر پوجتے تھے۔ پھر جب گروہ (قبیلہ) جا کر کہیں (پانی پر) اترتے اور ان کے ساتھ معبود (پتھر) نہیں ہوتے تو آدمی ان میں سے نکل کر جاتا اور چار پتھر لاتا۔ پھر تین پتھروں سے ہانڈی کا چولہا بناتا اور چوتھا پتھر جو سب سے اچھا ہوتا اس کو معبود بنا کر رکھتا اس کی پوجا کرتا۔ پھر اسی پانی پر بسیرا ڈالنے کے زمانہ ہی میں شاید وہ کبھی اس سے خوب صورت پتھر پاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتا اور دوسرے کو معبود بنا لیتا۔

سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ اہل عرب نے پتھروں اور بتوں کی پوجا کیونکر شروع کی تو فرمایا کہ وہ لوگ اصل میں پتھروں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے کہا بیت اللہ پتھر ہے تو ہم جہاں کہیں کوئی پتھر رکھ لیں وہی بمنزلہ بیت اللہ کے ہو جائے گا۔

ابو معشر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بہت سے ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ رب بے شک ہے اور یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ بھی ہیں لیکن وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سب سے اچھی صورت تصور کرتے ہیں اور ملائکہ کو بھی خوب صورت اجسام بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اور ملائکہ نے آسمان میں مخلوق سے پوشیدگی کر لی ہے اور اپنے نزدیک خدا کی صورت پر بت بنائے اور ملائکہ کی صورتوں کے بت بنائے اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ سمایا کہ ستارے اور آسمان بہ نسبت دیگر اجسام کے خالق سے زیادہ نزدیک ہیں اس خیال پر ان چیزوں کی تعظیم کرنے لگے اور ان کے لیے چڑھاوے چڑھانے لگے پھر ان کے نام کے بت بنائے۔

بہت سے پرانے زمانے کے لوگوں نے بتوں کے واسطے گھر (مندر) بنائے تھے۔ ازانجملہ اصفہان میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک گھر تھا جس میں بت رکھے تھے پھر جب گشتاسپ مجوسی ہو گیا تو اس نے اس کو آتش خانہ بنا دیا۔ دوم وسوم دو گھر ہندوستان میں تھے۔ چہارم شہر بلخ میں تھا جس کو

بنوشہر نے بنایا تھا۔ پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو بلخ کے مسلمانوں نے اس کو برباد کر ڈالا۔ پنجم بت خانہ شہر صنعاء میں تھا۔ جس کو ضحاک نے زہرہ ستارے کے نام پر بنایا تھا۔ اس کو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے برباد کرا دیا۔ ششم شہر فرغانہ میں قابوس بادشاہ نے آفتاب کے نام پر بنایا تھا جس کو خلیفہ معتصم عباسی نے اجاڑ دیا۔

نہاوندی نے لکھا ہے کہ ہندوستان کا دین وہاں کے لوگوں کے لیے ایک برہمن نے بنایا تھا۔ ان کے لیے بت خانے بنائے گئے اور سب سے بڑا بت خانہ اس نے ملتان میں بنایا تھا اور یہ سندھ کے شہروں میں سے بڑا شہر تھا۔ اسی بت خانہ میں ان کا سب سے بڑا بت تھا جو ہیولائے اکبر کی صورت پر بنایا تھا (یعنی اپنے خیال کے موافق) حجاج ثقفی کے زمانہ میں یہ شہر فتح ہوا اور مسلمانوں نے چاہا کہ اس بت کو توڑ دیں تو مجاوروں ومتولیوں نے کہا کہ اگر تم اس کو باقی رکھو تو جس قدر اس کا چڑھاوا آتا ہے اس کا تہائی ہم تم کو دیں گے پس سپہ لار نے حجاج کو لکھا اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا۔ اس نے حکم دیا کہ اچھا باقی رکھو۔ لوگ دو ہزار فرسخ سے اس بت کی زیارت کرنے آتے تھے اور زائر کے لیے یہ شرط تھی کہ اس کے نذرانہ کے لیے سو روپے سے دس ہزار تک کے درمیان جس قدر ہو سکے نذر چڑھائے۔ اس سے کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی تھی اور جو کوئی اس قدر نذرانہ نہیں لایا تو اس کا مقصد زیارت پورا نہ ہوگا۔ پھر جو کوئی مال لیے ہوئے درشن کو آتا وہ مال پہلے ایک بڑے صندوق میں ڈال دیتا جو وہاں رکھا تھا پھر بت کا طواف کرتا۔ جب درشنی لوگ چلے جاتے تو وہ صندوق کھل جاتا۔ اس میں تہائی مال مسلمانوں کا حق تھا اور ایک تہائی اس شہر کے قلعہ جات وغیرہ کی مرمت میں خرچ ہوتا اور باقی ایک تہائی اس کے مجاوروں وخادموں کا حق تھا۔

مصنف نے کہا کہ ذرا غور کرو کہ کس طرح ان لوگوں کو شیطان نے اپنا مسخرہ بنایا اور ان کی عقلیں گم کیں کہ جس چیز کو اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اسی کی پوجا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان مسخروں کے بتوں کی بہت اچھی مذمت فرمائی ہے۔

لقوله تعالى ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ [2]

---

[2] ۷/ الاعراف: ۱۹۵۔

"یعنی کیاان بتوں کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یاان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے گرفت کرتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔"

یہ بت پرستوں کی طرف اشارہ کیا یعنی تم لوگ پیروں سے چلتے ہو، ہاتھوں سے گرفت کر سکتے ہو اور دیکھتے و سنتے ہو، اور یہ تمہارے بت تو ان سب باتوں سے عاجز ہیں اور یہ بے جان جمادات ہیں اور تم لوگ حیوان جاندار ہو تو کیونکر پوری خلقت کے جاندار نے ناقص جمادات کو اپنا معبود بنایا ہے اگر یہ بت پرست ذرا غور کرتے تو اس قدر جان لیتے کہ معبود خدا تو چیزوں کو بنانے والا ہوتا ہے اور خود نہیں بنایا جاتا ہے اور وہی جمع کرتا ہے وہ خود نہیں جمع کیا جاتا اور کل اشیاء کا قیام اسی کی قدرت سے ہوتا ہے اس کو کوئی قائم نہیں کر سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرنی چاہیے جو سب صورت سے کامل ہے۔ نہ کہ اس کی جس میں کچھ قدرت نہیں۔ پھر بت پرستوں کے خیال میں جو یہ اعتقاد جم گیا ہے کہ بت ہماری سفارش کیا کرتے ہیں تو یہ محض خیال ہے جس میں کوئی مناسبت بھی بتوں کے ساتھ نہیں ہے۔

آگ، سورج و چاند پوجنے والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ایک جماعت پر ابلیس نے تلبیس سے یہ رچایا کہ آگ کی عبادت کریں اور کہا کہ آگ ایسا جوہر کہ عالم کو اس سے چارہ نہیں۔ یعنی عالم کے لیے یہ ضروری ہے اور اسی سے آفتاب کی پوجا بھی رچائی۔ امام ابو جعفر بن جریر الطبری نے ذکر کیا کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کے پاس سے بھاگ کر یمن کو چلا گیا تو ابلیس نے اس کے پاس آکر کہا کہ ہابیل کا نذرانہ اس وجہ سے قبول ہوا اور آگ نے اس کو کھا لیا کہ وہ آگ کی خدمت کرتا تھا اور اس کو پوجتا تھا۔ اب تو بھی آگ مہیا کر تو آئندہ تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے وہ کارساز ہوگی۔ پس اس نے ایک آتش خانہ بنایا اور آگ کو پوجنے لگا۔

جاحظ نے بیان کیا کہ زرادشت جس کو مجوسی اپنا پیغمبر مانتے ہیں وہ بلخ سے آیا اور دعویٰ کیا کہ وہ کوہ سیلان پر تھا۔ وہاں اس پر وحی نازل ہوئی اور یہ ممالک بہت سرد ہیں۔ وہاں کے لوگ

سوائے سردی کے کچھ نہیں جانتے ہیں اور اقرار کیا کہ وہ فقط پہاڑیوں کے سوائے کسی کی طرف پیغمبر کر کے نہیں بھیجا گیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو مانا ان کے لیے اس نے قبیح امور سے شرع مقدر کی جیسے اقسام پیشاب سے وضو کرنا اور ماؤں (بیٹیوں، بہنوں) سے وطی کرنا اور آگ کی پوجا کرنا وغیرہ۔ زرادشت مذکور کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا تھا۔ جب تنہائی کو مدت دراز گزر گئی تو اس نے غور وفکر کر کے ابلیس کو پیدا کیا۔ جب ابلیس اس کے روبرو آیا تو خدا نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ ابلیس نے روکا اور مانع ہوا تو جب خدا نے دیکھا کہ وہ قابو میں نہیں آتا ہے تو ایک مدت کے لیے اس سے صلح کر لی۔

واضح ہو کہ آتش پرستوں نے آگ کی پوجا کرنے کے لیے بہت آتش خانے بنائے۔ چنانچہ سب سے اول افریدون نے آگ کی پوجا کے لیے طرسوس میں آتش خانہ بنایا اور دوسرا بخارا میں بنایا اور برہمن نے سیستان میں بنایا اور ابوقباذ نے نواح بخارا میں بنایا اور اس کے بعد بکثرت آتش خانے بنائے گئے۔ زرادشت نے ایک آگ رکھی تھی جس کی نسبت وہ مدعی تھا کہ یہ آسمان سے اتری ہے اور اسی نے ان کے نذرانے کھائے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس نے ایک احاطہ بنایا اور اس کے درمیان میں ایک شیشہ نصب کیا اور نذرانہ کا جانور ایک لکڑی پر لٹکایا جس پر گندھک لگا دی تھی۔ جب ٹھیک دوپہر کو سورج سر پر آیا اور چھت کے روشندان سے سورج کی کرن اس شیشہ پر پڑی تو گندھک کی تیزی سے لکڑی میں آگ لگی۔ زرادشت نے کہا کہ اب تم اس آگ کو بجھنے نہ دینا۔

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے چند اقوام کے خیال میں چاند کی پوجا رچائی اور دوسروں کے خیال میں ستاروں کی پرستش اچھی دکھلائی۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسلام سے پہلے جہالت کے زمانہ میں ایک قوم نے ستارہ شعری العبور کو پوجا اور اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑے اور اس کے واسطے وہ نذرانہ چڑھایا جس کو اپنے زعم میں اس کے مشابہ سمجھے۔

ابو کبشہ جس کی نسبت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرک لوگ ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے شعریٰ کو پوجا اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں کاٹتا ہے اور سوائے اس کے کوئی ستارہ اس کو عرض میں طے نہیں کرتا۔ اس خیال پر اس کو پوجنا شروع کیا، اور قریش

کے خیالات سے مخالف ہوا۔ لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور کہا کہ بتوں کو چھوڑ دو۔ تو قریش نے کہنا شروع کیا کہ یہ بھی ابوکبشہ کا بیٹا ہے یعنی جیسے ابوکبشہ نے ہم سے مخالفت کی اسی طرح اس نے مخالفت کی۔ بنی اسرائیل نے اسی محاورہ کے موافق حضرت مریم علیہا السلام کو اخت ہارون کہا تھا۔ یعنی ہارون کی طرح نیک بخت صالح ہے۔

جاننا چاہیے کہ شعریٰ دو ہیں۔ ایک یہی شعریٰ عبور ہے اور دوسرے کو شعری غمیصاء کہتے ہیں اور اس کے مقابلے ہے اور دونوں کے درمیان میں مجرہ (ثریا) ہے اور غمیصاء برج اسد میں ذرا مبسوط ہے اور یہ شعری برج جوزا میں ہے۔

ابلیس نے دیگر قوموں پر فرشتوں کی پوجا رچائی اور انہوں نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ [1]

شیطان نے ایک اور قوم پر گھوڑے و گائے کی پوجا رچائی۔ سامری گائے پوجنے والوں میں سے تھا۔ لہٰذا اس نے گوسالہ بنایا تھا۔ تعبیر میں آیا ہے کہ فرعون بھی مینڈھا پوجتا تھا۔ ان احمقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے فکر و عقل سے کچھ کام لیا ہو۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم نے بیان کر دیا کہ ابلیس نے کیونکر ان لوگوں پر بت پوجنے میں تلبیس کی اور سب سے بدتر اس معاملہ میں اس کی تلبیس ان جاہلوں پر یہ تھی کہ بغیر دلیل کے بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادوں کی تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ [2]

"یعنی جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو اسی راہ چلتے رہیں گے۔ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ تو کیا باپ دادوں کی تقلید پر اڑے رہیں گے۔ اگرچہ ان کے باپ دادے نہ کچھ سمجھتے اور نہ راہ پاتے تھے۔"

[1] ۱۷/الاسراء:۴۳۔ [2] ۲/البقرۃ:۱۷۰۔

اوران میں سے ایک گروہ پر شیطان نے ایسی تلبیس کی کہ دہریہ کے طریقے اختیار کر لیے۔ خالق کا اور مردے کے پیچھے جی اٹھنے کا انکار کیا اور کہا کہ کوئی پیدا کرنے والا نہیں اور نہ کبھی مردے اٹھائے جائیں گے۔ اسی فرقہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [1]

''یعنی کچھ نہیں یہی فقط ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم کبھی اٹھائے نہ جائیں گے''

﴿وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ [2]

''اور ہم کو یہی زمانہ کی گردش ہلاک کرتی ہے۔''

فائدہ: اس زمانہ میں تو بکثرت دہریئے موجود ہیں لیکن دنیا میں عیش کی زندگی بسر کرنے میں ایک انتظامی قانون کے پابند ہیں۔

ان سے ایک فرقہ پر ابلیس نے یہ تلبیس کی کہ خالق کا اپنی رائے سے اقرار کیا۔ لیکن رسولوں اور قیامت سے انکار کیا اور ایک فریق پر یہ تلبیس کی کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ایک فرقہ کو دین یہود و نصاریٰ کی طرف مائل کیا اور ایک فرقہ کو مجوسی دین کی طرف مائل کیا اور یہ عقیدہ عرب کے اکثر بنی تمیم میں تھا۔ چنانچہ زراہ بن جدلیس التمیمی اور اس کے بیٹے حاجب کا یہی عقیدہ تھا۔

بعضے عرب ایسے تھے کہ خالق کا اقرار کرتے اور کہتے کہ اس نے ابتدا میں پیدا کیا اور موت کے بعد دوبارہ پیدا کریگا اور ثواب و عذاب بھی ملے گا۔ اس عقیدہ والے عبدالمطلب ابن ہاشم، زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ اور عامر بن الظرب تھے۔ روایت ہے کہ عبدالمطلب نے جب ایک ظالم کو دیکھا جس کو دنیا میں اس کے ظلم کی سزا نہیں پہنچی تو کہا کہ خدا کی قسم! اس دار دنیا کے علاوہ دوسرا جہان ہے جہاں نیک و بد کو اپنا عوض ملے گا۔ اسی فرقہ میں سے زہیر بن ابی سلمیٰ بھی تھا۔ (جس کا قصیدہ ''سبعہ معلقہ'' میں موجود ہے) اسی کا یہ شعر ہے:

يُؤَخَّرْ فَيُوْضَعْ فِيْ كِتَابٍ فَيُدَّخَرْ   لِيَوْمِ الْحِسَابِ اَوْ يُعَجَّلْ فَيُنْتَقَمْ

''یعنی جب خدا کے نزدیک تمہاری بدنیتی معلوم ہے اور چھپ نہیں سکتی تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ عذاب میں تاخیر کرے گا تو نامہ اعمال میں لکھ کر روز حساب کے

[1] ۶/الانعام: ۲۹۔ [2] ۴۵/الجاثیۃ: ۲۴۔

لیے ذخیرہ رکھی جائے گی یا بالفعل ہی تم سے انتقام لیا جائے گا کہ عذاب دیا جائے گا۔

فائدہ: گویا یہ شخص یہ اعتقاد بھی رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ دل کے بھید سب جانتا ہے۔ پھر یہ شخص زمانہ اسلام میں مسلمان ہو گیا۔ اسی قسم میں سے زید الفوارس بن حصن تھا اور اس قسم میں سے قلمس بن امیہ الکنانی تھا، یہ شخص کعبہ کے سایہ میں کھڑا ہو کر وعظ سنایا کرتا تھا اور عرب کے قبائل مواسم حج سے بغیر اس کا خطبہ اور وصیت سنے ہوئے واپس نہیں جاتے تھے۔ ایک روز اس نے کہا کہ اے قوم عرب! میری بات سنو اور مانو فلاح پاؤ گے، عرب نے کہا کہ وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ تم لوگوں میں سے ہر کنبہ نے الگ الگ بت بنا لیے ہیں اور جدا جدا ہو گئے ہو اور میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ٹھاکروں کا پروردگار ہے اور وہ یہی چاہتا ہے کہ فقط اسی کی عبادت کی جائے۔ یہ سن کر عرب کے لوگ اس سال متفرق ہو گئے اور اس کی نصیحت نہیں سنی۔

عرب میں بعض قوم ایسی تھی جن کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص مرا اور اس کی قبر پر اس کا اونٹ باندھ دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ بھی مر گیا تو یہ شخص حشر میں یہ سواری پائے گا اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو وہ پیدل محشر میں جائے گا۔ عمرو بن زید الکلبی کا یہی عقیدہ تھا۔

ان میں سے اکثر ایسے تھے کہ برابر شرک پر رہے اور بہت کم ایسے ہوئے کہ بتوں کو چھوڑ کر فقط خدا کو مانا ہو جیسے قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ہمیشہ بکثرت نئی نئی بدعتیں نکالا کرتے۔ منجملہ ان بدعات کے نسئی ہے یعنی حلال مہینہ کو حرام کر دینا اور حرام مہینہ کو حلال کر دینا۔ بات یہ تھی کہ عرب والے ملت ابراہیم علیہ السلام میں سے چار ماہ (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم) کی حرمت پر مسلک رہے۔ لیکن جب قبائل میں خانہ جنگی ہوتی اور محرم میں لڑائی کی ضرورت ہوتی تو اس کو حلال کر لیتے اور اس کی تحریم کو صفر پر نسی کرتے۔ یعنی ہٹا کر تاخیر کرتے۔ پھر اگر صفر میں لڑائی نہ ختم ہوتی تو ضرورت سے اس کو آئندہ تاخیر کرتے چلے جاتے، یہاں تک کہ سال پلٹ جاتا۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب حج کرتے تو تلبیہ اس طرح کہتے۔

((لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ))

''یعنی لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے سوائے ایسے شریک کے جو تیرا ہے تو اس کا اور اس کے مملوکوں کا مالک ہے'' ۔ منجملہ بدعتوں کے مردوں کو میراث دینا اور عورتوں کو محروم رکھنا۔''

منجملہ ان کے یہ کہ جب کوئی مرتا تو اس کی زوجہ کے نکاح کا وارث وہ مرد ہوتا جو میت کے اقربا میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ (مگر باپ بیٹا نہیں بلکہ وہ جس سے نکاح ہوسکتا ہو)

منجملہ ان کے بحیرہ کی رسم نکالی۔ یعنی وہ اونٹنی جو پانچ پیٹ جنی۔ پس اگر پانچویں پیٹ مادہ جنی تو اس کے کان پھاڑ دیئے اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام کیا۔ سائبہ کی رسم نکالی۔ یعنی اونٹ گائے، بکری کی قسم سے جانور کو آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس کی پیٹھ پر کوئی سواری لیتا اور نہ کوئی اس کا دودھ دوہ سکتا تھا۔ وصیلہ کی رسم مقرر کی۔ وصیلہ وہ بکری جو سات پیٹ جنی۔ اگر ساتواں پیٹ دو بچے ایک نر اور دوسرا مادہ ہو تو کہتے کہ اس نے مادہ کے ساتھ اس کا بھائی ملا دیا تو وہ ذبح نہیں کی جاتی اور اس کا نفع (دودھ و بال وغیرہ) فقط مردوں کے لیے ہوتا اس میں عورتوں کے لیے کچھ نہ ہوتا اور اگر مر جاتا تو اس میں مرد عورتیں دونوں شریک ہوتے۔ حام نکالا یعنی وہ نر جس سے جفتی کھلا کر دس پیٹ جنائے تو کہتے کہ اس نے اپنی پیٹھ کی حمایت کر لی اور اس کو بتوں کے نام پر سانڈ کی طرح چھوڑ دیتے۔ اور اس پر کچھ لادا بھی نہ جاتا۔ پھر مشرکین یہ دعویٰ کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان رسموں کا حکم دیا ہے، اور یہ جھوٹ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ [1] (لیکن جو لوگ کافر ہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں) پھر مشرکوں نے جو بحیرہ و سائبہ وصیلہ و حام کو حرام ٹھہرایا اور جس قدر حلال بتلایا کہ خالص مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا بقولہ ﴿قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ [2]

''اگر نر ہونے کی وجہ سے ان جانوروں میں حرمت ہے تو جو جانور نر ہو گا وہ حرام ہو جائے گا اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے تو جو مادہ جانور ہو حرام ہو گی اور مادہ کے جھول میں آنے سے حرمت ہوتی ہے تو مادہ کے پیٹ میں نر و مادہ دونوں آتے

[1] ۵/ المائدہ: ۱۰۳۔ [2] ۶/ الانعام: ۱۴۴۔

ہیں پس دونوں حرام ہوں گے۔ (معلوم ہوا کہ یہ سب مشرکوں کا جاہلانہ افتراء ہے)

منجملہ قبائح کے ابلیس نے عرب کے گنواروں پر اولاد کا قتل کرنا رچایا۔ چنانچہ ان میں بہت سے ایسے تھے کہ اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے اور کتے کو اس کا گوشت کھلا کر اس کو پالتے۔

منجملہ جہالتوں کے جس سے ابلیس نے ان پر تلبیس کی ایک یہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ [1]

''یعنی مشرکوں نے جھگڑالو پن سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم لوگ شرک نہ کرتے''

یعنی اگر وہ ہمارے شرک سے راضی نہ ہوتا تو ایسا رخنہ ڈال دیتا کہ ہم اس کے ساتھ شرک نہ کر سکتے۔ دیکھو ان جاہلوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پکڑا اور حکم چھوڑ دیا اور مشیت سب کائنات کو شامل ہے اور حکم سے عام مراد نہیں ہوتی تو حکم خاص آ جانے کے بعد کسی کو روا نہیں کہ مشیت کی حجت پکڑے واضح ہو کہ مشرکوں کی بیہودہ رسمیں اور واہی طریقے جو انہوں نے نکالے تھے وہ بہت کثرت سے ہیں۔ کہاں تک ان کے بیان سے وقت ضائع کیا جائے۔ اور وہ ایسے بیہودہ ہیں کہ ان کو رد کرنے میں تکلف کی مطلق حاجت بھی نہیں ہے۔

نبوت سے منکر لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے برہمن و ہندوؤں وغیرہ پر اپنی تلبیس کا پردہ ڈالا تو ان کے لیے یہ رچایا کہ نبوت سے منکر ہوئے، تاکہ اس تلبیس سے جو فیض رحمت پہنچتا اس کا راستہ بند کر دیا۔ ہندوؤں کے فرقے بہت سے ہیں۔ بعض ثنویہ بعض برہموں کے مذہب پر ہیں۔ بعض فقط آدم و ابراہیم علیہما السلام کی نبوت مانتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختی نے کتاب الآراء والدیانات میں ذکر کیا کہ ہندو برہمنوں کی ایک قوم نے ثابت کیا کہ خالق ہے، رسول آئے ہیں، اور بہشت و دوزخ بھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا رسول ایک فرشتہ آیا تھا جو آدمی کی صورت میں تھا۔ لیکن اس کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی اور چار ہاتھ اور دس سر تھے ان میں سے ایک سر آدمی کے سر کی طرح تھا اور باقی شیر، گھوڑے، ہاتھی، سور وغیرہ حیوانات کے دوسروں کی طرح تھے۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ آگ کی تعظیم کریں اور قتل وذبح

[1] ٦/ الانعام: ١٤٨۔

سے منع کیا۔ سوائے اس کہ آگ کی تعظیم کے لیے جانور ماریں، اور ان کو جھوٹ و شراب خوری سے منع کیا اور زنا ان پر مباح کر دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ گائے کی پوجا کریں۔ جب ان میں سے کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کا سر، داڑھی، مونچھیں، بھویں و پلکیں سب مونڈ ڈالتے ہیں۔ پھر اس کو لے جا کر گائے کو سجدہ کراتے ہیں۔ اسی قسم کی بیہودہ ہذیان کی باتیں بہت ہیں۔ کہاں تک اس کے بیان سے وقت ضائع کیا جائے۔ ابلیس نے براہمہ (برہمنوں) پر چھ شبہے ڈالے ہیں۔

شبہ اول! یہ ہے کہ ایک شخص کا ان چیزوں پر مطلع ہونا از بس بعید ہے جو اوروں سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [1]

''مطلب یہ ہے کہ جو بات دوسروں سے پوشیدہ ہے وہ ایک شخص پر کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ انسانی عقلوں سے بات کرتے تو ان کو بتلاتے کہ ان کی جنس میں ایک شخص میں ایسے عمدہ خصائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ پس ان خاص فضائل کی وجہ سے وہ اس لائق ہو سکتا ہے کہ اس کو وحی حاصل ہو اور ہر ایک آدمی اس لائق نہیں ہو سکتا۔ سب لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مزاج مرکب فرمائے ہیں اور ان میں بہت فرق پیدا کیا ہے اور بہت سی دوائیں پیدا فرمائیں جو بدن کے فساد کو اصلاح پر لاتی ہیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے نباتات و پتھروں میں ایسی خاصیتیں پیدا کیں جن سے اس بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے جو حقیقت میں اسی دار فنا میں مٹ جانے کے لیے رکھا گیا ہے تو دار آخرت میں باقی رکھنے کے لیے ضرورت سے زائد ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے کچھ اشخاص کو حکمت بالغہ کے ساتھ خاص کرے جس کے ذریعہ سے وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں اور مخلوقات میں جن کے اندر بسبب بداعمالیوں و بداخلاقیوں کے فساد ہو گیا ہے ان کو اصلاح پر لائیں اور یہ بات معلوم ہے کہ جو لوگ نبوت میں مخالفت کرتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ کچھ قوم حکمت کے ساتھ مخصوص ہوں تاکہ شریر طبیعتوں کے جوش کو اچھی نصیحت سے ٹھنڈا کریں۔ تو پھر کیونکر منکر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسی

[1] ۲۳/ المؤمنون: ۳۳۔

رسالت ووصیت سے مخصوص فرمادے جس سے وہ لوگ عالم کی اصلاح کریں اوران کے اخلاق درست کریں۔اوران کی سیاست ٹھیک کریں۔اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی جانب اشارہ فرمایا:

﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ﴾ 1

’’یعنی کیالوگوں کواس امر سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو یہ وحی بھیجی کہ لوگوں کوڈرادے۔‘‘

شبہ دوم! منکروں نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کورسول بنا کر کیوں نہ بھیجا۔کیوں کہ ملائکہ اس سے اقرب ہیں اوران میں شک ہونا بہت بعید ہے اورآدمیوں میں یہ خصلت ہے کہ اپنی جنس کے آدمیوں پر سردار ہونا پسند کرتے ہیں تواس سے شک پیدا ہوگا۔

اس کا جواب تین طرح دیا گیا ہے

(اول) یہ کہ ملائکہ کی قوت میں یہ ہے کہ بڑے پہاڑوں کوالٹ دیں۔توایسا کوئی معجزہ نہیں ہوسکتا جوان کی سچائی پر دلیل ہوسکے۔کیوں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جواس جنس کی عادات کے خلاف محال ہو،اور ملائکہ کی یہ عادت ہے تو معجزہ صرف کمزور آدمی ہی کے ہاتھ سے ظاہر ہوکر اس کی نبوت کے سچے دعوے پر دلیل ہوسکتا ہے۔

(دوم) یہ کہ ہر جنس کواپنے ہم جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے۔تو یہ لائق ہوا کہ لوگوں کی طرف ان کی جنس سے آدمی بھیجا جائے تا کہ اس سے نفرت نہ کریں اوراس کی باتوں کو سمجھیں۔پھراسی ہم جنس کو خاص کرایسی چیز بطور معجزہ دی جاتی ہے جس سے اس جنس والے عاجز ہوں تا کہ اس کے صدق دعوے پر دلیل ہوجائے۔

(سوم) یہ کہ آدمی کو یہ طاقت نہیں کہ فرشتہ کودیکھ کر زندہ بچ سکے اورانبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ایک قسم کا خصوصی ادراک نصیب کرتا ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا﴾ 2

’’یعنی اگر ہم فرشتہ کورسول بنائیں تواس کوبھی مرد کی صورت میں بنائیں گے۔‘‘

تا کہ اس کودیکھ کر مانوس ہوکراس کی ہدایت کوسمجھیں۔پھر فرمایا:

﴿وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ﴾ 3

1 ۱۰/یونس:۲۔ 2 ۶/الانعام:۹۔ 3 ۶/الانعام:۹۔

"یعنی جو شبہ یہ لوگ اپنے اوپر ڈالتے ہیں وہی ہم ان پر ڈالیں گے۔"

یعنی اگر وہ فرشتہ بصورت مرد آدمی ہوگا تو نہ جانیں گے کہ یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے۔

فائدہ: اور اگر وہ نہ کھائے نہ پیئے اور نہ نکاح کرے تو اس قسم کے شرائع ان کو کیسے معلوم ہوں اور یہ آدمی کے جامہ میں یہ خواہش اس میں مرکب ہو تو وہی کیفیت ہوگی۔

شبہ سوم! منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جن معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو علم الغیب بتلاتے ہیں اور جو وحی ان پر آتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے آثار کاہنوں و ساحروں سے ظاہر ہوتے ہیں تو کس دلیل سے ہم فرق پہچانیں کہ یہ معجزہ ہے اور جادو نہیں ہے تو صحیح و فاسد میں فرق کی دلیل نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبہ دور کرنے کی حجتیں بیان فرمائیں اور عقلوں کو پابند کیا کہ دونوں میں فرق کر لے۔ تو جادوگر کو یہ قدرت نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے یا عصا سے اژدہا نکالے۔ رہا کاہن تو وہ ٹھیک کبھی کہتا ہے کبھی غلط۔ بر خلاف نبوت کے کہ اس میں کچھ غلطی و خلاف نہیں ہے۔ (اور خصوصاً آسمانی چاند کو دو ٹکڑے کرنا کسی ساحر سے ممکن نہیں ہے)

شبہ چہارم منکروں نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے وہ عقل کے خلاف ہے تو قبول نہیں ہے اور اگر عقل کے موافق ہے تو عقل ہی کافی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ بکثرت آدمی اپنے دنیاوی معاملات سیاست سے عاجز ہیں حتیٰ کہ ایک مہتمم جیسے عقلا و سلاطین کی ضرورت ہوتی تو بھلا امور الٰہی و آخرت سے کیونکر عاجز نہ ہوں گے۔ (یعنی اس میں سب عاجز ہیں تو وحی الٰہی کی ضرورت ہے)

شبہ پنجم شریعت میں چند چیزیں ایسی آئی ہیں جن سے ہماری عقل نفرت کرتی ہے جیسے جاندار کو قتل کرنا تو یہ شریعت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ بیشک عقل اس سے منکر ہے کہ ایک حیوان دوسرے حیوان کو دکھ دے اور جب خالق نے ایسا حکم دیا ہو تو عقل کو اعتراض کی جگہ نہیں رہی۔ اس جواب کا مشرح بیان یہ ہے کہ عقل کے نزدیک ثابت ہو گیا کہ خالق عزوجل حکیم ہے اور اس میں کچھ خلل و نقص نہیں ہے اور جب یہ معرفت عقل کو مل گئی تو اس پر لازم ہے کہ خالق کے سب احکام تسلیم کرے۔ اگرچہ بعض کی حکمت اس پر مخفی رہے اور اگر کسی شاخ کی

حکمت ہم پر مشتبہ ہو تو یہ بھی جائز نہیں کہ ہم جڑ کے باطل ہونے کا حکم لگا دیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اس حکم کی حکمت بھی ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں جمادات پر حیوانات کو فضیلت ہے اور حیوانات میں غیر ناطق پر ناطق کو فضیلت ہے۔ کیوں کہ ناطق کو فہم و فطنت دی گئی اور نظری و عملی قوتیں عطا کی گئی ہیں اور ناطق کا باقی رہنا بہ نسبت غیر ناطق کے زیادہ اہتمام کے قابل ہے۔ ناطق کی یہ قوتیں باقی رہنے میں گوشت کے قائم مقام اور کوئی چیز نہیں ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ جس قسم کا فائدہ عظیم ہے وہ کم فائدہ والے کو کھالے اور کم زور کو قوی تناول کرے۔ بہائم حیوان تو بزرگ حیوانات اشرف المخلوقات کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ پھر اگر بہائم ذبح نہ کئے جائیں تو بہت کثرت سے بڑھ جائیں اور چراگاہ کھیتی باڑی کی گنجائش نہ رہے اور مریں تو ان کے مردار کی بدبو سے اشرف المخلوقات کو بہت تکلیف ہو (بلکہ اس کے قوائے عقلیہ میں خلل ہو جائے) تو بہائم کی ایجاد کا کچھ فائدہ بھی نہ رہے اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ذبح کرنے میں دکھ ہے تو بہت خفیف ہے۔ بعض حکماء نے کہا کہ درد بالکل محسوس نہیں ہوتا۔ کیوں کہ درد کا محسوس ہونا دماغ کی جھلیوں کو ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسی میں اعصاب حساسہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب خود دماغ کو صرع یا سکتہ پہنچتا ہے تو انسان کو کچھ درد محسوس نہیں ہوتا۔ ذبح میں جب تیزی سے شاہ رگیں کاٹ دیں گئیں۔ تو درد ایسے محل میں نہیں پہنچا جس کو حس ہوا، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ تم میں سے جب کوئی ذبح کرے تو چھری تیز کر لینی چاہیے اور ذبیحہ کو آرام دینا چاہیے۔ [1]

فائدہ: اور اگر حیوان کے غذا ہو جانے میں مصیبت ہوتی تو حکیم مطلق عزوجل درندہ جانوروں کو خشکی و تری میں ایسی حقیقت پر پیدا کرتا کہ ساگ پات کھاتے یا ان کے دانت و پنجے نہ ہوتے۔ کیوں کہ انسان میں اگر عقل ہے تو درندوں میں نہیں ہے۔ فَافْهَمْ.

شبہ ششم نبوت کے منکروں نے کہا کہ شاید صاحبان شریعت کو بعض پتھر و لکڑی کے کچھ خواص معلوم ہو گئے ہوں یعنی اس کے ذریعہ سے معجزہ بنالیا۔ جواب یہ ہے کہ شبہ کرنے والوں کو

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الصید والذبائح، باب الامر باحسان الذبح والقتل ...... رقم ۵۰۵۵۔ ابوداؤد: کتاب الاضاحی: باب فی النھی ان تصبر البھائم والرفق بالذبیحۃ، رقم ۲۸۱۴۔ ترمذی: کتاب الدیات، باب ماجاء فی النھی عن المثلۃ، رقم ۱۴۰۹۔ نسائی: کتاب الضحایا، باب الامر باحداد الشفرۃ، رقم ۴۴۱۰۔ ابن ماجہ: کتاب الذبائح، باب اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح، رقم ۳۱۷۰۔

کچھ شرم کرنی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ نباتات کے خواص و منافع مدت دراز سے بخوبی ظاہر ہو چکے اور بھید کھل چکا ہے۔ پھر اگر کسی شخص کو کوئی پتھر یا لکڑی مل جاتی اور وہ اس کی خاصیت ظاہر کرتا (مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں کوئی خاصیت ہوتی) تو ان چیزوں کے جاننے والے اسی وقت کہتے کہ یہ آپ کا معجزہ نہیں ہے بلکہ لکڑی یا پتھر کی خاصیت، ہے پھر معلوم ہے کہ معجزات کچھ ایک ہی قسم کے نہ تھے۔ بلکہ ان کی اقسام ہیں۔ جیسے پہاڑ سے ناقہ (اونٹنی کا) نکلنا، موسیٰ علیہ السلام کا عصا بالکل بدل کر اژدہا ہو گیا۔ پتھر سے چشمے جاری ہوئے اور یہ قرآن عظیم معجزہ کبریٰ ہے کہ قریب چھ سو [1] برس کے ہوئے۔ جب سے نازل ہوا ہے اور کان اس کو سنتے ہیں اور افکار اس میں غور کرتے ہیں اور اس سے تحدی کی گئی کہ اس کی ایک سورۃ کے مثل بنا کر لاؤ اور یہ تحدی قیامت تک باقی ہے۔ پھر کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ایک آیت بھی اس کے علاوہ کہیں سے بنا کر لاتا۔

فائدہ: بلکہ اب تو عقلاً محال ہو گیا۔ اس لیے کہ عرب عرباء جو کامل فصیح اہل زبان تھے۔ جب لاکھوں نے عاجزی کا اقرار کیا تو اب جو کوئی مدعی ہو وہ قطعاً واہی و کاذب ہے خصوصاً جب کہ اہل زبان سے بھی نہ ہو اور عرب میں یہود و نصاریٰ سب موجود تھے اور عراق و نجران و بنی تغلب مدت تک اسلام نہ لائے اور لڑائیاں کرتے رہے۔

پھر کہاں یہ معجزۂ عظیم اور کہاں خاصیت و سحر و شعبدہ

شیخ ابو الوفاء علی بن عقیل نے کہا کہ ملحدوں کی جبلت کا خمیر یہ ہے کہ دل سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح کلمۂ حق چھپ جائے اور مخلوقات میں شریعت کا ثبوت نہ رہے اور لوگ اس کے احکام پر عمل نہ کریں۔ انہیں ملحدوں میں سے ابن الراوندی فیلسوف و ابو العلاء المعری شاعر اور ان کے مانند بہت ہیں (جیسے اکثر دیلمی روافض تھے) اور باوجود اس کوشش کے ان ملحدوں کو اپنی گفتگو کی کچھ قدر نہیں دکھائی دیتی اور نہ کچھ اثر پاتے ہیں۔ بلکہ ان خبیثوں کی امید کے برخلاف جامع مسجدیں کی کثرت و اژدحام سے لبریز ہوتی ہیں اور پانچوں وقت عام مسجدوں میں بندگان حق کی اذانوں سے ان ملحدوں کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں۔ کہ بندگان باری تعالیٰ، اس

[1] اور اب چودہ سو ستائیس برس گزر گئے۔

کے رسول ﷺ کی شان والا کی تعظیم کرتے ہیں اور جو نعمت ہدیٰ آپ لائے صاف گواہی سے اس کا قرار کرتے ہیں اور حج میں اپنی جانیں و مال خرچ کرتے ہیں۔ باوجود یہ کہ سفر میں ہر طرح کے خطرات و مشقت اور آل و اولاد سے مفارقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن حکم شریعت کی تعظیم ایمانی تصدیق سے سب پر عمل کرتے ہیں۔

ملحدوں کے مکر کو دیکھو کہ بعضے تو یہ کرتے ہیں کہ علمائے نقل کے یہاں کسی فاجر کو لالچ دے کر جھوٹی اسناد سے فسادی بات بنا کر ان کی کتابوں میں داخل کراتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے حالات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات میں جھوٹی خبریں بنا کر اسی طرح علمائے نقل کے یہاں داخل کراتے ہیں اور بعضے ملحدوں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے کہ معجزات کے مشابہ چیزیں نقل کرتے ہیں کہ بعضے ملکوں میں ایسا پتھر ہوتا ہے جس کی یہ خاصیت ہے یعنی اس سے خرق عادات ظاہر ہوتے ہیں اور بہت سے کاہنوں و منجموں سے غیب کی خبریں نقل کرتے ہیں اور اس کے انداز میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان ملحدوں نے بیان کیا سطیح کاہن کے امتحان کے لیے کسی نے بچھیرے کے نرہ کے سوراخ میں گیہوں کا دانہ رکھ دیا تھا اور سطیح سے پوچھا کہ جو کچھ ہم نے مخفی کیا ہے وہ بتلاؤ تو اس نے کہا کہ

حَبَّةُ بُرٍّ فِي اِحْلِيْلِ مُهْرٍ

''یعنی بچھیرے کے آلہ نرہ میں گیہوں کا دانہ ہے۔''

اسود عنسی حالت وعظ میں بعض بات جو ہونے والی کے قبل وجود ہے بتلاتا تھا اور آج کل یہاں بہت عامل موجود ہیں جو اس جنی سے باتیں کرتے ہیں جو مجنون کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ ان کو بہت سی ہونے والی باتیں بتلاتا ہے۔ شیخ ابوالوفاء نے کہا کہ یہ لوگ اسی قسم کے خرافات بہت بیان کرتے ہیں اور جس نے یہ دیکھا تو اپنی کم عقلی سے ان ملحدوں کا اصلی فتنہ نہیں سمجھتا۔ اور کہنے لگتا ہے کہ نبوت کے ذکر میں جو اس قسم کی مخفی باتیں بتلانے کا حال آیا ہے تو کیا اس کے قریب نہیں پہنچتا ہے بلکہ نبوت میں فقط اسی قدر تو آیا ہے۔

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ [1]

''میں تم کو آگاہ کرتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو چھپا رکھتے ہو''

---

[1] ۳/ آل عمران: ۴۹۔

کیا اب اس کی کچھ وقعت دلوں میں باقی رہی اور یہ امر براہ عادت ہی تو ہوا کہ اب بھی وقوع منع نہیں ہوا۔ شیخ نے کہا کہ دیکھو اس غبی نے کیسا اشارہ کیا ہے۔ واللہ ان لوگوں نے جو قصد کیا وہ ظاہر ہے اور جدھر اشارہ کیا وہ کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ آؤ ہم تم کو بکثرت ملکوں وشخصوں ونجوم وخواص کے حوالے بتلا دیں اور اس کثرت سے خود ظاہر ہے کہ آخر کوئی ایک امر تو سچ ہوگا اور جب ایک بات سچ مانی گئی تو پھر سب سچ مانی جائیں کیوں کہ سب ہی یکساں ہیں تو پھر یہ دعویٰ کہ جو کچھ انبیا معجزات لائے تھے وہ خرق عادت تھا یہ دعویٰ باطل ہو گیا پھر ان فسادی ملحدوں نے مکار صوفیہ میں سے ایک جماعت کو اپنے مکر میں ملا کر داخل کیا ہے جو بیان کرتے پھرتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے اپنے پیالہ سے دجلہ کی طرف جھکا کر سونے سے بھر لیا اور یہ بطور کرامت کے صوفیوں کی طرف سے عادت ہوگئی اور منجموں کے حق میں بطور عادت کے ہوا۔ اور طبیعی گروہ میں بطریق خواص اشیاء کے ہوا، اور اہل منتر یعنی عاملوں وعرافین کی طرف سے بطور کہانت کے ہوا۔ تو اب عیسیٰ علیہ السلام کے قول

﴿وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ﴾ [1] کا حکم کیا رہا۔

اور اس میں خرق عادت کیا ہوئی۔ کیوں کہ یہ تو برابر اس کے مانند ہوتا رہا اور عادت اسی کو کہتے ہیں کہ وہ چیز برابر جاری رہے، اور اکثر پائی جائے۔ پھر جب کسی عاقل دیندار نے ان کو ہوشیار کیا کہ اس میں یہ فساد ہے تو صوفی مکار جھگڑنے لگتا ہے کہ کیا اب اولیاء اللہ کی کرامت سے انکار کرتے ہو اور طبیعی کہتا ہے کہ کیا تم خواص سے منکر ہو کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور شتر مرغ آگ کی انگاری نگل جاتا ہے۔ تو آخر وہ اصل بات واقعی کی وجہ سے ان کی جھوٹی باتوں سے بھی سکوت کرتا ہے تو زمانہ ہے کہ اس میں حق کے معتقد کو ان ملحدوں سے پریشانی ہے اور ایک طرف باطنیہ ملاحدہ ہیں اور ایک طرف منجم ہیں مع ارباب مناصب کے۔ یعنی امرا وسلاطین وزرا وغیرہ جو حل وعقد کے مالک ہیں اور لوگ ان ہی کی باتوں پر چلتے ہیں۔

باوجود اس فتنہ عظیم کے پاک ہے حق سبحانہ وتعالیٰ جو اس ملت حنیفہ کی حفاظت فرماتا ہے اور اس کا کلمہ بلند رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ سب گروہ اس کے قہر کے نیچے مقہور ہیں کیوں کہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبوت کے احکام کی نگہبانی رکھی اور ملاحدہ حیلہ بازوں کو مردود اور نابود کیا۔

---

[1] ۳/آل عمران:۴۹۔

ہندوستان کے برہمنوں میں سے بعض قوم ہے جس پر شیطان نے یہ رچایا کہ اپنی جان جلا کر خدا کے ہاں تقرب حاصل کریں۔ چنانچہ جب کوئی آمادہ ہوتا ہے تو اس کے لیے گھڑا کھودا جاتا ہے یعنی آگ بھری جاتی ہے اور لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں۔ اس کو خلوق سے خوشبودار کرتے ہیں۔ ڈھول ونقارہ وجھانجھ بجاتے ہوئے لاتے ہیں کہ اس جیو (جان) کو مبارک ہو کہ اب بیکنٹھ (جنت) کے اونچے درجہ پر چڑھ جائے گا۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری یہ قربانی مقبول ہو اور میرا ثواب جنت ہو۔ پھر وہ اپنے آپ کو اس خندق میں ڈال دیتا ہے اور جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر وہ آگ میں نہ کودا اور بھاگ کھڑا ہوا تو اس کو تھتکارتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ آخر وہ لاچار ہو کر پھر جلنا اختیار کرتا ہے۔

بعض کے لیے ایک پتھر گرم کیا جاتا ہے اور اس کے پیٹ پر لگایا جاتا ہے اسی طرح دوبارہ کیا جاتا ہے۔ برابر اسی طرح اس کے پیٹ سے گرم پتھر لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے اور آنتیں نکل پڑتی ہیں وہ مر جاتا ہے۔

کوئی اس قدر آگ سے نزدیک کھڑا ہوتا ہے کہ اس کی چربی گل کر بہتی ہے۔ تب گر کر جل جاتا ہے۔

بعض کی پنڈلی اور ران سے ٹکڑے ٹکڑے کاٹ کر آگ میں ڈالے جاتے ہیں اور لوگ اس کی تعریف کرتے جاتے ہیں اور اس کے مثل مرتبہ مانگتے ہیں۔ آخر وہ مر جاتا ہے۔

کوئی گائے کے گوبر میں (یعنی کنڈوں میں) ساق تک کھڑا ہوتا ہے اور اس میں آگ لگا دی جاتی ہے اور وہ جل کر مر جاتا ہے۔

بعض ہنود پانی پوجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی سے جاندار کی زندگی ہے۔ پس اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

بعض کے لیے پانی کے قریب خندقیں کھودی جاتی ہیں تو وہ خندقوں میں گر پڑتا، یہاں تک کہ جب آگ مشتعل ہو جاتی ہے تو وہ اٹھ کر پانی میں غوطہ مارتا ہے اور پھر وہ پانی سے خندقوں کی طرف لوٹتا ہے یہاں تک کہ مر جائے۔ پھر اگر وہ پانی وخندق کے درمیان میں مر گیا تو اس کے آدمی غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت سے محروم رہا اور اگر وہ پانی یا خندق میں مرا

تو گواہی دیتے ہیں کہ وہ جنت میں پہنچ گیا۔

کوئی ان میں بھوک پیاس سے تڑپ کر جان دیتا ہے۔ پس پہلے تو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر بیٹھنے سے عاجز ہو کر مردہ کی طرح لیٹ جاتا ہے پھر بات نہیں نکلتی، پھر حواس میں خلل ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ پھر تڑپنا بھی موقوف ہو کر مر جاتا ہے۔

ان میں سے کوئی زمین میں آوارہ ہو کر مخبوط پھرتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ ان میں کوئی اپنے آپ کو دریا میں غرق کر کے مر جاتا ہے۔

بعض ان میں عورت کے پاس نہیں جاتا اور بالکل ننگا پھرتا ہے۔ فقط ایک چٹ سی لنگوٹی باندھے پھرتا ہے۔

ہند میں ایک بلند پہاڑ ہے۔ اس کے نیچے ایک درخت ہے، وہاں ایک شخص کتاب لیے پڑھتا اور کہتا ہے کہ مبارک ہو اس کو جو اس پہاڑ پر چڑھ کر اپنا پیٹ پھاڑ کر اپنے ہاتھ سے اپنی آنتیں نکال ڈالے۔

بعض ان میں سے وہ ہے جو بڑا پتھر لے کر اپنا بدن کچل کر مر جاتا ہے اور لوگ اس کو مبارک باد دیتے ہیں۔

ہند میں دو دریا ہیں (گنگا اور جمنا) اور جو فقیر لوگ غاروں وغیرہ میں بیٹھ رہے ہیں وہ عید کے روز نکل کر وہاں آتے ہیں اور کچھ لوگ وہاں مقرر ہیں۔ وہ ان جوگیوں اور عابدوں کے کپڑے وغیرہ اتار لیتے ہیں اور ان کو پٹ لٹا کر دو ٹکڑے کاٹ ڈالتے ہیں۔ ایک ٹکڑا ایک دریا میں اور دوسرا ٹکڑا دوسرے دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ دونوں دریا بہہ کر جنت میں جاتے ہیں۔

بعض ان میں نکل کر آفتاب (یا چٹیل میدان) میں جاتا ہے جہاں دھوپ کے سوا سایہ نہیں ہے اور کچھ لوگ اس کے ساتھ دعا دیتے اور مبارک باد کہتے جاتے ہیں۔ جب وہ صحرا میں جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے، اور شکاری چڑیاں ہر طرف سے اکٹھی ہوتی ہیں۔ پھر ہو ننگا ہو کر لیٹ جاتا ہے اور لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور شکاری چڑیاں ہر طرف سے اس پر ہجوم کر کے اس کو کھاتی ہیں۔ جب چلی جاتی ہیں تو لوگ آ کر اس کی ہڈیاں لے جا کر جلاتے ہیں اور اس کی راکھ بطور

تبرک رکھتے ہیں۔

شیخ ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ بہت طویل طویل افعال ذکر کیے ہیں۔ جن کا نقل کرنا تضیع اوقات ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان سے مسافر لوگ حکمت کی باتیں حاصل کرتے ہیں اور ان میں باریک اعمال ہیں۔ باوجود اس کے پاک ہے حق سبحانہ تعالیٰ کہ جس نے ہندیوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ شیطان نے ان کو اس طرح ہانکا جس کا نمونہ بیان کیا گیا۔ ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض ہندی دعویٰ کرتا ہے کہ جنت کے 32 درجات ہیں اور اگر کوئی جنتی اس کے سب سے نیچے درجے میں چار لاکھ تینتیس ہزار چھ سو بیس سال رہا تو وہ اوپر بڑھے گا اور ہر بالائی مرتبہ بہ نسبت اول کے دو چند ہے اور جہنم کے بھی 32 درجے ہیں۔ ازاں جملہ 16 مرتبے میں زمہریر وغیرہ طرح طرح کے عذاب ہیں اور باقی 16 مرتبے میں جلن اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔

یہود پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے یہود کو بھی طرح طرح کی تلبیس میں گمراہ کیا۔ اس ڈھیری میں سے ایک مٹھی بھر نمونہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے باقی پر قیاس دوڑایا جا سکتا ہے۔ ازانجملہ کہ یہ یہود نے خالق کو مخلوق سے مشابہ کیا اور یہ نہ سمجھے کہ اگر تشبیہ حق ہوتی تو جو باتیں مخلوق پر جائز ہوتی ہیں وہ اس پر بھی جائز ہوتیں۔ شیخ ابو عبداللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ یہود کا زعم ہے کہ اللہ معبود ایک نور کا شخص ہے۔ وہ نور کی کرسی پر نور کا تاج رکھے ہوئے بیٹھا ہے اور آدمیوں کے اعضاء کی طرح اس کے اعضاء ہیں۔

ازاں جملہ یہود نے دعویٰ کیا کہ عزیر علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اگر یہود سمجھ رکھتے ہوتے کہ فرزند ہونا حقیقت میں اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا جزو ہو تو پھر حماقت میں نہ پڑتے۔ اس لیے کہ خالق عزوجل کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کے ٹکڑے ہو سکیں۔ یا بعض بعض ہو سکے اس لیے کہ وہ کچھ مرکب نہیں ہے تو اپنی حماقت سے اس کا بیٹا نہ بناتے۔ پھر بیٹا باپ کے معنی میں ہوتا ہے حالانکہ عزیر علیہ السلام بغیر کھانے پینے کے قائم نہیں رہتے تھے اور اللہ وہ ہے جس سے مخلوقِ اشیاء کا قیام ہے۔ واضح ہو کہ یہودی حقائق سے بھی واقف نہ تھے اور باوجود اس کے

یہ قول جو انہوں نے کہا تو اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام کو دیکھا کہ موت کے سو برس بعد زندہ ہو کر آئے اور تمام توریت اپنے حفظ سے سنائی تو (پچھلے زمانے کے) یہود نے اپنے بیہودہ قیاس سے (نصرانیوں کی مشابہت کرنے کو) عزیر علیہ السلام کی نسبت یہ کلمہ کہا اور اس قوم کی بھدی سمجھ پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ لی کہ کس طرح اس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑ دیا۔ پھر جب پار ہو کر ایک قوم کے بتوں پر گزر ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایسے ہی بت بنا دیجئے جیسے ان کے واسطے بت ہیں۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جھڑکا تو چپ رہے۔ کہیں ان کے دلوں میں مخفی خواہش باقی رہ گئی جو سامری کے گوسالہ بنانے پر ان کی عبادت کرنے سے ظاہر ہوئی اور جس چیز نے ان لوگوں کو ایسے افعال پر آمادہ کیا وہ دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے خالق عزوجل کی شان سے جاہل تھے اور دوم یہ کہ انہوں نے چاہا کہ ان کا معبود وہ ہو جو ان کے حواس میں آئے اس لیے کہ حواس ان پر غالب تھے اور عقل سے یہ لوگ دور پڑے تھے۔ (یہی حال اب تک جمیع یہود و نصاریٰ میں صاف ظاہر ہے) اور اگر یہ لوگ اپنے معبود سے جاہل نہ ہوتے تو کبھی اس کی شان میں ایسے کلمات ناشائستہ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود نے کہا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّنَحْنُ أَغْنِيَآءُ﴾ [1]

''اللہ بندوں کا محتاج ہے اور ہم بے پروا''

﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ﴾ [2]

''یعنی یہود کو دینے سے اللہ کے ہاتھ بندھے ہیں۔''

از انجملہ یہود پر ابلیس نے یہ تلبیس رچائی کہ تم لوگ یہ دعویٰ کرو کہ شریعت منسوخ نہیں ہو سکتی ہے۔ باوجود یہ کہ یہودی خوب جانتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے وقت میں بہنوں سے اور محرمات عورتوں سے نکاح روا تھا اور سنیچر کے روز سب مباح کام کرنے جائز تھے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ امر منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہودیوں نے ابلیس کی پیروی میں یہ دعویٰ کیا کہ جب خدا نے کسی چیز کا حکم دیا تو وہ حکمت ہے۔ پس حکمت کو منسوخ کر دینا جائز نہیں ہے۔ (غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک منسوخ نہ ہو گی) ہم ان کو جواب دیتے ہیں

---

[1] ۳/ آل عمران: ۱۸۱۔ [2] ۵/ المائدہ: ۶۴۔

کہ بعض اوقات میں اس کو بدل دینا حکمت ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی کو صحت سے مرض کی طرف بدل دینا اور مردہ کر دینا سب حکمت ہے۔ اسی طرح تم پر سنیچر کے دن دنیاوی کام کرنا حرام کیا گیا۔ پھر اتوار کے دن اختیار دیا گیا اور یہ اسی قسم کی بات ہے جس سے تم انکار کرتے ہو اور یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر اس سے منع کر دیا۔

ازانجملہ ابلیس نے یہود پر یہ تلبیس کی کہ یہودیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ [1]

''یعنی ہم لوگوں کو آگ نہیں چھوئے گی سوائے گنتی کے چند دنوں کے۔''

اور یہ چند دن وہی ہیں جن میں ہم نے گوسالہ پوجا تھا۔ یہودیوں کی ناشائستہ باتیں بہت ہیں۔ پھر ابلیس نے یہودیوں کو خالص عداوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ان کی کتاب میں جو صفت ہمارے نبی ﷺ کی مذکور تھی اس سے جان بوجھ کر انکار کیا اور اس صفت کو بدل ڈالا۔ حالانکہ کتاب توریت میں ان کو تاکیدی حکم تھا کہ اس پیغمبر آخرالزماں ﷺ پر ایمان لائیں لیکن یہ بدبخت آخرت کے عذاب پر راضی ہو گئے۔ پس ان کے پڑھے لکھوں نے دشمنی پر کمر باندھی اور جاہلوں نے اپنے عالموں کی تقلید پر اصرار کیا۔ پھر تعجب تو یہ ہے کہ جو کچھ ان کو حکم دیا گیا تھا تو وہ بگاڑ کے بدل ڈالا اور جو کچھ ان کے جی چاہتے تھے اس کو دین بنایا تو بھلا ایسے شخص کے حق میں خدا کی بندگی کہاں رہی جس نے حکم الٰہی چھوڑ دیا اور اپنے جی کی پیروی کر لی۔ پھر واضح رہے کہ یہودی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخالفت کرتے بلکہ ان کو عیب لگاتے۔ چنانچہ کہتے کہ ان کو فتق کا مرض ہے اور اتہام لگایا کہ انہوں نے ہارون کو قتل کیا ہے اور اسی طرح داؤد علیہ السلام کی نسبت اتہام لگایا کہ ان کی اوریا کی جورو سے آشنائی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز یہود کے مدرسہ میں تشریف لے گئے'' فرمایا کہ جو تم میں سب سے بڑا عالم ہو اس کو میرے سامنے لاؤ انہوں نے کہا کہ وہ عبداللہ بن صوریا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو تنہا بلایا اور الگ اس کو اس کے دین کی قسم دلائی کہ بعوض اس حق کے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعام کیا اور من وسلویٰ کھانے کو دیا اور بادل سے ان پر سایہ کیا۔ تو سچ بتلا کہ تو یہ جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ عبداللہ بن صوریا نے

---

[1] ۲/البقرہ:۸۰۔

کہا، ہاں واللہ میں جانتا ہوں اور یہ قوم سب میری طرح آپ کو پیغمبر پہچانتے ہیں اور بیشک آپ کی صفت وتعریف توریت میں صاف صاف مذکور رہے لیکن یہ لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ابن صوریا سے کہا کہ پھر خود تجھ کو کیا چیز مانع ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اپنی قوم سے مخالفت کرنا گوارا نہیں ہے امید ہے کہ عنقریب یہ لوگ آپ کے تابع ہوں گے اور اسلام لائیں گے تب میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔'' [1]

سلمہ بن سلامہ بن وقش سے روایت ہے کہ اسلام سے پہلے بنی عبدالاشہل کے محلّہ میں ہمارے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ نبی ﷺ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ الغرض وہ یہودی بنی عبدالاشہل کی مجلس میں آکر کھڑا ہوا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہاں کے لوگوں میں اس وقت میں چھوٹا تھا اور میں ایک چادر لپیٹے اپنے لوگوں کے گھر کے صحن میں بیٹھا تھا۔ پس اس یہودی نے موت کے بعد زندہ کر کے اٹھا جانے کا اور قیامت کا اور میزان و جنت و دوزخ کا ذکر کیا اور یہ قوم اس زمانہ میں اہل شرک و بت پرست تھی۔ موت کے بعد زندگی کی قائل نہ تھی۔ تو کہنے لگے کہ اے فلاں! بھلا تو سمجھتا ہے کہ یہ بات ہونے والی ہے کہ موت کے بعد لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور ایسے ملک میں جہاں جنت و دوزخ ہے وہاں اپنے اپنے اعمال کے موافق بدلہ دیئے جائیں گے۔ اس یہودی نے کہا کہ ہاں! اور قسم ہے کہ جہنمی اس دن آرزو کرے گا کہ کاش اس جہنم کی آگ سے ایک لحظہ نکال کر ایک بہت بڑے تنور ہی میں ڈالا جائے۔ تم لوگ یہاں بڑے سے بڑا تصور کرو جس کو تم خوب آگ جلا کر گرم کرو۔ پھر اس کو اس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دو تو وہاں جہنم کی آگ سے بچ کر اس تنور میں بند ہونے کی آرزو کرے گا۔ قوم نے یہودی سے کہا کہ ارے جو کچھ تو کہتا ہے اس کی کیا دلیل ہے۔ قوم نے کہا کہ تیرے نزدیک وہ کب تک مبعوث ہو گا۔ یہودی نے نظر دوڑا کر مجھے دیکھا کہ میں ان میں سے چھوٹا تھا۔ تو کہا کہ اگر یہ لڑکا اپنی عمر تک بچ گیا تو اس پیغمبر ﷺ کا زمانہ پائے گا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ واللہ کچھ دن نہیں گزرے

[1] تہذیب تاریخ دمشق الکبیر:۱/۳۵۲، باب اخبار الاحبار بنبوتہ طبقات ابن سعد:۱/۱۳۰۔ ذکر علامات النبوۃ فی رسول اللہ قبل ان یوحی الیہ۔ الدر المنثور فی التفسیر الماثور:۳/۲۴۵ تفسیر سورت الاعراف آیت ۱۵۷۔

تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور وہ یہودا ابھی تک ہمارے محلہ میں زندہ موجود تھا۔ہم لوگ تو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور اس یہودی نے بغاوت وحسد سے انکار کیا۔تو ہم نے اس سے کہا کہ ارے بد بخت کیا تو وہ نہیں جس نے ہم سے فلاں روز اس پیغمبر ﷺ کے بارے میں ایسا کہا تھا۔اس نے کہا کہ ہاں میں نے کہا تھا لیکن یہ وہ پیغمبر نہیں ہے۔

نصاریٰ پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے نصاریٰ پر بہت سی تلبیس کر دی ہے۔ازانجملہ اس نے نصاریٰ کے وہم میں یہ جما دیا کہ خالق سبحانہ وتعالیٰ جوہر ہے۔چنانچہ نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ نے (جو یعقوب کے شاگرد ہیں) اور ملکیہ نے (جو بادشاہی دین پر کہلاتے تھے) اور نسطوریہ نے (جو نسطور کے تابع تھے) ان سب گمراہوں نے زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ جو ہر واحد ہے تین اقنوم والا۔پس وہ جوہر ہونے میں ایک ہے اور اقنوم میں سے ایک ہے اور اقنوم ہونے میں تین ہے۔اور ان تین اقنوم میں سے ایک باپ ہے اور دوسرا بیٹا اور تیسرا روح القدس ہے۔پھر بعض نے کہا کہ اقنوم خواص ہیں اور بعض نے کہا کہ صفات ہیں اور بعض نے کہا کہ اشخاص ہیں اور ان لوگوں کو یہ نہیں سوجھا کہ اگر اللہ تعالیٰ جوہر ہوتا تو جو چیزیں جواہر کے لوازم ہیں وہ اللہ پر جائز ہوتیں۔جیسے کسی مکان میں جگہ پکڑنا اور جنبش کرنا،اور ساکن ہونا اور کسی وقت وزمانہ میں ہونا۔پھر ابلیس نے بعض نصرانیوں پر یہ تلبیس کی کہ مسیح ہی اللہ ہے۔شیخ ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ملکیہ اور یعقوبیہ نے کہا کہ مریم نے جس کو جنا تھا وہی اللہ ہے اور بعض پر شیطان نے تلبیس کی کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور بعض نے کہا کہ مسیح میں دو جوہر ہیں۔ایک قدیم ہے اور دوسرا حادث ہے اور باوجود یہ کہ یہ لوگ مسیح کے بارے میں یہ زعم بیان کرتے ہیں کہ اس کو کھانے پانی کی ضرورت تھی اور سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی اور وہ قتل سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ناسوت کے ساتھ کیا گیا۔یعنی جو جزو اس میں مخلوقیت کا تھا وہ سولی دیا گیا۔یہ جواب رد کیا گیا کہ اس میں جو لاہوت کا جزو تھا اس نے ناسوت سے یہ بلا کیوں نہ دفع کی۔پھر انجیل میں ہمارے نبی ﷺ کا ذکر صاف تھا مگر شیطان نے ان پر تلبیس کی،تو ہٹ دھرمی سے انکار کر گئے۔

کنائس میں سے بعض لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہنے لگے کہ وہ نبی ہیں مگر فقط عرب کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ابلیس نے ان پر عجب تلبیس کی اور غفلت میں ڈبویا کیوں کہ جب معلوم ہوا کہ وہ نبی ہیں تو نبی جھوٹ نہیں بولتا اور بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمام جہان کے سب لوگوں کی طرف رسول بھیجا گیا ہوں'' [1] اور اس میں بھی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ و دیگر ملوک عجم سب کے نام ہدایت کے فرمان لکھے تھے۔

ابلیس نے یہود و نصاریٰ دونوں پر جو تلبیس کی اس میں سے ایک تلبیس یہ ہے کہ ان دونوں نے دعویٰ کیا کہ ہمارے بزرگوں کی وجہ سے خدا ہم کو عذاب نہیں کرے گا۔ کیوں کہ ہم میں بنی اسرائیل کے انبیا و اولیا گزرے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا زعم قرآن میں فرمایا:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [2]

''یعنی ہم تو خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔''

مطلب یہ کہ ہم میں خدا کے بیٹے عزیر علیہ السلام ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اس تلبیس کا پردہ اس طرح کھلتا ہے کہ اگر کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کے حق کا مطالبہ ہوتا ہے (جیسے نماز روزہ وغیرہ) تو کوئی قرابتی اس کے ذمے سے خدا کے حق کو دفع نہیں کرسکتا اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کسی شخص سے محبت ہو اور اس کی وجہ سے غیر پر جائے جو محبوب کا قرابتی ہے تو عداوت و بغض بھی اسی طرح متعدی ہوگا۔ یعنی جس کافر سے بغض ہے وہ بغض بھی اس کے قرابتی پر جائے اگرچہ وہ مومن ہو۔ یعنی یہ صریح باطل ہے اور بیشک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((لَا اُغْنِی عَنْکِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا)) [3]

---

[1] بخاری: کتاب الصلاۃ، باب قول النبی جعلت لی الارض مسجدا وطھورا، رقم ۴۳۸۔ مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب المساجد و مواضع الصلاۃ، رقم ۱۱۶۷۔ ترمذی: کتاب السیر، باب ماجاء فی الغنیمۃ، رقم ۱۵۵۳۔ نسائی: کتاب الغسل باب التیمم بالصعید، رقم ۴۳۲۔ سنن الدارمی: ۱/۳۴۳ کتاب الصلاۃ، باب الارض کلھا طھور، رقم ۱۳۶۱۔ احمد: ۳/۳۰۴۔ [2] ۵/المائدہ: ۱۸۔ [3] بخاری: کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الاقارب، رقم ۲۷۵۳۔ مسلم: کتاب الایمان، باب قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین، رقم ۵۰۳۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الشعراء، رقم ۳۱۸۴۔ نسائی: کتاب الوصایا، باب اذا اوصی لعشیرتہ الاقربین، رقم ۳۶۷۶۔ سنن الدارمی: ۲/۷۶۱، کتاب الرقاق، باب وانذر عشیرتک الاقربین، رقم ۲۶۳۲۔

''میں تجھ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نہیں ہٹا سکتا ہوں۔''

(یعنی شفاعت کی اجازت تو ایمان پر موقوف ہے) اور محبوب کو فضیلت تقویٰ پر ہے۔ (شرک وغیرہ سے بچے) پس جو تقویٰ نہیں کر سکتا اس کے لیے محبت بھی نہیں۔ پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے ساتھ جوش قلب سے نہیں ہوتی جیسے آدمیوں کی محبت باہم ہوتی ہے کیوں کہ اگر محبت ایسی ہوتی تو امر محتمل تھا۔

صابی فرقہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ صابئین کی اصل اس محاورہ سے ہے کہ صبات۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب تو ایک چیز سے نکل کر دوسری چیز میں چلا جائے۔ ''صَبَأَتِ النُّجُومُ'' اس وقت بولتے ہیں جب تارے ظاہر ہو جائیں۔ ''صَبَأَبِهِ'' جب بچہ کے دانت نکل آئیں۔ ''صَابِئُونَ'' وہ لوگ جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں چلے جائیں۔ صابئون کے مذاہب کے بارے میں علما کے دس اقوال ہیں۔ قول اول یہ کہ صابئیہ ایک قوم ہے جو مجوسی و نصاریٰ کے درمیان میں ہے۔ اس کو سالم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا اور لیث بن ابی سلیم نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول دوم یہ کہ وہ یہود و مجوسی کے درمیان قوم ہے اس کو ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا۔ قول سوم یہ کہ صابئہ یہود و نصاریٰ کے بیچ میں ہیں۔ اس کو قاسم بن ابی بزہ نے مجاہد سے روایت کیا۔ چہارم یہ کہ وہ نصاریٰ میں سے ایک قوم ہے جن کا قول بہ نسبت نصاریٰ کے نرم ہے۔ اس کو ابو صالح نے ابن عباس سے روایت کیا۔ پنجم یہ کہ ایک قوم مشرکین میں سے ہے ان کے واسطے کوئی کتاب نہیں۔ اس کو بھی قاسم نے مجاہد سے روایت کیا۔ ششم یہ کہ صابئیہ مثل مجوس کے ہیں۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ ہفتم یہ کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں۔ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ ہشتم یہ کہ صابئیہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی عبادت کرتے اور زبور پڑھتے ہیں یہ قتادہ و مقاتل کا قول ہے۔ نہم یہ کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے۔ یہ سدی کا قول ہے۔ دہم یہ کہ فرقہ فقط لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے اور نہ کچھ کام و عمل کرتے ہیں اور نہ ان کے واسطے کوئی کتاب ہے اور نہ پیغمبر ہے۔ فقط لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ قول ہے۔ یہ ابن زید کا قول ہے۔

مصنف نے کہا کہ یہ اقوال مفسرین مثل حضرت ابن عباس وقاسم وحسن وغیرہم سے مروی ہیں اور متکلمین نے کہا کہ صابئون کے مذاہب مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ فقط ایک ہیولیٰ ہے وہی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بنانے والا اسی ہیولیٰ سے عالم کو بناتا ہے۔ اکثر صابیہ کہتے ہیں کہ عالم قدیمی ہے۔ پیدا نہیں ہوا ہے اور ستاروں کو یہ لوگ ملائکہ کہتے ہیں اور ان میں سے ایک قوم نے ستاروں کا نام اللہ رکھا، اور ان کے لیے عبادت خانے بنائے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک خانہ جو زحل کا خانہ ہے وہی خدا کا بیت الحرام ہے۔ بعض نے زعم کیا کہ خدا کی صفت نفی سے بیان ہوسکتی ہے اثبات سے نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ مخلوق نہیں ہے، وہ مردہ نہیں ہے۔ وہ عاجز نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہم نے اس لیے کہا کہ مشابہت اور نسبت ثابت نہ ہو۔

انہوں نے اپنی عبادت کے طریقے بنا رکھے ہیں۔ ازانجملہ کہتے ہیں کہ ان پر ہر روز تین نمازیں ہیں۔ اول نماز آٹھ رکعات ہیں اور ہر رکعت میں تین سجدے ہیں۔ اس کا وقت طلوع آفتاب کے وقت ختم ہوتا ہے۔ دوم پانچ رکعتیں ہیں اور سوم بھی پانچ رکعات ہیں اور ان پر ایک ماہ کے روزے ہیں اور ان کا شروع ماہ آذار کی آٹھ راتیں گزرے ہوتا ہے اور سات دن کے روزے اس وقت ہیں جب کہ کانون اول کے سات روز باقی رہتے ہیں اور سات دن کے روزے اور ہیں جن کی ابتدا شباط کی آٹھ راتیں ہوتی ہیں۔ اپنے روزوں کے ختم کرنے پر صدقہ دیتے اور قربانی کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت حرام رکھتے ہیں اور اسی قسم کے دیگر خرافات ہیں جن کے بیان میں تضیع اوقات ہے۔

صابئیہ کا گمان یہ ہے کہ نیک روحیں ثواب کی جانب چڑھ جاتی ہیں اور نور میں پہنچتی ہیں اور شریر روحیں زمین اور تاریکی کی طرف اتاری جاتی ہیں۔ بعض صابئیہ کہتے ہیں کہ یہ عالم فنا نہ ہو گا اور ثواب وعذاب بذریعہ تناسخ کے ملتا ہے۔ یعنی جسے ہندو آواگون کہتے ہیں اور ایسے مذاہب کی تردید میں زیادہ تکلف کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ سب بلادلیل کے محض دعوے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے صابئین کو یہ امر اچھا دکھایا کہ کمال اس طرح حاصل کریں کہ ان میں اور عالم بالا کی روحانیات میں بذریعہ طہارتوں کے مناسب حاصل ہو اور چند قوانین

ودعاؤں کا ورد کریں اور یہ لوگ نجوم کی تعلیم و تسخیر میں پڑ گئے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان میں کوئی درمیانی واسطہ ضرور ہونا چاہیے جو معارف کی شناخت کرائے اور خوبیوں کی طرف ہدایت کرے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ درمیانی واسطہ کوئی جسمانی شخص نہ ہو بلکہ روحانی ہو۔ پس ہم اپنے واسطے اور خدا کے درمیان مناسبت قدسیہ تلاش وحاصل کرتے ہیں۔ تاکہ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہو جائے اور اس تک پہنچائے۔ یہ لوگ جسمانی حشر سے انکار کرتے ہیں۔

مجوس پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

یحییٰ بن بشر نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجوس کا پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔ اسی نے ان کو یہ دین بتلایا۔ پھر ان میں پے در پے نبوت کے مدعی پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ آخر میں زرادشت مشہور ہوا۔ مجوسی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ''معاذ اللہ'' ایک شخص روحانی ہے۔ وہ ظاہر ہوا تو اس کے ساتھ روحانی چیزیں پوری ظاہر ہوئیں۔ پھر اس نے کہا کہ کوئی دوسرا اس طرح ایجاد نہ کر سکے جیسے میں ایجاد کرتا ہوں پس اس نے اپنے فکر سے یہ تاریکی پیدا کی۔ تاکہ غیر کی قدرت سے انکار ہو سکے۔ پھر اس تاریکی نے اٹھ کر اس پر غلبہ پانا شروع کیا۔ منجملہ ان امور کے جو زرادشت نے مجوسیوں اور آتش پرستوں کے لیے نکالے ایک آگ کی پوجا ہے اور آفتاب کی جانب نماز ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ آفتاب اس عالم کا بادشاہ ہے۔ وہی دن کو لاتا ہے اور رات کو لے جاتا ہے اور نباتات کو زندہ کرتا ہے اور حیوانات کو بڑھاتا اور ان کے اجسام میں حرارت کو پھیر لاتا ہے اور مردوں کو تعظیم زمین کی وجہ سے اس میں دفن نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے حیوانات کی پیدائش ہوتی ہے۔ ہم اس کو گندا نہیں کریں گے اور پانی کی تعظیم کی وجہ سے اس سے نہاتے نہ تھے اور کہتے تھے کہ اسی سے ہر چیز کی زندگی ہے، لیکن اگر اس سے پہلے گائے وغیرہ کا پیشاب استعمال کر لیتے تو پانی استعمال کرتے اور اس میں تھوکتے نہ تھے اور حیوانات کا قتل وذبح جائز نہ رکھتے تھے۔ اپنا منہ گائے کے پیشاب سے تبرک کے طور پر دھوتے تھے اور جس قدر گائے کا پیشاب پرانا ہوتا اسی قدر اس میں زیادہ تبرک سمجھتے تھے۔ اپنی ماؤں کی فرج اپنے لیے حلال سمجھتے تھے اور کہتے کہ ماں کی شہوت بجھانے کی کوشش کرنے کا حق بیٹے پر زیادہ ہے اور جب شوہر مر جائے تو بیٹا اس

عورت کا زیادہ مستحق ہے اور اگر بیٹا نہ ہوا تو میت کے مال سے کوئی مرد کرایہ پر کر لیا جاتا تھا۔ مرد کے واسطے جائز رکھتے کہ وہ سو عورتوں یا ہزار عورتوں سے نکاح کر لے۔ جب حائضہ عورت غسل کرنا چاہتی تھی تو موبذ (داروغۂ آتش خانہ) کو ایک اشرفی دیتی۔ وہ اس کو آتش خانہ میں لے جاتا اور جانوروں کی طرح چار پاؤں پر اس کو کھڑا کر کے اپنی انگلی سے اس کے اندام شرم میں آمد و رفت کرتا۔ یہ قاعدہ بادشاہ قباد کے وقت میں مزدک نے رائج کیا اور عورتیں اس نے ہر مرد کے واسطے مباح کر دیں کہ جو مرد جس عورت سے چاہے وطی کرے۔ قباد کی عورتوں سے خود وطی کی تاکہ باقی سب لوگ اس فعل میں اس کی اقتدا کریں۔ چنانچہ عموماً عورتوں کے ساتھ یہی طریقہ عمل میں آنے لگا یہاں تک کہ جب نوشیرواں کی ماں کا نمبر آیا تو اس نے بادشاہ قباد سے کہا کہ نوشیرواں کی ماں کو میرے پاس بھیج دے اگر تو انکار کرے گا اور میری شہوت پوری نہ ہونے دے گا تو تیرا ایمان درست نہ ہو گا۔ قباد نے قصد کیا کہ اس کو بھیج دے جب یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی تو اس نے مزدک کے سامنے رونا شروع کیا اور باپ کے سامنے مزدک کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چومتا رہا اور درخواست کی کہ میری ماں کو مجھے بخش دے۔ تو قباد نے مزدک سے کہا: کیا آپ کا یہ قول نہیں ہے کہ مؤمن کو اس کی شہوت سے روکنا نہ چاہیے۔ کہاں ہاں ہے۔ تو قباد نے کہا کہ پھر آپ کیوں نوشیرواں کو اس کی شہوت سے روکتے ہیں۔ مزدک نے کہا کہ اچھا میں نے اس کی ماں اس کو ھبہ کر دی۔ پھر مزدک نے لوگوں کو مردار کھانے کی اجازت دیدی۔ جب قباد کے مرنے کے بعد نوشیرواں بادشاہ ہوا تو اس نے مزدکیوں کو یک قلم قتل کر کے نیست کر دیا۔

نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مجوس کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کی کچھ انتہا نیچے کی طرف نہیں ہے اور آسمان جو نظر آتا ہے تو شیاطین کی کھال میں سے ایک کھال ہے اور گرج فقط ان عفریتوں کے خرخرہ کی آواز ہے جو قید ہیں اور لڑائیوں میں قید ہوئے ہیں۔ پہاڑ ان کی ہڈیاں ہیں اور سمندر ان کے پیشاب و خون سے جمع ہوا ہے۔

جب بنی امیہ سے دولت اسلامی منتقل ہو کر بنی عباس کے ہاتھ میں آئی تو اس زمانہ میں ایک شخص مجوس کے دین کا تابع پیدا ہوا۔ اس نے بہت مخلوق کو گمراہ کر دیا اور اس سے متعلق بہت سے وقائع پیش آئے جن کا ذکر طویل ہے اور یہ آخری شخص ہے جس نے مجوس کا دین ظاہر کیا۔ بعض

علمانے بیان کیا کہ مجوس کے واسطے آسمانی کتابیں تھیں جن کو تلاوت کرتے اور پڑھتے پڑھاتے تھے پھر انہوں نے نیا دین نکالا وہ کتابیں اٹھالی گئیں۔

منجملہ عجائب تلبیس کے جوابلیس نے مجوسی پر ڈالیں ایک یہ بھی ہے کہ مجوس نے افعال میں نیک و بد دیکھے۔ پھر ابلیس نے ان کو تلبیس میں ڈالا کہ نیکی پیدا کرنے والا برائی پیدا نہیں کرتا ہے تو انہوں نے دو خدا ثابت کیے اور کہا ان میں سے ایک نور ہے۔ وہ حکیم ہے وہ فقط خیر پیدا کرتا ہے، اور دوسرا شیطان ہے۔ وہ تاریکی ہے۔ وہ فقط بدی اور برائی پیدا کر سکتا ہے جیسے ہم نے ثنویہ کے مذہب کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ مصنف نے کہا کہ وہاں میں نے ان کے شبہات وجوابات ذکر کر دیئے ہیں۔ بعض مجوس نے کہا کہ باری تعالیٰ قدیم ہے۔ اس سے سوائے بہتری کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور شیطان مخلوق ہے اور اس سے سوائے بدی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ ان سے کہا جائے کہ جب تم نے اقرار کیا کہ نور (ایزد) نے شیطان (اہرمن) کو پیدا کیا تو اس نے بدی کا پتلا مجسم پیدا کر دیا (یعنی اس سے زیادہ بدی کیا ہوگی) بعض مجوس نے کہا کہ خالق نور ہے وہ ردی فکر سوچتا ہے۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ میری بادشاہت میں کوئی ایسا پیدا ہو جو میرا مخالف ہو جائے اور یہ فکر اس کی ردی تھی اس سے ابلیس پیدا ہو گیا، پھر بعد شریک ثابت ہونے کے ابلیس فقط اتنی بات پر راضی ہو گیا کہ وہ ردی چیزوں کی طرف منسوب رہے۔ شیخ نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ بعض مجوس نے کہا کہ خالق نے کسی بات میں شک کیا تھا تو اس شک سے شیطان پیدا ہو گیا۔ اور کہا کہ بعض مجوس کا یہ زعم ہے کہ اللہ و شیطان دو جسم قدیم ہیں۔ ان دونوں میں موافقت تھی اور دنیا آفت سے پاک تھی اور شیطان اس سے الگ تھا۔ پھر ابلیس نے چالا کی سے تدبیر نکال کر آسمان پھاڑا اور اپنے لشکروں کو لے کر چڑھ دوڑا تو اللہ ان کی قوت سے خوف کھا کر اپنے فرشتوں کو ساتھ لے کر بھاگا اور ابلیس نے اس کا پیچھا کر کے محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار برس تک لڑائی رہی، نہ تو ابلیس ہی اللہ تک پہنچ سکا اور نہ اللہ نے اس کو دفع کیا۔ پھر اللہ نے اس شرط پر ابلیس سے صلح کر لی کہ سات ہزار برس تک ابلیس اور اس کے لشکر دنیا میں رہیں۔ اور اللہ نے اسی میں بہتری دیکھی کہ ابلیس کے مکروہ (وجود) کو برابر برداشت کرتا رہے۔ یہاں تک کہ شرط کی میعاد پوری ہو جائے اور دنیا کے لوگ اس مدت

کے گزرنے تک آفتاب وبلا میں رہیں۔ جب یہ مدت گزر جائیگی تو پھر عیش میں ہو جائیں گے۔ ابلیس نے اللہ سے یہ شرط کر لی کہ اس کو ردی چیزوں پر قابو دے گا۔ تو اس نے اس عالم میں ردی چیزیں رکھ دیں اور یہ مجوسی کہتے ہیں کہ جب اللہ وشیطان ان شرائط سے فارغ ہوئے تو دو عادلوں کو اس پر گواہ کر لیا اور دونوں نے اپنی تلواریں انہیں دونوں عادلوں کے حوالہ کیں اور انہوں نے کہہ دیا کہ تم میں سے جس کسی نے عہد توڑا ہم اسی کو قتل کر دیں گے۔ اسی قسم کی بیہودہ باتیں بہت سی ذکر کیں۔ جن کے لکھنے میں وقت رائیگاں ہوتا ہے ہم نے ان کو چھوڑ دیا اور ہم اس خطبہ کو بھی بیان کرتے، اگر یہ مفاد نہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ کہاں تک ابلیس کی تلبیس کا اثر ہوا ہے اور اس قوم احمق پر تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ خالق کو خیر و بہتر بتلاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اس سے فکر ردی سرزد ہوئی جس سے شیطان پیدا ہو گیا۔ یعنی جو بدی کی جڑ ہے۔ ان لوگوں کے قول پر یہ جائز ہوتا ہے کہ ابلیس کے فکر سے فرشتہ پیدا ہو جائے۔ پھر ان لوگوں سے کہا جائے کہ پھر اس کو باقی رکھنا حکمت سے منافی ہے اور اگر کہیں کہ ہاں وفا کرے گا تو کہا جائے کہ تم نے اقرار کر لیا کہ عہد پورا کرنے کی اچھی خصلت اس شریر محض سے صادر ہو گئی اسی طرح ان لوگوں سے کہا جائے کہ جب شیطان نے اپنے ہی خدا کی نافرمانی کی تو پھر ان دونوں درمیانی عادلوں کی اطاعت کیسے کرے گا۔ اور کہا جائے کہ اللہ پر غلبہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور یہ سب باتیں خرافات ہیں۔ ان کا ذکر کرنے کا بھی کچھ مطلب نہیں تھا سوائے اس کے کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو کہ شیطان نے کس طرح عقلوں پر تسلط کیا ہے۔

فلکیات والوں اور منجموں پر تلبیس ابلیس کا بیان

شیخ ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ فلک قدیم ہے۔ اس کا بنانے والا کوئی نہیں ہے۔ جالینوس نے ایک قوم سے نقل کیا کہ ان کا دعویٰ تھا کہ فقط فلک زحل قدیم ہے۔ ایک اور قوم کا یہ گمان ہے کہ فلک کی پانچویں طبیعت ہے۔ یعنی نہ حرارت ہے نہ رطوبت ہے نہ سردی ہے نہ خشکی ہے۔ بلکہ ان چاروں کے علاوہ پانچویں طبیعت ہے اور نہ بھاری ہے نہ ہلکا ہے۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ فلک ایک آتشی جوہر ہے اور قوت دورانیہ کے ساتھ وہ زمین سے لیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ ستارے پتھر کے مشابہ جسم سے بنے ہیں۔ بعض نے کہا یہ بادلوں

میں سے ہیں۔ ہر روز دن میں بجھ جاتے ہیں اور رات میں روشن ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئلہ میں آگ لگنے سے شعلہ ہو جاتا ہے اور پھر بجھ جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ قمر کا جسم آگ اور ہوا سے مرکب ہے۔ دوسروں نے کہا کہ فلک پانی ہوا اور آگ سے بنا ہے اور وہ بمنزلۂ گیند کے ہے۔ وہ دو حرکتیں کرتا ہے ایک مشرق سے مغرب کی طرف اور دوسری مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ زحل ستارہ تقریباً تیس سال میں آسمان کا دور ختم کرتا ہے۔ اور مشتری تقریباً بارہ سال میں ختم کرتا ہے۔ اور مریخ تقریباً دو سال کے دورہ پورا کرتا ہے۔ اور سورج و زہرہ وعطارد ایک سال میں دور کرتے ہیں۔ اور چاند تیس دن میں دور کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ کواکب کے سات افلاک ہیں۔ پس یہ فلک جو ہم سے نزدیک ہے چاند کا فلک ہے۔ پھر فلک عطارد، پھر فلک زہرہ، پھر فلک آفتاب، پھر فلک مریخ، پھر فلک مشتری، پھر فلک زحل ہے، پھر ان جڑے ہوئے (ثابت) ستاروں کا فلک ہے۔ کواکب کی جسامت میں بھی یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ اکثر فلاسفہ نے کہا کہ آفتاب کا جرم سب سے بڑا ہے اور زمین سے قریب چورانوے گنا زیادہ ہیں۔ مریخ زمین سے قریب ڈیڑھ گنا بڑا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلائے فلک کے ہر مقام سے وہاں عود کرنے تک ایک لاکھ ایک ہزار چونسٹھ فرسخ ہیں۔ بعض نے کہا کہ فلک زندہ ہے اور آسمان جاندار ہیں اور ہر ستارہ میں جان ہے۔ پرانے فلاسفہ نے کہا کہ ستارے نیکی و بدی کے کام کرتے ہیں اور ہر ایک ستارہ اپنی نیکی و بدی کے کام کرتے ہیں اور ہر ایک ستارہ اپنی نیک یا منحوس طبیعت کے موافق عطا کرتا ہے، یا روکتا ہے۔ جان و جسم میں ان کا اثر ہوتا ہے اور وہ سب زندہ ہیں اپنا کام کیا کرتے ہیں۔

مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے سے مرنے کے بعد جی اٹھنے سے منکر لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے بہت سے لوگوں پر تلبیس کی تو انہوں نے موت کے بعد زندگی سے انکار کیا اور سڑ گل جانے کے دوبارہ اعادہ کو محال تصور کیا۔ ابلیس نے ان لوگوں کو مادہ کا ضعیف ہونا دکھا دیا۔ دوم یہ دکھایا کہ بدن کے اجزائے متفرقہ زمین کی تہہ میں متفرق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کبھی ایک حیوان دوسرے حیوان کو کھا لیتا ہے تو کیسے اعادہ ہو سکتا ہے۔ قرآن

شریف میں ان کے دونوں شبہے مذکور ہیں۔ چنانچہ اول شبہ کی نسبت فرمایا:

﴿اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّکُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [1]

''یعنی کافروں نے آپس میں کہا کہ کیا تم کو وہ پیغمبر یہ وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرے اور خاک ہوگئے اور ہڈیاں ہوگئے پھر تم نکالے جاؤ گے جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو یہ بہت دور ہے''۔

اور دوسرے شبہ کی نسبت سے فرمایا:

﴿ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ [2]

''یعنی کیا جب ہم زمین میں گم ہوگئے تو کیا ہم نئی خلقت میں پیدا ہوں گے''۔ یہی اکثر زمانہ جاہلیت والوں کا مذہب تھا۔ اس میں جاہلیت والوں کے اشعار ہیں۔

یُخْبِرُنَا الرَّسُوْلُ بِاَنْ سَنَحْیٰ　　　وَکَیْفَ حَیَاۃُ اَصْدَاءٍ وَّهَامٍ

''ہم کو رسول خبر دیتا ہے کہ ہم پھر زندہ کیے جائیں گے بھلا سڑی ہوئی پریشان چیز کیونکر زندہ ہوسکتی ہے۔''

دوسرے جاہل (ابوالعلاء المعری) کا شعر ہے:

حَیَاۃٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ　　　حَدِیْثُ خُرَافَةٍ یَا اُمَّ عَمْرٍو

''حیات ہے، پھر موت ہے، پھر زندگی ہے۔ اے ام عمرو یہ تو بے عقلی کی بات ہے''۔

اول شبہ کا جواب یہ ہے کہ دوسری زندگی میں جس مادہ یعنی خاک کو تم ضعیف ٹھہراتے ہو وہ غلط ہے، کیونکہ ابتدا میں انسان نطفہ، پھر جما ہوا خون، پھر لوتھڑے سے پیدا ہوا تھا۔ پھر آدمیوں کی جو اصل ہے یعنی آدم علیہ السلام وہ تو خاک ہی سے بنائے گئے تھے۔ علاوہ بریں اللہ تعالیٰ نے جو خوب صورت خلقت پیدا کی وہ ضرور کسی ضعیف مادہ سے بنائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نطفہ سے بنایا اور مور کو گول انڈے سے بنایا۔ اور سبزی کا گچھا ایک گندے سڑے دانہ سے نکالا۔ پس چاہیے کہ پیدا کرنے والے کی قوت وقدرت پر نظر کرنے سے دوسرے شبہ کا بھی

---

[1] ۲۳/المؤمنون: ۳۵، ۳۶۔ [2] ۳۲/السجدۃ: ۱۰۔

جواب نکل آتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو متفرق ذروں کے جمع ہو جانے کا نمونہ دکھلا دیا۔ چنانچہ جب سونے کے ریزے بہت سی خاک میں متفرق ملے ہوتے ہیں تو جب اس پر تھوڑا سا پارہ ڈالا جائے تو سب سونے کے ذرات جو متفرق تھے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر بھلا قدرت الٰہیہ میں کیا تردد ہو سکتا ہے جس کے اثر سے بدون کسی چیز کے خلقت موجود ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فرض کریں کہ دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اس خاک کے سوائے دوسری خاک سے جسم پیدا ہونگے تو بھی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آدمی تو اس روح کا نام ہے اس بدن کا نام نہیں۔ کیوں کہ آدمی بدستور باقی رہتا ہے اور جسم کبھی گل جاتا ہے اور کبھی موٹا ہو جاتا ہے۔ اور بچپن سے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہی آدمی رہتا ہے اور سب سے عجیب دلیل جس سے بعث ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں سے ایسے امور ثابت فرمائے جو دوبارہ زندگی سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو بدل کر اژدھا حیوان بنا دیا، اور پہاڑی کے جوف سے ناقہ عظیم پیدا کر دیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے دوبارہ زندگی حقیقت میں دکھلا دی۔

مصنف نے کہا کہ ہم نے فلاسفہ کی تردید میں اس کی کافی توضیح بیان کی ہے۔

بعض اقوام نے خالق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت مشاہدہ کی۔ پھر ان کو یہ دونوں مذکورہ شبہات عارض ہوئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا:

﴿وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ [1]

''یعنی بطور شک کے کہا کہ کیا اگر میں اپنے رب کے یہاں لوٹایا گیا تو اس سے بہتر مرجع پاؤں گا۔'' عاص بن وائل نے کہا: ﴿لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ [2]

''یعنی طعنہ سے کہا کہ وہاں بھی میرے واسطے مال واولاد عنایت ہوں گے''۔

یہ ان کا قول بوجہ شک کے تھا۔ اور ابلیس نے ان پر اس معاملہ میں تلبیس ڈال دی اور کہنے لگے کہ اگر وہاں دوبارہ زندگی ہوئی تو ہم اچھے رہیں گے۔ کیوں کہ جس نے ہم کو دنیا میں یہ نعمت مال واولاد دی ہے وہ آخرت میں بھی ہم کو مکرم رکھے گے۔ مصنف نے کہا کہ یہ ان کی غلطی ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ شاید دنیا میں ہم کو یہ چیزیں استدراج

[1] ١٨/ الکہف: ٣٦۔ [2] ١٩/ مریم: ٧٧۔

وعذاب کے طور پر دی گئی ہوں۔ کیوں کہ آدمی کبھی اپنے فرزند کو پرہیز کراتا ہے اور اپنے غلام کو اس کی خواہشوں میں مطلق العنان کر دیتا ہے۔

تناسخ (آواگون) والوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس نے بعض اقوام پر تلبیس کی کہ وہ لوگ آواگون کے قائل ہو گئے کہ نیکوں کی روحیں جب بدن سے نکلتی ہیں تو اچھے بدن میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پس مال و دولت سے عیش کرتی ہیں۔ اور بدکاروں کی روحیں جب نکلتی ہیں تو برے اجسام میں داخل ہوتی ہیں تو ان پر مشقت ڈالی جاتی ہے۔ یہ مذہب زمانۂ فرعون و موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوا ہے۔ ابو القاسم البلخی نے ذکر کیا کہ ان لوگوں نے یہ مذہب اس خیال سے اختیار کیا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ بچوں و درندوں و جانوروں کو دکھ حاصل ہوتا ہے تو ان کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہ آئی کہ ان کے دکھ سے غیروں کا امتحان کیا جائے۔ یا ان کو ثواب وعوض دیا جائے۔ یا کسی غیر معنی سے ہو سوائے اتنی بات کے کہ یہ چیزیں مملوک ہیں تو انہوں نے اپنے زعم میں یہ صحیح سمجھا کہ اس حالت سے پہلے ان سے کچھ گناہ سرزد ہوئے ہیں جن کی یہ سزا ہے۔

یحییٰ بن بشر بن عمیر النہاوندی کہتے ہیں کہ ہندو کہتے ہیں۔ طبیعتیں چار ہیں مادۂ مرکبہ، نفس، عقل، مادۂ مطلقہ۔ پس مادۂ مرکبہ چھوٹا رب ہے۔ نفس مادۂ اصغر ہے۔ عقل رب اکبر (بڑا) ہے۔ اور وہی مادہ اکبر بھی ہے۔ نفوس جب دنیا چھوڑتے ہیں تو چھوٹے رب کے پاس جاتے ہیں اور وہی مادۂ مرکبہ ہے۔ پس اگر یہ نفس نیک اور صاف ہو وہ اس کو اپنی طبیعت میں قبول کرتا ہے پھر اس کو صاف کر کے مادۂ اصغر کے یہاں نکالتا ہے۔ اور وہ نفس ہے۔ یہاں تک کہ وہ رب اکبر کے یہاں جاتا ہے...... پھر وہ اس کو مادۂ اکبر کے ہاں بھیجتا ہے۔ پھر اگر وہ نیکی میں پورا تھا تو عالم بسیط میں اس کے پاس رہتا ہے اور اگر وہ نیکی میں پورا نہ ہوا تو دوبارہ رب اکبر کے پاس واپس کرتا ہے، پھر رب اکبر اس کو مادۂ اصغر کے پاس بھیجتا ہے۔ پھر مادہ اصغر اس کو رب کے پاس پھیر دیتا ہے تو وہ اس کو نورانیت سے مخلوط نکالتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسا ساگ کر دیتا ہے جس کو آدمی کھاتے ہیں تو وہ انسان کی صورت میں بدل جاتا ہے اور دوبارہ اس عالم میں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی حال اس کا ہر موت کے وقت ہوتا ہے، جب وہ یہاں مرتا ہے۔ رہے وہ لوگ

جو بدکردار ہیں تو ان کے نفوس جب مادۂ اصغر کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ تو الٹ کر گھاس ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسی گھاس پات جس کو جانور کھاتے ہیں۔ تو اس کی روح کسی جانور کی صورت میں جاتی ہے۔ پھر اس جانور کے مرنے پر کسی دوسرے جانور کے اندر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہمیشہ تناسخ سے صورتوں میں پھرتی رہتی ہے۔ اور ہر ہزار برس کے بعد انسانی صورت میں پھر آ جاتی ہے۔ پھر اگر اس نے انسانی صورت میں نیکی اختیار کی تو نیکوں میں مل جاتی ہے۔

مصنف نے کہا کہ دیکھو ان گمراہوں کے واسطے کس طرح ابلیس نے یہ تلبیسات ترتیب دے کر ان پر ڈالی ہیں کہ بغیر کسی دلیل مستند کے انہوں نے یہ تلبیسات قبول کر لیں۔ حالانکہ عقلی ونقلی سب طرح کی دلیلوں سے یہ مذہب باطل ہے۔ ابوالحسن علی بن نظیف المتکلم نے بیان کیا بغداد میں ہمارے پاس فرقہ امامیہ کا پیشوا جس کو ابوبکر بن الفلاس کہتے ہیں آیا کرتا تھا جس کو میں شیعہ جانتا تھا۔ ایک مدت کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ تناسخ کا قائل ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک سیاہ بلی بیٹھی ہے۔ وہ اس کو پیار کرتا اور اس پر ہاتھ پھیرتا اور اس کا سر و آنکھیں سہلاتا ہے۔ اور بلی کی آنکھوں میں آنسوں بھرے ہوئے ہیں جیسے عموماً بلیوں کی عادت ایسی حالت میں یونہی جاری ہے۔ اور وہ شخص بہت روتا ہے میں نے اس سے کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں۔ اس نے کہا کہ واہ! کیا تجھے یہ بھی نظر آتا ہے کہ جس قدر میں اس پر ہاتھ پھیرتا ہوں یہ روتی ہے یہ بلاشک میری ماں ہے اور مجھے دیکھ کر حرمت سے روتی ہے۔ بلی نے آہستہ آہستہ میاؤں میاؤں کرنا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ تم جو کچھ کہتے ہو یہ سمجھتی ہے۔ کہنے لگا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ تم بھی اس کی بولی سمجھتے ہو۔ کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر تو تجھ میں تناسخ ہوا اور وہ (بلی) انسان ہے۔

ہماری امت (مسلمہ) پر عقائد اور دیانات میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ ابلیس دو طریقوں سے اس امت کے عقائد میں داخل ہوا (ایک) باپ دادوں کی تقلید (دوم) ایسی بات میں خوض کرنا جس کہ تہہ نہیں مل سکتی ہے۔ یا غور کرنے والا اس کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔ پس ابلیس نے دوسری قسم کے لوگوں کو طرح طرح کے خلط ملط میں ڈال دیا۔ رہا طریق اول (باپ دادوں کی تقلید) تو ابلیس نے ان مقلدوں پر یہ رچایا کہ دلیلیں

کبھی مشتبہ ہوتی ہیں اور راہ صواب مخفی ہو جاتی ہے تو تقلید کر لینا سلامت راہ ہے، اس راہ تقلید میں بکثرت مخلوق گمراہ ہوئی اور عموماً اسی سے لوگوں پر تباہی آئی۔ بیشک یہود و نصاریٰ نے اپنے باپ دادوں کی اور اپنے پادریوں کی اور پوپوں کی تقلید کی، اور اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت والے بھی اسی قسم کی تقلید میں پڑے ہوئے تھے۔ واضح ہو کہ جس دلیل سے انہوں نے تقلید کی تعریف کی اسی سے اس کی مذمت نکلتی ہے۔ کیوں کہ جب دلیلیں مشتبہ ہیں اور راہ صواب مخفی ہے تو ضرور تقلید کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ ضلالت میں نہ پڑ جاؤ، اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے باپ دادوں کی تقلید میں پڑے تھے۔

لقولہ تعالی ﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ﴾ [1]

''یعنی کفار نے کہا نہیں، بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم ان ہی کے قدم کی اقتدا کرتے ہیں۔''

پیغمبر ﷺ نے کہا کیا تم تقلید ہی کیے جاؤ گے اگرچہ میں اس سے بہتر ہدایت لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ یعنی کیا ایسی صورت میں بھی تم ان ہی گمراہوں کی پیروی کرو گے۔

وَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴾ [2]

''یعنی کافروں نے اپنے بزرگوں کو گمراہ پایا تھا تو یہ بھی ان کے نشان قدم پر دوڑے جاتے ہیں۔''

مصنف نے کہا کہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مقلد نے جس بارہ میں تقلید کی اس میں اعتماد نہیں ہوتا اور تقلید کرنے میں عقل کی منفعت بھی زائل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ عقل تو اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ غور و تامل کرے اور جس شخص کو خدا نے شمع دی ہو جس سے روشنی ہوتی ہے وہ اگر شمع کو بجھا دے اور اندھیرے میں چلے تو اس کی یہ حرکت قبیح ہے۔ واضح ہو کہ اکثر اصحاب مذاہب کے ذہن میں جو شخص بھی بڑی شان کا متصور ہو جاتا ہے تو جو کچھ اس نے کہا اس کو بے

[1] ۴۳/الزخرف: ۲۳۔ [2] ۳۷/الصافات: ۶۹، ۷۰۔

سوچ سمجھے مانتے اور اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہی عین گمراہی ہے۔ کیوں کہ نگاہ درحقیقت بات پر جانی چاہیے۔ بات کہنے والے پر نہیں۔ چنانچہ حارث ابن حوط نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ ہمارا گمان یہ ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ باطل پر تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ اے حارث تجھ پر معاملہ مشتبہ ہے۔ حق کا پہچاننا لوگوں سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ حق کو پہچان لے تو حق والے لوگوں کو بھی پہچان جائے گا۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ آدمی کی تنگی علم سے یہ ہے کہ اپنے اعتقاد میں کسی شخص کی تقلید کر لے۔ اور اسی وجہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''میراث'' جدّ کے مسئلے میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول لے لیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ عوام تو دلائل نہیں جانتے ہیں تو کیونکر تقلید نہ کریں گے؟ جواب یہ کہ اعتقاد کی دلیل بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے دھریہ فرقہ کی تردید میں اشارہ کیا ہے۔ اور ایسی واضح دلیل کسی پر مخفی نہیں ہو سکتی جس کو عقل دی گئی ہے۔ رہے مسائل فرعیہ تو یہ چونکہ بکثرت نئے نئے واقع ہوتے ہیں اور عوام پر ان کا پہچاننا دشوار ہے، اور دھوکا کھانا قریب ہے۔ اس لیے ان مسائل میں عامی کو تقلید کرنا بہتر ہے ایسے شخص کی تقلید کر لے کہ جس کو علم ونظر حاصل ہے۔ علاوہ بریں عامی کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے کہ چاہے کسی شخص عالم کی تقلید کرے۔

جاننا چاہیے کہ دوسرا طریق قابل تفصیل یہ ہے کہ ابلیس نے جس طرح احمقوں کو قابو میں لا کر محض تقلید کے گرداب میں ڈبویا اور جانوروں کی طرح ان کو ان کے متبوع کے پیچھے ہانک لے گیا۔ تو غبی لوگوں کے برخلاف جن لوگوں میں اس نے کچھ ذہن کی تیزی دیکھی ان کو بھی جتنا جس پر قابو پایا گمراہ کیا۔ چنانچہ بعض کو اس نے سمجھایا کہ محض تقلید پر جم جانا قبیح ہے اور ان کو ارشاد کیا کہ عقائد اسلام میں غور کریں۔ پھر اس نے ان میں سے ہر ایک کو ایک نہ ایک طریقہ سے گمراہی میں ڈالا۔ چنانچہ بعض نے دیکھا کہ ظاہر شریعت پر ٹھہرنا عاجزی ہے تو ابلیس ان لوگوں کو کھینچ کر فلاسفہ کے مذہب میں لے گیا اور برابر ان کے خیالات کو دوڑاتا رہا۔ یہاں تک آخر یہ لوگ اسلام سے نکل گئے۔ فلاسفہ کے رد میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ بعض کے خیال میں یہ رچایا کہ فقط اسی پر اعتقاد جما جو حواس کے ادراک میں آئے۔ ان گمراہوں سے پوچھا جائے

کہ کیا تم نے حواس سے اپنے قول کی صحت پہچانی ہے اگر کہیں کہ ہاں تو جھوٹے جھگڑالو ہوں گے کیوں کہ ہمارے حواس نے تو اس کو صحیح نہ جانا۔ جو وہ اپنے حواس سے ادراک بیان کرتے ہیں۔ کیوں کہ حواس سے جو چیز پہچانی جاتی ہے اس میں جس قدر لوگ یہ حواس رکھتے ہیں کوئی اختلاف نہیں کرتا ہے۔ اور اگر کہیں کہ ہم نے ان کو حواس کے علاوہ دوسری چیز سے ادراک کیا تو خود انہوں نے اپنے قول کو توڑ دیا۔

بعض کو ابلیس نے تقلید سے نفرت دلائی اور یہ رچایا کہ علم کلام میں خوض کریں اور فلاسفہ کے اوضاع دیکھیں۔ اور وہ اس سے اپنے زعم میں سمجھتا ہے کہ میں عوام کے دل سے نکل آیا۔ فرقہ متکلمین کے حالات طرح طرح سے پکڑے اور اکثروں کا انجام یہ ہوا کہ کلام سے ان کو دین حق میں شکوک پیدا ہو گئے اور بعضے نکل کر ملحد ہو گئے۔ واضح رہے کہ دین اسلام کے قدیم علما نے جو علم کلام سے سکوت کیا تو کچھ عاجزی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ انہوں نے کمال عقل سے دیکھ لیا کہ اس سے بیمار کو صحت نہیں ہوتی اور نہ پیاسے کی پیاس بجھتی ہے۔ لہٰذا خود اس سے باز رہے اور سب کو اس میں خوض کرنے سے منع کر دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر آدمی سوا شرک کے باقی ہر گناہ میں مبتلا رہے تو اس سے بہتر ہے کہ علم کلام میں نظر کرے۔ اور کہا کہ جب تو کسی شخص سے سنے کہ وہ کہتا ہے کہ اسم عین مسمّٰی ہے یا غیر مسمّٰی ہے تو سمجھ لے کہ کلام والوں میں سے ہے، اور اس کا کوئی دین نہیں ہے اور اہل کلام کے حق میں نقل کیا کہ چھڑیوں سے پیٹے جائیں اور ان کو محلّہ محلّہ اور قبیلہ قبیلہ میں پھرایا جائے اور پکارا جائے کہ یہ ایسے شخص کی سزا ہے جس نے قرآن وحدیث چھوڑ کر علم کلام میں خوض شروع کیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کلام والا کبھی فلاح نہیں پائے گا اور کلام جاننے والے ملحد زندیق ہوتے ہیں۔

مصنف نے کہا کہ کیونکر علم الکلام کی مذمت نہ کی جائے۔ تم دیکھتے ہو کہ اس نے معتزلہ کی نوبت یہاں تک پہنچائی کہ ان کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو مجمل جانتا ہے اور تفصیل سے نہیں جانتا۔ جہم بن صفوان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت وحیات سب پیدا ہوئی ہیں۔ ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے جہم کا یہ قول نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کچھ چیز نہیں ہے ابو علی الجبائی اور ابو ہاشم اور ان کے تابعین معتزلہ نے کہا کہ معدوم ایک شے ہے ذات ونفس وجوہر میں اور سفیدی

وسرخی وزردی عرض میں۔اور اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ ذات کوذات بنادے یا عرض کو عرض بنادے۔یا جوہر کو جوہر بنادے۔ بلکہ یہ قدرت ہے کہ فقط ذات کو عدم سے وجود میں کردے۔

قاضی ابویعلیٰ نے کتاب المقتبس میں نقل کیا کہ مجھ سے علاف المعتزلی نے کہا کہ جنت والوں کی نعمت کا اور جہنم والوں کے عذاب کا آخر خاتمہ ہے۔اللہ کا وصف نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کو دفع کرنے پر قادر ہے۔اور ایسی صورت میں اس کی جانب رغبت صحیح نہیں ہے اور نہ اس سے خوف کرنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ اس صورت میں کسی کی بھلائی یا برائی پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی نفع یا ضرر پر قادر ہے۔اس نے کہا کہ اہل جنت سب سکوت میں پڑے رہیں گے۔ نہ کوئی کلمہ بول سکیں گے۔نہ جنبش کریں گے۔نہ کسی پر قادر ہوں گے۔اور نہ ان کا رب ان میں سے کسی بات پر قادر ہوگا اس لیے کہ سب حادث کی آخر انتہا ضرر ہے کہ وہاں تک پہنچ کر ختم ہو جائے۔ پھر اس کے بعد کچھ نہ ہو۔

مصنف نے کہا کہ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمد البلخی نے کتاب المقالات میں لکھا ہے کہ ابوالہذیل محمد بن ہذیل علاف نے جو اہل بصرہ میں سے قوم عبدالقیس کا غلام تھا اور فرقہ معتزلہ میں سے تھا۔اس نے تنہا یہ قول نکالا کہ اہل جنت کے حرکات ختم ہوجائیں گے تو آخر وہ ساکن ہوکر ہمیشہ کے لیے بت کی طرح سکوت میں پڑے رہیں گے اور اگر اس کی نہایت مقدر نہ ہوتو بالفعل قدرت سے خارج ہوگی اور یہ نہیں ہوسکتا تو غیر متناہی پر قدرت بھی محال ہے اور یہ شخص کہا کرتا تھا کہ اللہ کا علم خود اللہ ہے اور اس کی قدرت خود اللہ ہے۔ابوہاشم معتزلی نے کہا کہ جس شخص نے ہر گناہ سے توبہ کی لیکن اس نے ایک گھونٹ شراب پی تو اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کافروں کی طرح عذاب میں پڑا رہے گا۔نظام معتزلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی برائی پر کچھ قدرت نہیں ہے اور ابلیس کو برائی و بھلائی دونوں پر قدرت ہے۔ ہشام القوطی کہتا تھا کہ اللہ کا یہ وصف نہیں ہوسکتا ہمیشہ کے لیے عام ہے۔بعض معتزلہ نے کہا کہ خدا سے جھوٹ سرزد ہونا جائز ہے۔لیکن یہ بات اس سے واقع نہیں ہوئی۔ فرقہ مجبرہ نے کہا کہ آدمی کو کچھ قدرت نہیں ہے بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے۔نہ اس کو کسی فعل پر قدرت ہے نہ اختیار ہے۔فرقہ مرجیہ نے کہا کہ جس نے

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

زبان سے کہا پھر وہ سب قسم کے معاصی (گناہ) کرتا رہا تو وہ ہرگز جہنم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ان لوگوں نے صحیح احادیث سے انکار کیا جن میں مذکور ہے کہ اہل توحید جہنم سے نکالے جائیں گے۔امام ابن عقیل نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس نے مرجیہ مذہب نکالا وہ کوئی زندیق تھا۔اس لیے کہ عام کی صلاحیت اسی پر موقوف ہے کہ عذاب کی آیات سے ڈریں اور ثواب کے امیدوار ہوں۔پس جب مرجیہ نے دیکھا کہ صانع عزوجل سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ لوگ یہ سب سُن کر نفرت کرتے ہیں اور عقل کے بھی مخالف ہے تو صانع عزوجل کے ثابت کرنے سے جو فائدہ تھا اس کو مٹا دیا۔یعنی اس سے خوف کرنے اور گناہ کے وقت اس کو حاضر جاننا۔انہوں نے شرعی سیاست کو مٹا دیا۔پس یہ لوگ اسلام میں سب سے بُرا گروہ ہے۔

مصنف نے کہا کہ ابوعبداللہ بن کرام نے تقلید کی تو سب مذاہب میں سے ردی مذہب لیا اور احادیث میں سب سے ضعیف احادیث لیں،اور خالق کی مشابہت جائز رکھی۔بلکہ ذات باری تعالیٰ میں حوادث کا حلول جائز رکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے کہ اجسام وجواہر کو دوبارہ پیدا کرے۔بلکہ فقط ابتدا میں ان کو پیدا کر سکتا ہے۔سالمیہ فرقہ کا قول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر فرقہ وہر چیز کے لیے اس کے معنی میں متجلی ہوگا۔چنانچہ آدمی تو اس کو آدمی دیکھے گا اور جن اس کو جن دیکھے گا۔یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بھید ہے کہ اگر اس کو ظاہر کردے تو تدبیر مٹ جائے۔

مصنف کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو ایسے قبیح مذاہب کی طرف لے جائے۔متکلمین نے اپنے زعم میں یہ مقرر کیا کہ ایمان ہی پورا نہیں ہوتا جب تک اسے ان کے مرتب کئے ہوئے قواعد سے نہ جانے۔یہ لوگ بالکل غلطی پر ہیں۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ایمان کا حکم دیا اور متکلمین کی ان بحثوں کا حکم نہیں دیا۔اور صحابہ رضی اللہ عنہم اسی پر تھے جن کا درجہ مطابق شہادت اللہ ورسول ﷺ کے سب اولین وآخرین سے افضل ہے۔اور کلام کی مذمت وارد ہوئی ہے جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔اور ہم سے نقل کیا گیا کہ متکلمین نے اپنے طریقہ سے جس پر وہ چلے تھے آخر بیزاری کی اور بالکل الگ

ہوئے کیوں کہ انہوں نے اس قبیح فساد کا انجام دیکھ لیا۔ چنانچہ ہم سے ابن الاشعث نے بیان کیا کہ میں نے احمد بن سنان سے سنا وہ کہتے تھے کہ ولید بن ابان الکرابیسی میرا ماموں تھا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کیا تم لوگ علم کلام میں مجھ سے بڑھ کر کسی کو جانتے ہو، انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنے حق میں دروغ گوئی وغیرہ سے متہم سمجھتے ہو، انہوں نے کہا کہ ہاں تو فرمایا کہ تم پر فرض ہے کہ اس طریقہ کو اختیار کرو جس پر حدیث جاننے والے علما ہیں۔ کیوں کہ میں نے حق انہیں کے ساتھ دیکھا۔ ابو المعالی جوینی (امام غزالی کے استاد) یہ کہتے تھے کہ افسوس میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو چھوڑا ہے اور بڑے سمندر میں چلا۔ اور وہاں غوطہ مارا جہاں مجھے منع کیا جاتا تھے۔ یہ سب اس قصد سے کیا کہ حق تلاش کروں اور تقلید سے بھاگوں۔ اور اب میں نے ہر چیز سے منہ پھیر کر کلمہ حق کو لیا اور تم پر واجب ہے کہ بوڑھی عورتوں کے یقین پر جم جاؤ اور اگر حق تعالیٰ نے اپنے لطف واحسان سے مجھے سرفراز کیا کہ میں بوڑھیوں کے دین پر مروں اور موت کے وقت کلمہ اخلاص پر میرا خاتمہ بخیر ہو تو جوینی کے حق میں ہلاکت ہے اور اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے کہ تم لوگ علم کلام میں مشغول نہ ہو۔ کیوں کہ اگر میں یہ جانتا کہ کلام سے یہاں تک نوبت پہنچے گی۔ جہاں تک پہنچی تو میں کبھی اس میں مشغول نہ ہوتا۔ شیخ ابو الوفا ابن عقیل نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انتقال کیا اور نہ جانا کہ جوہر کیا چیز ہے اور عرض کیا چیز ہے۔ پھر اگر تجھے یہ منظور ہو کہ ان کی مثل ہو جائے تو وہی طریقہ اختیار کر اور اگر تیری رائے میں یہ سمائے کہ متکلمین کا طریقہ سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ سے بہتر ہے تو تیرے خیال ناقص میں بہت بری بات سمائی۔ ابن عقیل نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا کہ علم کلام سے آخر متکلمین کے بعض لوگوں میں شکوک پیدا ہو گئے اور بکثرت ان میں سے ملحد ہو گئے۔ پھر انہوں نے اس حد پر قناعت نہ کی جہاں ان کو شریعت نے ٹھہرایا اور بڑھ کر حقائق کو اپنے حواس سے طلب کرنے لگے۔ حالانکہ ان کی عقل میں یہ قوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو حکمت ہے اس کو دریافت کر لیں کہ وہ حکمت فقط اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے منفرد ہے اور جو حقائق امور وہ

جانتا ہے اس نے مخلوق کے لیے اس کے دریافت کا طریقہ پیدا نہیں کیا ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ ابتدا میں بہت مدت تک میں نے کلام میں مبالغہ کیا۔ پھر الٹے پاؤں لوٹ کر کتابوں کے مذہب پر آ گیا اور یہ جو کہا گیا کہ بوڑھی عورتوں کا دین بہت سالم ہے تو اس لیے کہ جب متکلمین اپنے نظری بحث میں انتہا و تدقیق کو پہنچے تو انہوں نے تعلیلات و تاویلات میں ایسی چیز نہ پائی جس کو عقل نکالتی ہے۔ پس شرع کے مراسم پر ٹھہر گئے اور تعلیل کی گفتگو سے رکے۔ عقل نے یقین کر لیا کہ اس سے برتر حکمت الٰہیہ ہے تو انہوں نے گردن جھکا دی۔ ان کا بیان یہ ہے کہ قول نے نیکی کو تو چاہا کہ مذکور ہو تو کسی کہنے والے نے کہا کہ کیا نفع پہنچانے کا شوق شدید تیرے دل میں پیدا ہوا تھا یا کوئی امر دیگر داعی ہوا کہ تو احسان پھیلا دے۔ یہ معلوم ہے کہ شوق و داعی تو ذات کے عوارض ہیں اور نفس کی خواہشات ہیں اور یہ بات کبھی عقل میں نہیں آتی سو ایسی ذات کے جس میں شوق ایسی چیز حاصل کرنے کا سما جائے جو اس کو حاصل نہ تھی۔ اور اب اس ذات کو اس چیز کی احتیاج ہے۔ پھر جب یہ غرض حاصل ہو جائے تو اس کا شوق تھم جائے گا اور خواہش سست ہو جائے گی۔ اور ایسے حاصل کو غنی کہتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ قدیم سے موصوف ہے کہ وہ غنی ہے اور مستقل بالذات ہے۔ اس کو کسی مزید کی یا عارض کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ پھر جب ہم اس کے انعام میں نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہاں فقیری اور دکھ اور ایذائے حیوانات بھری پڑی ہیں۔ پس اگر عقل نے چاہا کہ خلق پیدا کرنے کی علت اس کا انعام بنا دے تو تحقیق کی نگاہ نے آ کر دیکھا کہ فاعل قادر ہے کہ بالکل صافی انعام دے جس سے بڑھ کر صافی امکان میں نہیں ہے۔ اور وہ فاعل قطعی دلیل عقل سے بخیلی سے پاک ہے۔ اور یہی بخیلی ایسی چیز تھی کہ جس چیز کو حاصل کرتا ہے اس سے منع کرے۔ اور وہ عاجزی سے پاک ہے کہ جو فساد و خرابی ان موجوات کو عارض ہوتی ہے، اس کو دفع نہ کر سکے تو اب یہاں عقل عاجز ہوئی کہ مخلوقات کو پیدا کرنے میں محض انعام کی علت نہیں نکال سکتی ہے۔ پس عقل نے عاجز ہو کر اس علت کو چھوڑا اور اس پر واجب ہوا کہ گردن جھکا دے۔ اور ان لوگوں میں فساد اس وجہ سے داخل ہوا کہ انہوں نے فوائد کا پیدا کرنا اور مضرتوں کا دور کرنا صرف اس کی قدرت کے مقتضا پر رکھا۔ اور

اگر اس کے ساتھ یہ بھی ملاتے کہ وہ پاک عزوجل حکیم ہے تو ان کے نفس گردن جھکا کر اس کے لیے حکمت کا صلہ تسلیم کرتے اور بغیر اعتراض کے وسیع باغ تفویض میں اچھی طرح زندگی بسر کرتے۔

کچھ لوگوں نے ظاہری آیات واحادیث پر وقف کیا اور ان کو اپنے ظاہر حواس کے مقتضیٰ پر محمول کیا۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے اور یہ ہشام بن الحکم وعلم بن منصور ومحمد بن الخلیل ویونس بن عبدالرحمٰن کا مذہب ہے۔ پھر ان لوگوں نے باہم اختلاف کیا بعض نے کہا کہ وہ جسم مانند دیگر اجسام کے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ ان اجسام کے مانند نہیں ہے۔ پھر اگر ان اجسام کے مثل نہیں ہے تو کس قسم کا جسم ہے۔ اس میں انہوں نے پھر اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ وہ نور ہے۔ اور بعض نے کہا کہ سفید چاندی کی مانند ہے۔ یہی ہشام بن الحکم کہا کرتا تھا اور کہتا ہے کہ الٰہ اپنی بالشت سے سات بالشت ہے اور اس کی آنکھ سے شعاع نورانی نکل کر تحت الثریٰ تک پہنچ کر ہر چیز سے متصل ہوتی ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے۔

ابو محمد نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے جاحظ سے اس نے نظام سے نقل کیا کہ ہشام بن الحکم نے ایک ہی سال میں پانچ اقوال نکالے۔ آخری قول جس پر اس نے یقین کر لیا وہ یہ ہے کہ خدا اپنی بالشت سے سات بالشت ہے کیوں کہ ایک قوم نے کہا تھا کہ وہ گداختہ چاندی کے مثل ڈھلا ہوا ہے۔ اور فریق دیگر نے کہا تھا کہ وہ صاف بلور کے مانند گول ہے۔ جدھر سے دیکھو ایک ہی صورت ہے۔ ہشام نے کہا کہ اس کی ذات محدود ہے یہاں تک کہا کہ گھوڑا اس سے بڑا ہے۔ اور کہا کہ اس کی ماہیت کو وہی جانتا ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ ماہیت کہنے سے لازم آتا ہے کہ اس کی کیفیت وکمیت بھی ہو اور جب اس کے قائل ہوں تو ان کی توحید کا قول مٹا جاتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی کہ ماہیت اسی کی ہوتی ہے جو جنس کے تحت میں ہو اور اس کے نظائر ہوں تو وہ فصل سے جدا کرنے کا محتاج ہوتا ہے کہ ممیز ہو جائے۔ اور حق سبحانہ تعالیٰ جنس والا نہیں ہے اور نہ اس کا مثل ہے اور نہ اس کا وصف متناہی بارادہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سب طرف بے انتہا چلا گیا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ جسم نہیں اور نہ جوہر ہے جس کو انتہا لازم ہوتی ہے۔

نوبختی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ مقاتل بن سلیمان ونعیم بن حماد اور داؤد الجواری بھی کہتے تھے کہ

اللہ کے واسطے صورت اور اعضاء ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ کس طرح اس کے لیے قدیم ہونا ثابت کرتے ہیں اور آدمیوں کے لیے نہیں ثابت کرتے۔ مرض وتلف وغیرہ جو آدمیوں کے لیے جائز ہے وہ اپنے خدا کے لیے کیوں نہیں جائز رکھتے۔ پھر ہر ایک شخص جس نے جسم ہونے کا دعویٰ کیا اس سے کہا جائے کہ تو نے کس دلیل سے اجسام کا حادث ہونا ثابت کیا تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ آخر پتہ ملے گا جس معبود کو اس نے جسم ثابت کیا ہے وہ حادث ہے قدیم نہیں ہے۔

مجسمہ فرقہ کے اقوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ٹٹول کے چھو سکتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ پھر اس سے لازم آتا ہے کہ اس سے معانقہ بھی کیا جائے۔ مجسمہ نے کہا کہ وہ جسم ایک فضا ہی (یعنی خالی جیسے آسمان وزمین کے درمیان نظر آتا ہے) اور جمیع اجسام اسی کے درمیان میں۔ بیان ابن سمعان بن عمران کہتا تھا کہ اس کا معبود بالکل نور ہے۔ اور وہ ایک مرد کی صورت پر ہے۔ اور وہ اپنے سب اعضاء کا ہالک ہی سوائے چہرے کے۔ اس شخص کو خالد بن عبداللہ نے قتل کر دیا۔ مغیرہ بن سعد العجلی کہتا تھا کہ اس کا معبود نور کا ایک مرد ہے۔ جس کے سر پر نور کا تاج ہے۔ اور اس کے اعضاء میں ہیں۔ اور اس کے قلب سے حکمت اس طرح جوش مارتی ہے جیسے چشمہ سے اس بات کا بھی قائل تھا کہ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن امام ہیں۔ زرارہ بن اعین کوفی کہا کرتا تھا کہ ازل میں باری تعالیٰ کو علم وقدرت وحیات کی صفتیں نہ تھیں۔ پھر اس نے اپنے لیے یہ صفتیں پیدا کر لیں۔ داؤد الحواری نے کہا کہ وہ جسم ہے، اس میں گوشت وخون ہے اور اس کے جوارح واعضاء ہیں اور منہ سے سینہ تک جوف ودر (خول) ہی اور باقی ٹھوس ہے۔

منجملہ ان لوگوں کے جو حواس پر ٹھہر گئے کچھ لوگ ہیں جن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بذات خود اس سے ملا ہوا بیٹھا ہے۔ پھر جب وہاں سے اترتا ہے تو عرش کو چھوڑ کے اتر آتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے اس کی ذات کو ایک محدود ومتناہی قرار دیا اور یہ لازم کیا کہ وہ ناپ میں آسکتا ہے اور کی مقدار محدود ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔" [1] ان لوگوں نے کہا کہ اترنا اسی

---

[1] بخاری: کتاب التہجد، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل، رقم ۱۱۴۵۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعا والذکر فی آخر اللیل، رقم ۱۷۷۲۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب ای اللیل افضل رقم ۱۳۱۵۔ (بقیہ آگے)

کے حق میں کہتے ہیں جو اوپر چڑھا ہو۔ اور انہوں نے اترنے کو محسوس چیز پر رکھا جس سے اجسام کا وصف بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قوم مشبہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو محسوس کے موافق قرار دیتے ہیں۔ ہم نے ان کا اکثر کلام اپنی کتاب ''منہاج الوصول الیٰ علم الاصول'' میں ذکر کیا ہے۔ بعضے مشبہ اپنے خیال میں قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اس طرح جماتے ہیں جیسے اشخاص کو دیکھتے ہیں کہ سامنے ہوا۔ لہٰذا یہ تصور باندھتے ہیں کہ ایک شخص سامنے نظر آئے گا جس کا حسن سب حسنوں سے بڑھا ہوا ہوگا۔ لہٰذا تم دیکھو کہ یہ شخص اس کے شوق میں ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے اور دیدار کو تصور میں لاتا ہے تو زیادہ جوش میں آتا ہے اور حجاب دور ہونے کو تصور کرتا ہے، تو زیادہ قلق تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور دیدار کو یاد کرتا ہے تو اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سنتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندۂ مومن کو اپنے قریب بلائے گا۔ پس یہ سن کر خیالی نزدیکی کو تصور میں لاتا ہے، جیسے ہم جنس آدمی سے ہوتی ہے۔ اس کی یہ جہالت اس لیے ظاہر ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے اور یہ اس کی صفت ذات سے زائد صفت ہے۔ اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ﴾ [1]

یہ اس کے واسطے ہاتھ انگلیاں بھی ثابت کرتے ہیں۔

کیوں کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَضَعُ السَّمٰوَاتِ عَلٰى اِصْبَعٍ)) [2]

''یعنی وہ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا۔''

اور کہتے ہیں کہ اس کے واسطے قدم بھی ہے اور اسی طرح اور چیزیں بھی ثابت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ) ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی نزول الرّبّ عزّوجلّ الی السماء الدنیا کل لیلۃ، رقم ۴۴۶۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی ای ساعات اللیل افضل، رقم ۱۳۶۶۔

[1] ۵۵/ الرحمٰن: ۲۷۔ [2] بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ، رقم ۷۴۱۴۔ مسلم: کتاب صفات المنافقین واحکامھم باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، رقم ۷۰۴۶۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ الزمر، رقم ۳۲۳۸۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۴۴۶۔ کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ رقم ۱۱۴۵۰، ۱۱۴۵۱، ۱۱۴۵۲ واحمد: ۱/ ۳۷۸۔

جن کا ذکر حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ یعنی ان کو اپنے خیالی محسوس پر محمول کرتے ہیں۔ یہ سب انہوں نے حواس کے فہم سے نکالا ہے۔ صحیح وصواب طریقہ یہ تھا کہ وہ آیات کو اور احادیث کو پڑھتے اور ان کی تفسیر نہ کرتے نہ ان میں اپنے حواس سے کچھ کلام کرتے۔ آخر ان لوگوں کو کس نے منع کیا کہ یہ معنی لیتے کہ وجہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے نہ یہ کہ وہ صفت زائدہ ہے۔ اور اسی بنیاد پر اہل تحقیق نے آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے چنانچہ وَجْهُ رَبِّكَ کے یہ معنی کہے کہ یبقی ربک یعنی فقط تیرے رب کی ذات باقی رہے گی۔

قَوْلُهُ تَعَالٰی ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ﴾ [1] یعنی يُرِيْدُوْنَهُ یعنی اسی کو چاہتے ہیں۔

اور یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ ((قُلُوْبُ الْعِبَادِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ)) [2] دو انگلیوں میں بندوں کے دل سے یہ مراد ہو کہ انگلی چونکہ کسی چیز کی پلٹ دینے والی ہے اور جو چیز دو انگلیوں کے درمیان ہو تو انگلیوں والا جس طرح چاہے تصرف کرتا ہے اس لیے یہ لفظ ذکر کیا۔ نہ یہ کہ صفت زائد ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے علم میں اس تفسیر سے بھی سکوت کرنا چاہیے۔ اگر چہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہی تفسیر مراد ہو اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہاں ایک ذات ہو جس کے اجزاء دو ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سب سے عجیب حالات میں سے یہ ہے کہ سالمیہ فرقہ نے کہا کہ قبر میں مردہ کھاتا پیتا اور نکاح کرتا ہے۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ ان لوگوں نے سنا کہ نیک بخت میت کے واسطے وہاں نعمت ہے اور عمدہ عیش سوائے اس کے ظاہر نہ ہوا تو یہ اعتقاد جمایا۔ اور اگر یہ لوگ فقط اسی قدر پر اکتفا کرتے جو احادیث میں وارد ہے کہ "مومنوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں رکھی جاتی ہیں اور جنت کے درختوں سے کھاتی ہیں" [3] تو اس خراب اعتقاد سے بچ جاتے۔ لیکن انہوں نے اس کے ساتھ میں جسم کو بھی ملا لیا۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ مذہب

---

[1] ٦/ الانعام: ٥٢۔ [2] مسلم: کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف شاء، رقم ٦٧٥٠۔ احمد: ٢/ ١٦٨۔ ابن حبان مع الاحسان: ٣/ ١٨٤ کتاب الرقاق: باب الادعیۃ، رقم ٩٠٢۔ نسائی فی الکبریٰ: ٤/ ٤١٤، کتاب النعوت، رقم ٧٧٣٩۔ کتاب الشریعۃ: ٣/ ١١٥٦، باب الایمان بان قلوب الخلائق بین اصبعین ...... رقم ٧٢٧۔

[3] ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب ماجاء فیما یقال عند المریض اذا حضر، رقم ١٤٤٩۔ الطبرانی فی الکبیر: ١٩/ ٦٤، ٦٥، رقم ١٢٢۔ مجمع الزوائد ٢/ ٣٢٩ کتاب الجنائز: باب فی الارواح۔

وہ مرض ہے جو خیالات جاہلیت کے مشابہ ہے۔ جس کو جاہلیت والے ہام وصدا کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ مناظرہ کے طور پر مدارات کرنی چاہیے جس سے جاہلیت کے خیالات کو سمجھ کر راہ حق کی طرف آجائیں گے۔ اور ان سے ضد باندھ کر مخالفت نہ کی جائے۔ کیوں کہ اس طریقہ سے یہ لوگ بگڑ جائیں گے۔ ابلیس نے ان لوگوں پر تلبیس اس لیے ڈالی کہ انہوں نے ایسے دلائل سے بحث چھوڑ دی جو شرع وعقل سے منطبق ہیں۔ چنانچہ جب میت کے لیے نعمت عیش یا عذاب وارد ہوا ہے تو معلوم ہو گیا کہ قبر یا جسم کی طرف نسبت کر کے بیان فقط اس لیے ہے کہ میت کی پہچان ہو جائے۔ گویا یہ فرمایا کہ اس قبر میں دفن ہونے والا اور وہ روح جو اس جسم میں تھی وہ جنت کی نعمتوں سے عیش میں ہے یا آگ کے عذاب سے تکلیف میں ہے۔

فصل

مصنف نے کہا کہ اگر سوال کیا جائے کہ تم نے اعتقادات کے بارے میں تقلید کرنے والوں پر بھی عیب لگایا اور بے جا خوض کرنے والے متکلمین پر بھی لگایا۔ اب بتلاؤ وہ طریقہ کیا ہے جس پر ابلیس سے بچا جائے۔ جواب یہ وہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابی اور ان کے تابعین بالاحسان تھے۔ یعنی یہ ایمان لائے کہ حق سبحانہ تعالیٰ برحق ہے۔ اور اس کی وہ سب صفات برحق ہیں جو آیات واحادیث میں وارد ہوئیں بدون اس کے کہ ہم ان صفات کے معنی بگاڑیں، یا بے جا بحث کر کے ایسی تفسیر وعلم کا دعویٰ کریں جو قوت بشری سے باہر ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ میں نے کسی مخلوق کو اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حکم نہیں ٹھہرایا بلکہ میں نے تو قرآن کو حکم ٹھہرایا ہے (وہ مخلوق نہیں ہے) اور یہ ایمان لائے کہ اس کے باوجود قرآن سننے میں آتا ہے بدلیل

﴿حَتّٰی یَسۡمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ الخ﴾ [1]

''یعنی اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سنے الخ۔''

اور یہ کلام اللہ مصاحف میں سے ہے۔ بدلیل قولہ تعالیٰ ﴿فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ﴾ [2] اور یہ کہ

---

[1] ۹/التوبۃ:۶۔ [2] ۵۲/الطور:۳۔

مضمون آیات ادا نہیں ہو سکتا۔ (یعنی بے مثل ہے) اور اس کی تفسیر میں اپنی رائے سے کلام نہیں ہو سکتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس امر سے منع کیا کرتے تھے کہ کوئی کہے کہ قرآن کے ساتھ میرا بولنا مخلوق ہے یا غیر مخلوق ہے تا کہ سلف صالحین کی پیروی سے خارج ہو کر بدعت میں نہ پڑ جائے۔ اور اب تو ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو اس امام کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر ایسے مسائل بدعیہ میں گفتگو کرتے ہیں۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے نو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا جو فرماتے تھے کہ جو کوئی کہے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ امام مالک بن انس نے کہا کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ وہ قتل کیا جائے۔ جعفر بن برقان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بدعتوں کا پوچھا تو فرمایا کہ تجھ پر واجب ہے کہ اس طرح عقیدہ پر جم جا جیسے مکتب میں لڑکے اور دیہات میں اعراب ہوتے ہیں۔ اور ان دنوں کے سوا سب سے غافل ہو جا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب تم کسی گروہ کو دیکھو کہ علانیہ عام لوگوں کو چھوڑ کر خاص طور پر دین میں خفیہ مشورے کرتے ہیں تو جان لو کہ یہ گروہ کسی ضلالت کی بنیاد قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی کہ انہوں نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا کہ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر، وہ بدعتیں چھوڑے رہنا جو بعد کو بدعتیوں نے نکالی ہیں جن کی محنت سے ان کی کفایت کی گئی تھی۔ اور تو جان رکھ کہ جس کسی کو علم سنن سے واقفیت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ طریقۂ سنت سے مخالفت، اس میں کرید کرنے میں کیسی کیسی غلطی اور لغزشیں ہیں۔ چنانچہ اگلے بزرگوں نے باوجود علم معرفت کے توقف کیا اور باوجود پرکھنے والی نگاہ کے رک گئے۔ دوسری روایت میں (عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ سلف سابقین ان امور کے ظاہر کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ جس نے کوئی بدعت نکالی یہ وہی شخص ہوگا جس نے ان کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی اور خود ان کی راہ سے بے رغبت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے ان کے طریقہ سے کوتاہی کی تو اپنے اوپر ظلم کیا اور کچھ لوگوں نے ان کی حد سے زیادہ بڑھ جانے میں غلو کیا (تو یہ گمراہ ہوئے) سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم لوگوں پر لازم ہے کہ اس عقیدہ و یقین پر رہو جس پر کاشتکار اور گھروں کی عورتیں اور

مکتب کے لڑکے رہتے ہیں کہ ایمان کا اقرار کرتے اور عمل کیے جاتے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ کوئی کہے کہ یہ تو کم عقل و عاجز کا کام ہے اور مردوں کا مقام نہیں ہے۔ (جواب) ہم نے پہلے ہی لکھ دیا اور کہہ دیا کہ عمل پر ٹھہر جانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ جن متکلمین نے سمندروں میں غوطہ مارا وہ ہرگز ایسی چیز تک نہیں پہنچ سکے۔ جس سے پیاسے کی پیاس بجھ جائے۔ اسی لئے انہوں نے سب کو نصیحت کی کہ کنارے پر ٹھہرے رہو۔ چنانچہ ہم نے ان کے اقوال ذکر کر دیئے ہیں۔

خوارج پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ خوارج میں سب سے اول اور سب سے بدتر شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے کمائے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں کافی سونا بھیجا۔ یہ سونا خاک میں مخلوط تھا۔ اس سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیل، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور علقمہ بن علاثہ یا عامر بن الطفیل چار آدمیوں میں تقسیم کیا۔ عمارہ راوی کو شک ہے کہ علقمہ بن علاثہ کا نام لیا تھا یا عامر بن الطفیل، کا اس وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور انصار وغیرہ کو کچھ آزردگی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم لوگ مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ مجھے ہر صبح وشام آسمان سے خبر پہنچتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر گھسی ہوئی، پیشانی ابھری ہوئی، گالوں کا گوشت چڑھا ہوا تھا، داڑھی کے بال بہت گھنے تھے۔ پنڈلیوں پر اونچی ازار (لنگی) باندھے اور سر گھٹائے (منڈائے ہوئے) تھا۔ اس نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے ڈرو (انصاف کرو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا میں خدا تعالیٰ سے تقویٰ کرنے میں سب سے بڑھ کر لائق نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ نماز پڑھتا ہو تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعضے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مجھے تو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کر

دیکھوں اور نہ ان کے پیٹ پھاڑوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طرف نگاہ کی اور وہ پیٹھ پھیرے جا رہا تھا تو فرمایا کہ تم آگاہ رہو کہ اس کے جتھے سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے۔'' ❶ مصنف نے کہا کہ یہ شخص جس نے اس طرح بے ادبی سے کلام کیا تھا اس کا نام ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے آکر کہا کہ عدل کر و تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ارے تیرا برا ہو اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون شخص عدل کرے گا۔'' ❷ مصنف نے کہا کہ دین اسلام میں یہ سب سے پہلا خارجی تھا۔ اس کم بخت پر آفت یہ پڑی کہ وہ اپنے نفس کی رائے پر نازل ہوا۔ اگر وہ ذرا صبر کرتا تو جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں ہوسکتی ہے۔ اسی خارجی شخص کے تابعین وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی بہت مدت تک قائم رہی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے مصاحف بلند کئے اور اصحاب علی کو دعوت کی کہ جو کچھ مصاحف مجید میں ہے اس پر ہم اور تم راضی ہو جائیں اور کہا کہ ایک شخص تم اپنے لوگوں سے بھیجو اور ایک شخص ہم اپنی طرف سے بھیجیں اور ان سے عہد لے لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کریں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ اہل شام نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور ادھر اہل عراق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے نہیں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجوں جو سادہ دل

---

❶ بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ، وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ...... رقم ۳۳۴۴۔ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، رقم ۲۴۵۲۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ باب فی قتال الخوارج، رقم ۴۷۶۴۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب المؤلفۃ قلوبہم، رقم ۲۵۷۹۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱/ ۲۰۵۔ المقدمۃ: باب الاعتصام بالسنۃ، رقم ۲۵۔

❷ بخاری: کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب من ترک قتال الخوارج ...... رقم ۶۹۳۳۔ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، رقم ۲۴۵۶۔ ابن ماجہ: کتاب السنۃ، باب فی ذکر الخوارج، رقم ۱۷۲۔ نسائی فی الکبریٰ: ۶/ ۳۵۵، کتاب التفسیر، باقولہ تعالیٰ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ، رقم ۱۱۲۲۰۔ احمد: ۳/ ۵۶، ۳۵۳، کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۲/ ۶۴۱، ذکر الخوارج والامر بقتالہم، رقم ۹۵۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۵/ ۱۸۵ و ۶/ ۴۲۷۔

ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ موجود ہے ان کو کیوں نہ بھیجوں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو ہم نہیں چاہتے کیوں کہ وہ تو آپ کی ذات کے مانند آپ کے قرابتی ہیں۔ آخر آپ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور حکم فیصلہ میں رمضان تک تاخیر ہوئی۔ پس عروہ بن اذینہ نے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم میں لوگوں کو حاکم بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [1] حکم نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے (اور یہ شخص مع اپنے تابعین کے جماعت سے خارج ہو گیا)۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مقام صفین سے واپس ہو کر کوفہ میں داخل ہوئے تو خوارج آپ کے ساتھ کوفہ میں داخل نہ ہوئے بلکہ انہوں نے موضع حرورا (کوفہ کے قریب مقام) میں اپنا جتھا جمایا۔ حتیٰ کہ وہاں بارہ ہزار خوارج جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ اور یہی خوارج کے ظاہر ہونے کی ابتدا ہے۔ خوارج کے لشکر میں ان کے منادی نے آواز دی کہ جنگ کے موقع پر شبث بن ربعی تمیمی سردار ہے اور نماز پڑھانے میں عبداللہ بن الکواء یشکری سردار ہے۔ واضح ہو کہ خارجی لوگ بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ مگر ان کی حماقت کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر عالم ہیں اور یہی ان کا سخت مہلک مرض تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ جب خوارج الگ ہوئے تو ایک احاطہ میں جمع ہوئے اور وہ یہاں چھ ہزار تھے۔ سب نے اتفاق کیا کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر خروج کریں۔ لوگ ایک ایک دو دو برابر آتے اور خبر دیتے کہ اے امیر المومنین یہ گروہ آپ پر خروج کرنے والا ہے۔ تو حضرت امیر المومنین فرماتے کہ ان کو چھوڑ دو۔ میں ان سے قتال نہیں کرتا جب تک وہ مجھ سے قتال نہ کریں۔ یہ وقت قریب ہے کہ جب وہ لوگ خود ایسا کریں گے۔ پھر ایک روز نماز ظہر سے پہلے میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے امیر المومنین ذرا ظہر کی نماز میں ٹھنڈے وقت تک تاخیر کیجیے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس گروہ خوارج میں جا کر ان سے گفتگو کروں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کی طرف سے آپ کی ذات پر خوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں آپ مجھ پر خوف نہ کیجیے۔ اور میں ایک نیک خلق ملنسار شخص تھا۔ کسی کو ایذا نہیں دیتا تھا۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی تو میں نے بہتر بیش قیمت حلہ پہنا اور روانہ ہو کر ان خارجیوں کے یہاں پہنچا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ میں نے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن سے بڑھ کر

[1] ٦/الانعام: ٥٧۔

عبادت میں کوشش کرنے والی قوم میں نے نہ دیکھی تھی۔ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے۔ان کے ہاتھ گویا اونٹ کے دست تھے۔(جو زمین پر ٹکنے سے غبار آلود ہو جاتے ہیں)ان کے بدن پر حقیر قیص تھیں۔ان کی ازاریں ٹخنوں سے بہت اونچی تھیں۔اور راتوں کو عبادت میں جاگنے سے ان کے چہرے خشک ہو رہے تھے۔میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے کہا کہ مرحبا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ آپ اس وقت کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس مہاجرین وانصاری کے پاس سے آیا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کے پاس سے آیا ہوں۔انہیں لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ لوگ قرآن کے معنے تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔میری گفتگو سن کر ان میں سے ایک قوم نے کہا کہ(یہ قریش میں سے ہے اور)تم قریش سے مناظرہ مت کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے حق میں فرمایا کہ ﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ [1] یعنی یہ لوگ جھگڑالو(حجت باز)قوم ہیں۔پھر ان میں سے دو تین آدمیوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم ان سے مباحثہ کریں گے۔تب میں نے کہا کہ تم لوگ وہ الزامات بیان کرو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور مہاجرین وانصار پر لگائے ہیں۔حالانکہ انہی لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور کوئی بھی ان میں سے شامل نہیں ہے اور وہ لوگ قرآن کے معانی ومطلب تم سے زیادہ جانتے ہیں۔خوارج نے کہا کہ وہ تین باتیں ہیں۔میں نے کہا کہ اچھا ان کو بیان کرو۔کہنے لگے کہ ایک یہ ہے کہ علی نے خدا کے معاملہ میں لوگوں کو ثالثی(فیصلہ کرنے والا)بنایا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [2] ''یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے''تو اس قول الٰہی کے بعد آدمی کو حکم سے کیا تعلق رہا۔میں نے کہا کہ یہ تو ایک ہوا اور کیا ہے۔کہنے لگے کہ دوسرا اعتراض یہ کہ علی نے لوگوں سے قتال کیا مگر نہ مخالفوں کو لونڈی غلام بنایا اور نہ ان کا مال لے کر غنیمت جہادی ٹھہرایا۔تو ہم پوچھتے ہیں کہ جن سے قتال کیا اگر وہ مومنین تھے تو ہم کو ان سے حلال نہیں اور نہ ان لونڈی غلام بنانا حلال ہے۔تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علی نے ثالثی فیصلہ کا عہد نامہ لکھواتے وقت امیر المومنین کا لقب اپنے نام سے مٹا دیا۔پس وہ اگر امیر المومنین نہیں ہیں تو امیر الکافرین ہوئے یعنی کافروں کے سردار ہیں۔میں نے پوچھا کہ کیا کچھ اس کے سوا بھی کوئی اعتراض باقی ہے۔خوارج نے کہا کہ بس یہی(اعتراضات)

---

[1] ۴۳/الزخرف:۵۸۔ [2] ۶/الانعام:۵۷۔

کافی ہیں۔ میں نے کہا کہ پہلا قول تمہارا یہ کہ امرالٰہی میں علی نے لوگوں کو حاکم بنایا ہے۔ بھلا اگر میں تم پر کتاب الٰہی سے ایسی آیات تلاوت کروں جن سے تمہارا قول ٹوٹ جائے تو کیا تم اپنے قول سے توبہ کرلو گے۔ کہنے لگے کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کے معاملہ میں جس کی قیمت چوتھائی درہم ہوتی ہے دو مردوں کے حکم پر اس کا فیصلہ راجح کردیا۔ اور میں نے یہ آیت پڑھی:

﴿لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ [1]

یعنی احرام کی حالت میں شکار کے قتل سے ممانعت فرمائی۔

اور اگر کسی نے جرم کیا مثلاً ایک خرگوش مارا تو فرمایا کہ تم میں دو عادل مرد اس موقع پر جہاں جانور مارا ہے اس کی قیمت کا فیصلہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے عورت اور اس کے شوہر کے معاملہ میں فرمایا:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [2]

''یعنی مرد کی برادری سے ایک مرد اور عورت کی برادری سے ایک مرد بھیجو وہ دونوں ان کے معاملہ میں حکم کریں۔''

اب میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ بھلا مردوں کا حکم لگانا اپنی درمیانی اصلاح حال میں اور خون ریزی روکنے میں افضل ہے یا کہ ایک خرگوش میں ایک عورت کے معاملہ میں افضل ہے۔ خوارج نے کہا کہ ہاں بیشک اصلاح ذاتی میں افضل ہے (کہ اس سے بڑی خون ریزی کا سد باب ہوا) میں نے کہا کہ اچھا میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے باہر ہوا (یعنی تم کو جواب مل گیا) کہنے لگے کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ رہا تمہارا دوسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا اور قیدی و غنیمت حاصل نہ کی۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اپنی ماں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی مملوکہ لونڈی بناؤ گے؟ واللہ اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہیں تو تم اسلام سے خارج ہوئے۔ اور واللہ اگر تم یہ کہو کہ ہم ان کو مملوکہ بنا دیں گے یا ان سے بھی وہ بات حلال کریں گے جو دیگر عورتوں سے حلال ہوا کرتی ہے تو واللہ تم اسلام سے خارج ہو گئے۔ تم

[1] ۵/المائدۃ:۹۵۔ [2] ۴/النساء:۳۵۔

دو گمراہیوں کے بیچ میں گھرے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [1]

''یعنی مومنوں کے حق میں پیغمبر ان کی جان سے زیادہ پیارا اور حقدار ہے اور اس کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں''۔

پھر اگر تم کہو کہ ہماری ماں نہیں ہے

تو تم اسلام سے خارج ہو۔ اب بتلاؤ کہ میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے بھی باہر ہوا کہ نہیں، کہنے لگے کہ جی ہاں۔ میں نے کہا کہ رہا تمہارا یہ تیسرا قول کہ علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا لفظ اپنے نام سے مٹا دیا تو میں تمہارے پاس ایسے عادل گواہ لاتا ہوں جن کو تم مانتے ہو کہ جب حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے ساتھ صلح ٹھہرائی تو مشرکوں کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب و سہیل بن عمرو وغیرہ کے ساتھ عہد نامہ لکھوایا اور علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو

((هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ))

''یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور......الخ

تو مشرکوں نے کہا کہ واللہ! یہ ہم نہیں جانتے کہ تم رسول اللہ ہو۔

اور اگر ہم بھی جانتے کہ تم رسول اللہ ہو تو ہم تم سے قتال نہ کرتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ)) پھر فرمایا کہ اے علی! اس کو مٹا دو اور یوں لکھو کہ یہ صلح نامہ جو محمد بن عبداللہ اور اہل مکہ نے لکھا......الخ [2] اب تم دیکھو کہ واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سے بہتر ہیں رسول اللہ کا لفظ اپنے نام سے محو کرا دیا۔ حالانکہ اس سے وہ رسول اللہ ہونے سے خارج نہیں ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے (اس مکالمہ کے نتیجے میں خوارج میں سے دو ہزار آدمی توبہ کر کے واپس آئے اور باقی اپنی گمراہی پر مقتول ہوئے۔

جندب الازدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج پر چڑھائی کی اور ان کے لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو ان کی تلاوت قرآن کی آوازیں اس کثرت سے

---

[1] ۳۳/ الاحزاب: ۶۔ [2] مسند احمد: ۱/ ۳۴۲۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/ ۱۷۹، کتاب قتال اھل البغی: باب لا یبدأ الخوارج بالقتال۔

آتی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی فیصلہ ٹھہرایا تو خوارج میں سے زرعہ بن البرج الطائی اور حرقوص بن زہیر السعدی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔ تو حرقوص نے کہا کہ آپ اپنے گناہ سے توبہ کیجئے۔ اس ثالثی نامہ سے رجوع کیجئے اور ہم کو لے کر دشمنوں پر چلیے۔ ہم ان سے قتال کریں گے۔ یہاں تک کہ اپنے رب تعالیٰ سے مل جائیں۔ اور اگر آپ یہ لوگوں کا فیصلہ نہ چھوڑیں گے کہ کتاب الٰہی میں حکم لگائیں تو ہم خالص رضائے الٰہی کے واسطے آپ سے قتال کریں گے۔ پھر خوارج عبداللہ بن وہب الراسبی کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر کہا کہ جو قوم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور حکم قرآن پر عامل ہو اس کو نہیں چاہیے کہ اس دنیا کے واسطے امر معروف اور نہی منکر اور حق بات کہنا چھوڑے۔ اب ہم تم سب چلو نکل کھڑے ہوں۔ پھر (بعد فیصلہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اَمَّا بَعْد یہ دونوں آدمی جو باہمی رضا مندی سے حکم بنائے گئے تھے۔ انہوں نے کتاب الٰہی کے خلاف کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی۔ اور اب اول حالت پر ہیں۔ خوارج نے جواب دیا کہ آپ کو اپنے رب عزوجل کے واسطے کچھ غیظ نہیں آیا بلکہ یہ اپنے نفس کے واسطے آپ کا غصہ ہے۔ اب اگر آپ اپنے نفس پر گواہی دیں کہ آپ کافر ہو گئے تھے اور نئے سرے سے توبہ کریں تو البتہ ہم اپنے اور آپ کے معاملہ میں غور کریں ورنہ ہم اعلان سے تم کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان لڑائی وقتال ہے۔

ایک روز خوارج راستہ میں جاتے تھے تو عبداللہ بن خباب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہو وہ ہم سے بیان کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فتنہ کا ذکر کیا جس میں بیٹھ جانے والا کھڑے سے بہتر ہوگا اور کھڑا بہ نسبت چلنے والے کے بہتر ہوگا اور چلنے والا بہ نسبت دوڑنے والے کے بہتر ہوگا۔ اگر تجھ کو یہ فتنہ پہنچے تو تجھ کو چاہیے کہ مقتول بندہ ہو

جائے۔ [1] خوارج نے کہا کہ کیا تو نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا تھا۔ عبداللہ نے کہا ہاں تو خوارج نے ان کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے گردن مار دی۔ چنانچہ ان کا خون نہر میں اس طرح رواں ہوا جیسے جوتی کا تسمہ ہوتا ہے۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں ان کا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور آگے بڑھ کر ایک ذمی کے باغ میں اترے۔ اس کے درخت سے پھل گرا۔ اس کو ایک نے اپنے منہ میں ڈال لیا تو دوسرے نے کہا کہ بے حلت اور بغیر داموں کے اس کو کھاتا ہے۔ اس نے فوراً منہ سے نکال پھینکا۔ (یعنی ان جاہلوں کی یہ کم بختی تھی کہ ایک پھل کا یہ لحاظ اور عبداللہ بن خباب کا خون بہانے میں اس قدر بیباکی) پھر ان میں سے ایک نے تلوار نکال کر ہلائی اور ذمی نصرانیوں کے سور وہاں جاتے تھے اس نے ایک سور پر تلوار آزمائی۔ تو دوسروں نے کہا کہ یہ ملک میں فساد کرنا ہوا۔ یعنی حرام ہے تو اس نے جا کر سوروں کے مالک کو تلاش کر کے اس کو جس طرح ہو سکا راضی کر لیا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ جَهَالَتِهِمْ)

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس بھیجا کہ جس شخص نے عبداللہ بن خباب کو قتل کیا ہے اس کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کرو۔ خوارج نے جواب بھیجا کہ ہم سب نے اس کو قتل کیا ہے۔ حضرت امیر المومنین نے ان کو تین مرتبہ اسی طرح آواز دی اور ہر بار خوارج نے یہی جواب دیا۔ تب حضرت امیر المومنین نے اپنے لشکر سے فرمایا کہ اب اس قوم کی خبر لو۔ پس ذرا سی دیر میں سب خوارج مارے گئے۔ (یہ واقعہ نہروان ہے) خوارج لڑائی شروع ہونے کے وقت ایک دوسرے کو وعظ کرتے تھے کہ اپنے رب سے ملنے کے لیے آراستہ ہو اور چلو جنت کو چلو۔ پھر ان خوارج کے مقتول ہونے کے بعد ایک جماعت اور خارج ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سردار کو اس کے قتال کے واسطے روانہ کیا۔ پھر عبدالرحمان بن ملجم (خارجی) اور اس کے ساتھی جمع ہوئے۔ اور اپنے بھائیوں پر جو نہروان میں مارے گئے تھے۔ رحمت بھیجی اور کہنے لگے کہ ہم کو اب دنیا کی زندگی کا کیا لطف ہے جب کہ ہمارے بھائی مارے گئے جو اللہ تعالیٰ کے

---

[1] مسند احمد ۵/ ۱۱۰۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ۶/ ۳۷۴، رقم ۱۸۰۷۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۱۹ باب قتال الحروراء، رقم ۱۸۵۷۸۔ کتاب الشریعۃ للآجری: ۱/ ۳۸۸، باب فضل القعود فی الفتنۃ عن الخوض فیہا، رقم ۷۵، ۷۶۔ مجمع الزوائد: ۷/ ۳۰۲، ۳۰۳، کتاب الفتن، باب ما یفعل فی الفتن۔ والطبرانی فی الکبیر: ۴/ ۶۸، ۶۹۔ رقم ۳۶۲۹، ۶۲۳۰، ۶۲۳۱۔

معاملہ میں کسی ملامتی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اب ہم کو چاہیے کہ خدا سے اپنی جانیں جنت کے بدلے خریدیں اور موقع تلاش کرتے رہیں، جب ان گمراہ سرداروں (حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما وغیرہ) کو غافل پائیں تو اپنے بھائیوں کے عوض ان کو قتل کر کے بندگان خدا کو راحت پہنچائیں۔

محمد بن سعد نے اپنے مشائخ سے روایت کی کہ خوارج کے تین سرداروں نے دیہات میں رہنا اختیار کیا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر اتمیمی تھا۔ یہ لوگ مکہ میں (ایام حج میں) جمع ہوئے اور باہم عہد و میثاق باندھا کہ جس طرح ہو سکے تین آدمیوں یعنی علی، معاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کریں اور مخلوق کو ان سے راحت پہنچا دیں۔ ان میں سے عمرو نے کہا کہ میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں برک نے کہا کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں، اور ابن ملجم نے کہا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ضامن ہوں۔ پس سب نے عہد کیا کہ جس نے جس کا ذمہ لیا ہے اس میں عہد شکنی نہ کریگا۔ ابن ملجم کوفہ میں آیا اور جب وہ رات آئی جس میں ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے واسطے مسجد کی طرف نکلے اور ابن ملجم مردود نے آپ کو تلوار ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے آواز دی کہ یہ شخص بچنے نہ پائے۔ پس وہ پکڑا گیا۔ ام کلثوم (آپ کی صاحبزادی) نے فرمایا کہ اے دشمن خدا تو نے امیر المومنین کو قتل کیا۔ اس مردود نے کہا کہ میں نے فقط تیرے باپ کو مارا ہے۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ امیر المومنین کو اس زخم سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ابن ملجم بولا کہ پھر تو کیوں روتی ہے پھر بولا کہ واللہ! میں نے اس تلوار کو ایک مہینہ تک زہر میں بجھایا ہے۔ اگر اب بھی اس نے کام نہ کیا تو خدا اس کا برا کرے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو ابن ملجم قید خانہ سے نکالا گیا تا کہ قتل کیا جائے۔ عبداللہ بن جعفر نے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تو اس نے کچھ جزع (آہ و فریاد) نہ کیا اور نہ بولا۔ پھر گرم سیخ سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری تو بھی جزع نہ کیا اور ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ﴾ [1] پڑھتا رہا یہاں تک کہ ختم کر دی۔ اور اس حالت میں اس کی آنکھوں سے مواد جاری تھا۔ پھر اس کی زبان کاٹنے کا قصد کیا گیا تو وہ

[1] ۹۷/ العلق: ۱۔

گھبرانے لگا۔ اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ دنیا میں کچھ دیر بھی ایسی حالت میں رہوں کہ اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ ابن ملجم ایک شخص گندم گوں تھا جس کے چہرہ پر سجدہ کا گہرا نشان تھا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے چاہا کہ حضرت معاویہ سے صلح کر لیں تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بھی ایک خارجی جراح بن سنان نے خروج کیا۔ اور نیزہ مارا جو آپ کی ران مبارک کی جڑ میں لگا۔ خارجی نے کہا کہ تم نے بھی اپنے باپ کی طرح شرک اختیار کیا۔ الغرض خوارج برابر امرائے اسلام پر خروج کرتے رہے اور ان کے مختلف مذاہب ہیں۔

نافع بن الازرق خارجی کے ساتھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک ہم لوگ شرک کے ملک میں رہیں تب تک مشرک ہیں اور جب ملک شرک سے نکل جائیں تو مومن ہیں۔ اور کہتے تھے کہ جو کوئی ہمارے مذہب سے مخالف ہو وہ مشرک ہے اور جس کسی سے کبیرہ گناہ سرزد ہو وہ مشرک ہے۔ جو کوئی لڑائی میں ہمارے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے اور اس فرقہ خوارج نے مسلمان بچوں و عورتوں کا قتل بھی جائز رکھا اور ان کو مشرک قرار دیا۔ اس گروہ میں سے نجدہ بن عامر الثقفی تھا۔ اس نے نافع بن الازرق سے صرف اس قدر اختلاف کیا کہ مسلمانوں کی جان و مال حرام ہیں۔ اور دعویٰ کیا کہ اس کی موافقت کرنے والوں میں سے جو گنہگار ہوگا وہ جہنم کی آگ کے سوا دوسری آگ سے عذاب کیا جائے گا اور جہنم میں صرف وہی جائیں گے جو اس کے مذہب سے مخالف ہیں۔

ابراہیم الخارجی نے کہا کہ (دیگر مسلمان) قوم کفار ہیں اور ہم کو ان کے ساتھ اور ہم کو ان کے ساتھ نکاح بیاہ کرنا اور میراث کا حصہ بانٹ کرنا جائز ہے جیسے ابتدائے اسلام میں جائز تھا۔ بعض خوارج کا قول تھا کہ اگر کسی نے یتیم کے مال سے دو پیسے کھا لیے تو اس پر جہنم کی آگ واجب ہوگئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر (یتیم کا مال کھانے پر) آتش جہنم کی وعید فرمائی ہے (اور اگر یتیم کو قتل کرے یا اس کے ہاتھ کاٹے یا پیٹ پھاڑے تو اس پر جہنم واجب نہیں ہے
مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خارجیوں کے قصص طویل ہیں اور ان کے عجیب عجیب مذاہب ہیں۔ میں نے ان کے ذکر کو طول دینا فضول سمجھا۔ مقصود تو فقط اسی قدر ہے کہ ابلیس نے کس

طرح اپنے حیلے دتلبیس ان احمقوں پر ڈالے جس کے باعث اتنی لڑائیاں لڑے۔اور یہ اعتقاد رکھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غلطی پر ہیں، اور یہ احمق خوارج راہ صواب پر ہیں۔انہوں نے بچوں کا خون بہانا تو حلال سمجھا اور ایک پھل بغیر داموں کے کھانا حلال نہیں جانا۔اور راتوں کی عبادت اور بیداری میں تعب وتکلیف اٹھائی۔ابن ملجم مردود کو اس کی زبان کاٹے جانے کے وقت اس لیے گھبراہٹ ہوئی کہ ذکر کرتا جاتا رہے گا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل کرنا حلال سمجھا تھا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی۔اگر ان خوارج نے اپنے علم واعتقاد پر غرور کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہیں تو عجب ہے ان سے بڑھ کر ان کا پیشوا ذوالخویصرہ تھا۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ تم نے عدل نہیں کیا ہے انصاف کرو۔ابلیس کو کہاں یہ بےادبیاں سوجھی تھیں۔اللہ تعالیٰ بدبختی سے ہم کو پناہ دے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ”تم میں ایک قوم ایسی نکلے گی کہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تم اپنی نماز حقیر سمجھو گے اور ان کے روزہ کے مقابلہ اپنا روزہ حقیر سمجھو گے اور ان کے اعمال کے مقابلہ اپنے اعمال حقیر سمجھو گے۔وہ لوگ قرآن پڑھیں گے تو ان کے حلق سے نہیں اترے گا، اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے۔“ [1] چنانچہ صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے۔عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ”خوارج جہنمیوں کے کتے ہیں۔“ [2]

فصل

مصنف نے کہا کہ خوارج کی رائے (عقیدہ) یہ بھی ہے کہ امام ہونا ایک شخص میں

---

[1] بخاری: کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتال الخوارج والملحدین......رقم ۵۰۵۸۔مسلم: کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، رقم ۲۴۵۵۔ابن ماجہ: المقدمۃ، باب فی ذکر الخوارج، رقم ۱۶۹۔موطا امام مالک: ۱/۲۰۴۔کتاب القرآن باب ماجاء فی القرآن، رقم ۱۰۔احمد: ۳/۵۶۔کتاب السنۃ ابن ابی عاصم: ۲/۶۴۸، رقم ۹۶۸۔

[2] مسند احمد: ۴/۳۵۵، ۳۸۲۔صحیح ابن ماجہ: المقدمۃ، باب فی ذکر الخوارج، رقم ۱۴۳، ۱۷۳۔کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۲/۶۲۲، ۶۲۳، باب المارقۃ والحروریۃ، رقم ۹۳۶، ۹۳۷۔تاریخ بغداد: ۶/۳۱۹، رقم الترجمۃ (۳۳۶۵)۔ مستدرک الحاکم: ۳/۶۶۱ کتاب معرفۃ الصحابۃ، رقم ۶۴۳۵۔مسند ابی داؤد الطیالسی: ۲/۱۶۳، رقم ۸۶۰۔الطبرانی فی الکبیر: ۸/۳۲۴، رقم ۸۰۴۲ وفی الصغیر: ۲/۲۴۰، رقم ۱۰۹۶۔مشکوۃ للالبانی: ۲/۱۰۵۵، رقم ۳۵۵۴۔

مخصوص نہیں ہوسکتا۔ مگر جب کہ اس میں علم وزہد جمع ہو تب وہ البتہ امام ہوگا۔ اگرچہ وہ عجم کے کسانوں میں سے ہو۔ انہیں خوارج کی رائے سے معتزلہ نے یہ قول نکالا کہ خوبی و برائی کا حکم لگانا عقل کے اختیار میں ہے اور عدل وہ ہے جس کو عقل مقتضی ہو پھر یہ فرقہ نکالا۔ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ معبد الجہنی غیلان دمشقی و جعد بن درہم نے قدریہ کا قول کہا (یعنی بندہ سب امور کا خود مختار ہے جیسا کرے ویسا ہو جائے) معبد الجہنی کی بناوٹ پر واصل بن عطاء نے تانا تنا اور عمرو بن عبید بھی ان میں مل گیا۔ اسی زمانہ میں مرجیہ فرقہ نکلا جن کا یہ قول ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی بندگی مفید نہیں ہوتی۔ پھر مامون عباسی کے زمانہ میں معتزلہ میں سے ابو الہذیل علاف و نظام و معمر اور جاحظ وغیرہ نے فلاسفہ کی کتابیں مطالعہ کر کے اس میں سے مانند لفظ جوہر و عرض و زمان و مکان و کون وغیرہ نکال کر ان کو شرعی مسائل میں ملایا پہلا مسئلہ جو ظاہر کیا گیا وہ قرآن مخلوق ہونے کا مسئلہ ہے۔ اور اسی وقت سے اس فن کا نام علم کلام رکھا گیا۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ مسائل صفات بھی نکالے گئے، جیسے علم و قدرت و حیات و سننا اور دیکھنا۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ یہ سب ذات کے اوپر زائد معانی ہیں۔ معتزلہ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ اپنی ذات سے عالم ہے اور اپنی ذات سے قادر ہے۔ ابو الحسن الاشعری پہلے جبائی معتزلی کے مذہب پر تھے۔ پھر اس سے جدا ہو کر ان لوگوں میں آ گئے جو صفات ثابت کرتے ہیں۔ پھر بعضے صفات ثابت کرنے والوں نے شے ہونے کا اعتقاد نکالنا شروع کیا اور انتقال و نزول کے مسئلہ میں مرکز فرض کر کے اس سے زائد ہونے کا اعتقاد نکالا۔

روافض پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس نے خوارج پر تلبیس کی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ اسی طرح ان کے برعکس ایک قوم کو تلبیس میں ڈالا۔ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں یہاں تک غلو کیا کہ حد سے بڑھا دیا۔ چنانچہ بعض روافض نے کہا کہ علی اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ انبیا سے افضل ہیں۔ بعض روافض کو شیطان نے ابھارا تو وہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما برا کہنے لگے۔ بلکہ بعض نے ان دونوں کو کافر کہا اور اسی قسم کے بیہودہ مذاہب باطلہ ان روافض

میں بہت ہیں۔ کہاں تک ان کے بیان میں اوقات ضائع کروں میری غرض تو یہ ہے کہ تلبیس ظاہر کرنے کے لیے مختصراً ذکر کر دوں۔ اسحاق بن محمد نخعی احمر کہا کرتا تھا کہ علی ہی اللہ ہے۔ مدائن میں ایک جماعت اسحاقیہ اسی گمراہ کی طرف منسوب ہے۔ خطیب نے کہا کہ مجھے ابو محمد حسن بن یحییٰ النوبختی کی ایک کتاب ہاتھ آئی جس نے غلاۃ روافض پر رد کیا تھا۔ اور یہ شخص نوبختی مصنف خود متکلمین شیعہ امامیہ میں سے ہے۔ پس اس نے غلو کرنے والے روافض کے مقالات نقل کرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ اس نے لکھا کہ ہمارے زمانہ میں جس کو غلو کے جنون نے کھینچ لیا ہے وہ ایک شخص اسحٰق بن محمد احمر ہے۔ اس کا گمان یہ تھا کہ علی ہی اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ہر وقت ظہور کرتا ہے۔ چنانچہ ایک وقت میں حسن کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور دوسرے وقت حسین کی شکل میں ظاہر ہوا اور اسی نے محمد ﷺ کو پیغمبر کر کے بھیجا تھا۔

مصنف رحمہ اللہ کہتا ہے کہ روافض میں سے ایک فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کافر تھے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ بعد رسول اللہ ﷺ کے مرتد ہو گئے۔ اور بعض روافض کا یہ قول ہے کہ سوائے علی رضی اللہ عنہ کے سب سے تبرا و بیزاری کرتے ہیں۔ ہم کو صحیح روایت پہنچی کہ شیعہ نے زید بن علی سے درخواست کی کہ آپ ان لوگوں سے تبرا کریں جنہوں نے علی کی امامت میں مخالفت کی۔ ورنہ ہم آپ کو رفض (ترک) کریں گے۔ آپ نے اس بات سے انکار کیا تو ان شیعوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اس فرقہ کا نام رافضہ ہوا۔ روافض میں سے ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امامت موسیٰ بن جعفر میں تھی۔ پھر آپ کے فرزند علی میں آئی۔ پھر ان کے بیٹے محمد علی میں، پھر ان کے بیٹے محمد میں، پھر حسن بن محمد العسکری میں، پھر ان کے بیٹے محمد میں آئی۔ یہی بارہویں مہدی ہیں جن کا انتظار تھا اور کہتے ہیں کہ وہ مرے نہیں بلکہ چھپ رہے ہیں۔ آخر زمانہ میں آئیں گے تو زمین کو عدل سے بھریں گے۔ ابو منصور العجلی کہتا تھا کہ محمد بن علی الباقر کا انتظار ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہی خلیفہ ہیں اور ان کو بالفعل آسمان پر لے گئے ہیں۔ وہاں پروردگار نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور قرآن میں جو آسمان سے ﴿كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا﴾ [1] (گرا ہوا ٹکڑا) آیا ہے وہ یہی ہیں۔

روافض میں سے ایک فرقہ جناحیہ کہلاتا ہے جو عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ذی

[1] ۵۲/ الطور: ۴۴۔

الجناحین کے مریدین تھے۔ان کا یہ قول تھا کہ الہ کی روح نے انبیا علیہم السلام کی پشت میں دورہ کیا۔ یہاں تک کہ عبداللہ مذکور کی نوبت پہنچی۔اور یہ شخص مرانہیں بلکہ اسی مہدی کا انتظار ہے۔ انہیں میں سے ایک فرقہ غرابیہ ہے۔ جواس کے حق میں نبوت کی شرکت ظاہر کرتے ہیں۔ایک گروہ مفوضہ کہلاتا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے باقی عالم کا پیدا کرنا ان کے اختیار میں سپرد کیا۔ایک گروہ کوذمیہ (ذمامیہ) کہتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مذمت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کو حکم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وحی پہنچائیں۔انہوں نے محمد کو پہنچائی۔ان میں سے بعضے کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا کہ ان کی میراث نہ دی۔

روایت ہے کہ سفاح عباسی نے ایک روز خطبہ شروع کیا تو ایک شخص نے جو اپنے آپ کو آل علی میں سے کہلاتا تھا عرض کیا کہ یا امیر المومنین! جس نے مجھ پر ظلم کیا وہ مظلمہ مجھے واپس کرا دیجیے۔سفاح نے کہا کہ کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے۔اس نے کہا کہ میں اولاد علی میں سے ہوں اور مجھ پر ظلم یہ کہ ابوبکر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک نہیں دیا۔'' خلاصہ یہ کہ فدک مجھے دلوادو''۔سفاح نے کہا کہ پھر ابوبکر کے بعد کون شخص ہوا اس نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ۔سفاح نے کہا، وہ بھی برابر ظلم پر رہے؟ کہاں کہ ہاں۔سفاح نے کہا کہ پھر کون شخص خلیفہ ہوا؟ کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ۔سفاح نے کہا کہ وہ بھی بدستور ظلم پر رہے؟ کہا کہ ہاں سفاح نے کہا کہ پھر عثمان کے بعد کون شخص ہوا؟ راوی نے کہا کہ اب اس رافضی کو ہوش آیا تو اس نے جواب چھوڑ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا کہ میں کس طرف بھاگوں۔(سفاح نے کہا کہ اگر یہ پہلا خطبہ نہ ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا جس میں تیری دونوں آنکھیں ہیں)

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس نے رافضی مذہب بنایا اس کی اصلی غرض یہ تھی کہ دین اسلام میں اور دراصل نبوت محمدی میں طعن کر کے مٹا دے۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعتقاد حق لائے وہ ہماری نظر سے غائب چیز ہے۔(اور ہم نے آپ کی زبان سے کچھ سنا بھی نہیں ہے) بلکہ ہمارا بھروسہ فقط سلف صالحین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین بالاحسان کے منقول پر اور دیکھنے والوں کی جودت نظر پر ہے۔یعنی ان بزرگوں نے اپنی خوبی نظر سے ان کو بزرگ پیغمبر پایا تھا تو ان کی جودت نظر پر بھی ہمارا بھروسہ ہے۔ان دونوں باتوں سے ہمارا یہ

حال ہے کہ گویا ہم خود دیکھتے ہیں جب کہ ہمارے لیے ایسے اکابر نے دیکھ لیا تھا جن کی بزرگی دین وکمالِ عقل و جودتِ نظر پر ہمارا بھروسہ ہے۔ پس رافضی مذہب کے بانی نے بہکایا کہ جن پر تم یہ وثوق واعتماد کرتے ہو انہوں نے پیغمبر ﷺ کی وفات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ان کے خاندان پر خلافت کا ظلم کیا۔ اوران کی بیٹی پر میراث کا ظلم کیا۔ تو یہ بات جب ہوسکتی ہے کہ جس کے حین حیات میں اس کی نبوت کا اعتقاد تھا وہ ان کی نظر میں ٹھیک شخص نہ تھا۔ اس لیے کہ جن کے حق میں سچا اعتقاد ہوتا ہے خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے حق میں تو یہ واجب کرتا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے قوانین مقررہ کی حفاظت لازم سمجھی جائے۔ خصوصاً اس کے اہل وعیال واولاد کے حق میں اس کے قواعد کے موافق احترام ضروری ہوتا ہے۔ پس جب فرقۂ رافضہ نے کہا کہ انہوں نے بعد نبی ﷺ کے یہ باتیں حلال سمجھیں تو اس فرقہ نے گویا صاف صاف یہ بہکایا کہ جو شریعت تم کو پہنچی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ سے ہم کو پہنچنے میں سوائے منقول طریقہ کے دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہم سے نقل کیا اور ہم نے ان کے بیان پر اعتماد کیا۔ پھر جب رافضی کے اعتقاد پر یہ لوگ جس کو پیغمبر بیان کرتے ہیں، اس کی موت کے بعد ان کے فعل کا محصول یہ ٹھہرا۔ تو ان کے منقول اعتقادات وشریعت پر اعتبار نہ رہا۔ اور جن عقلاء کے اتباع پر اعتماد کر کے شریعت پر جزم کیا گیا تھا اس سے بداعتقادی ہو جائے اور یقین جاتا رہے گا اور یہ دغدغہ پیدا ہوگا کہ جن کے اعتماد پر شریعت کا انحصار ہے شاید انہوں نے ایسی کوئی بات نہ دیکھی جس سے اتباع وایمان فرض ہو، لیکن یہ مصلحت اس کی زندگی تک رعایت رکھی۔ اور اس کے مرتے ہی اس کی شریعت سے منحرف ہو گئے اور ان بے شمار لوگوں میں سے کوئی تابع نہ رہا۔ سوائے دو چار کے جو اس شخص کے گھر والے تھے تو لامحالہ رافضی کے مکر کا یہی نتیجہ ہے کہ اعتقادات مٹ جائیں اور اصل ایمان کی روایات قبول کرنے سے سب کے جی سست ہو جائیں اور معجزات کی روایات نہ مانیں۔ ابن عقیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس مکار فرقہ کا فتنہ بھی اسلام میں سخت مصیبت ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ ابن عقیل نے جس امر کا اشارہ کیا بہت قوی خیال ہے کہ فرقہ رافضہ کا بانی اس طرح شیطان کے پنجے میں احمق ہے کہ اگر

اس نے دین اسلام مٹانے کا قصد نہ کیا تو حماقت سے اس نے یہ کام کیا۔ کیوں کہ اعتقاد حق بدون قطعی روایت کے ثبوت نہیں ہوسکتا ہے اور جب معدودے چند اہل بیت میں سے بیان کرتے ہیں تو ان کے بیان سے کچھ ثبوت نہیں ہوسکتا کیوں کہ افراد ہیں اور خود پیغمبر کو اللہ تعالیٰ معجزات سے قوت دیتا ہے۔ اور رافضی تو ان کے معارضہ میں باقیوں کے منحرف ہو جانے کا مدعی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ قرآن بھی امام مہدی کے ساتھ غائب ہو جانے کا دعویٰ کرتا ہے تو بالکل دین سے بے نصیب رہ گیا۔ رہا یہ دعویٰ کہ اہلبیت رضی اللہ عنہم میں سے جو اسلام پر رہے یہ سب معصوم تھے اس بیہودہ دعوے سے اس نے یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل شرک پر کیا ثبوت کیا؟ کیوں کہ اگر وہ لوگ دعویٰ مان لیں تو پہلا دعویٰ نبوت ہی مان لیں۔ پس اس فرقہ سے زیادہ احمق و دشمن اسلام ظاہر نہیں ہوا۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فرقہ رافضہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوستی کا دعویٰ کا جذبہ یہاں تک بڑھایا کہ آپ کے فضائل میں اپنی طرف سے بہت سی روایتیں گھڑ لیں۔ جن میں ان کی نادانی سے بکثرت ایسی ہیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذمت وایذ انکلتی ہے۔ میں نے کتاب الموضوعات میں اس قسم کی موضوعات بہت سی لکھ دی ہیں۔ منجملہ ان کی موضوعات کے یہ ہے کہ آفتاب غروب ہوگیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر جاتی رہی۔ پھر ان کے لیے دوبارہ پھیر دیا گیا۔ اور یہ من حیث النقل ایسی حالت میں ہے کہ کسی ثقہ راوی نے اس کو نہیں روایت کیا، اور من حیث المعنی بھی باطل ہے اس لیے جب پہلے آفتاب ڈوب گیا تو وقت عصر جاتا رہا۔ پھر اگر وہ دوبارہ طلوع کر دیا تو یہ جدید وقت پیدا کیا گیا۔ ازانجملہ یہ کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود غسل کیا۔ پھر انتقال کا وقت آیا تو وصیت کی کہ میرے لیے اسی غسل پر اکتفا کیا جائے اور دوبارہ غسل میت نہ دیا جائے۔ یہ موضوع من حیث النقل تو جھوٹ ظاہر ہے اور من حیث المعنے اس فرقہ کی حماقت ہے۔ کیوں کہ موت حادثات ہونے سے غسل لازم آتا ہے تو بھلا موت سے پہلے غسل سے کیا فائدہ ہوگا۔ پھر اس کے علاوہ ان کے خرافات بہت کثرت سے ہیں جن کے لیے کچھ سند نہیں ہے۔

فقہ میں بھی ان کے مذاہب بدعتیہ عجیب ہیں جو اجماع کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ

کے خط میں نقل کیے جاتے ہیں۔ ابن عقیل نے کہا کہ میں نے مرتضیٰ کی کتاب سے ان کو نقل کیا۔ جس نے متفردات امامیہ کے بیان میں لکھا ہے از انجملہ یہ کہ جو چیز زمین و نباتات نہ ہو اس پر سجدہ جائز نہیں ہے۔ ڈھیلے سے استنجاء فقط پاخانہ میں جائز ہے پیشاب میں جائز نہیں ہے۔ سر کا مسح جائز نہیں ہے مگر اسی تری سے جو ہاتھ میں رہ گئی ہے اور اگر جدید پانی لے کر ہاتھ تر کیا تو اس سے سر کا مسح جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر تری باقی نہ رہی تو دوبارہ وضو شروع کرے۔ اور کہا کہ اگر کسی مرد نے ایک عورت جس کا خاوند موجود ہے زنا کیا تو یہ عورت زانی پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دیدے تو بھی زانی اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس فرقہ نے کتابیات کو حرام ٹھہرایا۔ کہا کہ اگر طلاق کسی شرط پر رکھی اور وہ شرط پائی گئی تو طلاق نہیں پڑے گی۔ کہا کہ جب تک دو گواہ عادل موجود نہ ہوں تب تک طلاق نہیں پڑتی۔ کہا کہ جو شخص آدھی رات تک بغیر عشاء پڑھے سوتا رہے تو اس پر قضا واجب ہوگی۔ جب جاگے تو اس قصور کے واسطے صبح کو روزہ سے اٹھے تاکہ کفارہ ہو۔ عورت نے اگر اپنے بال کاٹے تو اس پر خطا کا کفارہ لازم ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی یا زوجہ یا شوہر کے مرگ میں کپڑے پھاڑے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کر لیا حالانکہ اس کا شوہر موجود تھا مگر وہ نہ جانتا تھا تو اس پر پانچ درم کفارہ لازم ہوگا۔ شراب خور اگر دو مرتبہ حد مارا گیا تو تیسری مرتبہ قتل کر دیا جائے۔ جو کوئی فقاع پیئے تو اس پر شراب کی طرح حد ماری جائے۔ چور کا ہاتھ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹا جائے، اور ہتھیلی باقی رکھی جائے۔ اور اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے اگر تیسری بار چوری کرے تو ہمیشہ کے لیے قید خانہ میں ڈال دیا جائے حتی کہ مر جائے۔ روافض نے بام مچھلی کو اور اہل کتاب کے ذبائح کو حرام رکھا۔ اور ذبح کرنے میں انہوں نے یہ شرط رکھی کہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور بہت سے قیود لگائے جن کے ذکر میں بے فائدہ طول ہے اور سب مخالف اجماع ہیں۔ شیطان نے ان کو تلبیس میں لیا کہ بغیر سند کے اور بدون اثر و قیاس کے انہوں نے یہ احکام بنائے ہیں۔ روافض کی قبیح باتیں شمار سے باہر ہیں۔ (مصنف نے تو انہی مسائل پر تعجب کیا اور مابعد کے روافض کے مسائل اگر کوئی سنے تو ان کی ضلالت میں شک کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے)۔ مصنف نے لکھا کہ روافض نماز سے محروم

ہوئے کیوں کہ وہ وضو میں پاؤں نہیں دھوتے اور جماعت سے محروم ہوئے کیوں کہ امام معصوم ڈھونڈتے رہتے ہیں (جس کا ملنا محال ہے) اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کے وبال میں مبتلا ہوئے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم لوگ میرے اصحاب کو برا نہ کہنا کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف کے برابر نہ پہنچے گا۔'' [1] عبدالرحمٰن بن سالم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے برگزیدہ کیا اور میرے واسطے میرے اصحاب برگزیدہ فرمائے۔ وہ میرے لیے وزیر و انصار و اصہار بنائے، [2] تو جو کوئی ان کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ و ملائکہ سب لوگوں کی لعنت ہے ایسے (بدگو) سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز صرف و عدل کچھ قبول نہ کرے گا۔'' [3] مصنف نے کہا کہ صرف سے مراد نفل اور عدل سے مراد فریضہ ہے۔

سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا گزر ایک جماعت کی طرف (کوفہ میں) ہوا۔ جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے اور ان کی شان میں کچھ نقص ظاہر کرتے تھے۔ پس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا اور میں نے بیان کیا کہ یا امیر المومنین! آپ کے چند لشکریوں کی طرف میرا گزر ہوا تو وہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں ایسی باتیں بیان کر رہے تھے جو ان دونوں کی شان کے لائق نہیں ہیں اور شاید ان کو یہ جرأت اس گمان پر ہے کہ آپ کے دل میں بھی ان بزرگوں کی طرف سے یہی خیال ہے ورنہ علانیہ اس طرح کیوں کر بیان کرتے۔ حضرت

---

[1] بخاری: کتاب فضائل الصحابۃ، باب قول النبیؐ، لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيْلاً...... رقم ۳۶۷۳۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب تحریم سب الصحابۃؓ، رقم ۶۴۸۷، ۶۴۸۸۔ ابوداود: کتاب السنۃ، باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہؐ، رقم ۴۶۵۸۔ ترمذی: کتاب المناقب، باب فیمن سب اصحاب النبی، رقم ۳۸۶۱۔ ابن ماجۃ: المقدمۃ، باب فضل اھل بدر، رقم ۱۶۱۔ مسند احمد: ۳/ ۱۱، ۵۴، ۶۳، ۶۴۔ [2] یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ خلیفہ مقرر کرتے ہیں وہ بہت سخت مزاج ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں بلکہ جس کو آپ خلیفہ مقرر کریں وہی ہمارا پسندیدہ ہے۔

[3] مستدرک الحاکم: ۳/ ۶۳۲ کتاب معرفۃ الصحابۃ، رقم ۶۶۵۵۔ مجمع الزوائد: ۱۰/ ۱۷، کتاب المناقب۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۷/ ۱۴۰، رقم ۳۴۹۔ کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۲/ ۴۸۳، باب فی ذکر الرافضۃ، رقم ۱۰۰۴۔ حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۱۱، رقم ۱۴۶۳۔ (فی ترجمۃ عویم بن ساعدۃ الانصاری) اور دیکھیے ضعیف الجامع الصغیر: ۲/ ۶۸، رقم ۱۵۳۶۔

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَعُوْذُ بِاللہِ، اَعُوْذُ بِاللہِ میں خدا کی پناہ لیتا ہوں۔ اللہ کی پناہ اس امر سے کہ میں ان کی طرف سے دل میں کوئی برائی مضمر کروں، بلکہ میں تو ان کی طرف سے دل میں وہی محبت رکھتا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اور جو کوئی ان کی طرف سے سوائے بہتر وخوبی کے کوئی بات دل میں مضمر کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ وہ دونوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، برادر اور وزیر تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ پھر اسی طرح آبدیدہ روتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر مسجد میں داخل ہو کر منبر پر چڑھے اور اچھی طرح تمکن سے اس پر بیٹھ گئے۔ اس وقت اپنی سفید داڑھی ہاتھ میں لیے ہوئے اس (داڑھی) کی طرف نگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ آ کر آپ کے گرد جمع ہوئے۔ پھر کھڑے ہو کر مختصر موجز بلیغ خطبہ سے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا کہ بعض اقوام کی یہ کیا حرکت ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو جو قریش (مہاجرین) کے سردار اور مسلمانوں کے باپ ہیں ایسے نقص سے ذکر کرتے ہیں کہ میں اس سے بری و بیزار ہوں۔ اور ان لوگوں کی ایسی گفتگو پر سزا دوں گا۔ خبردار ہو جاؤ، قسم اس پاک عزوجل کی! جس نے دانہ اُگایا اور انسان پیدا کیا ہے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے وہی محبت کرے گا جو مومن متقی ہے۔ اور ان دونوں سے وہی بغض رکھے گا جو فاجر ردی ہے۔ ان دونوں نے کامل صدق و وفا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق صحبت ادا کیا، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے و حکم سے تجاوز نہ کیا۔ درحالیکہ امر بالمعروف کرتے رہے اور منکر سے منع کرتے رہے اور غصے بھی ہوتے اور سزا بھی دیتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے تجاوز نہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے جیسے محبت کرتے ویسی کسی سے نہیں رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں سفر اختیار فرمایا کہ ان دونوں سے بہت راضی تھے، پھر ان دونوں نے سفر آخرت اختیار کیا اس حالت میں کہ سب مومنین ان سے بہت راضی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ (یعنی مرض وفات میں) تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مومنوں کو نماز پڑھائیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نو دن تک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مومنوں کو نماز پڑھائی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا اور اپنے یہاں کی نعمت آپ کے لیے پسند فرمائی تو مومنوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا متولی و خلیفۂ رسول اللہ بنا لیا اور (مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) ابو

بکر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ سپرد کی اور خوشی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کی، جس میں کسی قسم کی زبردستی نہ تھی۔ اور میں بنی عبدالمطلب میں سے پہلا شخص ہوں جس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا طریقہ شروع کیا۔ باوجود یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خود اس خلافت کی خوشی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی شخص اس کام کی کفایت کرے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ باقی رہے تھے واللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بہتر تھے۔ رحمت کی صفت میں سب سے بڑھ کر رحیم تھے۔ اور بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن میں بھی باقیوں سے بڑے تھے اور ایمان لانے میں بھی سب سے مقدم تھے۔ اور رأفت و رحمت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی فضیلت رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہ کیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اسی طریقہ پر منزل مقصود کو چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، پھر ان کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متولی و خلیفہ ہوئے اور میں ان لوگوں میں سے تھا جو ان کے خلیفہ ہونے پر (ابتدا سے) راضی ہوئے تھے۔ پس عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے یار غار کے طریقہ پر بہت ٹھیک قائم رکھا کہ ہر معاملہ میں انہیں دونوں سابقین کے نشان قدم پر چلتے رہے۔ جیسے اونٹنی کے پیچھے اس کا بچہ قدم بقدم چلتا ہے۔ بے شک واللہ عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شان تھی کہ مومنین و ضعفاء پر نرمی و رحمت رکھنے والے اور ظالموں پر سخت و شدید تھے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حق ان کی زبان پر رواں کیا تھا۔ صدق ان کی ہر شان سے ظاہر فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ واللہ ہم لوگ گمان رکھتے تھے کہ کوئی خدائی فرشتہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بولتا ہے۔ جب وہ اسلام لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اسلام کو عزت دیدی اور ان کی ہجرت مدینہ سے دین کا قوام ایسا مضبوط ہوا کہ مدینہ کے منافقوں کے دلوں میں ان کی طرف سے خوف سما گیا اور مومنوں کے دلوں میں ان کی محبت بھر گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جبرائیل علیہ السلام سے تشبیہ دی کہ دشمنان خدا و رسول پر بہت سخت و شدید تھے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں اصحاب پر رحمت فرمائے۔ اور ہم کو ان ہی کے طریقے پر اپنی منزل مقصود کو پہنچ جانا نصیب کرے۔ اب ان دونوں کی مثل تمہارے واسطے کون ہے۔ آگاہ رہو کہ جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہو وہ ضرور ان

دونوں سے محبت کرے۔ اور جو کوئی ان دونوں سے محبت نہ کرے تو واللہ اس نے مجھ سے بغض ودشمنی کی اور میں بھی اس سے بیزار ہوں۔ اگر میں نے پہلے سے یہ بات تم سے کہہ دی ہوتی تو اس وقت جب میں نے بعض لوگوں کی بدگوئی سنی تھی تو بدگو کو سخت سزا دیتا۔ اب خبردار رہو کہ اگر آئندہ میں نے کسی بدگو کا حال سنا اور وہ ثابت ہو گیا تو اس پر سزائے شدید قائم کروں گا جو مفتری کی حد ہے۔ (یعنی پاک و پاکیزہ مرد عورت کو بہتان لگانے والے کی سزا اسی کوڑے) آگاہ رہو کہ اس امت میں بعد نبی ﷺ کے سب سے بہتر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر ان کے بعد اللہ جانے کہ بہتری کہاں ہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللهَ لِیْ وَلَکُمْ

ابوسلیمان ہمدانی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہو گی جو ہمارے شیعہ دوست دار ہونا ظاہر کریں گے۔ بدگوئی کریں گے۔ وہ رافضہ کہلائیں گے۔ وہ لوگ ہرگز ہمارے شیعہ نہیں ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو برا کہیں گے۔ ان کو تم جہاں کہیں پاؤ قتل کرنا کیوں کہ وہ لوگ مشرک ہیں۔

باطنیہ فرقہ پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ باطنیہ ایک فرقہ ہے جس نے اسلام کے پردے میں اپنے آپ کو چھپایا، اور رفض کی طرف جھکے، ان کے عقائد و اعمال سب اسلام سے بالکل مخالف ہیں۔ چنانچہ ان کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ صانع بے کار ہے، نبوت باطل ہے۔ عبادات بے فائدہ ہیں اور بعث وحشر دھوکا ہے، لیکن وہ لوگ ابتدا میں یہ سب باتیں کسی سے ظاہر نہیں کرتے۔ بلکہ ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے اور محمد رسول ﷺ ہیں اور دین صحیح ہے لیکن باطن میں خفیہ ان سب سے منکر ہیں۔ ابلیس نے ان کو اپنا مسخرہ بنایا ہے اور پورا مسخرہ کر لیا اور عجب طرح کے واہی مذاہب ان پر رچائے ہیں۔ ان کے آٹھ نام ہیں۔

اول باطنیہ: یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ لوگ کہتے ہیں قرآن وحدیث کے باطنی معنی بھی ہیں اور وہ مغز ہیں۔ اور ظاہری معنی چھلکا ہیں اور قرآن نے اپنی ظاہری صورت سے جاہلوں کو

ان مسائل میں پھانسا ہے اور وہ عاقلوں کے نزدیک رموز واشارات بحقائق خفیہ ہیں اور جس شخص کی عقل ان تک نہ پہنچے تو وہ ظاہری تکلیفات شرع میں گرفتار رہے گا اور جو کوئی علم باطن تک پہنچ گیا اس سے تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول

﴿وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ إِصۡرَهُمۡ﴾ [1] ''میں یہی لوگ مراد ہیں''

اس گمراہ فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس ذریعہ سے جب ظاہری احکام کا موجب نہ رہا تو شریعت کو مٹانے پر قابو حاصل ہوگا۔

دوم اسماعیلیہ: یہ نام اس لیے پڑا کہ ان کا یہ زعم ہے کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہیں۔ (صحیح نام اسمٰعیل بن جعفر بن محمد الباقر ہے) اور یہ لوگ مدعی ہیں کہ امامت کا دورہ اسی بزرگ پر منتہی ہوا ہے۔ کیوں کہ یہ شخص ساتواں ہے اور ساتویں پر خاتمہ ہوتا ہے۔ اس لیے آسمان سات ہیں اور زمین سات اور ہفتہ کے سات دن ہیں تو امامت کا دورہ بھی ساتویں پر تمام ہوا۔ اسی طرح منصور عباس سے اسی معاملہ کا تعلق ہوا۔ چنانچہ عباس پھر ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہما، پھر علی بن عبداللہ، پھر محمد بن علی، پھر ابراہیم بن محمد، پھر سفاح، پھر منصور۔ یعنی منصور ساتواں پڑتا ہے۔ ابوجعفر طبری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ راوندیہ میں سے ایک شخص ان کے پاس آیا اور زعم کیا کہ تو ہی وہ روح ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہوئی تھی اور اس شخص کو ابلق کہا کرتے تھے۔ کیوں کہ جا بجا اس پر برص کے داغ تھے، پھر یہ شخص گیا اور راوندیہ کو اس گمراہی کی طرف بلایا، اور بیان کیا کہ جو روح عیسیٰ بن مریم میں تھی وہ علی بن ابی طالب میں آئی۔ پھر یکے بعد دیگرے اماموں میں آتی رہی۔ یہاں تک کہ ابراہیم بن محمد میں پہنچی۔ اس فرقہ نے محرمہ عورتوں وغیرہ کو حلال کر لیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض شخص ایک جماعت کو دعوت کے لیے اپنے یہاں بلاتا اور ان کو کھانا کھلا کر شراب پلا کر اپنی عورتوں کے پاس پہنچا دیتا۔ یہ خبر اسد بن عبداللہ کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کو قتل کر کے سولی دے دی۔ لیکن اب تک ان میں جو لوگ باقی ہیں ان کا یہی طریقہ ہے اور ابوجعفر (منصور) کی

---

[1] اور وہ (رسول) ان پر سے بوجھ اتارتا ہے۔ ۷/ الاعراف: ۱۵۷۔

بندگی کرتے ہیں۔انہوں نے خضراء پر چڑھ کر وہاں سے ہاتھ پھٹپھٹائے، جیسے چڑیاں (اڑنے کے لیے) بازو پھڑ کاتی ہیں گویا یہ لوگ اڑتے تھے اور اپنے آپ کو نیچے گرایا اور ہنوز زمین تک نہ پہنچے تھے کہ مر گئے۔ان کی جماعت ہتھیار بند ہو کر لوگوں پر نکلی اور چلانے لگی کہ اے ابو جعفر تم ہو،تم ہو۔

تیسرا نام سبعیہ ہے: یہ لقب دو وجہ سے دیا گیا (ایک) یہ کہ ان کا اعتقاد ہے کہ امامت کا دورہ سات سات ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا اور ساتویں پر انتہا ہوتی ہے اور یہ آخری دورہ ہے۔قیامت سے یہی مراد ہے۔اور دورے اسی طرح بے انتہا چلے جائیں گے، اور قیامتیں ہر سات کے ختم پر ہوتی رہیں گی۔کہیں خاتمہ نہ ہوگا۔وجہ (دوم) یہ کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم ارضی کی تدبیر سات ستاروں کے حوالے ہے۔یعنی زحل ومشتری ومریخ وآفتاب وزہرہ وعطارد وقمر اور یہ اسی ترتیب سے ہیں۔

چوتھا نام بابکیہ: یہ ان میں سے ایک گروہ کا لقب ہے۔یہ لوگ بابک خرمی مجوسی کے تابع تھے وہ باطنیہ میں سے تھا۔اس کی اصلیت یہ تھی کہ وہ ولد الزنا تھا اور آذر بیجان کے نواح میں ایک پہاڑ ۲۰۱ھ میں ظہر ہوا۔بکثرت خلقت اس کے تابع ہوگئی اور اس کا زور کثرت سے بڑھ گیا اور اس نے ممنوعات کو حلال کر لیا۔جب اس کو خبر ملتی کہ فلاں کے پاس خوب صورت دختر ہے، یا بہن ہے تو اس سے طلب کرتا۔اگر اس نے بھیج دی تو خیر، ورنہ اس کو گرفتار کر کے مار ڈالتا اور عورت کو لے لیتا۔اسی حرام زدگی پر بیس برس تک ان پہاڑی قلعوں پر قابض رہا۔اس نے دو لاکھ پچپن ہزار پانچ سو...... آدمی قتل کیے۔سلطان نے اس سے لڑائی کی۔لیکن اس (بابک) نے بہت سے لشکروں کو بھگا دیا۔آخر معتصم نے افشین سردار کو اس کے ساتھ جنگ کرنے پر مامور کیا۔افشین نے بابک کو گرفتار کر کے مع اس کے بھائی کے 223ھ میں بغداد روانہ کیا۔اس وقت اس کے بھائی نے کہا کہ اے بابک تو نے وہ کام کیا جو کسی نے نہیں کیا۔اب تجھے ایسا ہی صبر بھی کرنا چاہیے جو کسی نے نہ کیا ہو۔بابک نے کہا کہ اچھا تو میرا صبر دیکھے گا۔معتصم نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کا حکم دیا تو اس نے خون سے اپنا منہ رنگ لیا اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ایسا نہ ہو میرے چہرے پر زردی نظر آئے تو یہ کہا جائے کہ بابک موت سے ڈر گیا۔اس کے

چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، گردن ماری گئی اور آگ میں جلا دیا گیا۔اس کے بھائی کا بھی یہی انجام ہوا اور باوجود اس سختی کے ان میں سے کسی کے منہ سے چیخ کی آواز نہیں نکلی۔مصنف نے کہا کہ بابکیہ میں سے ایک جماعت باقی رہی ہے۔کہتے ہیں کہ سال میں ان کی ایک رات خوشی کی مقرر ہے۔اس میں عورتیں اور مرد سب ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں آخر چراغوں کو گل کر دیتے ہیں۔اور ہر ایک مرد دوڑ کر ایک عورت کو گرفتار کر کے اس کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔تاویل یہ کرتا ہے کہ حلال ہونا بطور شکار کے ہے کیوں کہ شکار مباح ہے۔

پانچواں نام محمرہ ہے۔اس لیے کہ انہوں نے بابک کے زمانہ میں اپنے کپڑے سرخ رنگے تھے۔

چھٹا نام قرامطہ ہے۔اس نام کی وجہ تسمیہ مورخین کے نزدیک دو ہیں۔ایک کہ خراسان کا ایک شخص سوادِ کوفہ میں گیا۔وہاں عابد زاہد بن گیا اور لوگوں کو اہل بیت کے امام کی طرف بلایا، اور ایک شخص مسمّٰی کرمتیہ کے یہاں اترا تھا۔جس کی آنکھ کی سرخی کی وجہ سے کرمتیہ کہتے تھے اس لیے کہ دیہات کی زبان میں اس کے یہی معنی ہیں۔پھر اس نواح کے سردار نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا اور قفل کی کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لی۔سردار کی لونڈی نے ترس کھا کر کنجی نکال کر قید خانہ کھلوا کر اس کو بھگا دیا اور دروازہ بند کر کے کنجی بدستور اپنی جگہ رکھ دی۔صبح کو جب یہ امر مشہور ہوا تو لوگ زیادہ معتقد ہو کر فتنہ میں پڑے۔شخص مذکور شام میں پہنچا اور وہاں اپنے میزبان کرمتیہ کے نام سے منسوب ہوا۔(تاکہ سواد کوفہ والے اس نام سے وہاں پہنچ جائیں) رفتہ رفتہ مخفف ہو کر کرمتہ اور معرب ہو کر قرامطہ ہو گیا۔اس کے بعد اس کی اولاد و اقارب وہاں باقی رہے۔قول دوم یہ کہ یہ نسبت ایک شخص کی طرف ہے جس کو حمدان قرمط کہتے تھے وہ ابتدا میں باطنیہ کا ایک داعی تھا۔اس کا کہنا ایک جماعت نے مان لیا تو وہ قرمطی کہلائے۔یہ شخص پہلے تو زہد و فقر کی طرف مائل تھا لیکن جاہل تھا، کوفہ کا رہنے والا تھا۔اتفاقاً وہاں سے ایک گاؤں کو جاتا تھا اور گاؤں کا گلہ اپنے ساتھ لیے جاتا تھا۔راہ میں اس کو باطنیہ فرقہ کا ایک شخص مل گیا وہ بھی اسی گاؤں کا قصد رکھتا تھا تو حمدان نے اس باطنی سے جو باطنیہ فرقہ کی طرف لوگوں کو دعوت کیا کرتا تھا، پوچھا کہ آپ کہیں جائیں گے۔اور اس کو یہ

نہیں معلوم تھا کہ یہ باطنیہ کا داعی ہے۔ داعی نے اس گاؤں کا نام لیا جس میں حمدان جاتا تھا۔ حمدان نے کہا کہ آپ ان گایوں میں سے ایک گائے پر سوار ہولیں تاکہ تھک نہ جائیں۔ داعی نے کہا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ حمدان نے کہا کہ آپ کوئی کام بغیر حکم کے نہیں کرتے۔ پھر آپ کس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ داعی نے کہا کہ میں اپنے مالک اور تیرے مالک اور دنیا و آخرت کے مالک کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ حمدان نے کہا کہ پھر تو یہ اللہ رب العالمین ہے۔ باطنی کذاب منافق نے کہا کہ ہاں تو نے سچ کہا۔ حمدان نے پوچھا کہ جس گاؤں میں آپ جاتے ہیں وہاں آپ کا کیا مقصد ہے داعی نے کہا کہ لوگوں کو جہالت سے علم کی جانب اور گمراہی سے ہدایت کی جانب اور شقاوت سے سعادت کی جانب لاؤں۔ اور ان کو ذلت و فقیری کے گرداب سے نکالوں اور ان کو اس قدر دیدوں جس کی وجہ سے گداگری سے تونگر ہو جائیں۔ حمدان نے کہا کہ خدا آپ کا بھلا کرے، مجھے بھی اس گرداب جہالت سے نکال لیجئے۔ اور ایسے علم کا فیضان مجھ پر فرمائیے۔ داعی مکار نے کہا کہ مجھے یہ حکم نہیں ہے کہ حقیقت کا بھید ہر شخص سے ظاہر کروں جب تک اس پر بھروسہ نہ کرلوں، اور اس سے عہد نہ لے لوں۔ حمدان نے کہا کہ آپ اپنا عہد ذکر کیجیے میں دل و جان سے اس کو لازم کرلوں گا۔ داعی نے کہا کہ تو میرے لیے اور امام وقت کے لیے اپنی جان پر اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق رکھ کر تو امام کا بھید جو میں تجھ سے ظاہر کروں وہ کسی سے بیان نہ کر اور میرا بھید بھی کسی سے مت کہہ۔ حمدان نے اسی طرح عہد و میثاق دیا، پھر داعی نے اس کو ضلالت کے فنون سے تعلیم دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اس کو راہ سے گمراہ کرلیا۔ پھر یہ شخص حمدان خود اس گمراہی کا ایک جاہل پیشوا بن گیا اور اس بدعت کا سرغنہ ہوگیا۔ اس کے تابعین اسی کے نام سے قرمطیہ یا قرامطہ کہلانے لگے اور اس کے بعد برابر اس کی اولاد و نسل سے قائم مقام ہوتے رہے۔ ان میں سے سخت جنگی مکار ایک شخص ابوسعید قرمطی تھا جو ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا۔ اس نے بڑا غلبہ حاصل کیا۔ بے شمار آدمی قتل کیے۔ بہت سی مسجدیں منہدم کیں۔ صدہا قرآن مجید جلا دیئے۔ حاجیوں کے بہت سے قافلے لوٹ لیے۔ اپنے لوگوں کے لیے نئے نئے طریقے نکالے اور بہت سی محال باتوں کو ان کے ذہن نشین کیا۔ جب لڑائی لڑتا تو کہتا کہ مجھے اسی دم فتح و ظفر کا

وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کی قبر پر قبہ بنایا اور اس پر گچ کی ایک چڑیا بنائی اور لوگوں کو بہکایا کہ جب یہ چڑیا اڑے گی تو اسی زمانہ میں ابوسعید اپنی قبر سے نکلے گا۔ ان گمراہوں نے اس کی قبر کے پاس گھوڑا و جوڑا و ہتھیار رکھے تھے۔ ابلیس نے اس گمراہ فرقے کے خیال میں یہ بات جمائی کہ جو مرا اور اس کی قبر کے پاس گھوڑا بندھا تو وہ جب اٹھے گا تو سوار ہوگا اور گھوڑا نہ باندھا گیا تو پیادہ ٹھوکریں کھائے گا۔ ابوسعید مذکور کے تابعین گمراہ جب اس کا نام آتا تو درود پڑھتے اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک پر درود نہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم رزق ابوسعید کا کھائیں تو کیوں ابوالقاسم (محمد ﷺ) پر درود پڑھیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابوطاہر قائم مقام ہوا اور اسی کے مانند بدکاریاں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اچانک اس نے کعبہ پر ہجوم کیا اور وہاں جو کچھ چڑھاوا تھا سب لوٹ لیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے شہر میں لے گیا اور لوگوں کے ذہن میں جمایا کہ وہ خود اللہ ہے۔

ساتواں نام خرمیہ ہے: خرم عجمی لفظ ہے جس کے معنی لذیذ عیش کی چیز جس کے واسطے آدمی کا نفس راغب ہوتا ہے۔ اس نام سے قصد یہ تھا کہ لوگ ہر قسم کی لذت و شہوت حاصل کریں جس طرح ان کو حاصل ہو سکے اور شرع میں جس پرہیزگاری و پاکیزگی کے لیے انسان مہذب کیا گیا ہے یہ سب ترک کر دیا اور بندوں سے شرعی خلعت اتار ڈالے۔ اصل میں یہ لفظ مجوسی مزدکیہ فرقہ کا تھا۔ جنہوں نے مجوس کے ہر قسم کے فواحش مباح کر دیئے تھے۔ یہ لوگ قباد بادشاہ کے زمانہ میں نکلے تھے۔ دنیا کی سب عورتیں ہر شخص کے لیے مباح کر دی تھیں۔ اور ہر ممنوع چیز حلال کر دی تھی تو انہیں کی مشابہت سے اس فرقہ باطنیہ کا نام رکھا گیا کیوں کہ اگرچہ ابتدائی تصور میں باطنیہ و مزدکیہ میں اختلاف ہو، لیکن ان کے اور ان کے ایمان کا انجام ایک ہی ہے۔

آٹھواں نام تعلیمیہ ہے: یہ لقب اس لیے دیا گیا کہ ان کے مذہب کی بنیاد اسی پر ہے کہ عقل کو بالائے طاق رکھیں اور کچھ بھی سمجھ سے کام نہ لیں۔ جو کچھ امام معصوم کہے اسی کو قبول کریں۔ اسی کی تعلیم کی طرف خلق کو دعوت دیں، اور یہ کہ اسی کی تعلیم کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا۔

فصل

اس بات کا بیان کہ بہت سے لوگ اس بدعت وضلالت میں کیوں داخل ہوئے۔ یعنی اس

ضلالت کو ایجاد کرنے میں باطنیوں کا کیا مقصد تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قوم نے دین وشریعت سے جدا ہو جانے کا قصد کیا تو اس کے لیے مجوس اور مزدکیہ وثنویہ وملاحدہ فلاسفہ کے لوگوں سے مل کر مشورہ کیا کہ ایسی کوئی تدبیر نکالیں کہ اس پریشانی سے نجات ہو، جو اہل اسلام کے استیلا سے ان پر طاری ہوئی ہے۔ کیوں کہ اہل اسلام نے عمدہ دلائل سے انکار خداوند وانکار رسالت وحشر میں ان کی زبان گونگی کر دی تھی۔ ان گمراہوں نے دیکھا کہ نبوت وشریعت محمدی کا آوازہ چار دانگ عالم میں شائع ہے۔ اور یہ گمراہ کسی طرح اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو سب نے مل کر یہ تدبیر نکالی کہ اہل اسلام میں سے ایسے فرقہ کو چھانٹو جو عقل سے بدنصیب، رائے میں بودا، اور محالات کو قبول کرتا ہو اور بغیر سند کے جھوٹی باتوں کے قبول کرنے میں مشہور ہو۔ ایسا فرقہ ان کو یہ روافض مل گیا، تو یہ تدبیر نکالی کہ ظاہر میں روافض کے عقیدے میں شامل ہوں تاکہ قتلِ عام سے محفوظ ہو جائیں پھر اس فرقۂ روافض سے دوستی وچاپلوسی پیدا کریں۔ اور غم وگریہ وماتم ان واقعات مصیبت میں ظاہر کریں جو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ظالموں کے ہاتھ آئے گا۔ جن سے شریعت نقل ہو کر ان کو حاصل ہوئی ہے۔ اور جن انہیں پر لعن طعن کرنا اس فرقۂ روافض کے کانوں پر آسان ہو جائے گا، تو جو کچھ امر شریعت وقرآن انہوں نے نقل کیا ہے اس کی قدر بھی اس احمق فرقہ کے دل سے کم ہو جائے گی۔ تب بہت آسانی سے یہ موقع ملے گا کہ ان کو شریعت سے نکال کر باہر کیا جائے۔ اور اگر باوجود اس کے بھی ان میں کوئی ایسا رہے گا جو ظاہر قرآن کا پابند ہے تو اس پر یہ جال ڈال کر بہکائیں گے کہ ان ظواہر کے اسرار وباطن ہیں اور فقط ظاہر پر فریفتہ ہونا حماقت ہے اور دانائی یہ کہ حکمت وفلسفہ کے موافق ان کے اسرار پر اعتقاد ہو۔ پھر ہم اپنے عقائد ان میں داخل کر دیں گے اور کہیں گے کہ ظاہر سے مراد یہی اسرار ہیں اور اس ذریعے سے باقی قرآن سے منحرف کرنا آسان ہوگا، پھر انہوں نے عملدار آمد کے واسطے ایسے شخص کو تلاش کیا جو اپنے آپ کو اہل بیت میں سے قرار دے اور اس طریقہ رفض میں ان کا موافق ہو۔ اور دعویٰ عام یہ رکھا جائے کہ تمام امت پر اس کی متابعت واجب ہے کیوں کہ وہ خلیفہ رسول اللہ ہے۔ اور خطا ولغزش سے معصوم ہے اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کی طرح اس کو معصوم کر دیا ہے اور ان لوگوں نے یہ بھی تجویز کیا کہ اس گھڑے ہوئے معصوم خلیفہ کے قرب وجوار میں اس کی فرمانبرداری کی دعوت ظاہر نہ کی جائے کیوں کہ جس قدر گھر نزدیک ہو اسی قدر

زیادہ پردہ چاک ہوتا ہے۔اور جب مسافت دراز ہوگی اور تکلیف شدید لازم آئے گی تو جو شخص اس کی دعوت کرنے وہاں گیا ہے کب کسی کو خیال ہوگا کہ داعی کے ساتھ جا کر معصوم امام کا حال دریافت کرے۔یا اس کی حقیقت حال سے مطلع ہو (بلکہ فلسفی داعی پر اکتفا کریں گے) ان سب باتوں سے اس ملحد فرقہ کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کے مال وملک پر متولی ہو جائیں۔اور جیسے قدمائے اسلام نے ان ممالک کو فتح کر کے اموال غنیمت ان اقوام سے حاصل کئے۔اور جہادوں میں ان کے باپ دادے قتل کئے تھے تو اب حیلہ سے ان موجودہ مسلمانوں سے انتقام لیں۔یہ اس فرقہ کی ابتدا اور ان کے مقصود کی انتہا ہے (مترجم کہتا کے کہ ممالکِ ایران وغیرہ میں بعض فرقہ روافض نے اس فرقہ اسماعیلیہ باطنیہ کے بہت سے مسائل وعقائد وخرافات لیکر اپنے یہاں داخل کئے ہیں نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ.

فصل

مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ اس بدکار قوم کے حیلے لوگوں کے پھانسنے میں عجیب ہیں اور ایسے احمق کو جوان کے دام فریب میں آجائے گا۔دوسرے سے تمیز کر لیتے ہیں اور جب وہ ان کی کسوٹی پر آیا تو اس جاہل کی طبیعت دیکھتے ہیں۔اگر دیکھا کہ وہ زہد وترک دنیا کی طرف راغب ہے تو اس کو امانت وصدق گفتار وترک شہوات کی دعوت کرتے ہیں اور اگر دیکھا کہ وہ بیباکی اور شہوت کی طرف مائل ہے تو اس کو فلسفی الجھاؤ سے قائل کرتے ہیں کہ عبادت بیوقوفی اور تقوی حماقت ہے اور دانائی یہ ہے کہ نفس کو ناحق اس دنیا کی لذات سے محروم نہ کرے اور ہر مذہب والے کے نزدیک اس کے مذہب کے موافق تقریریں کر کے قائل کرتے ہیں اور جب یہ جاہل ان کے فریب میں آکر یہ شک کرنے لگتا ہے کہ وہ پہلے کیسے نادانی کے عقیدہ میں پھنسا تھا، تو ان کی دعوت قبول کر لیتا ہے۔یہ قبول کرنے والا یا تو اجڈ، سخت دل، بے وقوف ہوتا ہے یا سابق کے ایرانی بادشاہوں یا مجوس کی اولاد میں سے ہوتا ہے۔جس کے باپ دادے کی سلطنت بوجہ اسلام کے چھنی گئی، یا ایسا شخص جس کا دلی شوق یہ ہوتا ہے کہ کسی شہر یا قلعہ پر مسلط ہو جائے، لیکن زمانہ اس کی مساعدت وموافقت نہیں کرتا تو یہ لوگ اس کو وعدہ دیتے ہیں کہ ہم مال وبیباک بہادروں سے تمہاری مدد کریں گے۔یا وہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کے نفس میں عوام

الناس کے مراتب سے بڑھ جانے اور افزوں رتبہ ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اپنے خیال میں حالات پر مطلع ہونے کا قصد کرتا ہے یا وہ رافضی ہے کہ اس کے نزدیک اصحاب پیغمبر ﷺ کو گالی دینا بڑی عبادت ہے۔ یا وہ فلسفی یا ثنویہ یا حماقت سے منافقانہ دین میں متحیر ہے، یا وہ شخص ہے جس پر شرعی پابندی بوجھل معلوم ہوتی ہے۔ اور فحش لذّات کی چاٹ رکھتا ہے (تو ایسے لوگ ان باطنیہ ملاحدہ کے دام فریب میں گرفتار و خوار ہو جاتے ہیں)

ملاحدہ باطنیہ کے بعض مذہبی اعتقادات کا ذکر

شیخ ابو حامد طوسی نے کہا کہ باطنیہ ایک قوم ہے جو منہ سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے عقائد و اعمال بالکل اسلام سے مخالف و مبائن ہیں اور ظاہر میں رفض کی طرف مائل ہیں۔ ان کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدائے قدیم دو ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے وجود کی ابتدا نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس کے ایک علت ہے دوسرے کے واسطے۔ اور کہتے ہیں جو سابق ہے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود ہے یا عدم ہے نہ موجود ہے نہ معدوم ہے۔ اور نہ مجہول ہے نہ معلوم ہے اور نہ موصوف ہے نہ غیر موصوف ہے اور اسی سابق سے دوسرا پیدا ہوا۔ اور یہ اول موجود ہے پھر نفس کلیہ کا وجود ہوا۔ ان کے نزدیک نبی ایک ایسا شخص ہے جس پر خدائے اول سے بواسطہ خدائے دوم کے قوت قدسیہ صافیہ فائض ہوئی [1]۔ اور کہتے ہیں کہ جبرائیل اس عقل کو کہتے ہیں جو نبی پر فائض ہوئی۔ وہ کوئی ذات نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اسی نبی کے مثل امام معصوم ہونا چاہیے جو حق کے ساتھ قائم ہو اور وہی ظاہر کی تاویل بتلایا کرے۔ اور کہتے ہیں آخرت و قیامت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ کہتے ہیں کہ معاد کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز اپنی اصل کی طرف عود کرے اور نفس بھی اصل کی طرف عود کرتا ہے اور رہا شرع سے مکلّف ہونا تو کہتے ہیں کہ ہر چیز مطلقاً مباح ہے اور جو چیزیں حرام کہی جاتی ہیں سب مباحات (جائز) ہے لیکن جب موقع پاتے ہیں تو اس (قول) سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ ہمارا قول یہ ہے کہ انسان کے واسطے مکلّف ہونا ضروری ہے۔ مگر جب وہ حقائق اشیاء سے ماہر ہوا جو ان ظاہر نصوص کے باطنی معنی ہیں، تب اس پر کوئی تکلیف نہیں رہتی ہے۔ چونکہ وہ لوگوں کو قرآن و حدیث سے منحرف کرنے

[1] اسی قول کی بنیاد پر بہائیوں نے اپنا مذہب تراشا، خود گمراہ ہوئے اور مخلوق خدا کو گمراہی میں مبتلا کیا۔

میں عاجز تھے اس لیے یہ مکر گانٹھا کہ اپنی ملمع کی ہوئی باتوں میں پھنسا کر انہیں قرآن وحدیث سے پھیر دیں۔ اس لیے کہ اگر پہلے ہی سے قرآن وحدیث سے انکار کی تصریح کرتے تو عوام الناس قبول نہ کرتے۔ کہتے ہیں کہ جنابت جس سے غسل لازم آتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ قبول کرنے والا بھید ظاہر کرے اور غسل سے مراد یہ کہ ازسرنو اس خطا سے توبہ کر کے عہد کرے۔ زنا کے معنی یہ کہ علم باطن کا نطفہ ایسے شخص کے پیٹ میں ڈالے جس سے سابق میں عہد لیا گیا ہے، اور صوم (روزہ) کے یہ معنی ہیں کہ بھید کھولنے سے جی روک رکھے۔ کعبہ نبی ﷺ ہیں اور باب علی ہیں۔ طوفان سے مراد طوفان علم ہے، جس میں شبہ کے ساتھ تمسک کرنے والے غرق کیے گئے۔ سفینہ وہ جزیرہ ہے جس میں نوح علیہ السلام کی دعوت قبول کرنے والے محصور ہوئے تھے۔ نار ابراہیم علیہ السلام سے مراد نمرود کی غصہ کی آگ تھی وہاں یہ حقیقی آگ مراد نہیں ہے۔ اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس سے عہد جدید لیا گیا۔ عصاء موسیٰ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی دلیل وحجت ہے۔ یاجوج وماجوج سے مراد علمائے ظواہر ہیں۔

واضح ہو کہ سوائے ابومحمد کے دوسروں نے ذکر کیا کہ باطنیہ کہتے ہیں کہ خدا نے جب ارواح کو پیدا کیا تو خود بھی انہیں میں ظاہر ہوا اور انہیں کی صورت میں ظاہر ہوا تو کسی نے شک نہ کیا کہ یہ بھی ان میں کا ایک ہے اور سب سے پہلے سلمان فارسی، مقداد اور ابوذر نے پہچانا، اور سب سے پہلے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انکار کیا۔ چنانچہ اس کا نام ابلیس ہوا (نعوذ باللہ)۔ اسی قسم سے خرافات اس ناپاک فرقہ میں بہت ہیں، جن کے ذکر میں کہاں تک تضییع اوقات کی جائے۔ اور ان جیسے لوگوں نے دلیل چھوڑ کر کسی شبہ پر بھی تمسک نہیں کیا، تاکہ حق بات ظاہر کرنے کے لیے ان سے گفتگو ہو بلکہ ان لوگوں نے تو اپنے ذہن میں ایک مضمون باندھ کر اس کے موافق سب واقعات گھڑ کے بنالیے ہیں۔ (یعنی شریعت کے اصول قرآن وحدیث اصلی ہیں، تو ان کے سمجھنے میں جس فرقہ کو غلطی ہوئی اس کے ساتھ مناظرہ ہوسکتا ہے۔ اور اس فرقہ نے خود روایتیں بنائیں کہ مثلاً خدا نے ایک قرآن فاطمی بھیجا تھا۔ اس میں صاف لکھا تھا اور اس قرآن میں موجود ہے۔ ﴿الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ﴾ اس سے وہ عہدنامہ مراد ہے جو الف اللہ نے ل جبرائیل وم محمد ﷺ کی گواہی سے علی پر عہد لیا تھا کہ آئندہ تلوار نہ کھینچیں اور ظلم وذلت برداشت

کریں۔ الغرض اسی قسم کے واہیات بنا لیے تو ان کو قرآن وحدیث سے کچھ مطلب نہیں ہے۔ بلکہ جو باتیں اپنے علم باطنی میں بیان کرتے ہیں وہ دین ہیں تو اس فرقہ سے کیا مناظرہ ہو سکتا ہے) اور اگر اتفاقاً کبھی اس فرقہ سے بحث ہو تو کہے کہ تم نے یہ چیزیں کہاں سے پائیں۔ آیا تم کو بدیہی مل گئیں یا نظر کرنے سے یا کسی امام معصوم سے اگر کہیں کہ بدیہی ہیں تو باطل ہے کیوں کہ عقل سلیم والے ان کے معتقدات کے مخالف ہیں اور بدیہی میں کوئی عقل والا خلاف نہیں کرتا جیسے آفتاب۔ اور اگر خالی دعوے سے کچھ ثبوت ہو تو تمہارے برعکس جو بھی دعویٰ کرے جائز ہو جائے۔ اور اگر تم نے نظری دلیل سے ثابت کیا تو اس کو تم باطل کہتے ہو۔ کیوں کہ وہ عقلی تصرف ہے۔ اور عقلی قضایا تمہارے اصول میں وثوق کے قابل نہیں ہوتے اور اگر کہیں کہ ہم نے امام معصوم سے حاصل کیے تو کہو کہ کیوں تم نے محمد ﷺ کا قول شریف چھوڑا۔ جو معجزات متواتر کے ساتھ تھا اور اپنے اس امام معصوم کا قول لے لیا جو بغیر معجزہ ہے اور باوجود اس کے جو کچھ امام معصوم نے بیان کیا شاید اس کے باطنی معنی ظاہر کے خلاف ہوں۔ پھر ان سے کہا جائے کہ یہ باطن واسرار جو تم کہتے ہو ان کا چھپانا لازم ہے یا ظاہر کرنا۔ اگر کہیں کہ ظاہر واجب ہے تو کہنا چاہیے کہ پھر محمد ﷺ نے انہیں کیوں چھپایا اور اگر کہیں کہ چھپانا واجب ہے تو کہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ پر جس کا اخفا واجب تھا تو تم پر افشا کیونکر جائز ہوا۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسلام میں باطنیہ وظاہریہ یہ دونوں فرقوں سے خرابی پیش آئی۔ چنانچہ فرقہ باطنیہ نے اسلام کا نام رکھ کر شرع کو متروک کیا اور اپنی باطنی باطل تفسیریں (خبط بے ربط) کے مدعی ہوئے، جن پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان دشمنوں نے شرع کی کوئی چیز نہیں باقی رکھی، جس کے مقابلہ میں باطنی معنی نہ بنائے ہوں۔ یہاں تک کہ واجب کا ایجاب وممنوع کی ممانعت بھی ساقط کر دی۔ رہا فرقہ ظاہریہ تو انہوں نے ہر جگہ ظاہر کو لے لیا حالانکہ اس کی تاویل واجب ہے۔ چنانچہ ظاہریہ نے اسماء وصفات میں بھی وہ معنی لیے جو حواس سے ان کی سمجھ میں آئے۔ حق مذہب دونوں مرتبوں میں دائر ہے یعنی ظاہر کو لے کے جب تک کوئی دلیل اس سے پھیرنے والی نہ ہو اور رہا باطن تو جس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو اس کو ترک کر دے۔ اگر مجھ سے اور اس فرقہ باطنیہ کے پیشوا سے ملاقات ہوتی تو میں اس کے ساتھ علمی

طریقہ کی گفتگو نہ کرتا۔ بلکہ اس کی سمجھ پر اور اس کی تابعین کی سمجھ پر لعنت ملامت کرتا۔ (یعنی اس حیلہ سے بادشاہ بن جانے کا خیال تمہاری حماقت ہے) مثلاً اس طرح کہتا کہ بادشاہوں کے واسطے خاص خاص طریقے اور تدبیریں ہیں جن سے وہ مقصود پر پہنچتے ہیں اور تم جوان چند آدمیوں پر امید سلطنت لگائے بیٹھے ہو یہ تمہاری حماقت ہے۔ تم جان لو یہ کہ ملتیں جنہوں نے زمین کو بھر لیا ہے ان میں سب سے زیادہ قریب اور مناسب شریعت اسلام ہے جس کے نام سے تم قوت پاتے ہو اور اپنی حماقت سے اسی کو بگاڑنے کی کوشش کرتے ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے کامل غلبہ دیا ہے۔ اس کے بگاڑنے کی طمع بھی حماقت ہے بھلا زائل کرنا تو دور رہا۔ چنانچہ ہر سال اس کا ایک مجمع عظیم عرفات میں ہوتا ہے۔ تو تم اپنے نفوس خبیثہ میں یہ منصوبے کہاں سے باندھتے ہو کہ اس سمندر عظیم کو گدلا کرو گے اور کیسے اس امر ظاہر کا نور دھندلا کرو گے جو جہاں میں ظاہر ہے ہر روز ہزاروں مناروں پر یہ اذان دی جاتی ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ اور رہا تمہارا حال تو تمہاری انتہا یہ ہے کہ کسی خلوت خاصہ میں اپنا کچھ منصوبہ بیان کر دیا یا کسی قلعہ میں چند لوگوں کے پیشوا بن جاؤ۔ اگر تمہارے مردہ دلوں سے کوئی کلمہ باہر نکلے تو تمہارا سر اڑا دیا جائے اور کتوں کی طرح مار ڈالے جاؤ۔ تو کب کسی عاقل کو یہ خیال ہوگا کہ جو منصوبہ تم نے باندھا ہے وہ اس امر کلی پر جس نے آفاق کو گھیر لیا ہے غالب آئے گا۔ پس مجھے تو تم سے زیادہ کوئی احمق نہیں معلوم ہوا۔ بالجملہ میں پہلے اس سے ایسے کلمات کہتا یہاں تک کہ براہین عقلیہ سے مناظرہ کی نوبت آئے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پچھلے باطنیہ کے فساد کی چنگاری ۴۹۴ھ میں بھڑکی تو سلطان برکیارُق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ جن میں باطنیہ کا مذہب ثابت ہوتا تھا پس مقتولوں کی تعداد تین سو سے اوپر تک پہنچی اور ان کے اموال لوٹ لیے گئے تو ان میں بعض کے قبضہ سے بے سندھی موتیوں کے ستر گھر برآمد ہوئے۔ اس بارے میں خلیفہ کو ایک عرضی لکھی گئی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ جن پر اس مذہب کا گمان بھی کیا جائے ان کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔

چنانچہ گرفتاریاں ہونے لگیں اور کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ کسی کے واسطے سفارش کرے۔ اس خوف سے کہ سفارشی پر شبہ نہ ہو ان کے مذہب کی طرف مائل ہے۔ عوام نے جس کو چاہا اور جس سے جس کے دل میں کچھ رنجش تھی، اس کی مخبری کر دی کہ اسی مذہب میں ہے تو

فوراً قتل کیا جاتا اور اس کا گھر بار لوٹ لیا جاتا۔ سب سے پہلے سلطان جلال الدولہ ملک شاہ کے زمانے میں باطنیہ کا حال کھلا کہ انہوں نے مجتمع ہو کر ساوہ میں عید کی نماز پڑھی اور شہر کے کوتوال کو اس سے آگاہی ہوئی۔ اس نے ان کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالا۔ پھر اس کے بعد ان کو رہا کر دیا۔ انہوں نے ساوہ کے ایک مؤذن کو دھوکا دیا اور اسے اپنے مذہب میں شامل کرنے کی بے حد کوشش کی۔ اس نے انکار کیا تو ڈرے کہ شاید وہ ان کی چغلی کھائے لہٰذا اس کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہ خبر نظام الملک وزیر کو پہنچی تو اس نے ان لوگوں کے قتل کرنے میں پیش قدمی کی جو اس مذہب کے ساتھ متہم تھے۔ چنانچہ متہم لوگ قتل کیے گئے۔ ایک بڑھئی متہم تھا وہ مارا گیا۔ پھر انہوں نے ایک مدت بعد نظام الملک کو دھوکے سے مارا اور کہنے لگے کہ تم نے ہم میں سے بڑھئی مارا ہم نے اس کے عوض میں نظام الملک مارا جب ملک شاہ نے انتقال کیا تو اصفہان میں اس فرقہ کا زور بڑھ گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ آدمی کو اغوا کر کے قتل کر ڈالتے اور کھتے میں ڈال دیتے پھر تو یہ تہلکہ پڑا کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی آدمی عصر تک نہ آ گیا تو اس سے مایوس ہو جاتے۔ لوگوں نے وہ مقامات تلاش کیے جہاں اس قسم کی کارروائیاں ہوا کرتی تھیں تو انہوں نے ایک مکان میں ایک عورت کو پایا جو ہمیشہ ایک بوریے میں بیٹھی رہتی تھی۔ وہاں سے نہیں ٹلتی تھی۔ لوگوں نے اس کو گھسیٹ لا کر الگ کیا اور بوریا اٹھایا تو اس کے نیچے کھتے میں چالیس مقتول پائے۔ چنانچہ اس عورت کو مار کر گھر اور محلّہ جلا دیا گیا اور اس احاطہ کے کوچے کے دروازے پر ایک اندھا بیٹھا بھیک مانگا کرتا۔ جب ادھر کوئی مسلمان شخص گزرتا تو اس سے درخواست کرتا کہ اللہ کے لیے مجھے چند قدم ہاتھ پکڑ کر اس احاطہ تک پہنچا دے۔ وہ مسلمان اس اندھے بے ایمان کو لے چلتا۔ جیسے ہی احاطہ تک پہنچا کہ احاطہ میں کھینچ لیا گیا اور احاطہ والے اس پر غالب آ گئے۔ آخر مسلمانوں نے بڑی کوشش سے ان لوگوں کو تلاش کیا اور اصفہان میں ایک بڑا ہنگامہ اور قتل عام ہوا۔ پہلا قلعہ جو باطنیہ کے قبضہ میں آیا وہ قلعہ روز باد تھا، جو نواح دیلم میں ہے۔ یہ قلعہ ملک شاہ کے مصاحب قماجکے قبضہ میں تھا۔ وہ اس کو اس قوم قماح کے مذہب کی حفاظت واتمام کے لیے محفوظ رکھتا تھا آخر اس نے ملک شاہ کے زمانہ میں ایک ہزار دو سو اشرفیاں لے کر ۴۸۳ھ میں یہ قلعہ اس قوم کے سپرد کر دیا۔ ان کا سردار حسن بن الصباح تھا جو اصل میں مرو کا رہنے والا

تھا۔ ابتدا میں جب وہ لڑکا تھا تو رئیس بن عبدالرزاق بن بہرام کا منشی تھا پھر مصر گیا اور وہاں داعی اسماعیلیہ سے یہ مذہب سیکھ کر واپس آیا اس قوم کا سردار بن گیا اور آخر یہ قلعہ حاصل کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہر ایک احمق جاہل کو جس کو دائیں بائیں کا شعور نہیں ہوتا اور امور دنیا سے بالکل بے خبر ہوتا، اس کو اپنے دام فریب میں لیتا، بادام اور شہد اور کلونجی کھلاتا۔ جب اس کا دماغ گرم ہو جاتا تو اس سے بیان کرتا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اہل بیت پر ایسا ظلم وعدوان ہوا ہے اور روز بروز اس قسم کا جھوٹ وسچ بیان کرتا حتیٰ کہ اس کے ذہن میں آجاتا۔ پھر کہتا کہ ازارقہ وخوارج نے بنی امیہ کے قتال میں اپنی جانیں فدا کیں۔ تو کیا سبب ہے کہ تم حق پر ہو کر اپنی جان دینے میں بخل کرتے اور امام کی مدد نہیں کرتے ہو۔ غرض کہ اس حیلہ سے اس کو درندوں کا لقمہ بناتا تھا۔ ملک شاہ سلجوقی نے اس شخص حسن بن الصباح کے پاس ایلچی بھیجا تھا کہ اطاعت اختیار کرے اور سرکشی کے بدانجام سے ڈرایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے لوگوں کو امرا، علما کے قتل کے واسطے ملک میں نہ پھیلائے۔ جب ایلچی پہنچا تو اس نے کہا کہ اس کا جواب یہ ہے جو تم آنکھوں سے دیکھو۔ پھر اس نے اپنے کچھ معتقدوں سے جو اس کے سامنے کھڑے تھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم کو تمہارے مولیٰ کے پاس روانہ کروں۔ تم میں سے کون شخص اس کام کے لیے اٹھتا ہے، ان لوگوں میں سے ہر ایک جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطانی ایلچی سمجھتا تھا کہ وہ ان کے ہاتھ پیغام چاہتا ہے۔ پھر اس نے ان میں سے ایک جوان سے کہا کہ اپنے کو قتل کر۔ اس جوان نے فوراً چھری نکال کر اپنے قلب پر ماری اور مردہ ہو کر گر پڑا۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا کہ اپنے آپ کو قلعہ سے نیچے گرا دے۔ وہ فوراً پہاڑی قلعہ سے نیچے کود پڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ پھر اس نے سلطانی ایلچی سے کہا کہ اس قسم کے لوگ میرے پاس بیس ہزار ہیں اور ان کی فرمانبرداری میرے حق میں ایسی ہے اور تیرے پیغام کا بھی یہی جواب ہے۔ ایلچی نے آکر سلطان سے یہ حال بیان کیا تو بادشاہ متعجب ہوا اور ان لوگوں سے تعرض نہ کیا۔ رفتہ رفتہ اس قوم کے ہاتھ بہت سے قلعے آگئے۔ پھر انہوں نے بہت سے امرا اور وزرا کو قتل کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ میں نے تاریخ میں اس قوم کے حالات عجیبہ نقل کیے ہیں یہاں بے فائدہ تطویل سے اجتناب کیا۔

فصل

بہت سے زندیق جن کے دل میں اسلام سے دشمنی تھی وہ نکل کر اس قوم میں شامل ہوئے اور بہت مبالغہ وکوشش سے جس کو پایا ایسے دعوے بتلائے جو محض بے بنیاد تھے اور انتہائے مقصود ان کا یہی تھا کہ دین اسلام کی قید سے گردن چھڑائیں اور ہر طرح کی لذات سے محظوظ ہوں۔ زنا و فجور وغیرہ محرمات کو مباح کریں۔ پس ان زندیقوں میں سے ایک تو بابق خرمی تھا۔ جس نے بہت کچھ لذات حاصل کیں اور اسے اس کا مقصود مل گیا۔ لیکن بعد کو اس نے بہت سی خلق خدا کو قتل کیا اور لوگوں کے ایذا دینے میں حد سے بڑھ گیا۔ ازاں بعد قرمطی اور زنجی جس نے زنگی غلاموں کو ابھارا اور وعدہ کیا کہ تم کو بادشاہت حاصل ہوگی۔ پھر اس نے (بصرہ وغیرہ) میں بہت کچھ لوٹ مار اور قتل و تاراج کیا اور ان میں سے بعض فقط اپنے برشتہ اعتقاد پر قائم رہے اور کہیں جانے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہوئیں۔ جیسے ابن الراوندی اور معری گزرے ہیں۔

ابوالقاسم علی بن الحسین التنوخی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ابن الراوندی پہلے رافضیوں اور ملحدوں کا ملازم تھا۔ جب لوگ اس کو ملامت کرتے تو کہتا کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس بہانہ سے ان کے مذہب سے واقف ہو جاؤں۔ پھر کھل کر بحث ومناظرہ کرنے لگا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے ابن الراوندی کا حال غور سے دیکھا وہ صاف جان جائے گا کہ یہ شخص بڑا ملحد تھا۔ اس نے ایک کتاب دامغ لکھی ہے۔ اس کا زعم یہ تھا کہ میں اس کتاب سے شریعت اسلام کو کوفتہ کرتا ہوں۔ لیکن خدا تعالیٰ پاک ذات ہے جس نے اسی کا سر کچل دیا اور عین عالم شباب میں گرفتار ہو گیا۔ اس احمق نے قرآن پر تناقض کا اعتراض کیا اور غیر فصیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ قطعاً معلوم ہے کہ بلغاء وفصحائے عرب قرآن کو سن کر متحیر ہو گئے تھے تو بھلا اس گونگے عجمی کی بات کا کیا اعتبار جو خود فصاحت سے گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ رہا ابوالعلاء المعری (جو معزالدولہ رافضی دیلمی کا مداح شاعر تھا) تو اس کے اشعار میں کھلا ہوا الحاد ہے اور انبیا علیہم السلام کے ساتھ دشمنی میں مبالغہ کرتا تھا اور نہایت ذلیل زندگی بسر کرتا تھا کہ کبھی اپنی غلطی سمجھتا اور کبھی انبیا علیہم السلام پر طعن کرتا۔ غرض یہ کہ اسے خبط ہو گیا تھا اور ہر دم خائف رہتا کہ قتل نہ

کیا جائے آخر اسی خواری میں مر گیا۔ کوئی زمانہ ان دونوں فریقوں کی ذریات سے خالی نہیں رہا لیکن بحمد اللہ کہ ان کی چنگاری اڑتی ہوئی بجھ گئی۔ اب کوئی ظاہر نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ یا تو باطنی چھپا ہوا ہے یا فلسفی پوشیدہ ہے او وہ سب سے زیادہ خوار ہے اور وہ سب سے زیادہ مصیبت کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہم نے دونوں فریق باطنیہ کی جماعت کا حال تاریخ [1] میں مفصل لکھا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ اس زمانہ میں سوائے علما و اکثر عوام کے امرا و سلاطین و لشکری سب عیش و شراب خوری وغیرہ میں گرفتار تھے۔ تو ملاحدہ و باطنیہ کا زور ہو گیا۔ مسلمان سلاطین ملک گیری کے لیے باہم سخت جدال و قتال کرتے تھے۔ شام میں نصاریٰ نے زور باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تاتاری غارت گروں کو مسلط کیا۔ ہلاکو نے سب قلعات رودبار وغیرہ چھین کر مسمار کر دیئے اور سلطنتِ اسلامی کی بیخ و بنیاد منہدم کر دی۔ بلکہ ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا بھی خاتمہ کر دیا۔ پھر ایک صدی کے بعد تاتاری نہ صرف مسلمان ہوئے، بلکہ انہیں میں بڑے بڑے مجاہد، بڑے عالم اور فقیہہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے اور انہوں نے بہت سے نازک موقعوں پر اسلام کی پاسبانی کا فرض بھی انجام دیا۔

[1] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔

باب ششم

عالموں پر فنون علم میں تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس ان لوگوں کے پاس بہت راستوں سے آتا ہے۔ ان میں سے بہت سے ظاہر ہیں لیکن غالب جب ہی ہوتا ہے کہ عالم اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ باوجود علم کے قدم قدم پر لغزش کرتا اور ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بہت سے باریک فریب ہیں جو اکثر علما پر مخفی رہتے ہیں اور ہم اس کے اقسام تلبیس کی طرف اشارہ کریں گے۔ جن سے باقی مخفی کا پتہ لگ جائے۔ کیوں کہ تمام راہوں کو بیان میں لانا دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے۔

قاریوں پر تلبیس

ازاں جملہ یہ کہ بعض قاری جو قراءات حاصل کرتے ہیں تو ان کی تحصیل میں یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ شاذ قراءتیں حاصل کرتے ہیں اور ان کی عمر کا بڑا حصہ جمع و تصنیف میں ضائع ہو جاتا ہے پھر ان شاذ قراءتوں کو پڑھتے ہیں اور اس سے ان کو فرائض و واجبات پہچاننے کی فرصت نہیں ملتی۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ اکثر ایک شخص مسجد کا امام ہے اور لوگ دور دور سے قرأت کے واسطے اس کی طرف سفر کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے چند احکام بھی نہیں جانتا کہ جن سے نماز فاسد ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب مرجع عام ہو گیا تو اس کی چاٹ اس کو اُبھارتی ہے کہ وہ بعض واقعات میں عالم بن کر فتویٰ دے دیتا ہے۔ اگرچہ (اس طرح فتویٰ دینا) مذہباً جائز نہیں ہوتا لیکن اس کو جہالت کی آنکھ سے نہیں سوجھتا کہ یہ کس کا مرتبہ ہے۔ اگر یہ لوگ غور کرتے تو جان لیتے کہ قرأت سے مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید حفظ کرے ٹھیک مخرج سے، پھر اس کو سمجھے پھر اس پر عمل کرے، پھر ایسی چیز پر متوجہ ہو جو معارفِ قرآن میں سے اس کے نفس کی اصلاح اور اس کے اخلاق کو پاک کرتے۔ پھر شرع کے دیگر اہم امور کی طرف متوجہ ہو اور کھلا خسارہ یہی ہے کہ جس امر کو زیادہ اہم جانے اس کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن اس لیے اترا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ پھر لوگوں نے اب اس کی تلاوت کو کام بنا لیا یعنی لوگ فقط تلاوت کے ہو رہے اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

ازاں جملہ یہ کہ قاری محراب میں شاذ قرأت پڑھتا ہے اور مشہور چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ علما کے نزدیک صحیح یہ کہ اس شاذ قرأت سے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اس قاری کا مقصود اس سے یہ تھا کہ ایسی عجیب وغریب چیز ظاہر کرے تاکہ لوگ اس کے قاری ہونے کی تعریف کریں اور اس پر متوجہ ہوں اور وہ اپنے زعم میں مغرور ہے کہ میں قرآن میں متشاغل ہوں۔

ازاں جملہ بعض قاری قرأت کو جمع کرتے ہیں، کہتے ہیں:

مَلِک، مَالِک مَلَّاکِ

حالانکہ یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ اس سے نظم قرآن میں خلل پڑتا ہے اور بعض سجدات وتہلیلات وتکبیرات کو جمع کرتے ہیں اور یہ مکروہ ہے۔

ازانجملہ قاریوں نے یہ دستور کرلیا ہے کہ ختم (قرآن) کی رات کثرت سے روشنی کرتے ہیں۔ گویا مال کی بربادی اور مجوسیوں کی مشابہت کے علاوہ رات میں مردوں وعورتوں کو فتنہ کے لیے جمع کرنے کا سبب نکالتے ہیں۔ ابلیس ان کو سُجھاتا ہے کہ اس سے دین کی رونق وعزت ہے اور یہ مکر عظیم بہت جگہ پھیلاتا ہے حالانکہ دین کی عزت تو ایسے امور کو عمل میں لانے سے ہوتی ہے جو شرع کی رو سے جائز ہیں۔

ازانجملہ بعض قاری ایسے شخص پر قرأت کا دعویٰ کرنے میں دلیری کرتا ہے جس سے اس نے نہیں پڑھا اور کبھی اس کو اجازت ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ اخبرنا حالانکہ یہ تدلیس (ملمع کاری) ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس فعل میں اس نے نیک کام کیا۔ اس لیے کہ وہ قرأت روایت کرتا ہے اور اس کو کار خیر جانتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا یہ قول دروغ ہے تو اس پر جھوٹوں کا گناہ لکھا جائے گا۔

ازانجملہ یہ کہ مقری دو یا تین (شیوخ) سے حاصل کرتا ہے اور جو کوئی آتا ہے اس سے بیان کرتا ہے اور قلب اس کے حفظ کی برداشت نہیں رکھتا تو اپنے خط سے لکھتا ہے کہ مجھ سے فلاں شخص نے فلاں کی قرأت سے پڑھایا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ دو یا تین کو جمع کرنا چاہیے کہ ایک سے اخذ کریں۔

ازاں جملہ یہ کہ قرّاء میں ایسے لوگ ہیں جو کثرتِ قرأت سے ممتاز ہیں۔ میں نے ان حافظوں کے بعض مشائخ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو جمع کرتے اور ایک جید شاگرد کو منتخب کرتے وہ

تمام دن گرمی میں تین ختم پڑھتا۔ پھر اگر اس نے پورے کر لیے تو ہر طرف سے واہ واہ ہوتی عوام وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں اور اگر تین ختم اس بڑے دن میں نہ ہو سکے تو اس پر عیب لگاتے ہیں ابلیس کو دکھلاتا ہے کہ یہ کثرتِ قرآن بڑے ثواب کی بات ہے اور یہی اس کی تلبیس ہے۔ اس لیے کہ قرأت تو خاص اللہ کے واسطے چاہیے نہ کہ لوگوں کی تعریف کے لیے اور وہ بھی آہستگی سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ [1]

''تا کہ اے محمد ﷺ تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کے پڑھے اور فرمایا:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ [2]

''قرآن کو ترتیل سے تلاوت کرو۔''

ازاں جملہ قراء کی ایک جماعت نے الحان (راگنی) سے قرأت نکالی ہے جو حدی کے قریب ہے اور اگر حدی کے قریب ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو مکروہ رکھا اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کراہت نہ کی۔ چنانچہ ایک روایت میں جس کی سند امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی ہے فرمایا کہ حدی سننا اور اعراب کے ہانک سننا تو مضائقہ نہیں۔ الحان کی قرأت میں اور خوب آواز بنانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مصنف نے کہا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کی طرف اشارہ کیا جو ان کے زمانے میں تھی اور اسی وقت لوگ خفیف لحن کرتے تھے اور اب ہمارے زمانے میں تو اس کو راگنی کے اصول و موسیقی قواعد پر لائے ہیں اور جہاں تک راگنی سے قریب ہو اسی قدر کراہت زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن کو اپنے حد وضع سے نکالنا حرام ہے۔

ازاں جملہ یہ ہے کہ بہت سے قراء (حفاظ) گناہوں پر جرأت کرتے ہیں۔ جیسے غیبت کرنا اور نظر بد سے دیکھنا بلکہ اکثر اس سے بھی زیادہ گنہگاری میں بڑھ جاتے ہیں اور اس اعتقاد کی بنا پر کہ حفظ قرآن ان سے عذاب دور رکھتا ہے اس حدیث سے حجت لاتے ہیں ''قرآن اگر چمڑے میں ہو تو وہ نہ جلے گا۔'' [3] یہ بھی ان جاہلوں پر ابلیس کا فتنہ ہے۔ کیوں کہ جاننے والے

---

[1] ١٧/الاسراء:١٠٦۔ [2] ٧٣/المزمل:۴۔

[3] احمد:۴/١٥١، ١٥٥۔ سنن الدارمی:٢/ ٨٨٨، کتاب فضائل القرآن: باب فضل من قرأ القرآن، رقم:٣١٩٢۔ الطبرانی فی الکبیر:١٧/١٧٠، ٢٦٥، رقم ۴٩٨، ٨٥٠۔ مجمع الزوائد:٧/١٥٨ کتاب التفسیر، باب فضل القرآن شعب الایمان:٢/٥٥۴، باب فی تعظیم القرآن ٢٦٩٩۔ مشکوۃ الالبانی:١/٦٦٠، رقم ٢١۴٠۔

کا جس طرح درجہ بڑا ہے اسی طرح اس کا عذاب بھی نہ جاننے والے سے زیادہ ہے۔ کیوں کہ علم زیادہ ہونے سے حجت زیادہ قوی ہوگی اور یہ دعویٰ کہ قاری سے حفظ قرآن عذاب دور کرے گا تو یہ دوسرا گناہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ الآیۃ [1]

یعنی جس شخص کو معلوم ہے کہ جو تجھ پر نازل ہوا وہ حق ہے، کیا وہ اندھے کی مثل ہے۔ یعنی جاننے والا افضل ہے اور انکار میں عذاب شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حق میں فرمایا کہ

﴿مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ الخ﴾ [2]

''یعنی تم میں جس عورت نے کوئی گناہ کیا تو اس پر عذاب دوچند کیا جائیگا''

معروف کرخیؒ سے روایت ہے کہ بکر بن حبیش نے کہا کہ جہنم میں ایک بیابان ہے جس سے دوزخ ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے اور اس بیابان میں ایک غار ہے جس سے جہنم و بیابان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں اور اس غار میں ایک سانپ جس سے جہنم و بیابان و غار ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتے ہیں۔ تو حاملان قرآن میں سے جو لوگ فاسق تھے یہ سانپ ان کے واسطے نکلے گا اور انہیں سے ابتدا کرے گا تو یہ لوگ کہیں گے کہ اے رب! تو نے بت پرستوں سے پہلے ہمارے واسطے ابتدا کی تو ان سے کہا جائے گا کہ جو جانتا ہو وہ جاننے والے کے مثل نہ ہوگا۔ مصنف نے کہا کہ ہم قرأت کے متعلق اسی قدر نمونے پر اکتفا کرتے ہیں۔

محدثین پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازاں جملہ یہ کہ بہت سے لوگوں نے اپنی عمریں حدیث کے سننے میں اور سفر میں اور طرق کثیرہ جمع کرنے میں اور اسانید عالیہ کی خواہش میں اور متون غریبیہ جمع کرنے میں صرف کر ڈالیں۔ یہ لوگ دو قسم کے ہیں۔

(قسم اول) وہ لوگ جنہوں نے حفاظت شریعت کا قصد کیا۔ اس طریقہ سے کہ ضعیف اور باطل روایتوں سے صحیح حدیثیں پہچانی جائیں تو یہ لوگ اس نیت پر شکر گزاری کا ثواب پائیں گے، لیکن اس زمانہ میں یہ بات ضرور ہے کہ ابلیس نے ان پر مشتبہ کر دیا تو وہ اس کام میں فرض

[1] ۱۳/الرعد:۱۹۔ [2] ۳۳/الاحزاب:۳۰۔

عین سے غافل ہو گئے۔ یعنی کیا بات ان پر واجب ہے اور اس لازم میں اجتہاد نہ کیا اور نہ حدیث سے فقہ ومعرفت حاصل کی۔ اگر کہو کہ اگلوں میں بہت مخلوق ایسی ہو گزری ہے جنھوں نے اسی طرح سفر کیا اور طرق جمع کرنے میں کوشش کی جیسے یحییٰ بن معین اور امام بخاری ومسلم رحمہم اللہ وغیرہ (جواب) یہ کہ نہیں بلکہ ان لوگوں نے حدیث وطرق اسانید وغیرہ کے ساتھ مہمات امور دین وفقہ کو بھی جمع کیا اور آسانی اس وقت یہ تھی کہ اسانید دو چار راویوں سے پوری ہوتی تھیں اور حدیث تھوڑی تھیں تو ان کی عمر نے دونوں کاموں کے واسطے کفایت کی اور اب ہمارے زمانے میں اسناد طول طویل ہو گئی اور تصانیف وسیع وکثرت کے ساتھ ہو گئیں جو حدیثیں کسی ایک کتاب میں ہیں وہ دوسری میں نہیں ہیں اور اسانید مختلف ہیں تو بہت ہی مشکل ہو کہ کوئی دونوں باتیں جمع کر لے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ محدث پچاس برس تک دور دراز سفر سے لکھتا سنتا اور جمع کرتا رہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا احکام ہیں۔ اگر اس کی نماز میں کوئی حادثہ پیش آیا تو اپنے بعضے نوجوان شاگردوں سے جو فقہ پڑھ کر اس کے پاس حدیث سننے جاتے تھے ان سے پوچھتا ہے کہ کیا حکم ہے اور اسی قسم کے محدثوں سے لوگوں کو یہ گنجائش ملی کہ محدثین پر طعن کرتے ہیں کہ وہ محض کتابوں کے ڈھیر ہیں نہیں جانتے کہ ان کے پاس کیا ہے اور اگر ان میں سے کسی نے زیادہ جرأت کر کے عمل کرنے کا قصد کیا تو بسا اوقات حدیث منسوخ پر عمل کرنے لگتا ہے اور کبھی حدیث کے وہ معنی سمجھ کر اس پر عمل کرنے لگتا ہے جو عامی اور جاہل سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ معنی ہرگز حدیث میں مراد نہیں ہیں مثلاً ہم کو روایت پہنچی کہ اس زمانے کے بعض محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے منع کیا کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں سینچے۔ [1] تو اس کے شاگرد حاضرین وسامعین نے کہا کہ ہم لوگ تو اپنے باغات سے بچے ہوئے پانی کو اپنے پڑوسیوں کے باغات وکھیت میں رواں کر دیتے تھے اور اب ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں کہ ایسا نہ کریں گے۔ گویا نہ محدث صاحب سمجھے اور نہ شاگرد سننے والے سمجھے۔ صحیح معنی

---

[1] ابوداؤد: کتاب النکاح، باب وطء السبایا، رقم ۲۱۵۸۔ ترمذی: کتاب النکاح، باب ما جاء فی الرجل یشتری الجاریۃ وھی حامل، رقم ۱۱۳۱۔ احمد: ۴/ ۱۰۸، ۶/ ۳۸۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/ ۴۴۹، کتاب العدد، باب استبراء من ملک الامۃ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴/ ۳۰، فی ترجمۃ حبیب بن الشہید۔ الطبرانی فی الکبیر: ۵/ ۱۴، ۱۶، رقم ۴۴۸۲، ۴۴۸۳، ۴۴۸۸، ۴۴۸۹۔ وارواء الغلیل: ۱/ ۲۰۱، رقم ۱۸۷۔

یہ ہیں کہ جہاد میں قیدی عورتوں سے جو حاملہ ہوں ان سے وطی نہ کی جائے۔ یہ معنی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

خطابی نے کہا کہ ہمارے بعض مشائخ نے حضرت ﷺ کی یہ حدیث روایت کی

((نَهٰى عَنِ التحلق قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَة)) 1

شیخ نے اس کو حَلْق بسکون لام پڑھا بمعنی سر منڈانا، اور مجھے خبر دی کہ میں نے تو چالیس سال سے کبھی جمعہ کی نماز سے پہلے سر نہیں منڈایا ہے۔ تب میں نے عرض کیا کہ یہ تو حلق بالکسر و فتح لام جمع حلقہ ہے اور مطلب یہ کہ جمعہ کی نماز سے پہلے مذاکرہ علم کے واسطے مسجد میں حلقے نہ بنائیں بلکہ خطبہ و نماز کے واسطے خاموش رہیں۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے اس مشکل سے مجھے آسانی دی اور یہ شیخ مرد صالح تھے۔

ابن صاعد محدثین میں کبیر القدر تھے لیکن چونکہ فقہا سے ان کا اختلاط کم رہتا تھا اس لیے فتویٰ کا جواب نہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو بکر الابہری الفقیہ نے نقل کیا کہ میں یحییٰ بن محمد بن صاعد کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک عورت نے آکر عرض کیا کہ ایھا الشیخ! آپ کیا فرماتے ہیں کہ کنوئیں میں ایک مرغی گر کر مر گئی ہے کیا پانی پاک ہے یا نجس ہے۔ ابن صاعد نے کہا کہ کنوئیں میں کیسے مرغی گری۔ اس نے کہا کنواں ڈھکا ہوا نہ تھا۔ ابن صاعد نے فرمایا کہ تو نے کیوں ڈھکا نہ رکھا کہ مرغی نہ گرتی۔ تب ابہری نے اس عورت سے کہا کہ اے نیک بخت اگر کنویں کا پانی دو قلوں کی مقدار تھا اور اس میں مرغی گرنے سے کچھ تغیر نہیں ہوا تو پاک ہے ورنہ ناپاک۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ چھوٹی سے چھوٹی ایک جزو کی اور بڑی سے بڑی ایک تفسیر ہے جو ایک ہزار جزء پر مشتمل ہے، لیکن وہ علم فقہ سے ناواقف تھے۔ بعض محدثین کی یہ کیفیت ہوئی کہ انہوں نے جرأت کر

---

1 ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب التحلق یوم الجمعۃ قبل الصلاۃ، برقم ۱۰۷۹۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ البیع والشراء، رقم ۳۲۲۔ نسائی: کتاب المساجد، باب النھی عن البیع والشراء فی المسجد...... رقم ۷۱۵۔ احمد: ۱۷۹/۲۔ صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۴/۲، ابواب فضائل المساجد، باب النھی عن البیع والشراء فی المساجد، رقم ۱۳۰۴۔ نسائی فی الکبریٰ: ۲۶۲/۱، کتاب المساجد، باب النھی عن الشراء والبیع فی المسجد، رقم ۷۹۳۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی الحلق یوم الجمعۃ قبل الصلاۃ، رقم ۱۱۳۳۔

کے جھوٹ سچ فتویٰ دے دیا تا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کو فقہ سے نادان سمجھنے لگیں۔ تو ان میں سے بعض کا انجام یہ ہوا کہ ان کا فتویٰ لوگوں کا مضحکہ ہوگیا۔ چنانچہ بعض کے پاس میراث کا ایک فتویٰ پیش کیا گیا یعنی مثلاً فلاں میت کے اس قدر وارث ہیں (کس طرح تقسیم کی جائے) تو محدث صاحب نے اس کے جواب میں یہ عبارت لکھی کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض کے موافق تقسیم کرلیں۔

ابراہیم الحربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی کہ علی بن داؤد ظاہری کے پاس ایک عورت آئی۔ وہ اس وقت حدیث روایت کرتے تھے اور مجلس میں قریب ہزار آدمیوں کے جمع تھے۔ اس عورت نے پوچھا کہ میں نے اپنے ازار کو صدقہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تو نے کتنے کو خریدی ہے۔ اس نے کہا کہ بائیس درم کو تو فرمایا کہ بائیس روزے رکھ لے۔ جب وہ واپس ہوگئی تو کہنے لگے۔ آہ آہ قسم خدا کی! اس کو جواب دینے میں ہم سے غلطی ہوئی۔ ہم نے اس کو کفارۂ ظہار کا حکم دے دیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان فضیحتوں کو دیکھو ایک تو فضیحت جہالت ہے اور دوسری فتوی دینے کی جرأت وہ بھی خلط ملط کے ساتھ۔ واضح ہو کہ عموماً محدثین نے ان الفاظ کو جو صفات باری تعالیٰ کے متعلق وارد ہوئے ہیں اپنی حس کے مطابق محمول کرلیا تو مشتبہ بن گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے فقہا سے میل نہیں رکھا تا کہ ان کو معلوم ہوتا کہ کیونکر محکم پر متشابہ کو محلول کرنا چاہیے۔ ہم نے اپنے زمانے میں بہت سے محدثین دیکھے جو بکثرت کتب جمع کرتے اور بہت سنتے ہیں (ان کو کثرت سماع حاصل ہے) لیکن ماحصل کچھ نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ قرآن یاد نہیں رکھتے اور نماز کے ارکان تک نہیں جانتے۔ پس ان کے حق میں تلبیس ابلیس یہ ہے کہ فرض کو چھوڑ کر اپنے زعم کے موافق فرض کفایہ میں مشغول ہوتے ہیں اور جو امر مہم تھا اس کو چھوڑ کر غیر مہم (غیر اہم) کو اختیار کرتے ہیں۔

(قسم دوم) ایسے محدث ہیں جو بہت کثرت سے مشائخ سے حدیث سماعت کرتے ہیں لیکن ان کا قصد ٹھیک نہیں تھا اور نہ ان کی یہ غرض تھی کہ طرق جمع کر کے صحیح کو غیر صحیح سے اختیار کر سکیں، بلکہ یہ مقصود تھا کہ عالی اسانید حاصل کریں اور غرائب روایات جمع کریں اور ملک در ملک

پھریں۔ تا کہ ان کو یہ کہنے کا فخر یہ موقع ملے کہ میں فلاں شیخ سے ملا تھا اور جو میری اسانید ہیں وہ کسی کی نہیں ہیں اور جو عجیب و غریب حدیثیں میرے پاس ہیں وہ کسی کے پاس نہیں ہیں۔

بغداد میں ایک طالب حدیث داخل ہوا۔ وہ شیخ کو لے جا کر رقہ میں بٹھلاتا تھا یعنی اس باغ میں جو دجلہ کے دونوں کنارے چلا گیا ہے اور شیخ کو حدیث سناتا تھا۔ پھر اپنے مجموعہ میں یوں لکھتا کہ مجھ سے رقہ میں فلاں فلاں شیخ نے حدیث بیان فرمائی۔ اس سے وہ لوگوں کو وہم میں ڈالتا کہ رقہ سے وہ شہر مراد ہے جو ملک شام کی طرف ہے۔ تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس محدث نے طلب حدیث میں دو دو ہزار سفر کیے ہیں، اسی طرح اپنے شیخ کو لے جا کر نہر عیسیٰ و فرات کے درمیان بٹھلا کر حدیث سناتا اور مجموعہ میں لکھتا کہ مجھ سے فلاں شیخ نے ماوراء النہر میں یہ حدیث بیان کی تا کہ لوگ وہم میں پڑیں کہ اس نے طلب حدیث میں خراسان کے پار ہو کر ماوراء النہر میں یہ حدیث سنی اور یوں لکھتا کہ مجھ سے فلاں نے میرے سفر دوم میں اور فلاں نے میرے سفر سوم میں حدیث فرمائی۔ تا کہ لوگ جانیں کہ طلب علم میں اس نے کس قدر تعصب اٹھایا ہے لیکن اس طالب علم کو برکت حاصل نہ ہوئی بلکہ طالب علمی ہی کے زمانے میں مر گیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ سب باتیں خالص نیت سے بہت دور ہیں بلکہ ان لوگوں کی غرض فقط سرداری (ٹھیکیداری) اور فخر عالمانہ ہے۔ اسی وجہ سے شاذ اور غریب حدیثوں کی جستجو کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جزدان کے ہاتھ لگ گیا جس میں ان کے مسلمان بھائی نے اپنا سماع درج کیا تو اس کو چھپا ڈالتا ہے تا کہ میں ہی اس کی روایت میں متفرد ہو جاؤں۔ حالانکہ وہ مر جاتا ہے اور کچھ بھی روایت نہیں کرنے پاتا تو دونوں کے ہاتھ سے جاتا ہے اور کبھی ان میں سے بعض فقط اس لیے دور دراز سفر کر کے کسی ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جس کے اول میں واؤ یا کاف ہے تا کہ اپنے مشائخ کے ذکر میں اس حرف کے نام کو بھی ذکر کرے اور سوائے اس کے کچھ غرض نہ تھی۔

منجملہ تلبیسِ ابلیس کے جو اصحاب الحدیث پر ہے یہ کہ اپنے جی کو تشفی دینے کے لیے ایک دوسرے پر قدح و طعن کرتے ہیں اور اس کو بجائے اس جرح و تعدیل کے قرار دیتے ہیں جو اس امت کے قدما نے استعمال کیا تھا۔ تا کہ شریعت سے جھوٹوں کی تخلیط کو دور کریں لیکن اللہ تعالیٰ کو ہر

ایک نیک کا حال خوب معلوم ہے ان کی بدنیتی اسی سے ظاہر ہے کہ جس سے ان کو خوش پسندی ہے اس سے سکوت کرتے ہیں۔ قدما کا یہ حال نہیں تھا۔ چنانچہ علی بن المدینی اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے ہیں پھر کہہ دیتے کہ شیخ کی حدیث کی جو حالت ہے وہ (ظاہر) ہے۔ (بلکہ صاف کہہ دیتے کہ وہ ضعیف ہیں) یوسف بن الحسین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حارث محاسبی سے غیبت کو پوچھا۔ تو فرمایا کہ خبردار! اس سے بہت بچنا۔ یہ نہایت بری کمائی ہے تو ایسی چیز سے کیا امید رکھتا ہے جس کی شامت سے تیری نیکیاں چھین کر تیرے مدعی دشمن اس سے راضی کئے جائیں کیوں کہ وہاں نہ درم ہیں نہ دینار ہیں تو اس سے پرہیز رکھ اور اسکا منبع پہچان لے اس طرح کہ غیب کا منبع جو مغرور و جاہل لوگ ہیں تو وہ اپنے کو اور جاہلانہ حمیت کو تسکین دیتے ہیں اور حسد و بدگمانی سے غیبت کرتے ہیں اور اس کی برائی کچھ چھپی نہیں ہے۔ رہے علما تو ان میں غیبت کا منبع ان کے نفس کا دھوکا ہے کہ تم جو فلاں کی برائی کرتے ہو تو اظہار نصیحت ہے اور ایک روایت پر اعتماد کرتے ہیں اگر اس کے معنی جو یہ لوگ سمجھتے ہیں یہ ہوتے تو بھی ان کے لیے غیبت پر مددگار نہ ہوتے اور وہ روایت یہ ہے کہ ”تم ایسے شخص کے ذکر سے کیوں منہ موڑتے ہو جس میں فساد ہے۔ اس سے اور اس کی برائی بیان کرنے سے باز نہ ہوتا کہ لوگ اس سے احتراز کریں۔“ [1] یہ روایت اگر صحیح محفوظ ہوتی تو بھی اس کے ذریعے سے بے پوچھ کسی مسلمان بھائی پر تشنیع عائد نہ ہوتی اور اگر تاویل ہو تو یہی کہ جب تجھ سے مثلاً کوئی نیک صلاح پوچھنے آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی لڑکی فلاں شخص سے بیاہ دوں، اور تجھے معلوم ہوئے کہ وہ شخص بدعتی ہے یا بدکار فاجر ہے جس پر مسلمانوں کی حرمت پر بے خوفی نہیں ہے۔ تو تجھے چاہیے کہ کسی حسن تدبیر سے اس کو اس ارادہ سے روک دے یا کسی حیلہ سے اس معاملہ کو ملتوی کر دے۔ اسی طرح دوسرا آیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں سفر کو جاؤں اور اپنا مال فلاں شخص کے

---

[1] [موضوع] شعب الایمان: ۷/ ۱۰۹، باب فی الستر علیٰ اصحاب القروف، رقم ۹۶۶۶، ۹۶۶۷۔ والخطیب فی تاریخہ: ۱/ ۳۸۲، ۳/ ۱۸۸، ۷/ ۲۶۲۔ وفی الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۲، باب وجوب تعریف المزکی ما عندہ...... سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۲۱۵، کتاب الشہادات، باب الرجل من اہل الفقہ یسأل من اہل الحدیث...... وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۲/ ۵۲، رقم ۵۸۳۔

پاس امانت رکھ دوں اور تجھے معلوم ہے کہ یہ شخص امانت رکھنے کے قابل نہیں ہے تو چاہیے کہ اس کو اچھی تدبیر سے اس ارادے سے روک دے۔ اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فلاں شخص کو امام بناؤں یا کسی علم میں اپنا استاد بناؤں اور وہ امامت یا استادی کے قابل نہیں ہے تو اچھی تدبیر وحیلہ سے اس کو اس خیال سے پھیر دے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی غیبت کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرے۔ رہا حافظوں وعابدوں میں غیبت کا منبع تو از راہ خود پسندی ہوا کرتا ہے کہ پہلے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کھولتا ہے پھر پیٹھ پیچھے اس کے واسطے دعا کرتا ہے تا کہ اس بناوٹ سے غیبت معلوم نہ ہو تو گویا پہلے اس کا گوشت نوچ کھایا پھر اس کی جگہ ظاہری دعا سے پیوند لگایا۔ رہا روساء واستاد وزہاد میں غیبت کا منبع تو وہ براہ اظہار شفقت وترحم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ فلاں امر میں مبتلا ہوں اور فلاں امتحان میں ڈالا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو خواری سے بچائے۔ پس پہلے تو بناوٹ سے اس پر ترحم شفقت ظاہر کرتا ہے۔ پھر بھائیوں کے سامنے اس کے لیے بناوٹ سے دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اس کو تمہارے سامنے اس لیے ظاہر کیا کہ تم اس کے واسطے بہت دعا کیا کرو۔ ہم پناہ مانگتے ہیں کہ غیبت کسی حیلہ سے ہو یا صریح ہو پس غیبت سے پرہیز کر کیوں کہ نص قرآن سے حرام ہے۔ لقولہ تعالیٰ:

﴿اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ [1]

حضرت محمد ﷺ سے اس حرمت کی حدیثیں وارد ہیں۔

منجملہ تلبیسِ ابلیس کے علمائے محدثین پر یہ ہے کہ موضوع حدیث روایت کرتے ہیں بدون اس کے کہ اس کو موضوع ظاہر کریں اور یہ ان کی طرف سے شرع کا جرم ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ان کی حدیثیں رائج ہوں اور یہ مشہور ہے کہ یہ محدث کثیر الروایہ ہیں۔ حالانکہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے مجھ سے ایسی بات روایت کی کہ جس کو جھوٹ جانتا ہے تو وہ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے یا جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا۔'' [2] اسی قسم سے

---

[1] ۴۹/ الحجرات: ۱۲۔ [2] مسلم: المقدمۃ، باب وجوب الروایۃ عن الثقات وترک الکذابین، رقم ۱۔ ترمذی: کتاب العلم، باب ماجاء فیمن روی حدیثا وھو یری انہ کذب، رقم ۲۶۶۲۔ ابن ماجۃ: المقدمۃ، باب من حدث عن رسول اللہ حدیثا وھو یری انہ کذب، رقم ۴۱۔ مسند احمد: ۴/ ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۵۔ ۵/ ۱۴، ۱۵۔ مسند ابی داود الطیالسی: ۳/ ۶۹، رقم ۷۲۵۔

روایت میں ان کی تدلیس ہے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ کہتا ہے کہ:

حَدَّثَنِی فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ

یعنی مجھے فلاں شخص نے فلاں بزرگ سے اور اس نے فلاں بزرگ سے روایت کی یعنی اس نے فلاں بزرگ کو تو پایا نہیں لیکن اس طرح بیان کیا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کو پایا۔ یا یوں کہا کہ فلاں سے نقل کیا۔ اس سے وہم دلایا کہ مجھ سے فلاں نے روایت کی ہے۔ حالانکہ اس سے سنا نہیں ہے اور یہ حرکت قبیح ہے۔ اس لیے کہ اس نے منقطع کو متصل بنا دیا۔

بعض محدث کو دیکھو کہ ضعیف وکذاب سے روایت کرتا ہے تو چھپانے کے لیے اس کا نام نہیں لیتا بلکہ کبھی تو اس کا دوسرا نام بدل دیتا ہے اور کبھی اس کی وہ کنیت بیان کرتا ہے جو معروف نہیں ہے اور کبھی خود اس کی کنیت (مثلاً ابوزید) گھڑ لیتا ہے اور کبھی اس کے باپ کا نام چھوڑ کر اس کے دادا کا نام بجائے باپ کے بیان کرتا ہے اور اس سے غرض یہ کہ وہ کذاب پہچانا نہ جائے۔ یہ بھی شرع مطہرہ کا جرم ہے۔ اس لیے کہ ایسے ذریعہ سے ثابت کیا کہ جس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ شخص ثقہ ہو اور اس کو دادا کی طرف منسوب کر دیا (جیسے محمد بن یحییٰ بن فارس کہا یا فقط ابو یحییٰ کنیت بیان کی) تاکہ بظاہر یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اس سے مل کر روایت کی ہے۔ یا جس سے روایت کرتا ہے وہ راوی کے مرتبہ میں ہو تو اس کے نام سے روایت میں شرم کر کے ایسا کر لے تو یہ بھی طریقہ صواب سے دور ہے لیکن فقط مکروہ ہے بشرطیکہ جس سے روایت کہ وہ ثقہ ہو (یعنی یہ نہ ہو کہ جس سے روایت کہ وہ ضعیف ہو اور اس تلبیس سے دوسرے ثقہ راوی کے نام سے مشتبہ کر دیا کیوں کہ یہ حرام ہے۔)

فقہا پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

قدیم زمانہ اسلام میں فقہا ان لوگوں کو کہتے تھے جو قرآن وحدیث کے عالم ہوتے (یعنی اس میں ان کو طریقہ اجتہاد کی سمجھ ہوتی تھی۔) پھر برابر گھٹتے گھٹتے متاخرین تک پہنچ کر یہ رہ گیا کہ متاخرین نے کہا کہ ہم کو قرآن میں سے خالی وہ آیتیں کافی ہیں جن سے کوئی حکم نکلتا ہے اور حدیث میں سے فقط مشہور کتابیں مانند سنن ابوداؤد وغیرہ کے کافی ہیں۔ پھر اس میں بھی زیادہ سستی کر دی۔ حتیٰ کہ بعض شخص فقیہ بن کر ایسی آیت سے استدلال کرتا ہے جس کے معنی خود

بھی نہیں جانتا اور ایسی حدیث سے استدلال لاتا ہے جس کو آپ نہیں جانتا صحیح ہے یا نہیں اور اکثر یہ کرتا ہے کہ حدیث صحیح کے معارضہ میں قیاس لاتا ہے اور اس کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں نص حدیث سے معارضہ کرتا ہوں کیوں کہ وہ علم نقل کو کمتر پہچانتا ہے۔ فقہ کا مدار تو یہ تھا کہ قرآن وحدیث سے استنباط کرے۔ پھر یہ کیونکر فقیہ ہوگا جس کو علم قرآن وحدیث میں تمیز ہی نہیں ہے۔

من جملہ قبائح کے یہ ہے کہ ایک حکم کو ایک حدیث کے حوالے پر ثابت کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث صحیح ہے کہ نہیں اور بے شک اس امر کے پہچاننے میں آدمی کو مشقت شدیدو سفر طویل کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس بارہ میں کتابیں تصنیف ہو گئیں اور حدیثیں سب انتخاب کر دی گئیں اور صحیح وسقیم کو علیحدہ کر دیا گیا پھر بھی متاخرین کو یہاں تک کسل سوار ہوا کہ علم حدیث کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے بعضے اکابر فقہاء کی تصنیف میں دیکھا ہے کہ وہ حدیث کے بعضے الفاظ کی نسبت جو صحاح میں وارد ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہوں اور دیکھا کہ وہ کسی مسئلہ میں حجت لاتے وقت کہتے ہیں کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہمارے بعض فقہا نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا اور خصم کی دلیل حدیث صحیح کے جواب مین کہتا ہے کہ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ یہ حدیث پہچانی نہیں جاتی ہے۔ یہ سب اسلام پر ظلم اور شریعت کی خیانت ہے۔

من جملہ تلبیس ابلیس کے جو فقہا پر ہے ایک یہ ہے کہ ان کا پورا اعتماد علم جدال (مناظرہ) کے حاصل کرنے پر ہے۔ اپنے زعم میں وہ اس فن سے حکم پر دلیل کی تصحیح نکالتے اور شرع کے دقائق ڈھونڈتے اور مذہب کی علتیں تلاش کرتے ہیں اور اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو سب مسائل میں اسی طرح مشغول ہوتے تاکہ ان میں کلام کرنے کی گنجائش وسیع حاصل ہو۔ ان میں مناظرہ کرنے والا لوگوں کے نزدیک نظری خصومت میں پیشوا گنا جائے۔ پس ان میں سے ہر ایک کی کوشش یہ کہ جدال و جھگڑے اور تفتیش کو مرتب کرے اور نفس کو آمادہ کرتا رہے گا کہ وہ خصم کی ہر بات میں نقیض نکالے۔ اور اس کی غرض فقط دنیاوی فخر دناموری ہے۔ حالانکہ ان میں سے بہت ایسے ہیں جو ایک خفیف اور چھوٹے سے مسئلہ میں وہ حکم نہیں جانتے جس کی عام لوگوں میں ضرورت ہے۔

من جملہ تلبیسِ ابلیس فقہا پر یہ ہے کہ جدل کے فن میں فلاسفہ کے قواعد داخل کرتے اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ یعنی جس وضع پر لزوم عکس وتناقض وغیرہ انہوں نے قطعی بتائے ہیں ان کو یہاں جزئیات شرع میں لاتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں حدیث صریح دلیل موجود ہے اور یہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو باہم جدال وگفتگو کرنے میں خیالی گھوڑے دوڑانے کی وسیع مجال حاصل ہو اور اگر ان کے مقابلہ میں کسی نے حدیث سے استدلال کیا تو حقیر وقابل عجیب خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ادب یہ تھا کہ حدیث کو بالکلیہ مقدم کر کے اس سے دلیل لاتے۔

ان فقہا کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ان کا سارا انہماک اسی غور وفکر میں ہے، انہوں نے اپنے فن میں ان چیزوں کو شامل نہیں کیا جن سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی تلاوت، حدیث وسیرت کی سماعت، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا مطالعہ وبیان۔ سب جانتے ہیں کہ محض ازالۂ نجاست اور ماء متغیر کے مسائل کے بار بار دہرانے سے قلوب میں نرمی اور خشیت پیدا نہیں ہو سکتی، قلوب کو تذکیر ومواعظ کی ضرورت ہے تا کہ آخرت طلبی کی ہمت اور شوق پیدا ہو۔ اختلافی مسائل اگرچہ علوم شرعیہ سے خارج نہیں مگر حصول مقصد کے لیے کافی نہیں ہیں۔ جو سلف کے حالات اور ان کے حقائق واسرار سے واقف نہیں اور جن کے مذہب کو اس نے اختیار کیا ہے، ان کے حالات سے باخبر نہیں وہ ان کے راستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ طبیعت چور ہے۔ اگر اس کو اسی زمانے کے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ اہل زمانے کے طبائع سے اخذ کرے گی اور ان ہی کی طرح ہو جائے گی اور اگر متقدمین کے حالات اور طریقوں کا مطالعہ کیا جائے گا تو ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی جائے گی اور ان کا رنگ اور ان کے سے اخلاق پیدا ہوں گے۔ سلف میں سے ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ ایک حدیث جس سے میرے دل میں رقت پیدا ہو قاضی شریح کے سو فیصلوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دل کی نرمی مقصود ہے اور اس کے اسباب ہوا کرتے ہیں۔

ازاں جملہ یہ کہ ان فقہا نے فقط علم مناظرہ پر اقتصار کیا۔ مذہبی مسائل یاد رکھنے سے منہ

پھیر لیا اور باقی علوم شرعی نہیں جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم فقیہ مفتی کو دیکھتے ہو کہ اگر اس سے کسی آیت یا حدیث کی بابت دریافت کیا جاتا ہے تو وہ کچھ نہیں جانتا اور یہ عین تقصیر ہے، پھر اس تقصیر سے اسے شرم نہیں آتی۔

ازاں جملہ یہ کہ مباحثہ فقط اس لیے موضوع ہوا کہ جو بات ٹھیک ہے وہ ظاہر ہو جائے اور سلف کی نیت یہ ہوتی تھی کہ حق ظاہر ہو جس سے اسلام میں خیر خواہی ہے۔ وہ لوگ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف چلے جاتے تھے اور اگر کسی سے کوئی بات رہ گئی تو دوسرا اس کو بتلا دیتا۔ کیوں کہ ان کی نیت خالص یہ تھی کہ ظاہر ہو۔ پس ان بزرگوں کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کسی فقیہ نے کسی واقعہ کو کسی اصل شرعی پر قیاس کیا اور اس کی علت سمجھ گیا۔ جیسا کہ اس کے خیال میں ہے۔ پھر دوسرے نے اس سے کہا کہ بھلا یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اصل میں حکم بوجہ اسی علت کے ہوا ہے تو وہ جواب دیتا کہ مجھے ایسا ظاہر ہوا ہے اور اگر تم اس سے بہتر کوئی بات لاؤ تو اس کو پیش کر دو۔ یہاں معترض کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا بیان کرنا لازم نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ تو سچ ہے کہ تجھ پر واجب نہیں ہے لیکن بہ نظر خیر خواہی شرع و اظہار حق کے تجھ پر واجب ہے جیسے تو نے جدل کو نکالا۔

ازاں جملہ ان فقہا کی یہ کیفیت ہے کہ فریق مخالف سے مناظرہ کرنے میں بعض پر حق ظاہر ہو جاتا ہے لیکن وہ حق کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ تنگ ہوتا ہے کہ کیوں اس کے ساتھ ایسا ظاہر ہوا۔ اور بسا اوقات اس کے ساتھ حکم حق جان لینے کے بعد بھی بحث کرتا ہے کہ کسی طرح اس کو رد کر دے اور یہ سب سے بدتر قبیح حالت ہے۔ اس لیے کہ مناظرہ اسی لیے نکالا گیا تھا کہ حق ظاہر ہو جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس نے حجت حق کو قبول کر لیا تو مجھے اس کی طرف سے ہیبت معلوم ہوتی ہے اور جس کسی سے میں نے مناظرہ کیا تو دلیل حق کو غالب رکھا۔ اگر میں نے مقابل کے پاس دلیل حق پائی تو میں بھی اُس کے ساتھ ہو گیا۔

ازاں جملہ یہ کہ وہ مناظرہ سے سرداری چاہتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو نفس میں جو سرداری کی خواہش مخفی رہتی ہے وہ ابھر آتی ہے اور جب ان میں سے کسی نے دیکھا کہ اس کے کلام میں ایسا ضعف ہے کہ اس کا مقابل غالب ہوا چلا جاتا ہے تو مکابرہ و جھگڑا کرنے لگتا ہے تو

جب اس کے مقابل نے دیکھا کہ اس نے مجھ پر بدزبانی کی تو اس کی حمیت بھی جوش میں آجاتی ہے وہ بھی جواب ترکی بترکی دیتا ہے، تو مناظرہ بدل کر گالی گلوچ و جھگڑا ہو جاتا ہے (ہمارے زمانے میں یہ باتیں صاف ظاہر ہیں۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

ازانجملہ مناظرہ نقل کرنے کے حیلہ سے غیبت کا جواز نکالتے ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہے کہ میں نے اس کو جواب دیا تو وہ بند ہوگیا، اور کچھ جواب نہ دے سکا اور ایسی بات کہتا ہے کہ جس سے اپنے مقابل سے اپنے دل کی تشفی اس جحت سے حاصل کرے۔

ازانجملہ یہ کہ ابلیس نے ان پر تلبیس ڈالی ہے جس کو اپنی اصلاح میں فقہ کہتے ہیں پس یہی علم شرع ہے اور یہاں کوئی علم سوائے اس کے نہیں ہے پھر اگر ان سے کسی محدث کا ذکر کیا گیا تو کہتے ہیں کہ وہ ہیچ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا اور بھول جاتے ہیں کہ حدیث ہی تو اصل ہے۔ پھر اگر ان سے وہ کلام ذکر کیا گیا جس سے دل نرم ہوتے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ واعظوں کے کلام ہیں۔

ازانجملہ یہ لوگ اس مرتبہ پر پہنچنے سے پیشتر فتویٰ دینے پر جرأت کرتے ہیں اور اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعۂ استفا میں منصوص کے خلاف فتویٰ دے دیتے ہیں اور اگر مشکلات میں ذرا توقف کرتے تو ان کے لیے اولیٰ وانسب ہوتا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی حدیث دریافت کی جاتی تو وہ یہ آواز کرتے کہ کاش میرا کوئی بھائی اس حدیث کا متکفل ہو جاتا اور جب کسی سے فتویٰ پوچھا جاتا تو یہ دوسرے پر ٹالتا اور دوسرا تیسرے پر ٹالتا یہاں تک نوبت آجاتی کہ اخیر والا پھر اس کو اول پر ٹالتا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری سے یہ بھی روایت ہے کہ میں پہلے اس مسجد میں اصحاب انصار میں سے ایک سو بیس صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ جب ان میں سے کسی سے حدیث کی درخواست کی جاتی تو وہ یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی متکفل ہو جاتا اور جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو یہی آرزو کرتا کہ کاش میرا کوئی بھائی اس امر میں کفایت کرتا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم کو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت پہنچی کہ ایک مرتبہ کسی نے ان سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ اے عزیز! میرے سوائے تجھے کوئی دوسرا نہیں ملا تھا۔ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک کہ میں نے ستر مشائخ سے

دریافت نہ کیا کہ کیا آپ کے نزدیک مجھ میں فتویٰ دینے کی لیاقت ہے تو سب نے فرمایا کہ ہاں تب میں نے فتویٰ دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے جناب اگر وہ بزرگوار مشائخ آپ کو اس امر سے منع کر دیتے، تو مالک نے کہا کہ اگر منع کرتے تو میں باز رہتا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا، میں نے قسم کھائی ہے اور یہ یاد نہیں کہ کیسی قسم کھائی ہے، تو فرمایا کہ کاش جب تو یہ جانتا کہ تو نے کیسی قسم کھائی ہے تو یہ بھی جانتا کہ میں تجھے کیونکر فتویٰ دوں گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سلف صالحین کی یہ خصلت فقط اس وجہ سے تھی کہ ان کو اللہ عزوجل سے خوف ودہشت تھی اور جو کوئی ان کے حالات پڑھے وہ ادب سیکھ جائے۔

من جملہ تلبیس ابلیس کے جو فقہا پر ڈالی یہ ہے کہ یہ لوگ امیروں بادشاہوں سے ملتے اور ان کے پاس گھسے رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ مداہنت کرتے اور ان کی بدافعالی پر باوجود قدرت کے بھی ان کی خوشامد کے لیے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ بعض اوقات ان کے واسطے ایسے امور کی اجازت دیتے جو ان کو جائز نہیں ہو سکتے ہیں، تاکہ ان کے مال دنیاوی سے کچھ یہ بھی حاصل کر لیں۔ اس قبیح حرکت سے تین شخصوں کے لیے فساد کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ (اول) راہ تو خود اس امیر کے حق میں ہے کہ وہ زعم کرتا ہے کہ اگر میں راہ صواب پر نہ ہوتا تو فقیہ میرے طریقہ پر ضرور انکار کرتا اور میں کیونکر مصیب نہ ہوتا، حالانکہ فقیہ میرا مال کھاتا ہے۔ (دوم) عوام پر فساد کی راہ یہ ہے کہ اس رئیس کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا امیر ہے۔ اس کا مال بھی پاکیزہ ہے اور خود بھی بزرگ ہے اس کے افعال بھی اچھے ہیں۔ دیکھو فلاں فقیہ اس کے پاس ہمیشہ گھسا رہتا ہے۔ (سوم) اس فقیہ پر فتنہ عظیم یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دین کو دنیا کے واسطے بگاڑ دیا۔ (مترجم کہتا ہے کہ سب سے بڑا فتنہ اول یہی ہوا کہ علم ذلیل ہوا اور دنیاوی دولت کی عزت سب عوام کی نگاہوں میں پھر گئی اس دلیل سے کہ آخرت وہم ہے ورنہ فقیہ کیوں دنیا کا طالب ہوتا (اَللّٰھُمَّ غُفْرَانَکَ).

ابلیس نے ان فقہا پر یہ تلبیس بھی ڈالی کہ تم لوگ سلطان کے یہاں جایا کرو اور ان کو حیلہ بتا دیا کہ (دریافت کرنے پر فقیہ یہ کہتا ہے) کہ میں تو اس لیے سلطان کے یہاں جاتا ہوں کہ کسی مسلمان کی سفارش کروں۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر بجائے اس کے کوئی دوسرا جا کر سلطان سے کسی مسلمان کی سفارش کرے تو اس فقیہ کو گوارا نہیں ہوتا (بلکہ گوار ہوتا ہے) بلکہ اس

کے حق میں کوئی بھانجی مار دیتا ہے اور عیب لگا دیتا ہے، تاکہ سلطان اس کو ہانک دے۔

اسی طرح فقیہ پر ابلیس تلبیس ڈالتا ہے کہ وہ ان امراو سلاطین کے مال سے بذریعہ انعام ونذر وغیرہ کے لے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان اموال میں تیرا حق ثابت ہے۔ حالانکہ یہ بات خوب معلوم ہے کہ اگر یہ اموال بطریقہ حرام جمع ہوئے ہیں تو اس میں سے کچھ بھی لینا حلال نہیں ہے اور اگر ان میں شبہ ہے تو بھی ترک کرنا اولیٰ ہے اور اگر یہ اموال بطریق مباح جمع ہوئے ہیں تو اس میں فقیہ کو فقط اسی قدر لینا جائز تھا جس قدر دین میں اس کا مرتبہ ہے۔ تو بیت المال سے اس کو بطور خدمت کار دینی کے بقدر ضرورت ملے گا۔ اکثر اوقات اس فقیہ کو دیکھ کر عوام الناس ان اموال سے بے تکلف اس طرح لینا مباح کر لیتے ہیں جو کسی طرح مباح نہیں ہے۔

ابلیس نے علما کی ایک جماعت پر یہ تلبیس ڈالی کہ وہ علیحدہ ہو کر عبادت میں مصروف ہوتے ہیں اور سلطان سے الگ ہو جاتے ہیں، تو ان کو شیطان رچاتا ہے کہ جو علما سلطان کے یہاں آتے جاتے ہیں ان کی غیبت کریں۔ تو ان کے حق میں دو آفتیں جمع ہو جاتی ہیں، ایک تو لوگوں کی غیبت کرنا اور دوم اپنے نفس کی مدح کرنا۔ بالجملہ سلطان کے یہاں آنے جانے میں دینی خطرہ عظیم ہے۔ اس لیے کہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں نیت درست ہوتی ہے، پھر ان کے انعام واکرام اور طمع سے وہ نیت بدل جاتی ہے اور پہلے جو قصد تھا کہ مداہنت نہ کرے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا، اس پر ثابت قدم نہیں رہتا۔

حضرت سفیان الثوری رحمہ اللہ کہا کرتے کہ مجھے اس امر کا کچھ ڈر نہیں ہے کہ سلاطین میری اہانت کریں گے۔ بلکہ خوف اس امر سے ہے کہ وہ میری تکریم کریں تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائے۔ زمانۂ سلف کے علما اپنے زمانے کے امرا سے بوجہ ان کے ظلم کے دور رہتے تھے۔ یعنی وہ لوگ خلاف شریعت کام کرتے تو یہ صالحین ان سے دور رہتے تھے۔ تو امرا ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ کیوں کہ ان کو علما کے فتوے وولایت وقضاء وغیرہ کی ضرورت تھی۔ ان کے بعد ایک قوم پیدا ہوئی جن کی دنیاوی رغبت غالب ہوگئی، تو انہوں نے ایسے علوم سیکھے جن کی ضرورت امرا کو رہتی ہے (جیسے حساب کتاب وغیرہ) اور ان علوم کو امرا کے پاس خود لے گئے تاکہ ان کی دنیا سے حصہ حاصل کریں۔ اور یہ بات آپ کو اس دلیل سے معلوم

ہوگی کہ پہلے زمانہ میں امرا کو اصولی دلائل سننے کا شوق تھا تو لوگوں نے علم کلام ظاہر کیا۔ پھر بعضے امرا کو فقہ میں مناظرہ کرنے کا میلان ہوا اور بعض لوگ جدل کی طرف مائل ہوئے اور بعض امرا کو مواعظ کا شوق ہوا تو بکثرت طلبا نے مواعظ کا طریقہ حاصل کیا۔ پھر چونکہ اکثر عوام کو وعظ وقصص سننے کا شوق زیادہ ہے اسی وجہ سے واعظ دنیا میں بہت ہو گئے اور فقیہ عالم بہت کم رہ گئے۔

منجملہ تلبیس ابلیس کے فقہا پر یہ ہے کہ بعض فقیہ مدرسہ کے وقف میں سے جو فقط وہاں کے پڑھنے پڑھانے اور کام کرنے والوں کے مشروط ہے کھایا کرتا ہے اور اسی میں مدت تک رہتا ہے۔ حالانکہ وہ کچھ شغل نہیں کرتا اور جو پڑھ چکا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے یا پڑھ کر منتہی ہو جاتا ہے کہ وقف میں سے اس کا حصہ نہیں رہتا۔ کیوں کہ وہ تو فقط طلبا کے واسطے مشروط ہے جو علم حاصل کرتا ہوں ہاں اگر وہ مدرس یا کارپرداز ہوتا تو اس کو روا تھا۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ اس کام میں مشغول رہتا ہے۔

ازاں جملہ وہ تلبیس ہے جو بعضے نوجوان فقہ پڑھنے والوں اور فقیہ بن جانے والوں سے سنا جاتا ہے کہ اس نے بعضے منہیات کی طرف پاؤں پھیلا دیئے۔ چنانچہ بعض نے لباس ریشمی پہننا شروع کیا اور بعض نے چنگی وصولی کی اور اسی قسم کے دیگر معاصی میں قدم بڑھایا۔ پھر ان لوگوں کی اس بیباکی کے اسباب مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض کو اصل دین ہی میں عقیدہ نہیں تھا لیکن اس نے اپنے الحاد کو چھپانے کے لیے فقہ میں کچھ شغل کر لیا۔ یا یہ غرض رکھی کہ اس بہانے سے اس کو وقف سے حصہ ملے گا یا وہ سرداری کا تمغہ پائے گا، یا مناظرہ کے نام سے دوسروں کو بہکائے گا۔ (شاید یہ دیالمہ روافض ملاحدہ کا خفیہ ساختہ پرداختہ ہو) ان میں سے بعض کا عقیدہ تو دین اسلام میں صحیح ہے لیکن اس پر خواہش نفس نے غلبہ کیا اور اس کے پاس ایسا علم نہ تھا جو اس کو اس حرکت سے روکے۔ کیوں کہ جدل ومناظرہ نفس میں تکبر وغرور بڑھاتا ہے اور جوش میں لاتا ہے۔ انسانیت جب ہی ٹھیک ہوتی ہے جب آدمی بزرگان سلف کی خصلت وخوبی مطالعہ کرے اور ریاضت سے نفس کو مغلوب کرے اور اکثر زمانہ والوں کی حلات یہ ہے کہ وہ اس سے دور جا پڑے ہیں اور ان کے نزدیک جو علم جدل ومناظرہ ہے وہ اور بھی نفس کو کجروی پر مدد دیتا ہے تو لامحالہ خواہش بے روک ٹوک کے اس کے دل میں رواں ہوتی ہے۔

بعض کے خیال میں ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ تم عالم فقیہ ومفتی ہو اور علم ضرور عالموں سے عذاب الٰہی دور کرے گا۔ حالانکہ یہ خیال باطل ہے اور یہ منصوبہ بعید ہے۔ بلکہ ایسا نہ ہو کہ علم کے ساتھ بدکاری کرنے میں عذاب دوگنا ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے قاری لوگوں کے حق میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقیہ وہی شخص ہے جو اللہ عزوجل سے خوف رکھتا ہے۔

شیخ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ایک خراسانی فقیہ کو دیکھا، جس پر ریشمی لباس تھا اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھا۔ تو میں نے کہا کہ یہ کیا ہے، اس نے کہا کہ یہ سلطان کی خلعت اور دشمنوں کی جلن ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں اگر تو مسلمان ہے تو تیرے دشمنوں کی خوشی ہے، اس لیے ابلیس تیرا حقیقی دشمن ہے اور جب اس نے تجھ پر قابو پالیا، تو تجھے ایسی چیز پہنائی جس کو شرع مبارک ناخوش رکھتی ہے۔ پس تو نے اپنے دشمن کو اپنے اوپر خوش ہونے کا موقع دیا اور تجھ غریب کے حال پر افسوس ہے کہ تو کچھ نہ سمجھا۔ کیا سلطان نے تجھے وہ خلعت پہنایا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ تجھے سلطان نے خلعت کیا پہنایا کہ تو نے ایمانی خلعت اتار دیا اور لائق یہ تھا کہ تیرے ذریعہ سے سلطان فسق کا خلعت اتارتا اور تو اس کو تقویٰ کا لباس پہناتا لیکن خدا نے تم پر پھٹکار ڈالی کہ اس طرح کام تمام کیا۔ کاش تو کہتا کہ میرا یہ لباس فقط میری طبیعت کی حماقت سے ہے اور اب تو تیرا امتحان پورا ہوا۔ اس لیے کہ اس حالت سے تیرا عدول کرنا تیرے فساد باطن کی دلیل ہے۔

منجملہ تلبیس ابلیس کے فقہا پر یہ ہے کہ جو لوگ وعظ کہتے ہیں ان کو یہ لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ابلیس ان کو روکتا ہے کہ ان کے وعظ میں حاضر نہ ہوں جہاں دل نرم ہوتے ہیں اور خشوع وخضوع کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں جھکتے ہیں۔ واعظین جو انبیا واولیا کے قصص بیان کریں اس نام سے مذموم نہیں ہو سکتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ [1]

''یعنی اے محمد ﷺ ہم تجھے بہترین قصہ سناتے ہیں (یعنی قصہ یوسف علیہ السلام) اور فرمایا:

﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ﴾ [2] یعنی اے محمد ﷺ تو قصص انبیا اور ان کی نافرمان امتوں کا

[1] ۱۲/ یوسف: ۳۔ [2] ۷/ الاعراف: ۱۷۶۔

انجام ہلاکت بیان کر دے شاید یہ لوگ رجوع کریں۔ قصص بیان کرنے والوں کی مذمت فقط اس جہت سے ہوتی ہے کہ اکثر وہ لوگ فقط قصے بیان کرتے ہیں مفید علمی باتیں بیان نہیں کرتے۔ پھر قصص میں بھی اکثر جھوٹے قصے خلط ملط کرتے ہیں اور بار محال باتوں پر اعتماد کرتے ہیں (یعنی جیسے شداد نے بہشت ارم وغیرہ بنائی) اور اگر قصص سچ ہوں جن سے نصیحت حاصل ہو وہ تعریف کے قابل ہیں۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو سچے قصے بیان کرنے والے کی بہت ضرورت ہے۔

واعظوں اور قصّے بیان کرنے والوں پر ابلیس کی تلبیس کا بیان

مصنف نے کہا کہ قدیم زمانے میں وعظ کہنے والے علما و فقہا ہوتے تھے۔ عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ تابعی کی مجلس وعظ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی حاضر ہوئے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ واعظوں کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ پھر یہ پیشہ ایسا ذلیل ہو گیا کہ جاہلوں نے اختیار کر لیا تو تمیز دار لوگ ان کی مجلس سے الگ ہو گئے اور عوام مرد اور عورتوں نے ان پر ہجوم کیا۔ تو ایسے لوگوں نے علم کا شغل چھوڑ کر قصہ گوئی وغیرہ جن چیزوں کو جاہل عوام پسند کرتے ہیں سیکھنا شروع کیا اور اس پیشہ میں طرح طرح کی بدعتیں پھیل گئیں۔ (مترجم کہتا ہے کہ اس دیار میں پورا فتنہ اسی جاہل فرقہ کی ذات سے پھیلا ہوا ہے) ہم نے ان کی آفات کو کتاب قصاص و مذکرین میں مفصل بیان کیا لیکن یہاں بھی ان میں سے کچھ بیان کریں گے۔

منجملہ آفات کے یہ ہے کہ ان میں ایک قوم (ہندوستان میں سوائے شاذ و نادر کے عموماً سب) دلچسپی اور رغبت دلانے کے لیے اور خوف و دہشت دلانے کی غرض سے حدیثیں بناتی ہے۔ ابلیس نے ان پر یہ رچا دیا کہ تم تو حدیثیں اس لیے بناتے ہو کہ لوگوں کو نیکی پر آمادہ کرو اور بدی سے روکو اور شیطان نے ان جاہلوں پر شبہ ڈالا کہ شریعت ناقص ہے۔ تمہاری اس جھوٹی کارستانی کی محتاج ہے پھر یہ بھول گئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنائے۔'' [1]

---

[1] بخاری: کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی، رقم ۱۰۷، ۱۱۰۔ مسلم: المقدمۃ، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ، رقم ۴۔ ابوداؤد: کتاب العلم، باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ، رقم ۳۶۵۱۔ ترمذی: کتاب العلم، باب ما جاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ، رقم ۲۶۵۹۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ازاں جملہ یہ لوگ اپنے سریلے کلام میں وہ چیزیں ملاتے ہیں جو نفس کا جوش ابھاریں اور دلوں میں سرور لائیں تو اپنی باتوں کو رنگین کرتے ہیں۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ اس میں عشقیہ اشعار اور غزلیں پڑھتے ہیں۔ ابلیس نے ان پر یہ تلبیس رچائی کہ تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا اشارہ کرتے ہو۔ اور یہاں یہ خوب معلوم ہے کہ عوام جوان کی مجلس میں بھرے پڑے ہیں ان کے دلوں میں جوش شہوت بھرا ہوا ہے۔ جو اس تازیانہ سے ابل پڑتا ہے تو یہ واعظ خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

ازاں جملہ بعضے واعظ بناوٹ سے وجد اور خشوع ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کچھ دل میں بھی ہو تو اس سے بہت زیادہ بتاتے ہیں اور جس قدر جماعت کی کثرت ہو اسی قدر بناوٹ زیادہ ہوتی ہے تو نفس میں جو بڑھتی خشوع و رونا موجود ہوتا ہے وہ اس کو رائیگاں کر دینے میں بخل نہیں کرتا۔ پس ان میں جس نے یہ جھوٹ بناوٹ کی وہ آخرت میں خوار اور خراب ہوا اور جو سچا ہے وہ ریاکاری کی میل سے نہ بچا۔

بعض واعظین عجیب وغریب حرکات کرتے ہیں۔ جن کا نتیجہ یہ کہ قرآن کو ایک نئی راگنی کے لہجہ میں پڑھنے لگتے ہیں یہ نئی راگنی انہوں نے آج کل گانے کے مشابہ نکالی ہے، تو یہ مکروہ ہی نہیں بلکہ صریح حرام سے زیادہ قریب ہے۔ پس اس راگنی کی قرأت سے قاری کو سرور ہوتا ہے اور واعظ اس کے ساتھ ہاتھوں کی دستک اور پاؤں کی ٹھوکر لگا کر غزلیں پڑھتا جاتا ہے جیسے مستانہ لوگ کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی طبیعت امنگ پر آجاتی ہے اور ان کے شہوانی نفوس جوش کھاتے ہیں۔ عورتیں اور مرد آوازیں لگاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ کیوں کہ جملہ نفوس میں جو خواہش نفسانی وقوت شہوانی حیوانی دبی ہوئی ہیں وہ اس جلسہ میں ابھر آتی ہیں۔ پھر جب یہاں سے یہ عورتیں اور مرد باہر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جلسہ تو بہت خوب ہوا اور خوبی سے اشارہ انہیں حرکات وامور ناشائستہ کی طرف ہے جو شرعاً جائز نہ تھے۔

بعض واعظین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ بھی اسی چال پر چلتا ہے جو ہم نے بیان کی۔ لیکن وہ مرثیہ کے اشعار اور نوحے پڑھتا ہے۔ (مثلاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے مرثیہ پڑھتا ہے) اور ان اشعار میں ان کی حالت تنہائی وبیکسی، غریب الوطنی، دشمنوں کا نرغہ اور مصائب جھوٹ سچ ملا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ابن ماجہ: المقدمۃ، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ، رقم ۳۰۔ احمد: ۱/ ۷۸، ۲/ ۱۵۹، ۳/ ۱۳، ۴/ ۴۷، ۴۷۔

کر ایسی طرح بیان کرتا ہے کہ عورتیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی ہیں اور مجلس وعظ ماتم خانہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اہل آخرت کے واسطے صرف اسی قدر لائق ہے کہ پیارے بزرگوں کی شہادت و وفات پر صبر و ثبات کریں اور یہ لائق نہیں کہ ایسی باتیں کریں جن سے جزع وفزع پیدا ہو (مترجم کہتا ہے کہ یہ منافقین دنیا کے سوائے آخرت کو اپنا گھر نہیں جانتے ہیں تو لامحالہ یہاں سے مرنا ان کے لیے نامراد، بیکس اور بے ارمان مر جانا ٹھہرا اور شہادت اور مصیبت کا ثواب جو یہاں سے کما کر آخرت میں بلند درجات کا حصہ ہے اس کا خیال بھی نہیں آتا تو بھلا یقین کا کیا ذکر ہے اور یہ بلاء جزع وفزع اور خیالات عام طور پر ان ملکوں میں پھیل گئے ہیں، (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) بعض واعظین مغرور ممبر پر بیٹھ کر زہد کے دقائق اور محبت حق سبحانہ تعالیٰ کے رموز و اسرار بیان کرنے پر زبانی جمع خرچ کرتے ہیں، تو ابلیس ان پر یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ آپ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں کیوں کہ اگر آپ ایسے عارف کامل نہ ہوتے تو بھلا کیسے ان مقامات کو کھول کر بیان کرتے اور سلوک کی راہ چلتے۔ اس مکر عظیم کو میں صاف کیے دیتا ہوں کہ کسی مقام کو زبانی بیان کر دینا۔ دوسروں کے بیانات کا علم ہے اور سلوک ان مقامات میں وہ عملی مجاہدہ ہے جو علم اور زبانی بیان کے علاوہ ہے (یعنی جیسے گھڑی بنانے کی ترکیب کتاب میں لکھی ہے وہ بیان کر سکتے ہیں لیکن اس کا بنانا بنانے والے دستکار ہی جانتے ہیں)

بعض واعظوں کا یہ حال ہے کہ شرع سے خارج شطحیات بیان کرتے ہیں اور اس پر شاعروں کے عاشقانہ اشعار سند لاتے ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجلس میں شور ہو، چاہے بیہودہ گوئی سے یہ مقصد حاصل ہو۔

بعضے واعظوں کا یہ حال ہے کہ بڑی آراستہ اور بڑی پر تکلف عبارت بولتے ہیں۔ جو اکثر بے معنی ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں مواعظ کا بڑا حصہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام، کوہ طور، یوسف و زلیخا کے قصوں سے متعلق ہوتا ہے۔ فرائض کا بہت کم تذکرہ آنے پاتا ہے۔ اسی طرح گناہ سے بچنے کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ ایسے مواعظ سے ایک زانی، ایک سود خور اور ریا کار کو توبہ کرنے کی ترغیب اور توفیق کیسے ہو سکتی ہے اور کب عورت کو شوہر کے حقوق ادا کرنے اور اپنے تعلقات درست کرنے کا خیال پیدا ہو سکتا ہے اس لیے کہ یہ مواعظ ان مضامین سے خالی ہوتے ہیں، ان

واعظوں نے شریعت کو پس پشت ڈال دیا ہے اسی لیے ان کا بازار خوب گرم ہے۔اس لیے حق ہمیشہ طبیعتوں پر بھاری ہوتا ہے اور باطل ہلکا اور خوشگوار۔

بعضے واعظ صوفی بن کر لوگوں کو زہد وعبادت سکھاتے ہیں اور عوام کو اصلی مقصود نہیں بتلاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ بعضے لوگ بیچارے ان کے کہنے میں آ کر کسی جنگل یا پہاڑ کے گوشہ میں رہتے ہیں۔اور اس کی آل واولاد بھیک مانگنے کے قابل رہ جاتی ہے۔(مترجم کہتا ہے کہ ان ہی لوگوں کے شیطانی خیالات نے عوام کے ذہن میں بیٹھا دیا کہ پرہیزگاری ودین تو جب ہوسکتا ہے کہ جنگل میں بیٹھ رہے اور خدا پر توکل کرے اور جب یہ ہم سے نہیں ہوسکتا تو ہم دنیاداری میں رہیں گے، یہ نہایت سخت فتنہ ہے)

بعضے واعظ ہیں کہ لوگوں کو عظمت وشان الٰہی سے بہلا کر امید وطمع کے کلمات سے دلیر کرتے ہیں، بدون اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے خوف دلائیں۔ چنانچہ وہ لوگ گناہوں پر دلیرانہ جرأت کرتے ہیں اور دنیا کی چیزیں، عمدہ غذا، پوشاک وسواری کی جانب واعظ کے میل کرنے سے اس کی تقویت ہو جاتی ہے، تو ایسے واعظ کے قول وفعل سے عوام کے دلوں میں بڑی خرابی پیدا ہوگئی۔

فصل

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ واعظ سچا اور خیرخواہ ہوتا ہے لیکن جاہ طلبی اس کے دل میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزت وتعظیم کی جائے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرا واعظ اس کی قائم مقامی کرے یا اصلاح کے کام میں اس کی مدد کرنا چاہے تو اس کو ناگوار ہوتا ہے حالانکہ اگر یہ مخلص ہوتا تو اس کو اس سے کبھی ناگواری نہ ہوتی۔

بعضے واعظوں کی مجلس میں مرد اور عورتیں یک جا جمع ہوتی ہیں، اور ان لوگوں کے زعم میں عورتیں وجد میں آ کر زور سے چلاتی ہیں اور واعظ مذکور اس سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا تا کہ سب کے دل اس کی طرف ملے رہیں۔ ہمارے زمانہ میں بہت سے واعظ ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن کو تلبیس کی قسم میں لینے کی ضرورت نہیں کہ یعنی ان پر کچھ شبہ ابلیس نے نہیں ڈالا بلکہ وہ صریح ایسی حالت میں ہیں کہ انہوں نے وعظ گوئی اپنی معاش بنائی ہے اور امرا وظالموں کے

یہاں جا کر وعظ میں ان کی دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ چنگی وصول کرنے والوں سے نذرانہ لیتے اور شہر شہر جا کر وعظ سے کمائی کرلاتے ہیں اور بعض مقابر میں جا کر مصیبت وفراق احباب واعزہ کا بیان کرتے ہیں جس سے عورتیں پھوٹ کر روتی ہیں اور یہ شخص ان کو صبر کی تاکید نہیں کرتا۔

فصل

بعضے علماء محققین کے حق میں ابلیس یہ تلبیس وخطرہ دل میں ڈالتا ہے کہ تجھ جیسا آدمی وعظ کہنے کے لائق نہیں ہے، بلکہ وعظ کہنا ایسے عالم کا کام ہے جو ہوشیار بیدار ہو۔ تو اس کو ابلیس آمادہ کرتا ہے کہ الگ ہو کر خاموش ہو جائے اور یہ ابلیس کا وسوسہ ہے کیوں کہ وہ اسے نیکی سے روکتا ہے اور کبھی اس سے کہتا ہے کہ تو جو کچھ بیان کرتا ہے اس سے لذت پاتا ہے اور اس سے بسا اوقات ریا پیدا ہونے کا گمان غالب ہے اور الگ رہنا سب سے بہتر سلامتی ہے۔ اس سے بھی ابلیس کا مقصود یہی ہے کہ نیکی کا دروازہ بند ہو جائے۔ ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک مجلس میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے تو علماء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ تم نصیحت کے واسطے کلام کرو تو کہا کہ کیا میں بھی اس مرتبہ میں ہوں۔ پھر کلام اور اس کی حالت اور اس کا انجام بیان کیا تو ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے بہت پسند آیا۔ پھر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا تو کہا کہ ابلیس جانتا ہے کہ تم لوگوں نے علماء رحمۃ اللہ علیہ سے نصیحت لی ہوگی کہ نہ اس نے کسی شخص کو نیکی بتلائی اور نہ کسی برائی سے منع کیا۔

اہل لغت وادب کے عالم و متعلم پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابلیس نے سب نحوی اور لغوی لوگوں پر اپنی یہ تلبیس ڈالی کہ ان کو نحو ولغت میں یہاں تک پھنسایا کہ جو علوم ان پر فرض عین تھے جیسے عبادات ومعارف وتوحید، ان سے باز رکھا اور اصلاح نفس وصلاحیت قلب کے علوم سے اور افضل علوم تفسیر وحدیث وفقہ سے روک دیا۔ پس اس مکر میں ان لوگوں نے اپنی تمام عمر ایسے فنون میں کھوئی جو بذات خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اس لیے سیکھے جاتے ہیں کہ علم دین حاصل ہو۔ پس جب انسان نے کوئی کلمہ سمجھ لیا تو اس کے ذریعہ سے عمل کی جانب ترقی کرتا ہے کیوں کہ یہی بذات خود مقصود ہے اور اسی کے واسطے زبان عربی

حاصل کی جاتی ہے۔تم دیکھتے ہو کہ ان نحوی لغوی لوگوں نے عمر کھوئی۔اور بعض کو دیکھو کہ وہ آداب شریعت سے کچھ بھی نہیں جانتا سوائے قدر قلیل کے اور نہ وہ فقہ سے واقف ہے اور نہ اپنی ذات کی پاکیزگی و اصلاح قلب کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور باوجود اس جہالت کے ان میں بڑا تکبر بھرا ہوا ہے اور شیطان نے ان کے خیال میں بھر دیا ہے کہ تم لوگ اسلام کے علما ہو اس لیے کہ یہ نحو و لغت اسلامی علوم ہیں اور انہیں سے قرآن مجید کے معانی معلوم ہو سکتے ہیں۔میں تو کہتا ہوں کہ اس سے کب انکار کیا جاتا ہے کہ اس زبان کا حاصل کرنا اسلام میں ضرور ہے۔ لیکن جس قدر صرف و نحو و لغت واسطے تفسیر و قرآن و فقہ کے لازم ہے وہ قریب الحصول ہے اور ماسوائے اس کے جس قدر حاصل کرتے ہیں وہ زائد فاضل ہے۔ اس کی کچھ ضرورت نہیں اور ایسی زائد کے لیے عمر کا بڑا حصہ صرف کر ڈالنا اور جو مہم ضروری ہے اس کو غلطی سے چھوڑنا اور اس کے پیچھے تفسیر و فقہ و حدیث جو اصلی و اعلیٰ مرتبہ ہیں ان سے غافل رہنا سخت خسارہ و غبن ہے۔ ہاں اگر عمر دراز ہوا کرتی کہ سب علوم حاصل ہو جاتے تو خیر تھا۔لیکن عمر تھوڑی ہے تو سب سے زیادہ ضروری کو ضروریات پر مقدم کرنا درجہ بدرجہ لازم ہے۔

من جملہ ان امور کے جن کو یہ نحوی ٹھیک سمجھے حالانکہ غلط یہ ہے کہ ابوالحسین ابن فارس نے کہا کہ ایک فقیہ العرب سے پوچھا گیا کہ

((هَلْ يَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ اِذَا أَشْهَدَ الْوُضُوْءُ قَالَ: نَعَمْ))

"یعنی کیا جب مرد، اشہاد کرے تو اس پر وضو واجب ہوگا؟ فرمایا کہ ہاں واجب ہوگا۔"

اور بیان کیا کہ اشہاد یہ ہے کہ مذی نکل آئے (اشہاد کے معروف معنی ہیں گواہ کر لینا) مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسی قسم کے بہت سے مسائل ذکر کیے۔حالانکہ یہ انتہا درجہ کی غلطی ہے اس لیے کہ جب ایک نام دو چیزوں کا مشترک ہو تو فتویٰ میں ایک معنی پر رکھ کر جواب دے دینا بڑی غلطی ہے۔مثلاً کسی نے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ مرد اپنی زوجہ سے حالت قرء میں وطی کرے یا نہ کرے تو واضح ہو کہ قرء کا لفظ اہل لغت کے نزدیک حیض پر بھی بولا جاتا ہے اور پاکیزگی طہر پر بھی بولا جاتا ہے۔تو فقیہ مفتی کا حیض کے معنی لے کر یہ کہنا کہ جائز نہیں ہے۔یا فقط طہر کا معنی لے کر یہ کہنا کہ ہاں جائز ہے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔اسی طرح اگر یہ پوچھا جائے کہ

کیا روزہ رکھنے والا طلوع فجر کے بعد کھا سکتا ہے تو بھی مطلقاً ہاں یا نہیں کہنا جائز نہیں ہے۔ پس جو کچھ فقیہ العرب کا جواب نقل کیا گیا اس میں دو طرح سے غلطی ہے۔ (ایک) یہ کہ اشہاد کا لفظ دو معنی کو محتمل ہے تو اس نے ہر ایک معنی کی راہ سے جواب میں کچھ تفصیل نہ کی (دوم) یہ کہ اس نے حکم کو اس احتمال کی طرف پھیرا جو سب سے بعید تر ہے اور جو معنی زیادہ ظاہر تھے (یعنی گواہ کر لینا) وہ چھوڑ کر دوسرے معنی قلیل الاستعمال غریب کے لیے اور عجب یہ کہ ان نحویوں نے فقہ العرب کا جواب بہت مناسب ٹھہرایا لیکن فقہ نہ جاننے سے یہ سب غلطی اٹھائی۔

فصل

چونکہ عموماً ان لوگوں کا یہی شغل رہتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے شاعروں کے اشعار یاد کرتے اور سیکھتے ہیں۔ یعنی طبیعت اسی قسم کی اجڈ ہوگئی اور طبیعت کو اس جہالت طبعی سے روکنے والی کوئی چیز نہ ملی۔ یعنی نہ تو احادیث شریف کا مطالعہ کیا اور نہ سلف صالحین کی عادت وخصلت سیکھیں، تو ان کی خودرو طبیعت ایسی ہی ہوائے نفسانی کی طرف آگئی اور ناکارہ خیالات کی شرح سے بطالت ابھر آئی۔ لہٰذا بہت کمتر بلکہ شاذ ونادر ان لوگوں میں کوئی پرہیزگاری کے شغل میں نظر آئے گا اور نہ اپنی خوراک کا حلال وحرام دیکھنے والا ملے گا۔ اس لیے کہ فن نحو کے طالب سلاطین ہوتے ہیں تو نحوی انہیں کے حرام مال کھاتے ہیں، جیسے ابو علی الفارسی زیر سایہ عضد الدولہ وغیرہ زندگی بسر کرتے تھے اور اکثر یہ لوگ بہت سے امور کو جائز جانتے ہیں حالانکہ وہ حرام ہوتے ہیں کیوں کہ ان کو علم شرع وفقہ بہت کم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابراہیم بن السری ابواسحاق الزجاج نے خود لکھا ہے کہ میں قاسم بن عبداللہ کو علم ادب سکھلایا کرتا تھا اور اس سے کہا کرتا تھا کہ امیر زادے! اگر تم اپنے باپ کے مرتبۂ وزارت کو پہنچے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے تو وہ کہتا کہ جو تم چاہو تو میں کہتا کہ مجھے بیس ہزار دینار دینا اور یہ مقدار میری ہمت کے نزدیک گویا انتہائی درجہ تھی۔ پھر چند ہی روز گزرے تھے کہ قاسم مذکور مرتبۂ وزارت سے سرفراز ہوا۔ اور میں ہنوز اس کی ملازمت میں تھا، اور اب اس کا ندیم ہو گیا۔ پھر میرے جی میں آیا کہ اس کو وعدہ یاد دلاؤں۔ لیکن مجھے اس سے ہیبت معلوم ہوئی مگر وزارت کے تیسرے روز اس نے خود مجھ سے کہا کہ اے ابواسحاق تم نے مجھے نذر یاد نہیں دلائی۔

میں نے کہا کہ میں نے جانب وزارت کا ادب کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ وحمایت میں رکھے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے خادم کے حق واجب کے بارہ میں نذر یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے تو مجھ سے فرمایا کہ خلیفہ اس وقت معتضد ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مجھے یک مشت تجھے بیس ہزار دینار دینا کچھ دشوار نہ تھا لیکن مجھے خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کو خفیہ خبر پہنچے اور اس کا ایک قصہ ہو جائے۔ اب تم کو مناسب ہے، کہ یہ مال مجھ سے متفرق لینے پر راضی ہو جاؤ۔ میں نے کہا کہ بہت خوب! یہی کروں گا تو مجھ سے کہا کہ میری کچہری کے دروازہ پر بیٹھ جانا اور لوگوں کی درخواستیں و رقعہ لینا ہر ایک سے کار براری کی اجرت ٹھہرا لینا اور ہر قسم کی درخواست خواہ ممکن ہو یا محال ہو جو تجھ سے کہی جائے اس کو میرے سامنے پیش کرنے سے نہ رکنا۔ یہاں تک کہ تجھے اس قدر مال حاصل ہو جائے۔ میں نے اسی پر عمل کیا۔ ہر روز میں درخواستوں کے رقعے ان کے حضور میں پیش کرتا اور وہ ہر رقعہ پر توقیع لکھا کرتے اور بار ہا مجھ سے پوچھتے کہ اس رقعہ پر تیرے لیے سائل نے کیا ضمانت کر لی ہے یعنی تجھے کس قدر دینے کو کہا ہے۔ میں بیان کرتا کہ اس قدر وعدہ کیا ہے تو مجھ سے فرماتے کہ تو نے خسارہ اٹھایا۔ یہ رقعہ تو اس قدر کے لائق تھا تو جا کر ان لوگوں سے اپنا حق بڑھوا لے۔ پس میں لوٹ کر متعلقہ لوگوں سے کہتا کہ مجھے زیادہ دینے کا وعدہ کرو تو میں پیش کر کے اجازت لکھوادوں۔ پس وہ لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے بڑھاتے اور میں برابر انکار کرتا رہتا یہاں تک کہ اس حد تک پہنچ جاتے جو وزیر نے مجھ سے کہی تھی۔ زجاج نے کہا کہ پھر ایک مرتبہ میں نے وزیر موصوف کے سامنے مال عظیم کا رقعہ پیش کیا۔ یعنی کسی چیز کے ٹھیکہ وغیرہ کی درخواست تھی۔ جس کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ تو اسی ایک درخواست میں مجھے بیس ہزار دینار مل گئے۔ اور اس سے زیادہ دولت چند ہی روز میں مجھ کو حاصل ہو گئی۔ پھر چند ماہ کے بعد مجھ سے پوچھا کہ اے ابو اسحاق مال نذر پورا ہو گیا۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ پس وہ خاموش رہا اور برابر اس کے سامنے رقعات پیش کیا کرتا۔ پھر مہینے میں بیس دن کے بعد مجھ سے پوچھتا کہ وہ مال نذر پورا ہو چکا اور میں کہتا کہ نہیں، اس خوف سے کہ میری کمائی جاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ میرے پاس دو چند مال چالیس ہزار دینار سے زائد حاصل ہو گیا۔ پھر جو اس نے ایک روز پوچھا تو مجھے برابر جھوٹ بولنے سے شرم آئی۔ میں نے کہہ دیا کہ جی ہاں حضرت! وزیر کی برکت سے

یہ مال حاصل ہو گیا۔ وزیر موصوف نے کہا کہ واللہ تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیوں کہ جب تم کو یہ مال حاصل نہ ہوتا تب تک میرا دل لگا رہتا۔ پھر وزیر نے دوات اٹھا کر میرے لیے تین ہزار دینار کی ایک چٹھی اپنے خزانچی کو بطور صلہ کے لکھ دی، وہ بھی میں نے لے لی اور آئندہ میں ان کے سامنے رقعات پیش کرنے سے باز رہا اور یہ جانا کہ اب کیونکر مجھے ان سے کچھ وصول ہوگا۔ پھر جب دوسرے روز میں حسب معمول وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھا تو مجھے اشارہ کیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو لاؤ۔ یعنی مجھ سے رقعات و درخواستیں طلب کیں، جیسے پہلے دستور تھا۔ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے کسی سے رقعہ نہیں لیا۔ کیوں کہ نذر پوری ہو چکی تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ اب میں کیونکر جناب وزارت سے توقیع لکھواؤں گا۔ تو فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا تم سمجھتے تھے کہ جو تمہاری عادت پڑ گئی ہے اور لوگوں کو اس کا حال معلوم ہو چکا، اور جس سے ان کے نزدیک تمہارا مرتبہ کھل گیا وہ ہر صبح و شام تمہارے دروازے پر حاضر ہوتے رہتے ہیں وہ میں تم سے منقطع کر دوں گا۔ لوگوں میں منقطع کرنے کی وجہ بھی ظاہر نہیں ہے تو وہ لوگ یہی گمان کریں گے کہ میرے نزدیک تمہاری وجاہت نہیں رہی۔ یا تمہارا رتبہ گھٹ گیا ہے۔ لہٰذا تم بدستور درخواستیں لیتے رہا کرو اور پیش کیا کرو۔ اور اب کسی حساب تک (محدود) نہیں ہے۔ میں نے اٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور دوسرے صبح ہی لوگوں کی درخواستیں لیے ہوئے ان کے حضور میں حاضر ہوا اور ہر روز ان کے حضور میں پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وزیر موصوف نے انتقال فرمایا اور میں اس دولت سے آسودہ ہو چکا تھا۔

مصنف نے کہا کہ دیکھو فقہ سے نادانی کا انجام کہاں تک ہوتا ہے۔ اور دیکھو یہ شخص زجاج جو نحو و لغت میں بڑے درجہ کا آدمی تھا، اگر یہ جانتا کہ یہ معاملہ جو وزیر اور اس کے درمیان جاری ہوا اور کیونکر اس نے لوگوں سے ہر قسم کی درخواستوں پر مال ٹھہرا لیا تھا یہ سب کسی طرح شرع میں حلال نہ تھا۔ تو وہ اس سب قصہ کو بیان نہ کرتا بلکہ سب کو مخفی کر دیتا اور وجہ یہ کہ ہر قسم کے حقوق کو صاحبان حق تک پہنچا دینا شرعاً حکام پر واجب ہے اور اس پر رشوت لینا جائز نہیں ہے اور نہ کوئی امر جو وزیر نے اس کے لیے خلافت کے امور سے مقرر کیا تھا جائز ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ علم فقہ کا مرتبہ عظیم ہے۔

شعراء پر تلبیس ابلیس کا بیان

شاعروں پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ اپنے جی میں مغرور ہوئے کہ تم لوگ اہل ادب ہو اور تم کو خدا نے ایسی دانائی عطا کی جس سے دیگر لوگ محروم ہیں۔ تو تم کو ایک خاص امتیاز عطا ہوا ہے اور جس نے تم کو یہ دانائی دی وہی تمہاری خطا ولغزش بھی عفو فرمائے گا، اگر شاید تم سے (کوئی خطا) سرزد ہو۔ لہٰذا تم دیکھتے ہو کہ شاعر لوگ کیونکر ہر جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں، جھوٹ بولتے، بہتان لگاتے، ہجو کرتے، آبروریزی کرتے اور اپنے اوپر فحش و بدکاری کا اقرار کرتے رہتے ہیں۔ ان کے حالات میں سے کمتر یہ ہے کہ شاعر کسی آدمی کی مدح کرتا ہے تو اس آدمی کو یہ خوف ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو یہ ناخوش ہو کر میری ہجو کرے تو چار و ناچار اس کو دے کر راضی کرتا ہے تاکہ اس کی شرارت سے بچا رہے۔ یا شاعر بے حیا مجمع عام میں ایک شخص کی تعریف کرتا ہے تو وہ لامحالہ دوسروں سے شرم کر کے اس کو کچھ دیتا ہے اور یہ سب زبردستی کرنے کے معنی ہیں۔ بکثرت شعراء کو دیکھا ہے کہ اپنے آپ کو ادیب سمجھتے اور ریشم کا لباس پہن کر حد سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ جلسۂ شراب میں ساقی گل اندام کے ہاتھوں سے مے نوشی کرتے رہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس مجمع اور فجور میں بہت سے اہل ادب جمع تھے۔ مَعَاذَ اللهِ یہ بے ادبی اور یہ دعویٰ ادب۔ حالانکہ ادب تو اللہ کی جناب میں تقویٰ وطہارت کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور جو کوئی امور دنیا میں بڑا ہوشیار ہو، وہ محض بے قدر ہے۔ کیوں کہ یہ سب دنیا اور اس کی چیزیں فنا ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالی عبارت آرائی کچھ کام نہیں کر سکتی جب کہ تقویٰ نہ کیا ہو۔ شاعروں کی عموماً یہی خصلت ہے کہ بھیک مانگتے ہیں۔ گردش چرخ اور تقدیر کی مذمت کرتے اور کفر کے کلمات ہیں۔ چنانچہ بعض کا قول ہے:

إِنْ سَمَتْ هِمَّتِيْ فِي الْفَضْلِ عَالِيَةً
فَإِنَّ حَظِّيْ بِبَطْنِ الْأَرْضِ مُلْتَصِقٌ

''اگرچہ فضیلت میں میری ہمت درجۂ عالیہ پر پہنچی، لیکن میری قسمت زیر زمین چمٹی ہوئی ہے۔''

كَمْ يَفْعَلُ الدَّهْرُ بِي مَالَا اُسَرُّ بِهٖ
وَكَمْ يُسِيْئُ زَمَانٌ جَائِرٌ حَنِقٌ

''زمانہ کب تک میرے ساتھ میری، مرضی کے خلاف برتاؤ کرے گا، اور زمانہ ظالم، بے رحم کب تک برائی کرے گا۔''

یہ شاعر لوگ یہ بھول گئے کہ ایسے ہی گناہوں نے ان کا رزق تنگ کر دیا اور اپنے آپ کو مستحق نعمت ولائق عیش وسلامت جانتے اور بلا ومحنت کو دور سمجھتے ہیں اور کبھی ان کو نہ سوجھا کہ ان پر شرع کے احکام کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کہاں وہ دعویٰ دانائی اور کہاں یہ غفلت وبے حیائی۔

علمائے کاملین پر ابلیس کی تلبیس کا ذکر

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کچھ لوگوں کی ہمت بلند ہوئی تو انہوں نے شرعی علوم قرآن وحدیث فقہ وادب وغیرہ حاصل کیے۔ پھر ابلیس نے خفیہ ان میں خطرات ڈالے اور خود بینی میں پھنسایا کہ اپنے آپ کو عظمت کی آنکھ سے دیکھنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم القدر ہیں کہ اس مرتبہ علمی کو پہنچے اور دوسروں کو فیض پہنچایا۔ پھر بعض کو یہ جنبش دی کہ کہاں تک یہ تکلیف اٹھاؤ گے اب تم راحت حاصل کرو اور یہ لذات لطیفہ ہیں، ان سے نفس کو حصہ دو۔ پھر اگر تم لغزش میں پڑ گئے تو علم تم سے عذاب دور رکھے گا اور ابلیس نے ان کے سامنے علما کی فضیلت پیش کی، اگر اس نے بدبختی سے قبول کر کے اپنے آپ کو ان میں تصور کر لیا تو برباد ہوا اور اگر توفیق الٰہی پائی تو اس کو تین طرح سے جواب دینا چاہیے۔

(اول) یہ کہ علما کی فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے علم کے موافق عمل کیا اور اگر عمل نہ ہوتا تو بے معنی تھا۔ جیسے کسی نے علم زبانی رٹ لیا اور مقصود نہ سمجھا تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے طعام بہت جمع کیا اور بھوکوں کو کھلایا اور خود کچھ نہ کھایا۔ تو اس سے اس کی بھوک کو کچھ نفع نہ ہوگا۔

(دوم) یہ کہ وہ احادیث لائے جن میں ایسے عالموں کی مذمت آئی ہے جو مقتضائے علم کے موافق عمل نہ کریں۔ جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سب لوگوں سے بڑھ کر عذاب

قیامت کے روز ایسے عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے نفع نہیں دیا“ [1] اور جیسے رسول اللہ ﷺ نے نقل کیا کہ ”ایک شخص آگ میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں نکل پڑیں گی تو وہ کہے گا کہ میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا۔ لوگوں کو ممنوعات سے منع کرتا اور خود عمل کیا کرتا تھا“ [2] اور جیسے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس نے نہ جانا اس پر ایک مرتبہ تف (افسوس) ہے اور جس نے جانا اور عمل نہ کیا اس پر سات مرتبہ تف ہے۔

(سوم) ایسے عالموں کو یاد دلائے جو عمل نہ کرے سے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ جیسے ابلیس اور بلعام باعور وغیرہ اور علم کی مذمت میں اللہ تعالیٰ کا قول کافی ہے۔

﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ [3]

یعنی جیسے وہ گدھا جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

فصل

جو علما علم وعمل میں پورے تھے ان پر دوسری راہ سے تلبیس ڈالی کہ ان کو علم کا تکبر دکھلایا اور جو ان کے برابر تھے ان سے حسد پر ابھارا اور سرداری کے لیے ریاکاری پر آمادہ کیا۔

پس کبھی تو ان کو یہ دکھلایا کہ سرداری تمہارے لیے حق واجب ہے اور کبھی ان میں سرداری کی محبت ایسی جمائی کہ اس کو خطائے بیہودہ جان کر اس سے باز نہیں آتے ہیں۔ اس کا علاج ایسے شخص کے واسطے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہو یہ ہے کہ ہمیشہ تکبر وحسد وریاکاری کی مذمت پیش نظر رکھے اور نفس کو آگاہ کرتا رہے کہ ان بدکاریوں کا عذاب دور نہ ہوگا بلکہ علم کے ساتھ دوگنا ہو جائے گا۔ جس نے سلف وصالحین وعلمائے کاملین کے حالات پر نظر رکھی تو ہر حالت میں اپنے نفس کو حقیر دیکھے گا تو تکبر نہ کرے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ ریاکاری

---

[1] اس کی سند عثمان بن مقسم کی وجہ سے ضعیف ہے: الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۶، ۷، فی المقدمۃ۔ الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۵/ ۱۸۰۷ (ترجمہ عثمان بن مقسم)۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۱۸۵، کتاب العلم، باب فیمن لم ینتفع بعلمہ الترغیب والترھیب للمنذری: ۱/ ۱۲۷، فی الترھیب من ان یعلم ولا یعمل بعلمہ، رقم ۱۵۔ فیض القدیر: ۱/ ۶۶۲، رقم ۱۰۵۳۔

[2] بخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفۃ النار وانھا مخلوقۃ، رقم ۳۲۶۷۔ مسلم: کتاب الزھد، والرقائق باب عقوبۃ من یأمر بالمعروف ولا یفعلہ...... رقم ۷۴۸۳۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۹۵، کتاب آداب القاضی، باب مایستدل بہ علی ان القضاء وسائر اعمال الولاۃ مما یکون امرا بمعروف...... مسند احمد: ۵/ ۲۰۵۔ مسند الحمیدی: ۱/ ۲۵۰، رقم ۵۴۷۔ [3] ۶۲/ الجمعۃ: ۵۔

نہ کرے گا اور جس نے جان لیا کہ مقدرات الٰہی حسب ارادہ ازلی جاری ہوتے ہیں تو وہ حسد نہیں کرے گا۔

کبھی ابلیس ان لوگوں پر عجیب شبہے ڈالتا ہے کہتا ہے کہ تمہارا سرداری چاہنا کچھ تکبر نہیں ہے کیوں کہ تم لوگ شرع کے نائب ہو۔ کیوں کہ تم شرع کے اعزاز کے طلب گار ہو اور تم ہی سے بدعت کی بنیاد دست ہوتی ہے اور حاسدوں پر تمہاری زبان درازی حقیقت میں شرع کے واسطے غصہ ہوتا ہے کیوں کہ شرع نے حاسدوں کی مذمت فرمائی ہے اور جس کو تم ریا سمجھتے ہو وہ ریا نہیں ہے کیوں کہ اگر تم نے خشوع کیا اور بناوٹ سے روئے تو لوگ اصل میں تمہاری اقتدا کریں گے جیسے طبیب جب خود پرہیز خوب کرتا ہے تو اس کی بات کا اثر ہوتا ہے۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر ان ہی میں سے ایک نے دوسروں پر تکبر کیا اور بلند مجلس میں بیٹھایا۔ کسی حاسد نے اس کی طرف سے کچھ کہا تو اس عالم کو وہ غصہ نہیں آتا جیسے اپنے واسطے اس کو غصہ آ گیا تھا۔ اگرچہ وہ عالم بھی شرع کا نواب تھا، تو معلوم ہوا کہ اس کا غصہ اپنے واسطے تھا شرع کے واسطے نہیں تھا۔ رہا ریا کاری کرنا تو اس میں کسی کے واسطے کچھ عذر نہیں ہے اور لوگوں کے واسطے کسی کو ریا کاری کرنا حلال نہیں رکھا گیا ہے۔ ایوب السختیانی رحمۃ اللہ علیہ پر جب کسی حدیث کی روایت میں رقت طاری ہوتی تو چہرہ پونچھنے لگتے اور کہتے کہ زکام بہت سخت ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ذکر کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اعمال کا مدار تو نیت پر ہے اوپر رکھنے والا خود دیکھتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خود مسلمانوں کی غیبت کرتے لیکن جب ان کے پاس کسی کی غیبت کی جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور یہ تین وجہ سے گناہ ہے (اول) خوشی کیوں کہ اسی کی وجہ سے غیبت کرنے والے سے یہ معصیت صادر ہوئی ہے (دوم) وہ ایک مسلمان کی آبروریزی سے خوش ہوا۔ (سوم) اس نے غیبت کرنے والے پر انکار نہیں کیا۔

فصل

ابلیس نے علوم میں کامل لوگوں پر تلبیس ڈالی کہ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن میں جان گھلاتے ہیں، یعنی تصنیفات کی مشقت اٹھاتے ہیں۔ ابلیس ان کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ تم لوگ دین کو پھیلاتے ہو اور دل میں ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ نام مشہور ہو۔ آواز بلند ہو مسلمانوں

میں نامور ہوں اور لوگ دور دور سے سفر کر کے ان کی خدمت میں آئیں۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر اس کی تصانیف سے لوگ نفع اٹھائیں، بدون اس کے کہ اس کے پاس آئیں یا جو علما اس کے مثل ہوں ان کے حضور میں طلبا یہ تصانیف پڑھیں تو وہ خوش ہو جائے، تو ایسی صورت میں بیشک وہ علم پھیلانا چاہتا تھا (اور اگر وہ ناخوش ہو اور یہی چاہے کہ طلبا اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو وہ ناموری چاہتا تھا)۔ بعض سلف نے یہ فرمایا کہ جس علم میں نے کوئی تصنیف کی تو یہی چاہا کہ لوگ اس سے نفع اٹھائیں بدون اس کے کہ یہ کتاب میرے نام سے منسوب ہو۔

ان علما میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اس کے پاس آنے والے طلبا بہت ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے اور ابلیس اس پر تلبیس ڈالتا ہے کہ ہماری خوشی اسی وجہ سے ہے کہ علم سیکھنے والے بہت ہیں۔ حالانکہ نفس میں یہ خوشی ہے کہ اس کے شاگرد بہت ہیں اور نام بلند ہے اور اسی قبیل سے یہ کہ ان کی باتوں اور علم سے دل میں مغرور ہوتا ہے اور یہ تلبیس اس وقت کھل جاتی ہے کہ اگر ان میں سے کچھ طلبا کسی اور عالم یا مدرس کے پاس چلے جائیں جو علم میں اس سے فائق ہے تو اس عالم کو اس سے بڑی گرانی ہوتی ہے یہ مخلص کی شان نہیں ہے، اس لیے کہ مخلص علما اور مدرسین کی مثال اطبا کی سی ہے جو لوجہ اللہ مخلوق کا علاج کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر کسی مریض کو کسی طبیب کے ہاتھ سے شفا ہو جائے تو دوسرا خوش ہوتا ہے۔

ہم سابق میں ابن ابی لیلیٰ کی حدیث لکھ چکے ہیں اور اب دوسری اسناد سے اعادہ کرتے ہیں۔ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ایک سو بیس انصاری اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا، ان میں سے ہر ایک کی یہی کیفیت دیکھی کہ جب کسی سے کوئی بات پوچھی گئی تو وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا بھائی اس کام کی کفایت کرتا اور جب کسی سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ یہی چاہتا کہ اس کا بھائی یہ حدیث روایت کر دیتا۔

فصل

بہت سے علمائے کاملین ابلیس کے ظاہری مکر و فریب سے بچ جاتے ہیں تو ان پر وہ مخفی تلبیس لاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تیرے برابر کوئی عالم نہیں پایا اور ابلیس کے داؤ پیچ و آمد

ورفت کا خوب پہچاننے والا تجھ سے بڑھ کر نہیں ہے پس اگر وہ اس جانب ٹھہرا تو خود بینی میں تباہ ہوا۔ اگر اس نے خیال کیا کہ یہ کسی بشر کا کام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے شیطان کے مکر سے بچاتا ہے اور اس کے خفیہ مکر دکھاتا ہے تو البتہ فضل الٰہی سے بچ گیا۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک باغ میں داخل ہوا جس میں ہر قسم کے درخت ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کیے ہیں اور وہاں ہر قسم کے پرندے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کیے ہیں۔ پس ہر پرندے نے اپنی اپنی زبان میں اس شخص سے کلام کیا۔ کہ السلام علیک یا ولی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی تجھ پر سلامتی ہو، پس یہ سنکر اس کا دل ٹھہرا تو یہ شخص اسی کے پنجہ میں گرفتار ہے۔

باب ہفتم

والیان مُلک وسلاطین پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

ابلیس نے اس فرقہ پر بکثرت وجوہ سے تلبیس کر دی۔ان میں سے اصلی تلبیسوں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

(وجہ اول) ان لوگوں کے دل میں ڈال دیا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھتا ہے۔اگر یہ نہ ہوتا تو کیوں تم کو سلطان بناتا اور کیوں بندوں پر نائب کرتا۔یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ اگر یہ لوگ حقیقت میں اس کے نائب ہیں،تو اسی کے قانون شریعت پر حکم کریں اور اسی کی مرضی تلاش کریں،تو البتہ وہ ان کو پسند فرمائے گا۔رہا ظاہری سلطان ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطنت بکثرت ایسے لوگوں کو دی جن کو وہ قطعاً مبغوض ودشمن رکھتا تھا اور بکثرت ایسے لوگوں کو دنیا میں سلطنت و وسعت دی جن کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔(جیسے نمرود اور فرعون وغیرہ) اور ان میں سے بہتوں کو انبیا صالحین پر کر دیا۔حتیٰ کہ انہوں نے انبیا علیہم السلام وصالحین کو قتل کر ڈالا،اور مغلوب کر کے پریشان کیا۔تو یہ سلطنت جو ان کو عطا کی تھی ان پر وبال تھی۔کچھ ان کے واسطے بہتری نہ تھی۔دولت بھی اس حکم میں ہے۔ایسے ہی بدکاروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا نُمْلِی لَھُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْمًا﴾ [1]

"یعنی ہم نے ان کو اسی لیے ڈھیل دے دی تا کہ گناہ بڑھائیں"

(وجہ دوم) یہ کہ ابلیس ان لوگوں سے کہتا ہے کہ سلطان اور والی ملک ہونے کے واسطے ہیبت درکار ہے۔تو اس کا یہ طریقہ نکالتے ہیں کہ علم حاصل کرنے میں حقارت سمجھ کر تکبر کرتے ہیں عالموں کی صحبت کو اپنی شان کے خلاف دیکھتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اپنی جہالت کی رائے پر عمل کرتے ہیں تو دین برباد ہوتا ہے۔یہ تو ظاہر بات ہے کہ جن لوگوں کی صحبت ہو ان ہی کی خصلت طبیعت میں آجاتی ہے۔پس جب دنیا چاہنے والے جاہلوں کی صحبت ہر دم رہی تو طبیعت نے ان ہی کی خصلت حاصل کی۔باوجودیکہ طبیعت میں خود دنیا چاہنے کی خصلت

---

[1] ۳/آل عمران:۱۷۸۔

موجود تھی اور ایسی کوئی چیز آڑے نہ آئی جو اس بدخصلت کو روکتی، یا طبیعت کو اس بدخصلت سے جھڑکتی۔ بس یہی بربادی کا سبب ہے۔

(وجہ سوم) یہ کہ ابلیس ان کو (جانی) دشمنوں سے خوف دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر طرف بہت مضبوط پہرے رکھو، تو بیچارے مظلوم لوگ ان تک پہنچ نہیں سکتے اور جو لوگ ان کی طرف مظالم دور کرنے پر مقرر ہیں وہ اپنے کام میں سست ہوتے ہیں۔ عمرو بن مرۃ الجہنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی کہ ''جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور میں سے کسی امر کا متولی مقرر کیا، پھر اس نے مسلمانوں کی حاجت وضرورت ومحتاجی میں حجاب کر دیا (یعنی پہرہ چوکی مقرر کی کہ حاجت والے اس تک نہیں پہنچ سکتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ اس حاجت وضرورت ومحتاجی میں حجاب فرمائے گا) [1] (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں جب وہ بے انتہا سخت محتاج ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی فریاد نہیں سنے گا، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ''

(وجہ چہارم) یہ کہ سلاطین وامرا ایسے لوگوں کو کار پرداز مقرر کرتے ہیں جو اس کام کے لائق نہیں ہوتے کہ ان کو علم ہے اور نہ دیانت وتقویٰ ہے پس یہ کار پرداز سخت بدی ومعصیت کے انبار ان کے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں تو ان کی آہ و بدعات کے ذخیرے ان سلاطین پر بھی جمع ہوتے ہیں اور یہ جاہل کار پرداز سب لوگوں کو بیوع فاسدہ سے حرام کھلاتے ہیں اور جس شخص پر شرعی سزا معین نہیں لازم آتی اس کو حد مارتے ہیں تو یہ سخت گناہ ان والیان صوبہ کے ساتھ ساتھ ان کے ذریعہ سے سلطان پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ حالانکہ سلطان جاہل یہ سمجھتا ہے کہ ہم تو والی صوبہ کے ذمہ شرط کر چکے تھے، اب ہم عذاب الٰہی سے چھوٹے ہوئے ہیں۔ افسوس یہ خیال باطل ہے۔ کیا یہ مسئلہ بھی نہیں جانتے کہ اگر والی زکوٰۃ نے لوگوں سے زکوٰۃ لے کر ایک فاسق کو مقرر کیا کہ اس قوم کے فقراء میں تقسیم کرے، اس فاسق نے خیانت کی تو والی خود ضامن ہوگا۔

---

[1] ابوداود: کتاب الخراج والامارۃ، باب فی مایلزم الامام من امر الرعیۃ، رقم ۲۹۴۸۔ ترمذی: کتاب الاحکام، باب ماجاء فی امام الرعیۃ، رقم ۱۳۳۲، ۱۳۳۳۔ عبد بن حمید ص ۱۱۹، رقم ۲۸۶، مستدرک الحاکم: ۴/ ۱۰۵، کتاب الاحکام، رقم ۷۰۲۷۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۲/ ۲۷۴، رقم ۸۳۲۔ وفی مسند الشامیین: ۲/ ۳۱۱، رقم ۱۴۰۴۔

(وجہ پنجم) یہ کہ شیطان ان سلاطین کو دکھلاتا ہے کہ امور سیاست میں داخل ہو کر تم اپنی رائے پر عمل کرنے میں اچھی تدبیر کرو گے۔ لہٰذا یہ شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں۔ کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ کاٹنا جائز نہیں اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں۔ ان کا یہ دھوکہ ہے کہ یہ سیاست ہے۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت ناقص ہے، اس کو تکملہ اور ضمیمہ کی ضرورت ہے، اور ہم اپنی آراء کی تکمیل کر رہے ہیں۔ یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے۔ اس لیے کہ شریعت سیاست الٰہی ہے اور محال ہے کہ خدائی سیاست میں کوئی خلل یا کمی ہو جس کی وجہ سے اس کو مخلوق کی سیاست کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [1] (ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی) اور ارشاد ہے: ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ﴾ [2] (اس کے حکم کو کوئی مٹانے والا نہیں) تو جو اس سیاست کا مدعی ہے وہ دراصل شریعت میں خلل اور کمی کا دعویٰ کرتا ہے، اور یہ کفر کی بات ہے۔

ہم کو خبر ملی ہے کہ عضد الدولہ دیلمی ایک لونڈی سے میلان رکھتا تھا جس کی طرف اس کا دل لگا رہتا تھا۔ اس رافضی نے حکم دیا کہ اس لونڈی کو دریائے دجلہ میں غرق کر دیا جائے تاکہ دل کا تعلق جاتا رہے، اور تدبیر ملکی میں اس کی وجہ سے خلل واقع نہ ہو۔ مصنف رحمہ اللہ کہتا ہے کہ یہ محض جنون و جہالت ہے۔ کیوں کہ بے جرم اس مسلمہ کا قتل کرنا کسی طرح حلال نہ تھا اور اس کو جائز سمجھنا کفر ہے اور اگر جائز نہ جانے لیکن مصلحت سے سیاست قرار دے، تو بھی شرع کے مقابلہ میں مصلحت کوئی چیز نہیں ہے (بلکہ مترجم کہتا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق

﴿لَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ [3]

"اس کو مصلحت سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ کیوں کہ اگر اصلاح شریعت ہے تو اس کے خلاف فساد کو اصلاح ٹھہرانا مخالفت ہے۔"

(وجہ ششم) ابلیس ان لوگوں کو لبھاتا ہے کہ اموال سلطنت میں جس طرح چاہو اپنے حکم سے خرچ کرو، کیوں کہ یہ تمہارے حکم میں داخل ہے۔ یہ تلبیس اس طرح کھل جاتی ہے کہ جو شخص اپنے مال میں مُسرف ہو اس پر شرع کے حکم میں حجر ہے۔ یعنی قاضی حکم دے کہ اس کے

[1] ٦/الانعام:٣٨۔ [2] ١٣/الرعد:٤١۔ [3] ٧/الاعراف:٥٦۔

سب تصرفات مالی نافذ نہ ہوں گے۔ تو جب ذاتی مال میں یہ حکم ہے تو خیال کرلو کہ سلطان تو جمیع مسلمانوں کے اموال خزانہ کا محافظ ہے تو وہ غیروں کے مال میں کس طرح خود مختاری سے بے جا خرچ کر سکتا ہے۔ ان اموال خزانہ سلطنت میں سے سلطان کا حق فقط اس کے کام کی اجرت کے اندازہ پر ہے۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم کو خبر پہنچی کہ حماد نے ولید بن یزید الاموی خلیفہ کی مدح میں کچھ اشعار سنائے تو اس نے خوش ہو کر بیت المال میں سے پچاس ہزار روپیہ اور دو لونڈیاں انعام طور پر دیں اور فرمایا کہ عجیب بات یہ ہے کہ عوام الناس یہ بات اس کی تعریف میں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اس کے حق میں انتہا کی ملامت ہے کیوں کہ اس نے مسلمانوں کے بیت المال میں اس طرح بے جا تصرف سے اسراف کیا گویا اخوان الشیاطین سے بڑھ گیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بعضوں کو یہ رچایا ہے کہ فلاں قسم کے لوگوں کو نہ دینا چاہیے۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقت میں پانے کے مستحق تھے۔ تو یہ اسراف کے ساتھ دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔ (مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے شاعروں کی مذمت میں یہ وجہ فرمائی کہ اس بے حیا فرقہ نے اسلام میں شیطان کی اصلی قباحت پھیلانے کا بیڑا اٹھایا، اور بادشاہوں کا دماغ تکبر سے بھر دیا۔ مثلاً اس نے بادشاہ کی تعریف کی کہ حق تعالیٰ فارغ ہے کہ اس نے اپنی ذات کا سایہ ظل اللہ اپنی خلق پر ڈال دیا۔ تو سایہ میں راحت سے بسر کرتے ہیں جب تک ذات پاک باقی ہے یہ سایہ بھی باقی رہے گا لہٰذا ہم پاؤں پھیلاتے سوتے ہیں اور اگر ایسے سایہ میں ہم کو راحت نہ ہو تو ہم ناشکرے ہوں گے۔ کیوں کہ سایہ درخت سے نیند آتی ہے تو ہم عذاب آخرت اور نکال دنیا سب سے بے خوف ہوئے۔ ایسی مدح سے شاہ کا دماغ تکبر سے بھر گیا۔ جس تکبر سے شیطان ملعون ہوا وہ بلائے تکبر امراء میں عام ہو گئی۔ علما ذلیل کیے گئے اور شریعت کا لباس وخوراک وغیرہ سب حقارت سے دیکھا گیا اور دنیاوی آرائش اصل مقصود ہو گئی۔ حتیٰ کہ سلطنت ایک نعمت عظمیٰ سمجھی گئی اور بادشاہ کی اولاد ہی اس کی جان کی خواہاں ہو گئی بادشاہ اور جمہوری سلطنت طریقہ کا جاتا رہا۔ کہاں تک اس کی خرابیاں بیان ہوں۔ ذرا غور سے سب ظاہر ہو جاتی ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

(وجہ ہفتم) ابلیس نے امراوسلاطین پر رچایا کہ فی الجملہ معاصی وحظ نفس تمہارے واسطے چنداں مضر نہیں جب کہ تمہاری قوت سے ملک میں امن و امان ہے اور راہوں کی حفاظت ہے۔ یہی تو تم سے عذاب دفع کرے گا۔ (جواب) یہ ہے کہ جاہل سلطان سے کہا جائے کہ تم تو اسی واسطے مقرر ہوئے تھے اور تمہاری طاعت سب پر لازم کی گئی تھی کہ ممالک اسلام کی حفاظت رکھو اور راہوں کی حفاظت کرو تو تم پر حق واجب تھا پھر تم نے کیا ایسا کام زائد کیا ہے۔ جس سے عذاب دور ہونے کے امیدوار ہو۔ گناہوں سے تم کو منع کر دیا گیا تھا تو جو کچھ تم پر واجب تھا وہ تو تم سے پورا ادا نہ ہوا اور جس سے منع کیا گیا تھا اس میں بڑھ کر نافرمان ہوئے تو عذاب کیوں دفع ہوگا۔

(وجہ ہشتم) ابلیس ان میں اکثر امراوسلاطین پر یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ تم نے خوب ٹھیک انتظام کیا ہے۔ دیکھو سب حالات کیسے مستقیم ہیں۔ حالانکہ ذرا غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے کہ بکثرت خلل وخرابی موجود ہے۔

قاسم بن طلحہ بن محمد الشاہد سے روایت ہے کہ میں نے علی بن عیسیٰ وزیر کو دیکھا کہ ایک شخص کو انگور فروخت کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا۔ وہ انگور فروشوں کے یہاں بیٹھتا تھا جب کوئی شخص ایک ٹوکرا انگور خریدتا تو دے دیتا اور جب دو یا زیادہ خریدتا تو اس پر نمک چھڑک دیتا کہ اس سے شراب نہ بن سکے۔ قاسم نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے سلاطین کو پایا کہ منجموں کو راہوں پر بیٹھنے سے روکتے تا کہ نجوم پر عمل کرنا لوگوں میں نہ پھیل جائے اور ہم نے لشکر کو اس صفت کے ساتھ پایا کہ کسی کے ساتھ بے داڑھی مونچھ کا لونڈا نہ تھا، جو کاکل بنائے اور بال سنوارے ہو، یہاں تک کہ عجمیوں کا میل جول بڑھا تو انہوں نے یہ فحش ایجاد کیا۔

(وجہ نہم) ابلیس نے ان کی نظر میں رچایا کہ سخت مار پیٹ سے لوگوں کے مال کھینچ لیں یعنی مال گزاری وخراج وغیرہ بہت سختی سے وصول کرتے ہیں اور اگر کسی عامل وغیرہ نے خیانت کی تو اس کا مال ضبط کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اختیار فقط اسی قدر ہے کہ خائن پر گواہ قائم کریں یا اس سے قسم لیں۔ ہم کو روایت پہنچی کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے ایک عامل نے لکھا کہ ایک قوم نے خداوندی مال میں خیانت کی ہے اور بدون عذاب وسزا کے ان سے وصول کرنا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ تو جواب میں لکھا کہ اگر وہ لوگ اپنی اس خیانت کے ساتھ خدا سے ملیں تو

مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ان کے خون کا مظلمہ لائے ہوئے خدا سے ملوں۔

(وجہ دہم) ابلیس نے ان کو رچایا کہ اول تو کمزور رعایا سے مال چھین لیتے ہیں پھر اس مال کو خیرات کرتے ہیں۔ اس زعم پر کہ اس سے گناہ مٹ جائے گا۔ بلکہ کہتے ہیں کہ صدقہ کا ایک درم ہمارے دس درم غصب کا جرم مٹائے گا اور یہ باطل ومحال ہے۔ کیوں کہ زبردستی چھین لینے کا گناہ باقی ہے اور رہا صدقہ کا درم تو وہ اگر اس غصب کے مال سے تھا، تو قبول نہ ہوگا اور اگر مال حلال سے تھا تو بھی وہ غصب کا جرم معاف نہیں کرا سکتا اس لیے کہ فقیر کو دینا کچھ دوسرے مظلوم کا حق باقی رہنے کو نہیں روکتا (مترجم کہتا ہے کہ فقہا کی جماعت کثیر نے کہا کہ غصب وغیرہ حرام مال سے صدقہ دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر میں داخل ہے)

(وجہ یازدہم) ابلیس نے ان کو رچایا کہ وہ معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ صلحا کی ملاقات کا بھی بڑا شوق رکھتے ہیں اور ان سے اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ حالانکہ اس خیر سے اس شر کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا۔ اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی۔ وہ تاجر اپنے زمانے کے مشہور صالح مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اس سے چنگی والے کے پاس گئے اور اس تاجر کی سفارش کی۔ اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔ وہیں سے کہلوا دیا ہوتا ہم تعمیل کرتے۔ پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے اس برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے۔ پھر فرمایا کہ میں تمہارے حق میں دعا کیا کروں جب کہ ہزار آدمی تمہارے لیے بددعا کرتے ہیں۔ کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی۔

(وجہ دوازدہم) بعضے عمال اپنے بالادست حاکموں کے واسطے کام کرتے ہیں اور وہ عمال کو ظلم کا حکم کرتا ہے تو یہ منحوس ظلم کرنے لگتا ہے۔ ابلیس اس کو بہکاتا ہے کہ اس کا گناہ اس سردار پر ہے جس نے یہ حکم دیا ہے۔ تجھ پر نہیں ہے کیوں کہ تو اس کے حکم وقانون کے موافق عمل کرتا ہے حالانکہ یہ محض باطل ہے اس لیے کہ یہ شخص اس کے ظلم میں اور ظالمانہ قانون کے عمل درآمد میں

اس کا مددگار ہے اور جو کوئی ظلم و گناہ میں دوسرے کا مددگار ہو وہ عاصی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خمر (شراب) کے بارہ میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی۔ [1] سود کے کھانے والے اور کھلانے والے اور لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [2] اور اسی قسم میں سے یہ ہے کہ مال مملکت بالا دست کے پاس غصب و ظلم وغیرہ سے جمع کر کے لے جاتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ وہ شخص اسراف و بے جا حرکات میں خرچ کرتا ہے تو یہ بھی ظلم کی اعانت ہے۔ جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے مالک بن دینار رحمہ اللہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ آدمی کی خیانت کے واسطے یہ کافی ہے کہ بیت المال میں خیانت کرنے والوں کا مُعین ہو۔

[1] ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب العنب یعصر لخمر، رقم ۳۶۷۴۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب النہی ان یتخذ الخمر خلاً، رقم ۱۲۹۵۔ ابن ماجہ: کتاب الاشربۃ، باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ، رقم ۳۳۸۰۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۳۷، کتاب البیوع، رقم ۲۲۳۵۔ احمد: ۲/ ۲۵، ۷۱۔ [2] مسلم: کتاب البیوع، باب لعن آکل الرباء و موکلہ، رقم ۴۰۹۲۔ ابوداؤد: کتاب البیوع، باب فی آکل الرباء و موکلہ، رقم ۳۳۳۳۔ ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الرباء، رقم ۲۲۷۷۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب ما جاء فی اکل الرباء، رقم ۱۲۰۶۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۵/ ۲۷۵، کتاب البیوع، باب ما جاء فی التشدید فی تحریم الرباء واحمد: ۱/ ۴۴۸۔

باب ہشتم

عابدوں پر عبادت میں تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف نے کہا، واضح ہو کہ سب سے بڑا دروازہ جس سے ابلیس لوگوں کے پاس آتا ہے، وہ جہالت کا دروازہ ہے۔ پس ابلیس جاہلوں کے یہاں بے کھٹکے داخل ہوتا ہے اور رہا عالم تو اس کے یہاں سوائے چوری کے کسی طرح نہیں آسکتا ہے۔ ابلیس نے بہت سے عابدوں پر یہ تلبیس اس لیے پھیلائی کہ ان کو علم شریعت بہت کم تھا کیوں کہ عابدوں میں اکثر یہی حالت ہوتی ہے کہ بدون علم پڑھے عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے علم حاصل کر پھر گوشہ نشین ہو۔

ابلیس نے عابدوں پر اول یہ تلبیس ڈالی کہ انہوں نے علم پر عبادت کو ترجیح دی حالانکہ نوافل سے علم افضل ہے۔ پس ابلیس نے ان کی رائے میں یہ جتایا کہ علم سے عمل مقصود ہے اور عمل سے یہی عمل سمجھے کہ جو جوارح سے حاصل ہوتا ہے اور یہ نہ جانا کہ علم بھی قلبی عمل ہے اور قلبی عمل بہ نسبت ظاہری اعضاء کے اعمال کے افضل ہوتا ہے (بلکہ جوارح کا کوئی عمل بدون قلبی عمل نیت کے درست ہی نہیں ہوتا) مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ زائد علم زائد عبادت سے بہتر ہے۔ یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علم کا ایک باب حاصل کرنا ستر غزوات سے افضل ہے۔ معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک حدیث لکھنا مجھے تمام رات کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

مصنف نے کہا کہ جب ابلیس کی یہ تلبیس ان لوگوں پر چل گئی اور علم چھوڑ کر انہوں نے عبادت کو اختیار کیا تو ابلیس نے عبادت کی ہر شاخ میں ان پر تلبیس ڈالی، چنانچہ ذیل میں بیان ہوتا ہے۔

قضائے حاجت اور حدث میں تلبیس ابلیس کا ذکر

ابلیس نے بعض پر رچایا تو بہت دیر تک پاخانہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس سے جگر ضعیف ہو جاتا ہے۔ چاہیے کہ انداز سے بیٹھے۔ بعض کو دیکھو کہ (پیشاب کرنے کے بعد) کھڑا ہو کر ٹہلتا

اور بناوٹ سے کھانستا (بلکہ ہنہناتا ہے) اور ایک قدم اوپر اٹھاتا ہے اور دوسرا دے مارتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس طریقہ سے وہ خوب قطرات پیشاب سے صفائی کرتا ہے حالانکہ وہ جس قدر ایسی حرکات میں زیادتی کرے گا اسی قدر قطرات نیچے اترنے شروع ہوں گے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانی جو غذا وغیرہ کے ساتھ پیا جاتا ہے وہ انہضام اور ترقیق غذا کے بعد بطور فضلہ مثانہ کی طرف بہا دیا جاتا ہے اور وہاں جمع ہوتا ہے اور جب انسان خود پیشاب کے قصد سے بیٹھتا ہے تو جس قدر پیشاب جمع ہوتا ہے اسے قوت دافعہ بہا دیتی ہے اور جب وہ کھڑا ہو کر کھنکھارنے لگا اور توجہ لگائی کہ کچھ نکلے تو طبیعت جو باقتضاء حکمت الٰہیہ جاری ہے وہ پیشاب کا پانی مثانہ کی طرف لائے گی۔ اور (چونکہ بہانے کی مقدار کا قصد نہیں ہے تو) قطرات ٹپکائے گی اور یہ ترشح کبھی منقطع نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو یہ کافی تھا کہ دو انگلیوں سے نائزہ کو نچوڑ کر پانی سے دھوڈالتا۔

بعض کی یہ حالت ہے کہ ابلیس نے اس کو پانی بہانا اچھا بتلایا حالانکہ سب سے سخت مذہب کے موافق بھی عین نجاست دور کرنے کے بعد سات مرتبہ دھونا کافی وافی تھا اور اگر اس نے ڈھیلوں اور پتھروں کا استعمال کیا تو مخرج سے ادھر ادھر اگر کچھ نہ لگا، تو تین پتھروں سے صاف کرنا اس کو کافی تھا جب کہ صاف ہو جائے اور جس کسی نے اس پر قناعت نہ کی جو شرع نے طریقہ بتلایا ہے تو وہ بدعتی ہے، شرع کا متبع نہیں ہے۔

وضو میں تلبیس ابلیس کا ذکر

ابلیس ان جاہل عابدوں میں سے بعض پر نیت میں تلبیس کرتا ہے۔ چنانچہ تم دیکھو کہ وہ پے در پے زبان سے بکتا ہے۔ اول کہتا ہے کہ میں رفع حدث کی نیت کرتا ہوں، پھر کہتا کہ نماز مباح ہونے کی نیت کرتا ہوں۔ پھر کہتا ہے کہ رفع حدث کی نیت کرتا ہوں۔ اس سب تلبیس کا سبب یہ کہ وہ شرع سے جاہل ہے تو شیطان اس پر وسوسہ ڈالنے میں غالب ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ نیت تو دلی قصد وارادہ کا نام ہے اور زبانی لفظ کچھ بھی نیت نہیں ہے اور اگر فرض کرد زبان ہی سے کہا تھا تو ایک مرتبہ کہنا کافی تھا، اس میں دو دو اور تین تین مرتبہ زبان سے بکنے کے کچھ معنے نہیں ہیں۔ (مترجم کہتا ہے کہ شاید کچھ لوگوں نے بچوں کو تعلیم کے طور پر زبان سے سکھلایا ہو کہ اس کے معنی دل میں لاؤ۔ پھر ان جاہلوں نے اسی لفظ کو نیت قرار دیا) بعض عابد

جاہل کی یہ حالت ہے کہ اس کو وسوسہ دلایا کہ تم اس پانی میں غور کرو جس سے وضو کرو گے۔ یہ بھلا تم کو پاک کہاں سے میسر ہوا تو تمہارا وضو مشکوک ہوگا غرض ہر طرح کے بعید احتمال اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔ حالانکہ اس شخص کے واسطے شرع کا فتویٰ یہ کافی تھا کہ پانی اصل میں پاک ہے تو کسی احتمال کی وجہ سے وہ پاکیزگی سے خارج نہ ہوگا۔ (مترجم کہتا ہے کہ بعض کو دیکھو کہ کھلے منہ کنوئیں سے وضو کا پانی نہیں لیتا کہ شاید اڑتی چڑیا نے اس میں بیٹ کر دی ہو اور شاید کوئی کیڑا اس میں گر کر مر گیا ہو۔ اور ایسے اوہام سے وہ تالاب و دریا تلاش کرتا ہے، **اعوذ باللہ من وساوس الشیاطین**)

بعض پر تلبیس ڈالتا ہے کہ بہت پانی بہاؤ۔ اس میں چار باتیں مکروہ جمع ہو جاتی ہیں۔ (اول) پانی میں اسراف (دوم) وقت برباد کرنا جس کی قیمت کا کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ یہ وسواس نہ واجب ہے نہ مستحب (بلکہ مذموم قبیح ہے تو عمر برباد ہے)۔ (سوم) شریعت پر تعلّی کرنا، کیوں کہ شرع نے تھوڑے پانی کے استعمال کی تاکید فرمائی اور اس نے اور اس حکم پر قناعت نہ کی اور کافی نہ جانا۔ (چہارم) شرع نے تین بار دھونے سے زائد کو ظلم و تعدی ٹھہرایا تھا تو یہ ممنوع میں اول ہی سے داخل ہوا۔ اکثر یہ دیکھا گیا کہ وضو میں سے اس نے یہاں تک طول دیا کہ نماز کا وقت ہی نکل گیا۔ یا اس کا اول وقت فضیلت کا جاتا رہا یا جماعت جاتی رہی۔ ابلیس اس کو تلبیس میں اس طرح پھنساتا ہے کہ تو اس وضو میں احتیاط کر، کیوں کہ تو ایسی عبادت کو شروع کرتا ہے کہ اگر یہ درست نہ ہو تو نماز ہی درست نہ ہوگی۔ اس عابد کو ذرا غور کرنا چاہیے تھا کہ وہ احتیاط میں نہیں ہے بلکہ بے جا مخالفت و اسراف و بیہودگی میں گرفتار ہے۔ ہم نے تو بہت ایسے دیکھے ہیں جو اس قسم کے وسواس میں گرفتار ہیں اور ان کو یہ خیال بھی نہیں کہ ہمارا کھانا پینا حرام ہے یا حلال، اور نہ اپنی زبان کو غیبت سے روکتے ہیں۔ کاش ایسا جاہل برعکس کر لیتا یعنی زبان کو غیبت سے روکتا اور کھانے پینے میں احتیاط رکھتا اور وضو اور اس کے پانی میں شرعی حکم سے کچھ بھی تجاوز نہ کرتا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر سعد رضی اللہ عنہ کی طرف اس حال میں ہوا کہ وہ وضو کر رہے تھے۔ فرمایا "اے سعد! یہ کیا اسراف ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض

کیا کہ کیا وضو میں بھی پانی کا اسراف معتبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اگرچہ تو بہتے دریا سے وضو کرے۔" [1] ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "وضو میں وسواس کے واسطے ایک شیطان مقرر ہے اس کا نام ولہان ہے تم اس سے بچو۔" [2] حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وضو کے شیطان کا نام وَلْہان ہے وہ وضو میں لوگوں پر مضحکہ کرتا ہے۔

ابونعامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نماز کے بعد طول طویل دعا کرتے سنا کہ الٰہی! مجھے فردوس دیجیو اور الٰہی میں یہ مانگتا ہوں اور وہ مانگتا ہوں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے فرزند! تو جنت کی درخواست کر اور جہنم سے پناہ مانگ۔ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا "اس امت میں ایک قوم ہوگی جو دعا کرنے میں اور وضو کرنے میں حد سے بڑھ جائیں گے۔" [3] ابوشوذب نے کہا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تعریض کیا کرتے کہ یہ کیا ہے کہ تم میں سے آدمی ایک مشک سے وضو کرتا ہے، اور ایک پکھال سے نہاتا ہے اور کثرت سے پانی لنڈھاتا اور ملتا جاتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے طریقہ سے مخالفت کرتا ہے۔

ابوالوفاء ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علمائے عاقلین کے نزدیک خوبی وقت کی حفاظت اور عبادت میں پانی کے ساتھ تکلف نہ کرنا ہے اور بیشک حضرت ﷺ نے فرمایا "کہ جس اعرابی نے مسجد میں پیشاپ کر دیا تھا اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو" [4] اور منی کے حق میں فرمایا

---

[1] یہ حدیث حُیَی بن عبداللہ وابن لھیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء وکراھیۃ التعدی فیہ، رقم ۴۲۵۔ احمد: ۲/ ۲۲۱۔ ارواء الغلیل: ۱/ ۱۷۱، رقم ۱۴۰۔ [2] ضعیف ہے اس میں خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔ ترمذی: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ الاسراف فی الوضوء بالماء، رقم ۵۷۔ ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی القصد فی الوضوء، رقم ۴۲۱۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۲۶۷، رقم ۵۷۸۔ احمد: ۵/ ۱۳۶۔

[3] ابوداؤد: کتاب الطھارۃ، باب الاسراف فی الماء، رقم ۹۶۔ ابن ماجہ: کتاب الدعاء، باب کراھیۃ الاعتداء فی الدعاء، رقم ۳۸۶۴۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۲۶۷، کتاب الطھارۃ، رقم ۵۷۹۔ احمد: ۴/ ۸۷۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱۵/ ۱۶۶، کتاب التاریخ، رقم ۶۷۶۳، ۶۷۶۴۔ [4] بخاری: کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، رقم ۲۲۰۔ مسلم: کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات، رقم ۶۵۹، ۶۶۰۔ ترمذی: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی البول یصب الارض، رقم ۱۴۷۔ ابوداؤد: کتاب الطھارۃ، باب الارض یصیبھا البول، رقم ۳۸۰۔ نسائی: کتاب المیاہ، باب التوقیت فی الماء، رقم ۳۳۰، ۳۳۱۔ ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ، باب الارض یصیبھا البول کیف تغسل، رقم ۵۲۸۔

''اگر تیرے لگ جائے تو چاہے اذخر گھاس ہی سے اس کو پونچھ کے دور کر دے۔'' 1 اور جوتے و موزے کے حق میں فرمایا ''اس کو زمین سے رگڑ دے یہی اس کی پاکی ہے۔'' 2 اور جس عورت کا دامن دراز لٹکتا جاتا تھا (اور اس نے پوچھا کہ وہ زمین کی نجاست پر لٹک جاتا ہے) فرمایا ''جو زمین اس کے بعد آتی ہے جب اس سے رگڑا گیا تو پاک ہو جاتا ہے۔'' 3 اور فرمایا کہ لڑکی اگر پیشاب کر دے تو دھویا جائے اور اگر لڑکا ہو تو اس پر چھینٹا دینا کافی ہے۔ 4 (یعنی جب تک یہ دونوں دودھ پیتے ہیں) اور حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جس نے سفر میں چرواہے سے پوچھا کہ تیرے اس تالاب پر درندے بھی پانی پینے آتے ہیں تو حضرت ﷺ نے سفر میں چرواہے سے فرمایا ''تو اس متکلف پوچھنے والے کو کچھ آگاہ مت کر اور فرمایا کہ جو جانوروں نے چھوڑ دیا وہ ہمارے واسطے پاک ہے۔'' 5 اور ایک مرتبہ مقراۃ والا تھا یعنی تھوڑے پانی کا گڑھا تھا۔ اس سے بھی ایک نے اسی طرح پوچھا تھا تو حضرت محمد ﷺ نے مقراۃ والے کو فرمایا کہ اس کو مت آگاہ کر اور دیکھو کہ آنحضرت ﷺ نے اعراب سے مصافحہ کیا اور بعض اوقات حمار پر سوار ہوا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی عادت شریف سے یہ معلوم نہ ہوا کہ پانی بہت چھینکتے تھے اور مسجد کے سقاوہ سے وضو کیا۔ اعراب کا حال سب جانتے

---

1 سنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۴۱۸، کتاب الصلاۃ باب المنی یصیب الثوب۔ سنن دار قطنی: ۱/ ۳۰۵، کتاب الطہارۃ، باب ماورد فی طہارۃ المنی، رقم ۴۴۰۔ احمد: ۶/ ۲۴۳۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۱/ ۱۴۸، رقم ۱۱۳۲۱۔

2 ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب فی الاذی یصیب النعل، رقم ۳۸۵۔ سنن الکبریٰ بیہقی: ۲/ ۴۳۰، کتاب الصلوۃ، باب طہارۃ الخف والنعل۔ 3 ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب فی الاذی یصیب الذیل، رقم ۳۸۳۔ ترمذی: کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی الوضوء من الموطئ، رقم ۱۴۳۔ ابن ماجۃ: کتاب الطہارۃ، باب الارض یطہر بعضہا بعضا، رقم ۵۳۱۔ احمد: ۶/ ۳۹۰۔ دارمی: ۱/ ۲۰۱، کتاب الطہارۃ، باب الارض یطہر بعضہا بعضا، رقم ۷۴۲۔ مؤطا امام مالک: ۱/ ۲۴، کتاب الطہارۃ، باب مالا یجب منہ الوضوء، رقم ۱۶۔ 4 ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب بول الصبی یصیب الثوب، رقم ۳۷۷۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماذکر فی نضح بول الغلام الرضیع، رقم ۶۱۰۔ ابن ماجۃ: کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم، رقم ۵۲۵۔ احمد: ۱/ ۷۶، ۹۷، ۱۳۷۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۴۱۵، کتاب الصلاۃ، باب ماروی فی الفرق بین بول الصبی والصبیۃ۔ سنن الدار قطنی: ۱/ ۳۱۶، کتاب الطہارۃ، باب الحکم فی بول الصبی والصبیۃ...... رقم ۴۶۱۔ 5 دار قطنی: ۱/ ۹۲ کتاب الطہارۃ، باب الماء المتغیر، رقم ۵۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۲۵۸، کتاب الطہارۃ، باب الماء الکثیر ینجس بنجاسۃ تحدث فیہ مالم یتغیر۔ مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۷۶، رقم ۲۵۰۔

ہیں چنانچہ ان میں سے تو ایک وہ تھا جس نے مسجد میں بیٹھ کر پیشاب کر دیا تھا۔ (یعنی یہ لوگ پیشاب سے چنداں احتیاط نہ کرتے تھے اور نہ ان کے ہاتھوں کا احتیاط سے رکھنا قطعی معلوم ہوا لیکن نجاست ظاہر نہ تھی) اور حضرت محمد ﷺ نے یہ سب ہم لوگوں کو تعلیم فرمانے کے لیے کیا تھا اور آگاہ فرمایا کہ پانی اصل طہارت پر ہے۔ رہا یہ کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا "تم لوگ پیشاب سے پرہیز کرو" [1] تو اس کے معنی سمجھنے چاہئیں۔ یعنی پرہیز کرنے کی حد معلوم ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں کہیں پیشاب لگ جائے اس سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کو پانی سے دھو ڈالو۔ وسواس یہ ہے کہ وہ پانی کے پیچھے لگ گیا، اور یہاں تک بہاتا رہا کہ وقت نکل گیا اور ایسی بیہودگی میں وقت گزار دیا کہ شرع نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسود بن سالم رحمۃ اللہ علیہ جو کبار صالحین میں سے تھے۔ پہلے پانی بہت بہایا کرتے تھے پھر اس کو ترک کر کے بہت کم پانی سے وضو کیا تو ایک شخص نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو اسود نے فرمایا کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ ایک ہاتف نے مجھے آواز دی کہ اے اسود! یہ کیا اسراف ہے۔

یحییٰ بن سعید الانصاری نے سعید بن المسیب سے ہم تک یہ حدیث پہنچائی کہ جب وضو تین مرتبہ سے بڑھا تو وہ (برائے ثواب) آسمان پر بلند نہیں کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا اب میں ایسا نہ کروں گا۔ چنانچہ اب مجھے ایک چلو پانی کفایت کرتا ہے۔

---

[1] دارقطنی: ۱/۱۴۳، کتاب الطھارۃ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ، رقم ۴۵۲۔ مجمع الزوائد: ۱/۲۰۷، کتاب الطھارۃ، باب الاستنزاہ من البول۔ الترغیب والترھیب: ۱/۱۳۹۔ الترھیب من اصابۃ البول الثوب، رقم ۳،۴۔ کشف الاستار: ۱/۱۲۹، کتاب الطھارۃ، باب الاستبراء من البول۔

اذان میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

من جملہ تلبیسات کے تلحسین ہے یعنی لحن وراگنی سے اذان دیتے ہیں۔حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو سخت مکروہ جانا ہے۔اس لیے کہ یہ اس مقام تعظیم سے نکال کر راگ وگانے کے مشابہ کرتی ہے۔

ازاں جملہ یہ کہ یہ لوگ اذان فجر سے پہلے ذکر وتسبیح ووعظ شروع کرتے ہیں اور ان چیزوں کے بیچ بیچ میں اذان دیتے تو وہ گڈ مڈ ہو جاتی ہے۔علما نے ایسی چیز کو جو اذان میں ملائی جائے مکروہ رکھا ہے اور ہم نے دیکھا ہے کہ رات میں شب بیداری کرنے والا اکثر منارہ پر چڑھا ہوا قرآن کی سورتیں بلند آواز سے پڑھتا رہا اور ذکر با آواز بلند کرتا رہا اور وعظ کہتا رہا۔گویا اس نے آوازہ بلند کیا اور لوگوں کی نیند حرام کر دی اور جو لوگ اپنے حجرہ میں شب بیداری وتہجد میں تھے ان پر قرات گڈ مڈ کر دی۔یہ سب منکرات میں سے ہے۔

نماز میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ازاں جملہ یہ کہ جو لباس نماز میں پہنا جاتا ہے اس کو باوجود پاک ہونے کے بار بار دھویا، اور کبھی کسی مسلمان نے اس کو چھوا، تو بھی دھوڈالا بعضے ان میں ایسے تھے کہ دجلہ میں اپنے کپڑے دھوتے تھے۔ان کے نزدیک گھر میں دھونا کافی نہ تھا۔ان میں سے بعض کی یہ کیفیت تھی کہ کپڑے کنویں میں لٹکاتے،جیسے یہودی کرتے ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم ان میں سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔بلکہ جب انہوں نے فارس فتح کیا تو یہاں جو کپڑے ہاتھ آئے اور شرعاً پہننے کے لائق تھے یعنی ریشمی وغیرہ نہ تھے ان ہی میں نماز پڑھی اور ان کی چادریں وفرش کام میں لائے۔

بعضے وسوسے والے دیکھے گئے کہ اگر اس کے کپڑے پر ایک چھینٹ پڑی تو وہ سب کپڑا دھوڈالا اور بارہا ایسا کرنے کے واسطے اس نے جماعت چھوڑ دی اور بہتوں نے خفیف بارش میں اس خوف سے جماعت چھوڑی کہ ایسا نہ ہو اس کے کپڑے پر چھینٹ پڑ جائے۔واضح ہو کہ کوئی بدگمان یہ زعم نہ کرے کہ میں پاکیزگی وطہارت وپرہیزگاری سے مانع ہوں۔نہیں بلکہ میں اس تکلیف اور مبالغہ سے منع کرتا ہوں جو حد شرع سے خارج اور اوقات ضائع کرنے والا ہے۔

ازاں جملہ ابلیس نے ان پر نماز کی نیت میں وسوسہ وتلبیس ڈالی۔ چنانچہ بعض کو دیکھو کہ کہتا ہے یہاں تک کہ امام رکوع میں جاتا ہے تو ناچار یہ وسوسہ والا تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس رکوع میں جاتے وقت اس کی نیت کیسے حاضر ہوگئی اور پہلے اس کو حاضری سے کیا چیز مانع تھی۔ میرے خیال میں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ابلیس نے چاہا کہ اس کو فضیلت قرأت وسماعت وغیرہ حاصل نہ ہو۔

وسوسہ والوں میں بعضے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی قسم کھاتے ہیں۔ کہ اکثار کروں گا، اور بعضے طلاق زوجہ واعتاق غلام وصدقۂ مال کی قسم کھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ابلیس کی تلبیسات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شریعت سہل، آسان اور ایسی آفتوں سے پاک وصاف رکھی ہے اور کبھی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے واسطے ان امور میں سے کچھ جاری نہ ہوا۔ ہم کو روایت پہنچی کہ ابو حازم مسجد میں داخل ہوئے تو ابلیس نے ان کو وسوسہ دلایا کہ تم بے وضو ہی نماز پڑھنے کا قصد کرو، تو فرمایا کہ اے دشمن تیری نصیحت میرے حق میں کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اس تلبیس کا کشف یہ ہے کہ وسوسہ والے سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو حضور نیت کا قصد کرتا ہے تو وہ حاضر ہے۔ اس لیے کہ تو کھڑا ہے۔ تاکہ فریضہ ادا کرے اور یہی نیت ہے اور نیت کا محل دل ہے زبان نہیں ہے۔ نیز الفاظ کہنے واجب نہیں ہیں۔ پھر بھی تو نے الفاظ صحیح ادا کر لیے تو اب دوہرانے کی کیا وجہ ہے۔ کیا تیرا گمان ہے کہ تو نے یہ نہیں کہا حالانکہ کہہ چکا ہے تو یہ مرض ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ سے بعضے مشائخ نے ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب حکایت نقل کی کہ ایک شخص نے ابن عقیل سے پوچھا کہ یا حضرت میں عضو دھوتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دھویا اور تکبیر کہتا ہوں پھر کہتا ہوں کہ میں نے تکبیر نہیں کہی تو ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تو نماز چھوڑ دے تجھ پر نماز واجب نہیں ہے۔ تو ایک قوم نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے اس شخص کو یہ فتویٰ دیا ہے تو ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی يُفِيْقَ)) [1]

''یعنی مجنون سے قلم اٹھالیا گیا ہے جب تک وہ تندرست نہ ہو۔

تم دیکھتے ہو کہ جو کہتا ہے کہ میں نے تکبیر کہی۔ پھر کہتا ہے کہ نہیں کہی تو وہ عاقل نہیں ہے اور مجنون پر نماز واجب نہیں ہے (مترجم کہتا ہے کہ شیخ نے بھی ایک اسی قسم کا لطیفہ لکھا ہے کہ وسوسہ والے سے کہا جائے کہ جیسے تو نے ہم سے کہا کہ میں نے تکبیر کہی اسی طرح ابلیس سے کہنا کہ میں کہہ چکا ہوں)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، واضح ہو کہ نماز کی نیت میں وسوسہ کا سبب عقل کی خبطگی اور شرع سے جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ جس کے پاس کوئی عالم آیا وہ عالم کے واسطے تکریماً کھڑا ہوا۔ پس اگر کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ میں اس عالم کے واسطے اس کے علم سے سیدھا اس کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو جاؤں تو یہ اس کی عقل کی سفاہت ہو گی۔ بلکہ کم ازکم یہ بات تو اس کی نیت میں ہے تو اسی طرح آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تاکہ فریضہ ادا کرے تو یہ بات تو اس کی نیت میں متصور ہوتی ہے۔ اس کے واسطے کسی قدر زمانہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ زمانہ و دیر تو اس کے واسطے الفاظ ادا کرنے میں لگتا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ کی ادائیگی کچھ بھی لازم نہیں ہے اور وسواس محض جہالت ہے۔ وسواسی یہ چاہتا ہے کہ ایک آن میں اس کے دل میں ظہر کی نماز ہونا، فرض ہونا، منہ کعبہ کی طرف ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا، بتفصیل الفاظ سامنے حاضر ہو جائے اور یہ محال ہے۔ اسی طرح اگر عالم کے لیے تکریماً کھڑے ہونے میں یہی الفاظ کہنے چاہئیں تو وہاں بھی محال ہو جائے۔ پس جس نے یہ بات پہچان لی، اس نے نیت پہچان لی، پھر واضح ہو کہ نیت کا مقدم ہونا تکبیر پر چاہیے جب تک اس کو فسخ نہ کر لے نیت موجود ہے۔ پس نیت کو تکبیر کے ساتھ ملانے میں یہ تعب کیوں اٹھاتا ہے۔ علاوہ بریں جب نیت اس نے حاضر کر لی تو چاہے جتنی دیر بعد تکبیر کہے وہ تکبیر سے مل جائیگی۔

مسعر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ معن بن عبدالرحمٰن نے ایک رسالہ مجھے دکھلایا اور قسم کھا کر کہا کہ یہ میرے والد کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اس میں دیکھا تو یہ لکھا تھا کہ ''قسم اس اللہ پاک کی جس

---

[1] (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ابوداؤد: کتاب الحدود، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدًا، رقم ۴۴۰۰۔ ترمذی: کتاب الحدود، باب ماجاء فیمن لا یجب علیہ الحدُّ، رقم ۱۴۲۳۔ نسائی: کتاب الطلاق، باب من لا یقع طلاقہ من الازواج، رقم ۳۴۶۲۔ ابن ماجہ: کتاب الطلاق، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم، رقم ۲۰۴۱۔ احمد: ۶/۱۰۰، ۱۰۱۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱/۳۵۵۔ کتاب الایمان: باب التکلیف، رقم ۱۴۲۔

کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو ان تکلف کرنے والوں پر سخت نہیں دیکھا اور نہ آپ کے بعد میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو ان پر سخت دیکھا اور میرا گمان ہے کہ صدیق کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب اہل زمین سے زیادہ ان متکلفین پر سخت تھے۔''

فصل

بعضے وسواسیوں کا یہ حال ہے کہ جب اس نے نیت صحیح کر کے تکبیر کہہ لی تو پھر باقی نماز سے بالکل غافل ہو جاتا ہے گویا نماز سے فقط یہی تکبیر مقصود تھی۔ اس تلبیس کا کشف یہ ہے کہ وسواسی سے کہا جائے کہ تکبیر تو اس عبادت میں داخل ہونے کے واسطے کہی جاتی ہے۔ پھر تو باقی عبادت سے کیوں غافل ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عبادت جو بمنزلۂ گھر کے ہے اس کی حفاظت سے غافل ہوا اور تکبیر جو بمنزلۂ دروازہ کے ہے فقط اس کی حفاظت کرے۔

فصل

بعضے وسواسی کو دیکھا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے اس کی تکبیر اس وقت جا کر ٹھیک ہوتی ہے جب رکعت میں سے بہت خفیف حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وہ ((سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) پڑھتا ہے اور امام رکوع میں جاتا ہے تو اس کے ساتھ رکوع میں چلا جاتا ہے یہ بھی ابلیس کی تلبیس ہے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ پڑھتا رہا۔ یعنی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور اَعُوْذُ بِاللهِ وہ تو سنت تھا اور اس نے قرأت فاتحہ چھوڑی جو واجب ہے کیونکر واجب چھوڑ کر مسنون پڑھتا رہ گیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں بچپن میں اپنے شیخ ابوبکر الدینوری فقیہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتا اور یہی کیا کرتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اے فرزند! فقہا نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے اور (سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ) وغیرہ دعائے استفتاح کے سنت ہونے میں کچھ اختلاف نہیں کیا تو تو ایسے موقع پر سنت چھوڑ کر واجب میں مشغول ہو جایا کر۔

فصل

ابلیس نے ایک قوم پر اپنی تلبیس ڈالی تو انہوں نے بہت سنتوں کو چھوڑ دیا، بوجہ خاص

خاص واقعات کے جوان کو پیش آئے۔ چنانچہ بعض نے صف اول کی حاضر چھوڑ دی، اور کہا کہ اس سے مراد قرب دلی ہے۔ بعض نے نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چھوڑا، اور کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایسا خشوع ظاہر کروں جو میرے دل میں نہیں ہے۔ ہم کو یہ دو فعل دو صالحین بزرگوں سے پہنچے کہ وہ دونوں ایسا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اس کا باعث قلت علم ہے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر لوگ جانتے کہ اذان کہنے اور صف اول میں کیا فضیلت ہے پھر سوائے قرعہ ڈالنے کے کوئی راہ نہ پاتے تو اس کے حاصل کرنے پر قرعہ ڈالتے۔'' [1] حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ ''مردوں کی بہتر صف اول ہے اور بدتر پچھلی صف ہے اور عورتوں کی بدتر صف اول ہے اور بہتر صف پچھلی ہے۔'' [2] (رواہ مسلم) اور رہا ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تو یہ سنت ہے۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ [3] ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تھے اور دائیں پر بایاں ہاتھ رکھتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ''چھڑا کر بائیں پر دایاں رکھ دیا۔'' [4]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم پر ہمارا اس شخص پر انکار جو یہ کہے کہ صف اول کی حاضری سے مراد قرب دلی ہے اور یہ کہ میں نماز میں ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔ اگرچہ وہ شخص اکابر اولیا میں سے کیوں نہ ہو گراں نہ گزرے کیوں کہ شرع میں منکرات پر خاموشی حلال نہیں بلکہ خیانت

---

[1] بخاری: کتاب الاذان، باب فضل التهجير الى الظهر، رقم ۶۵۳۔ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتها، رقم ۹۸۱۔ نسائی: کتاب المواقیت: باب الرخصۃ ان يقال للعشاء العتمة، رقم ۵۴۱۔ احمد: ۲/۵۳۳۔ مؤطا امام مالک: ۱/۱۳۱، کتاب صلاۃ الجماعۃ، باب ماجاء فی العتمۃ والصبح، رقم ۶۔ [2] مسلم: کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتها، رقم ۹۸۵۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب صف النساء وكراهية التأخر عن الصف الاول، رقم ۶۷۸۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل الصف الاول، رقم ۲۲۴۔ نسائی: کتاب الامامۃ، باب ذکر خیر صفوف النساء...... رقم ۸۲۱۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب صفوف النساء، رقم ۱۰۰۰۔

[3] ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلاۃ، رقم ۷۵۴۔ تہذیب الکمال: ۹/۳۵۰ فی ترجمۃ (۱۹۸۶) زرعۃ بن عبدالرحمٰن الکوفی۔ [4] ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلاۃ، رقم ۷۵۵۔ نسائی: کتاب الافتتاح، باب فی الامام اذا رأى الرجل...... رقم ۸۸۹۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب وضع اليمين على الشمال فی الصلاۃ، رقم ۸۱۱۔

ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ابن السبارک رحمۃ اللہ علیہ تو اس طرح کہتے ہیں۔ فرمایا ابن السبارک رحمۃ اللہ علیہ کچھ آسمان سے نہیں اترے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تم میرے پاس طریق سنت کا بیان روشن اور دلیل واضح لائے ہو، تم پر لازم ہے کہ اصل کو لازم پکڑو، لہٰذا دل میں جس کسی کی بزرگی سمائی ہو اسکی وجہ سے شرع کا حکم نہیں چھوڑا جائے گا کیوں کہ شرع سب سے زیادہ بزرگ ہے اور اصول کی تاویل میں لوگوں سے خطا ہو جانی ہمیشہ سے چلی آئی ہے۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کو یہ حدیثیں نہ پہنچی ہوں۔ (مترجم کہتا ہے کہ اسی شرع سے یہ لوگ بزرگ ہوئے تو شرع اصل ٹھہری۔)

فصل

ابلیس نے بہت سے نمازیوں پر حروف کے مخارج میں تلبیس ڈال دی۔ چنانچہ تم بعض کو دیکھو گے کہ وہ الحمد الحمد مکرر سہ کرّر کہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کلمہ کے بار بار اور مکرّر سہ کرر کہنے کی وجہ سے نماز کے ادب سے خارج ہو جاتا ہے اور کبھی نمازی پر تشدید کے ٹھیک نکالنے میں تلبیس ڈالتا ہے اور کبھی غیر المغضوب کے ضاد نکالنے میں تلبیس کرتا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ المغضوب کہتا تھا تو غایت تشدد کی وجہ سے ضاد نکالنے کے ساتھ تھوک نکل پڑتا تھا۔ حالانکہ مراد تو حرف کو صحیح نکالنا ہوتا ہے لیکن ابلیس ان لوگوں کو ایسے فضولیات زائد کی طرف اس لیے لے جاتا ہے کہ تلاوت میں معانی کی فکر سے خارج ہو کر ایسے مبالغات میں پڑ جائیں۔

سعید بن عبدالرحمٰن بن ابی العمیاء نے کہا کہ سہل بن ابی امامہ نے بیان کیا کہ میں اور میرے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں داخل ہوئے وہ اس وقت خفیف نماز پڑھ رہے تھے۔ گویا مسافر کی نماز، جب سلام پھیرا تو میرے باپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے؟ یہ آپ نے فرض پڑھی ہے یا نفل۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے میں نے اس میں کوتاہی نہیں کی سوائے اس کے کہ میں کچھ بھول گیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنے نفوس پر سختی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر سخت کر دے۔ کیوں کہ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کر دی گئی۔ انہیں کے باقی یہ لوگ دیر و صومعہ میں دکھلائی دیتے ہیں۔ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا یعنی رہبانیت کو خود

نکالا ہے۔ [1] ہم نے ان پر فرض نہیں فرمائی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری نماز و قرأت کے درمیان اور میرے درمیان شیطان نے حائل ہو کر تلبیس ڈالنی شروع کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس شیطان کا نام خنزب ہے۔ جب تجھے ایسا معلوم ہو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ لینا اور تین مرتبہ بائیں طرف تھتکار دینا۔'' پس میں نے یہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ [2]

فصل

بہت سے جاہل عابدوں پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ انہوں نے اسی اٹھک بیٹھک کو عبادت سمجھ لیا۔ پس کثرت سے اس میں جان گھلاتے ہیں حالانکہ نماز کے بہت واجبات چھوٹ جاتے اور انہیں جانتے ہیں۔ میں نے غور کر کے بعض لوگوں کو دیکھا کہ امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ان پر تشہد میں سے کچھ پڑھنا باقی رہ گیا تھا وہ تمام نہیں کرتے ہیں حالانکہ اس میں امام کا پڑھنا ان کی طرف سے کافی نہیں ہے۔

ایک گروہ پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ نماز لمبی پڑھتے اور بہت قرأت کرتے ہیں اور نماز کے مسنون امور ترک کرتے بلکہ اس میں مکروہات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں ایک عابد کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ دن میں وہ نفل کو زور سے قرأت کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ میں نے کہا دن میں جہر سے قرأت مکروہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جہر کی قرأت سے میں نیند کو دور کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہاری بیداری کے واسطے سنت طریقہ متروک نہیں ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی ہی نیند غالب ہے تو سو رہو، اس لیے کہ نفس کا بھی حق ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''جو کوئی دن میں جہر سے پڑھے اس پر اونٹ کی مینگنیاں مارو۔'' [3]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الادب، باب فی الحسد، رقم ۴۹۰۴۔ شعب الایمان: ۳/ ۴۰۱، باب فی الصیام، القصد فی العبادۃ، رقم ۳۸۸۴۔ مجمع الزوائد: ۶/ ۲۵۶، کتاب الحدود والدیات، باب زنا الجوارح، الدر المنثور: ۱/ ۳۴۹ و ۶/ ۲۵۹۔

[2] مسلم: کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان الوسوسۃ فی الصلاۃ، رقم ۵۷۳۸۔ احمد: ۴/ ۲۱۶۔ دلائل النبوۃ بیہقی: ۵/ ۳۰۷، باب تعلیم النبی عثمان بن ابی العاص ما کان سببا لشفائہ۔ مسند عبد بن حمید: ص ۱۴۸، رقم ۳۸۰۔ مصنف عبدالرزاق: ۲/ ۸۵، رقم ۲۵۸۲۔ [3] ضعیف ہے۔ تاریخ بغداد: ۱۴/ ۳۳۳، رقم الترجمۃ (۷۶۵۹)۔ کنز العمال: ۷/ ۴۴۵، رقم ۱۹۷۰۸۔

فصل

بہت سے عابدوں پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ رات میں بہت دیر تک بلکہ تمام رات عبادت میں رہتے ہیں اور رات میں جاگتے جاگتے صبح کے قریب سو جاتے ہیں تو نماز فجر بھی جاتی رہتی ہے۔ یا وہ بے وقت اٹھا تو ضرورت سے فارغ ہونے میں جماعت جاتی رہتی ہے۔ یا صبح کو بہت سست اٹھتا ہے تو اپنی آل و اولاد کے واسطے معاش حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے۔

میں نے عبادت گزاروں میں سے ایک شخص حسین قزوینی نامی کو دیکھا کہ وہ جامع منصور میں دن کو بہت ٹہلا کرتا تھا۔ میں نے سبب پوچھا تو بیان کیا کہ اس حیلہ سے نیند کو دفع کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو شرع سے نادانی ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ شرع میں حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ''تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے تو (نماز کے وقت) نماز میں قیام کر اور سونے کے وقت سو بھی جا'' [1] اور فرماتے تھے کہ ''تم پر اوسط طریقہ لازم ہے۔ کیوں کہ جو کوئی اس دین پر غلبہ چاہتا ہے دین اس پر غالب آ جاتا ہے۔'' [2] انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی بندھی ہوئی لٹکتی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے۔ عرض کیا گیا کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے کہ جب نماز پڑھتے تھک جاتی یا اونگھ آتی ہے تو یہ رسی تھام لیتی ہے تو فرمایا کہ اس کو کھول دو۔ پھر فرمایا کہ جب تک تم میں سے آدمی چاق (ہوشیار و چوکنا رضی اللہ عنہا) رہے تب تک پڑھے۔ جب اس کو تھکان یا سستی آئے تو باز رہے۔'' [3] ام

---

[1] بخاری: کتاب التہجد، باب من نام عند السحر، رقم ۱۱۵۳۔ مسلم: کتاب الصوم، باب النہی عن صوم الدھر، رقم ۲۷۳۷۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب ما یؤمر بہ من القصد فی الصلاۃ، رقم ۱۳۶۹۔ نسائی: کتاب الصوم، باب فی صوم یوم وافطار یوم، رقم ۲۳۹۲۔ احمد: ۲/ ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰۔ ۶/ ۲۶۸۔

[2] ابن خزیمہ: ۲/ ۹۹، ابواب صلاۃ اللیل، باب الامر بالاقتصاد فی صلاۃ التطوع، رقم ۱۱۷۹۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/ ۱۸، کتاب الصلاۃ، باب القصد فی العبادۃ والجہد فی المداومۃ۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۴۵۷، کتاب صلاۃ التطوع، رقم ۱۱۷۶۔ احمد: ۵/ ۳۵۰۔ تاریخ بغداد: ۸/ ۹۱، رقم ۴۱۸۷۔

[3] بخاری: کتاب التہجد، باب ما یکرہ من التشدد فی العبادۃ، رقم ۱۱۵۰۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب امر من نعس فی صلاتہ، رقم ۱۸۳۱۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب النعاس فی الصلاۃ، رقم ۱۳۱۲۔ نسائی: کتاب قیام اللیل وتطوع النہار: باب احیاء اللیل رقم ۱۶۴۴۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ما جاء المصلی اذا نعس، رقم ۱۳۷۱۔

المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث روایت کی ”جب تم میں سے کوئی اونگھے تو سو رہے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے۔ کیوں کہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو شاید قصد تو کرے استغفار کرنے کا اور لگے اپنے نفس کو برا کہنے۔“ [1] یہ حدیث صحیح ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اس سے قبل کی حدیث کے ساتھ صرف بخاری منفرد ہیں۔ رہا عقل کا بیان تو آدمی نیند (آرام) لینے سے قوی چاق ہو جاتے ہیں جو تکان سے ماندے ہو گئے تھے اور جب نیند کو ضرورت کے وقت ٹال جائے گا تو اس کے بدن و عقل میں ضرر پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جہالت سے ہم کو محفوظ رکھے۔

اگر کوئی کہے ہم کو روایات پہنچی ہیں کہ اگلے زمانہ کے بہت سے بزرگ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ ہاں ان لوگوں نے رفتہ رفتہ تمام رات شب بیداری کی عادت ڈالی تھی اور انہیں نماز صبح کی محافظت اور جماعت سے ادا کرنے پر بھروسہ اور کافی اعتماد تھا اور وہ کچھ قیلولہ سے مدد لیتے تھے اور باوجود اس کے کھانا بھی کم کھایا کرتے تھے۔ ان ترکیبوں سے ان کو یہ بات حاصل ہوگئی۔ پھر ہم کو یہ کسی روایت سے معلوم نہ ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تمام رات نہیں سوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طریقہ مسنون کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

فصل

ایک جماعت شب بیداروں پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ دن میں شب بیداری کے حالات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک کہتا ہے کہ فلاں موذن نے فجر کی اذان البتہ ٹھیک وقت پر کہی تھی۔ اس سے غرض یہ کہ اس وقت آپ کی شب بیداری معلوم ہو۔ پھر اگر یہ شخص ریا کاری سے بچ بھی گیا تو کمتر درجہ یہ ہے کہ یہ شخص خفیہ دفتر ہٹا کر علانیہ دفتر میں لکھا جائے گا تو ثواب کم ہو جائے گا۔

فصل

ایک اور جماعت پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ نماز و عبادت اور تہجد وغیرہ کے لیے

---

[1] بخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم، رقم ۲۱۲۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب امر من نعس فی صلاتہ بان یرقد، رقم ۱۸۳۵۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب النعاس فی الصلاۃ، رقم ۱۳۱۰۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الصلاۃ عند النعاس، رقم ۳۵۵۔ نسائی: کتاب الطہارۃ، باب النعاس، رقم ۱۶۲۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ما جاء فی المصلی اذا نعس، رقم ۱۳۷۰۔

علیحدہ ایک ایک مسجد میں بیٹھ گئے۔ تو یہ لوگ مسجد کے نام مشہور ہوئے اور ہر ایک کی نماز کے ساتھ ایک جماعت نے شرکت کی اور لوگوں میں ان کی خبر مشہور ہوگئی۔ یہ بھی ابلیس کے وساوس میں سے ہے اور نفس خوش ہوتا ہے اور عبادت پر زیادہ قیام کرتا ہے کیوں کہ اس کو اعتماد ہے کہ اس طرح وہ نیک نام مشہور ہوگا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی ''مرد کی سب سے بہتر نماز اس کے گھر میں سوائے فرض نماز کے۔'' [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ عامر بن عبد قیس کو ناگوار ہوتا تھا کہ کوئی ان کو نماز پڑھتے دیکھے اور وہ کبھی مسجد میں نوافل نہ پڑھتے۔ حالانکہ ہر روز ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ جب نماز پڑھتے اور کوئی آنے والا آتا تو لیٹ جاتے۔

فصل

عابدوں کی ایک جماعت پر ابلیس نے تلبیس ڈالی کہ وہ لوگوں کے مجمع میں رونا شروع کرتے ہیں۔ یہ بات اگرچہ ایسی ہے کہ کبھی دل نرم ہو کر گریہ طاری ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس کو روک سکتا ہو اور پھر نہ روکے تو اس نے اپنے نفس کو ریا کاری کے واسطے پیش کیا۔ عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو ان کے رونے سے نرم و درناک آواز نکلتی تھی اور اگر کسی کے سامنے ایسا کرنے کو ان سے کہا جاتا تو کبھی نہ کرتے اگرچہ ان کو سب دنیا دیدی جاتی۔ ابو ایوب السختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ جب مجلس میں ان پر رونا غالب ہوتا تو اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

فصل

عابدوں کی ایک قوم پر ابلیس نے یہ تلبیس ڈالی کہ نماز پڑھتے ہیں تو رات و دن ایک کرتے ہیں، لیکن باطنی عیوب کی اصلاح پر نظر بھی نہیں کرتے اور نہ اپنے کھانے پینے کے حلال وحرام کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ نفل نمازوں کی اس کثرت سے ضروری امر یہ تھا کہ واجبی خصائل باطنی

---

[1] بخاری: کتاب الاذان، باب صلاۃ اللیل، رقم ۷۳۱۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازھا فی المسجد، رقم ۱۸۲۵، ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب صلوٰۃ الرجل التطوع فی بیتہ، رقم ۱۰۴۴۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل صلاۃ التطوع فی البیت، رقم ۴۵۰۔ نسائی کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب الحث علی الصلاۃ فی البیوت والفضل فی ذلک، رقم ۱۶۰۰۔

اور فریضۂ اکل حلال وغیرہ کی طرف پہلے دھیان کرتے۔

قرأت قرآن میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

ان میں سے ایک گروہ پر ابلیس نے تلبیس کی کہ بہت مقدار سے تلاوت کرتے ہیں اور تیزی سے رواں چلے جاتے ہیں، کہ صحیح حروف بھی ادا نہیں کرتے ہیں، نہ اس میں ترتیل ہے نہ تثبیت ہے اور یہ کچھ پسندیدہ حالت نہیں ہے۔ بعض سلف سے جو روایت ہے کہ ایک روز میں ختم قرآن کیا یا ایک رکعت میں کیا تو یہ شاذ و نادر ہے اور اگر کسی نے مداومت بھی کی ہو اور یہ جواز بھی ہو تو بھی ترتیل اور تثبیت سے پڑھنا علما کے نزدیک مستحسن ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے قرآن تین روز سے کم میں پڑھا، تو اس نے سمجھ حاصل نہ کی۔'' [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس نے قراء کی ایک جماعت پر یہ تلبیس کی کہ رات میں مسجد کے منارہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ایک یا دو پارہ کے قریب پڑھتے ہیں۔ تو یہ لوگ ریاکاری کے روبرو ہوتے ہیں اور لوگوں کو بے جا تکلیف و ایذا دیتے ہیں۔ یعنی قرآن سننا فرض ہے تو وہ خواہ مخواہ ہر کام سے مجبور ہو جاتے ہیں اور سونے نہیں پاتے۔ بعض کا یہ دستور ہے کہ اذان کے وقت محلہ کی مسجد میں پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ وقت لوگوں کے جمع ہونے کا ہوتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو میں نے دیکھی یہ کہ ایک قاری ہر جمعہ کے روز صبح کی نماز لوگوں کو پڑھا کر جب سلام پھیرتا تو سورت ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر ختم قرآن کی دعا پڑھنے لگتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ حضرت نے آج ختم قرآن فرمایا ہے یہ سلف کا طریقہ نہ تھا۔ وہ لوگ اپنی عبادت کو حتی الامکان مخفی کرتے تھے۔ چنانچہ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کے کل اعمال مخفی تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہوں نے تلاوت کے لیے مصحف کھولا تھا کہ اچانک کوئی آگیا تو اس کو اپنے کپڑے کے نیچے چھپا لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ قرآن بہت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ پتہ نہیں لگتا تھا کہ کب ختم

---

[1] ابوداؤد: کتاب الصلواۃ، باب فی کم یقرأ القرآن، رقم ۱۳۹۰، ۱۳۹۴۔ ترمذی: کتاب القراءات باب ماجاء انزل القرآن علی سبعۃ احرف، رقم ۲۹۴۹۔ ابن ماجۃ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب فی کم یستحب ختم القرآن، رقم ۱۳۴۷۔ داری: ۱/۳۷۳ کتاب الصلاۃ، باب فی کم ختم القرآن، رقم ۱۴۶۴۔ احمد: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، ۱۹۵۔

کرتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قاریوں پر ابلیس کی تلبیس کا بہت سا بیان اوپر ہو چکا ہے۔

روزہ میں عابدوں پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کچھ لوگوں کی نظروں میں ابلیس نے ہمیشہ روزے رکھنے اچھے معلوم کرائے اور یہ بات اگرچہ ناجائز نہیں ہے بشرطیکہ سال میں پانچ ایام منہیہ کے روزے نہ رکھے جس میں روزہ حرام ہے، لیکن عموماً یہ طریقہ اختیار کرنے میں بحسب حالت زمانہ کے دو آفتیں کھلی ظاہر ہیں۔

(اول) اکثر اس سے اعضاء اور قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں آدمی اپنے اہل وعیال کی معاش پیدا کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے اور اپنی زوجہ کی عفت بھی نہیں بچا سکتا۔ (یعنی وہ عفیفہ جب مقتضائے طبیعت سے آسودہ نہیں ہوتی تو مغلوب ہو کر فتنہ میں پھنس جاتی ہے) صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری زوجہ کا تجھ پر حق ہے۔'' [1] نیز اس نفل عبادت کے پیچھے بہت سے فرائض ترک ہو جاتے ہیں۔

(دوم) فضیلت جاتی رہتی ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب سے افضل روزہ داؤد علیہ السلام پیغمبر کا روزہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب جہاد میں کافروں سے مقابلہ ہوتا تو نہیں بھاگتے تھے۔'' [2] (یعنی قوت باقی رہتی تھی)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے تو فرمایا ''کیا یہ تیرا ہی حال مجھ سے بیان ہوا کہ تو رات بھر نماز پڑھتا ہے۔ یا فرمایا کہ تیرا ہی قول مجھ سے بیان کیا گیا ہے

---

[1] بخاری: کتاب النکاح، باب لزوجک علیک حقًا، رقم ۵۱۹۹۔ مسلم: کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ اوفوت بہ حقًا، رقم ۲۷۳۰۔ ابوداوٗد: کتاب الصیام، باب صوم شوال، رقم ۲۴۳۲۔ ترمذی: کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الاربعاء والخمیس، رقم ۷۴۸۔ احمد: ۲/۱۹۸۔ نسائی: کتاب الصیام، باب صوم یوم وافطار یوم، رقم ۲۳۹۳۔

[2] بخاری: کتاب الصوم، باب صوم الدھر، رقم ۱۹۷۶۔ مسلم: کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدھر لمن تضرر، رقم ۲۷۳۹۔ ابوداوٗد: کتاب الصوم، باب فی صوم یوم وفطر یوم، رقم ۲۴۴۸۔ ترمذی: کتاب الصوم، باب ماجاء فی سرد الصوم، رقم ۷۷۰۔ نسائی: کتاب الصوم، باب صوم عشرۃ ایام من الشھر، رقم ۲۴۰۲۔ ابن ماجہ: کتاب الصیام باب ماجاء فی صیام داوٗد، رقم ۱۷۱۲۔

کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور دن بھر روزہ رکھا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میں نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، ایسا مت کرنا بلکہ رات میں نماز پڑھ اور خواب بھی کر اور روزہ بھی رکھ اور چھوڑ بھی دے اور مہینہ میں فقط تین دن روزے رکھا کر، یہ ہمیشہ کے روزہ کے مانند ہے۔ (یعنی ہر روز دس گنا ہو کر مہینہ ہو گیا)

میں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس سے زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور دو روز چھوڑ دے۔ میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا کہ پھر ایک روز روزہ رکھ اور ایک روز افطار کر اور یہ سب سے زیادہ عدل کا روزہ ہے۔ یہ داؤد نبی اللہ کا روزہ ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس سے افضل کی قوت رکھتا ہوں تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے۔" [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو خبر پہنچ گئی ہے کہ ایک جماعت سلف صالحین ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے (جواب) ہاں، لیکن ان کے پاس قوت وسامان تھا کہ وہ اس کو اور بال بچوں کی عیال داری کو جمع کر سکتے تھے اور شاید ان میں سے اکثر کے عیال ہی نہیں تھے اور نہ ان کو کمائی کی ضرورت ہوتی تھی پھر ان میں سے بعض نے آخر عمر میں ایسا کیا ہے۔ علاوہ بریں حضرت محمد ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس سے افضل کچھ نہیں ہے، تمہاری یہ سب گفتگو ختم کرتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ قدماء مشائخ کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ رکھنا ایسی حالت میں اختیار کیا کہ کھانا بھی جھوٹا موٹا تھا وہ بھی بہت کم ملتا تھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بعض کی بینائی جاتی رہی اور بعض کا دماغ خشک ہو گیا اور یہ نفس پر ظلم ہے کہ اس کا حق واجب ادا نہ کیا گیا اور اس پر ایسی سختی کی گئی جس کو وہ برداشت نہ کر سکا۔

فصل

کبھی عابد کے نام پر یہ امر مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اور اس کو یہ

[1] بخاری: کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، رقم ۱۹۷۵۔ مسلم: کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ، رقم ۲۷۲۹، ۲۷۳۴۔ ابوداؤد: کتاب الصیام، باب صوم الدھر تطوعا، رقم ۲۴۲۷۔ نسائی: کتاب الصیام، باب صوم یوم وافطار یوم، رقم ۲۳۹۳، ۲۴۰۳۔ احمد: ۲/ ۱۸۸۔

شہرت بھی معلوم ہو جاتی ہے تو بھی وہ افطار نہیں کرتا۔ بلکہ اگر افطار کیا تو بھی افطار چھپاتا ہے تاکہ اس کی شہرت میں فرق نہ آئے۔ یہ باریک ریاکاری میں سے ہے۔ اگر وہ اخلاص اور چھپانا چاہتا تو خاص کر ایسے لوگوں کے سامنے افطار کرتا جن کو اس کا دائمی روزہ دار ہونا معلوم ہوا ہے، پھر لوگوں سے چھپا کر بدستور روزہ رکھنے لگتا۔ ان میں سے بہت ایسے ہیں جو لوگوں سے کہتے ہیں کہ آج بیس سال ہوئے کہ میں نے کبھی روزہ نہیں چھوڑا ہے۔ ابلیس اس کو یہ وسوسہ دلاتا ہے کہ تم تو اس لیے آگاہ کرتے ہو تاکہ لوگ تمہاری اقتدا کریں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نیت خوب جانتا ہے۔ سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بندہ مدت تک ایک عمل خفیہ کیا کرتا ہے پھر برابر اس کو شیطان ابھارتا رہتا ہے۔ آخر وہ لوگوں سے بیان کرنے لگتا ہے تو خفیہ دفتر سے نکال کر علانیہ والوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

بعض عابدوں کی یہ عادت ہے کہ وہ دوشنبہ و جمعرات کا روزہ معمول بنا لیتے ہیں تو وہ جب اس روز کھانے کے لیے بلائے گئے تو کہتے ہیں کہ بھائی آج دوشنبہ یا جمعرات ہے اور یہ کہنا کہ میں روزہ سے ہوں اس لیے گراں ہوتا ہے کہ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے حضرت کی معمولی عادت یہ ہے کہ دوشنبہ و جمعرات کو روزہ رکھتے ہیں۔ ان میں بہت ایسے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ وہ بے روزہ ہیں اور حضرت روزہ دار ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ روزہ تو ہمیشہ رکھیں گے لیکن کھانا جیسا پایا (حرام وحلال) اس پر افطار کر لیا اور دن میں غیبت کرنے سے پیٹ بھرا کرتے ہیں اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے آنکھ بند نہیں کرتے۔ وہ کسی طرح کا کچھ باک نہیں کرتے۔ نہ غیبت سے نہ بدنظری سے نہ فضول کلام سے۔ ابلیس اسے وسوسہ دلاتا ہے کہ آپ تو روزہ دار ہیں۔ روزہ ایسے امور کے گناہ آپ سے روکتا ہے اور یہ سب تلبیس ہے۔

حج کرنے میں عابدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

کبھی انسان ایک حج فرض ادا کر چکتا ہے۔ پھر بغیر رضائے والدین کے دوبارہ حج کو نکل جاتا ہے۔ یہ غلطی ہے اور بارہا ایسی حالت میں مر جاتا ہے کہ اس پر قرضے و مظالم جمع ہیں اور کبھی اس کی نیت سیر و سیاحت ہوتی ہے اور کبھی ایسے مال سے حج کرتا ہے جس میں حرام کا شبہ ہے اور

بعض کو دلچسپی ہوتی ہے کہ لوگ لینے آئیں اور حاجی صاحب کے لقب سے پکاریں۔ جس قدر حاجی ہوتے ہیں عموماً ان کی یہ کیفیت ہے کہ راہ میں فرائض وطہارت ترک کرتے ہوئے جا کر کعبہ کے گرد ناپاک دلوں سے جن میں تقویٰ وطہارت کا اثر نہیں جمع ہوتے ہیں اور ابلیس ان کو حج کی ظاہری صورت دکھلا کر مغرور کرتا ہے۔ حالانکہ حج سے مقصود یہ تھا کہ دلوں سے تقرب ہو نہ کہ بدن سے قرب ہو، اور یہ بات جب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ تقویٰ وطہارت اختیار کرے۔ بہت سے لوگ مکہ کو فقط اسی غرض سے بار بار جاتے ہیں کہ ان کے حج شمار کیے جائیں۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ فضل خدا سے بیس حج مجھے میسر ہوئے اور بعضے وہاں کی دربانی سے ناموری چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتا ہے کہ بیسواں مرتبہ توقف کا ہے اور بہت سے مجاور مدت تک رہتے ہیں۔ حالانکہ باطنی پاکیزگی کی طرف توجہ کبھی نہ ہوئی اور اکثر تو ایسے لوگوں کا قصد یہ ہوتا کہ کسی آنے جانے والے سے کچھ مال حاصل ہو جائے یا اس کی کوئی سبیل نکل آئے اور کبھی خود بیان کرتا ہے کہ یہاں بیس سال سے مجاور ہوں۔ میں نے بہت سے حج کے جانے والے راہ مکہ میں ایسے دیکھے کہ ساتھیوں کو پانی سے روکتے اور پانی پر لڑتے مرتے ہیں اور راہ میں ان سے بری طرح پیش آتے ہیں اور غلاموں سے سختی اور تنگی کرتے ہیں۔

ابلیس نے بہت سے حج کو جانے والوں پر تلبیس ڈالی کہ نمازیں چھوڑتے جاتے ہیں اور فروخت کریں تو کم تولتے ہیں۔ ان کا گمان یہ کہ حج تمہارے سب گناہ دور کرے گا۔

ابلیس نے ایک جماعت پر یہ تلبیس کی کہ مناسک حج میں ایسی باتیں نکالتے ہیں جو پہلے شرع میں نہ تھیں اب نئی بدعتیں ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ احرام میں ایک مونڈھا کھولتے ہیں اور دیر تک دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں۔ تو ان کی کھال اتر جاتی ہے اور ان کی بری حالت ہو جاتی ہے تو اس سے لوگوں میں اپنی فضیلت و بزرگی ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ''ایک کو دیکھا کہ نکیل کے ساتھ طواف کعبہ کرتا ہے تو اس کی رسی کاٹ دی۔''[1] دوسری روایت میں اس طرح آیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ایک کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو جس کی ناک میں رسی پڑی ہے کھینچتا ہوا

[1] بخاری: کتاب الحج، باب اذا رأی سیرًا او شیئًا یکرہ فی الطواف قطعہ، رقم ۱۶۲۱۔ نسائی: کتاب مناسک الحج، باب الکلام فی الطواف، رقم ۲۹۲۴۔

طواف کراتا ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے اس کو قطع کر دیا۔ پھر حکم کیا کہ ہاتھ تھام کر طواف کرا دے۔ [1]
مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث دین میں بدعت نکالنے سے مانع ہے۔ اگرچہ بدعتی نے اس سے بندگی کا قصد کیا ہو۔

فصل

ابلیس نے ایک قوم پر تلبیس ڈالی تو وہ توکل کے مدعی بن کر بغیر زادِ راہ چل کھڑے ہوتے ہیں اور جہالت سے سمجھتے ہیں کہ یہ توکل ہے۔ حالانکہ یہ تو بڑی غلطی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نے کہا کہ میں حج مکہ کو بغیر زادِ راہ کے توکل پر جانا چاہتا ہوں۔ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر بغیر قافلہ کے اکیلا بیابان میں چل نکل قافلہ کے ساتھ نہ ہو۔ کہنے لگا کہ جی نہیں، یہ تو نہیں کر سکتا۔ میں تو قافلہ ہی کے ساتھ رہوں گا۔ تو امام نے فرمایا کہ پھر تو تم نے آدمیوں کے قافلہ پر توکل باندھا ہے۔

مجاہدین پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابلیس نے بہت لوگوں پر تلبیس کی کہ وہ جہاد کو نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس سے ان کی صرف یہ مراد و نیت ہوتی ہے کہ اس ریا و نمود سے فخر و عزت حاصل ہو اور لوگ کہیں کہ فلاں مرد غازی ہے اور اکثر یہ مقصود ہوتا ہے کہ شجاع و بہادر کہا جائے یا غنیمت حاصل کرنا مقصود ہوتی ہے اور اعمال کا مدار تو نیتوں پر ہوتا ہے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ آپ مجھے آگاہ فرمائیں کہ آدمی کبھی تو شجاعت کے واسطے قتال کرتا ہے اور کبھی حمیت سے لڑتا ہے اور کبھی ریاکاری سے جنگ کرتا ہے، تو ان میں راہ الٰہی میں کس کا قتال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہونے کے واسطے لڑے وہ راہ الٰہی میں ہے۔ [2] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

---

[1] بخاری: کتاب الحج، باب الکلام فی الطواف، رقم ۱۶۲۰۔ ابوداؤد: کتاب الایمان والنذور، باب من رأی علیہ کفارۃ اذا کان فی معصیۃ، رقم ۳۳۰۲۔ نسائی: کتاب مناسک الحج، باب الکلام فی الطواف، رقم ۲۹۲۳۔

[2] بخاری: کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾ رقم ۷۴۵۸۔ مسلم: کتاب الامارۃ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، رقم ۴۹۲۰۔ ترمذی: کتاب فضائل الجہاد، باب فیمن یقاتل ریاء وللدنیا، رقم ۱۶۴۶۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، رقم ۲۵۱۷۔ (بقیہ آگے صفحہ پر)

نے فرمایا کہ جو شخص مارا جائے تو تم یہ کبھی نہ کہا کرو کہ فلاں شہید مرا یا فلاں شہید مارا گیا کیوں کہ آدمی کبھی اس لیے لڑتا ہے کہ غنیمت حاصل کرے اور کبھی اس لیے کہ اس کا نام باقی رہے اور کبھی اس کا مرتبہ ظاہر ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ ''قیامت کے روز سب سے پہلے تین لوگوں میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک جو شہید ہوا وہ لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر نعمتیں ظاہر فرمائے گا وہ پہچان جائے گا۔ پھر اس سے فرمائے گا کہ تو نے ان نعمتوں سے کام لیا وہ عرض کرے گا کہ تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے اس لیے قتال کیا کہ تو شجاع کہلائے، یہ کلمہ تیرے حق میں کہہ دیا گیا۔ پھر حکم دے گا تو وہ شخص منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈالا جائے گا۔ دوسرے وہ شخص جس نے علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا۔ پس وہ لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں ظاہر فرمائے گا وہ پہچان جائے گا پھر فرمائے گا کہ تو نے ان سے کیا کام کیا، وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیرے واسطے علم پڑھا، قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ لیکن تو نے تو اس لیے علم پڑھا تھا کہ عالم کہلائے وہ تیرے حق میں کہا گیا اور قرآن پڑھا تا کہ قاری کہلائے پس وہ کہا گیا۔ پھر حکم فرمائے گا تو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی۔ پس ہر قسم کا سب مال اس کو عطا کیا ہے وہ لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں ظاہر فرمائے گا وہ پہچانے گا۔ پھر فرمائے گا کہ تو نے ان میں کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ ہر ایک راہ جس میں خرچ کرنے کی تیری مرضی ہے۔ سب میں تیرے واسطے میں نے خرچ کیا۔ کوئی نہیں چھوڑی۔ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ کہا۔ وہ تو نے اس لیے خرچ کیا کہ تو سخی کہلائے لہٰذا وہ کہلایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا، تو یہ شخص منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' [1] (رواہ مسلم) ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے عبدہ بن سلمان المروزی سے سنا کہ ہم لوگ ایک لشکر میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بلاد روم

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ابن ماجہ: کتاب الجہاد، باب النیۃ فی القتال، رقم ۲۷۸۳۔ نسائی: کتاب الجہاد، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، رقم ۳۱۳۸۔

[1] نسائی: کتاب الجہاد، باب من قاتل لیقال، جری، رقم ۳۱۳۹۔ نسائی فی الکبریٰ: ۵/۳۰، کتاب فضائل القرآن باب من رایا بقراءۃ القرآن: رقم ۸۰۸۳۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب من قاتل للریاء والسمعۃ استحق النار، رقم ۴۹۲۳۔ احمد: ۲/۳۲۲۔

میں نصاریٰ پر جہاد کرنے گئے تھے۔ وہاں دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ جب دونوں طرف سے صفیں برابر ہوئیں تو دشمنوں کی طرف سے ایک شخص نکل کر میدان میں آیا اور مقابل طلب کیا۔ ادھر مسلمانوں سے بھی ایک شخص نکل کر میدان میں گیا اور کچھ دیر نصرانی کے ساتھ گرداوادے کر اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دوسرا بھی نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر تیسرا نکلا اس کو بھی مارا۔ پھر انتظار کے بعد آواز دی کہ میدان میں آئے۔ چوتھا نصرانی نکلا اس کو بھی تھوڑی دیر گرداوادینے کے بعد نیزہ مار کر قتل کر ڈالا۔ تب تو اہل اسلام اپنے شہسوار کی طرف دوڑ پڑے تاکہ ایسے بہادر کو پہچان لیں اور کسی طرح میدان سے پھیر لائیں۔ کیوں کہ بہت تھک گیا ہوگا۔ عبدہ بن سلمان نے کہا کہ میں ہجوم کرنے والوں میں تھا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ بڑے عمامہ سے ڈھاٹا باندھے ہوئے ہے۔ میں نے اس کا ڈھاٹا کھینچ لیا تو وہ امام عالم مشہور عبداللہ بن المبارک ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوعمرو! کیا تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو ہم پر تشنیع و ملامت کرتے ہیں (یعنی تو نے کیوں مجھ کو ظاہر کر دیا) مصنف نے کہا کہ اے بھائیو! تم پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، دیکھو اس اخلاص والے سردار کو کہ کیونکر اس کو اخلاص کے بارہ میں خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو لوگوں کے دیکھنے اور مدح کرنے سے اس میں کسی قسم کا شائبہ اثر کرے تو اس کا جی خوش ہو۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جہاد میں قتال کرتے، جب کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا تو اس میں سے کچھ نہ لیتے تاکہ ان کا ثواب مزید ہو۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابلیس بھی مجاہد پر غنیمت ملنے کے وقت تلبیس کرتا ہے۔ چنانچہ اکثر وہ غنیمت میں سے ایسی چیز لے لیتا ہے جس کے لینے کا اس کو حق نہ تھا۔ پھر یا تو کم علم تھا، اس نے اپنی رائے سے یہ زعم کیا کہ کفار کے اموال مباح ہیں جس نے لیا اس کو حلال ہے اور نہ جانا کہ غنیمت کے مال میں خیانت کرنا معصیت اور گناہ ہے کیوں کہ وہ تمام مجاہدین کا حق ہے۔ صحیحین میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آیا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی۔ وہاں ہم نے غنیمت میں کچھ سونا چاندی نہ پایا، بلکہ اسباب و اناج و کپڑے پائے پھر ہم لوگ وادی کی طرف روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ آپ کا ایک غلام تھا۔ جب ہم منزل پر اترے تو وہ غلام کھڑا ہو کر رسول اللہ ﷺ کا کجاوہ کھولنے لگا۔ اتنے میں کہیں سے اس کو ایک تیر لگا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو شہادت مبارک ہو تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ ''ہرگز نہیں۔ قسم اس پاک پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کے سر پر ایک بوٹے دار کمبل (چادر) جس کو اس نے فتح خیبر کے روز تقسیم سے پہلے لے لیا تھا، آگ بھڑکا رہا ہے۔'' یہ سنتے ہی لوگ خوف زدہ ہوئے اور ایک شخص ایک دو تسمہ لایا۔ کہ اس کو میں نے خیبر کے روز پایا تھا۔ پس محمد ﷺ نے فرمایا: ''یہ آگ کا تسمہ یا آگ کے تسمے ہیں۔'' [1]

فصل

کبھی غازی کو معلوم ہوتا ہے کہ بغیر تقسیم کے کوئی چیز لینا حرام ہے۔ لیکن اس نے جو چیز پائی وہ ایسی بیش قیمت ہوتی ہے کہ اس سے صبر نہیں کر سکتا اور اکثر یہ گمان کرتا ہے کہ میرے جہاد سے یہ خیانت دفع ہو جائے گی۔ حالانکہ ایمان و علم ظاہر ہونے کا یہی وقت ہے۔ ابو عبیدہ عنبری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اہل اسلام صحابہ و تابعین نے جب مدائن فتح کیا، اور وہاں اترے تو مال غنیمت جہاں جہاں مقبوض تھا سب کو جمع کیا۔ اس وقت ایک شخص جواہرات کے ڈبے لایا اور جو شخص اموال غنیمت قبض کرتا تھا اس کے حوالے کیا۔ تو جو لوگ وہاں موجود تھے، کہنے لگے کہ واللہ ہم نے ایسی دولت کبھی نہیں دیکھی اور جو کچھ یہ تمام غنیمت موجود ہے اس کے برابر نہیں ہے اور نہ اس کے قریب پہنچتی ہے، پھر اس شخص سے کہا کہ کیا تم نے اس میں سے کچھ لیا ہے۔ اس نے کہا تم جان رکھو کہ واللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا تو میں اس کو تمہارے پاس بھی نہ لاتا۔ لوگوں نے جانا کہ اس شخص کے خلوص ایمان و تقویٰ کی شان عظیم ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کون شخص ہیں۔ فرمایا کہ واللہ! میں تم کو نہ بتاؤں گا کہ تم میری تعریف کرو اور نہ تم کو دھوکا دوں گا کہ میرے حق میں افراط کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا اور اسی کے ثواب سے راضی

---

[1] بخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، رقم ۴۲۳۴۔ مسلم: کتاب الایمان: باب غلظ تحریم الغلول وانہ لایدخل الجنۃ الا المؤمنون، رقم ۳۱۰۔ موطا امام مالک: ۲/۴۵۹، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الغلول، رقم ۲۵۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی تعظیم الغلول، رقم ۲۷۱۱۔ نسائی: کتاب الایمان والنذور، باب ھل تدخل الارضون فی المال اذا نذر، رقم ۳۸۵۸۔

ہوں۔لوگوں نے خفیہ کچھ لوگ اس کے پیچھے لگائے کہ دیکھو یہ شخص کہاں جاتا ہے۔جب وہ شخص اپنی قوم میں گیا تو جو لوگ پیچھے لگے تھے۔انہوں نے وہاں اس کی قوم والوں سے پوچھا کہ اس شخص کا نام کیا ہے۔معلوم ہوا کہ وہ عامر بن عبد قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایسے لوگوں پر تلبیسِ ابلیس جو نیک باتوں کا حکم کرتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں

ایسے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں، عالم و جاہل۔عالم کے پاس ابلیس دو طریق سے آتا ہے۔

(اول)اس کو اس کام میں تزیین و ناموری و خود پسندی دکھلاتا ہے۔احمد بن ابی الحواری نے کہا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے یہ کہتے سنا کہ میں نے دیکھا کہ ابو جعفر منصور خلیفہ جمعہ کا خطبہ پڑھنے میں روتے ہیں تو مجھے غصہ آگیا اور یہ نیت کی کہ جب یہ منبر سے اترے تو میں اٹھ کر اس کے اس فعل پر اس کو نصیحت کروں۔پھر میں نے ناپسند جانا کہ اٹھ کر خلیفہ کو نصیحت کروں اور لوگ بیٹھے بیٹھے نگاہیں جمائے مجھے دیکھتے رہیں۔تو میرے نفس میں آرائش و تزئین سمائی اور نفس نے مجھے حکم دیا کہ اب اٹھو۔یعنی جب نیت خالص و صحیح نہ رہی تو بیٹھ گیا اور خاموش ہو گیا۔

(دوم)اپنے نفس کے لیے غضب و غصہ ہے اور یہ کبھی تو ابتدا سے ہوتا ہے اور کبھی امر معروف اور نہی منکر کے درمیان میں پیدا ہوتا ہے۔اس وجہ سے کہ جس کو نصیحت کی اور وہ انکار کرتا ہے تو یہ اپنی اہانت سمجھ کر غصہ ہو جاتا ہے ایسی حالت میں جھگڑا کرنا اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے۔لہٰذا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ نے ایک سے فرمایا کہ اگر میں غصہ میں نہ ہوتا تو تجھے سزا دیتا۔مطلب یہ تھا کہ تو نے مجھے غصہ میں کر دیا اب میں ڈرتا ہوں کہ جو خدا کے واسطے کرنا چاہیے تھا اس میں میرا ذاتی غصہ شریک نہ ہو جائے۔

فصل

جب امر بالمعروف کرنے والا کوئی جاہل ہوتا ہے تو شیطان اس سے کھیلتا ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلاح سے زیادہ بربادی کر دیتا ہے اور اکثر وہ ایسی چیز سے مانع ہوتا ہے جو بالا جماع جائز ہے اور کبھی ایسی چیز پر انکار کرتا ہے جس کا بعضے علما کی پیروی میں تاویل کرنے

والا ہوتا ہے اور بسا اوقات جاہل اس مکان کا دروازہ توڑ ڈالتا ہے جس میں ناجائز کام پوشیدہ تھے۔ یا دیوار پھاند کر ان لوگوں کو مارتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ اگر انہوں نے جواب میں ایک کلمہ کہا تو اس پر گراں گزرتا ہے اور یہ سارا غصہ اپنی ذات کے واسطے ہو جاتا ہے اور جاہل بسا اوقات ایسے امر منکر کو برملا فاش کر دیتا ہے جس کی پردہ پوشی کے واسطے شرع نے تاکید فرمائی ہے۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک قوم کے ساتھ کوئی ناجائز چیز مانند طنبور و تاڑی وغیرہ کے پوشیدہ موجود ہے تو فرمایا کہ اگر ڈھکی ہوئی ہو تو اس کو نہ توڑو اور ایک روایت میں فرمایا کہ توڑ دو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ توڑنے کا حکم ایسی حالت میں دیا کہ لوگوں نے یہ چیز کچھ خفیف چیز سے چھپائی، یا کچھ چھپائی اور کچھ نہ چھپائی۔ کہ اس کے موجود ہونے کا تیقن ہوا اور نہ توڑنے کا حکم اس وقت دیا کہ اس کے موجود ہونے کا تیقن نہیں ہو سکتا۔ یعنی بالکل پوشیدہ ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے طبلہ و مزمار کی آواز سنی اور اس کی جگہ نہیں معلوم ہے تو فرمایا کہ تجھ پر اس کا مواخذہ نہیں ہے، جو تیری نظر سے پوشیدہ ہو اس کی تفتیش نہ کر۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بسا اوقات محتسب ان بدکاروں کو ایسے شخص کے پاس لے جاتا ہے جو ان پر ظلم کرتا ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب معلوم ہو کہ سلطان حدود شرعی قائم کرتا ہے تو بدکاروں کو اس کے پاس لے جانا چاہیے۔

فصل

محتسب پر ابلیس کی تلبیسوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس نے کسی قوم کی بدکاری کو مٹایا ہو تو اپنے مجمع میں بیٹھ کر اپنے کام کی تعریف کرتا اور فخریہ بیان کرتا ہے اور بدکاروں پر غصہ ہو کر گالیاں دیتا ہے اور لعنت کرتا ہے حالانکہ شاید قوم نے توبہ کر لی ہو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ بوجہ ندامت اس مغرور سے بہتر ہوتے ہیں اور اس محتسب کی برملا گفتگو کے ضمن میں مسلمانوں کے عیوب فاش کرنا لازم آتا ہے کیوں کہ وہ ایسے لوگوں کو بتلاتا ہے جو نہ جانتے تھے حالانکہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی پردہ پوشی واجب ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ایک جاہل کا حال سنا کہ اس نے بدگمانی پر ایک قوم پر ہجوم کیا۔ حالانکہ یہ تیقن نہیں کہ ان کے یہاں کیا برائی ہے اور ان کو سخت کوڑے جن سے زخم پڑ

جائے مارنے لگا اور برتن توڑ ڈالے۔ یہ سب جہالت کا باعث ہے۔ رہا عالم جب کسی امر پر انکار کرے تو اس کی طرف سے تجھے امان ہے۔ سلف بری باتوں کے انکار کرنے میں نرمی کرتے تھے۔ چنانچہ صلہ بن اشیم نے ایک مرد کو ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری پردہ پوشی فرمائے۔ صلہ کا گزرا ایک قوم کی طرف ہوا جو کھیلتے تھے۔ ان سے فرمایا کہ اے میرے بھائیو! تم لوگ ایسے مسافر کے حق میں کیا کہتے جو رات بھر سوتا رہا اور دن بھر کھیل میں پڑا رہا تو سفر کس وقت میں پورا کرے۔ ان میں سے ایک جوان چونکا اور کہا کہ اے قوم! یہ بزرگ ہم لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ پھر توبہ کر کے ان کے ساتھ ہو گیا۔

فصل

سب سے زیادہ نرمی سے انکار کے لائق بادشاہ و امرا ہیں۔ تو ان سے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا رتبہ بلند کیا تم کو چاہیے کہ اس کی نعمت کی قدر جانو کیوں کہ شکر ہی سے نعمت کو دوام ہوتا ہے اور یہ مناسب نہیں کہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں نافرمانیاں کی جائیں۔

فصل

ابلیس نے بعضے عابدوں پر تلبیس کی کہ وہ منکرات کو دیکھتا ہے اور اس سے انکار نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ امر و نہی وہ کرے جو اس لائق ہو گیا ہو اور اس میں لائق نہیں ہوں اور یہ غلط ہے اس لیے کہ اس پر امر و نہی واجب ہے، اگرچہ خود کسی بدکاری میں مبتلا ہو تو بھی دوسرے کو اس سے منع کرے۔ لیکن بات یہ ہوتی ہے کہ جو خود پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد لوگوں کو برے کاموں سے منع کرتا ہے تو اس کا اثر زیادہ ہے اور جب خود مبتلا ہوتا ہے تو امید نہیں کہ اس کا انکار کچھ اثر کرے۔ لہٰذا محتسب کو چاہیے کہ خود بری باتوں سے پرہیز کرے، تا کہ اس کا انکار مفید ہو۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم نے خلیفہ قائم کے عہد میں ابوبکر اقفالی کو دیکھا کہ جب وہ امر منکر کے مٹانے کو اٹھتے تو ان کے پیچھے مشائخ کی ایک جماعت ہوتی جن کی یہ صفت ہے کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کھاتے ہیں۔ جیسے ابوبکر خباز اور یہ شیخ صالح ہیں کہ تنور کے کام میں اپنا اپنا پہلو گرم رکھتے ہیں اور اسی قسم کی ایک جماعت ہے ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے صدقہ لینے کی گدڑی اوڑھی ہو یا قبول عطیہ کی نجاست سے ملوث ہوا ہو یہ لوگ دن

میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں اور راہ حق میں گریہ وزاری کرنے والے ہیں اور جب کوئی مخلط جوان کی صفت پر نہیں ہے ان کے ساتھ ہونا چاہے تو اس کو پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لشکر میں کوئی مخلط شامل ہوا تو لشکر شکست کھائے گا۔

باب نہم

زاہدوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جاہل آدمی قرآن یا حدیث میں دنیا کی مذمت سنتا ہے تو جانتا ہے کہ نجات یہ کہ دنیا ترک کرے اور یہ نہیں جانتا کہ دنیا کیا چیز ہے۔ تو ابلیس اس پر یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ تو دنیا ترک کر دے تو آخرت میں نجات پائے گا۔ پس منہ اٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتا ہے اور جمعہ و جماعت وعلم سے دور ہو کر وحشی کے مانند ہو جاتا ہے۔ شیطان اس کے ذہن میں جماتا ہے کہ حقیقی زہد یہی ہے اور کیوں نہ سمجھے جب کہ وہ سن چکا کہ فلاں شیخ منہ اٹھائے جنگل کو چلا گیا اور فلاں شیخ پہاڑ میں عبادت کرتا رہا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس جاہل کی آل واولاد ہوتی ہے وہ پریشان و برباد ہوتی ہے اور اس کی والدہ ہوئی تو فراق میں روتی ہے اور کبھی یہ جاہل نماز کے ارکان بھی ٹھیک نہیں جانتا اور کبھی اس کے ذمہ لوگوں کے قرضے وغیرہ حقوق ومظلمہ ہوتے ہیں جن کو اس نے ادا نہ کیا اور ان سے ذمہ پاک نہ کیا۔ ابلیس کو اس جاہل شخص کی تلبیس کا قابو اس وجہ سے ملا کہ اس کو علم کمتر ہے۔ یہ بھی اس کی جہالت تھی کہ جو کچھ اس کے نفس نے سمجھایا اسی پر راضی ہوا اور اگر اس نے کسی ایسے فقیہ کی صحبت اٹھائی ہوتی جو حقائق سے آگاہ ہوتا تو وہ اس کو بتلا دیتا کہ دنیا کچھ بذات خود مذموم نہیں ہے اور ایسی چیز کیونکر مذموم ہو سکتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے احسان رکھا ہے اور جو آدمی کے باقی رہنے کے واسطے ضروری چیز ہے اور جس کے ذریعہ سے آدمی علم وعبادت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ اور اسی میں مسجد ہے جس میں نماز پڑھتا ہے بلکہ مذموم فقط یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر حلت کے لے لے یا اسراف کے طور سے تصرف کرے جو مقدار حاجت سے زائد ہو اور نفس اس میں اپنی رعونت کے موافق بدون شرعی ادب کے تصرف کرے اور یہ بھی بتلا دیتا کہ پہاڑوں میں تنہا نکل جانا منع ہے۔ کیوں ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی تنہا رات بسر کرے'' [1] اور خفیہ سمجھا دیتا کہ ایسی حرکت اختیار کرنا جس سے جمعہ و جماعت فوت ہو جائے محض خسارہ ہے نفع

[1] احمد: ۲/ ۹۱۔ مجمع الزوائد: ۸/ ۱۰۴، کتاب الادب، باب ماجاء فی الوحدۃ۔ الکامل لابن عدی: ۳/ ۱۱۳۷، فی ترجمۃ سلیمان بن عیسیٰ ابی یحییٰ: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱/ ۱۲۹، رقم ۶۰۔ آداب النوم والسفر۔

نہیں ہے۔ علم و عالموں سے دور ہونے میں جہالت غالب ہوتی ہے اور ایسے معاملہ سے ماں باپ کو فراق کا صدمہ دینا ان کی نافرمانی و عقوق میں داخل ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ رہا یہ کہ اس نے سنا کہ فلاں شیخ پہاڑوں میں نکل گئے تو احتمال ہے کہ ان کے عیال و والدہ و والد وغیرہ نہ تھے اور کوئی باعث تھا کہ وہ ایسے مقام پر نکل گئے کہ وہاں ان لوگوں نے مجتمع ہو کر عبادت کی (پہاڑ قریب آبادی کے تھا۔ جیسے مکہ میں غار حراء ہے یا ملک میں فتنہ تھا) اور جس شخص کی حالت میں کوئی وجہ صحیح اس کی نہ ہو تو وہ خطا پر تھا خواہ کوئی ہو اور بے شک بعض سلف نے بیان کیا کہ ہم لوگ عبادت کے لیے پہاڑ میں چلے گئے تو سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پاس آئے اور ہم کو واپس شہر لے گئے۔

فصل

زاہدوں پر ابلیس کی تلبیس میں سے یہ ہے کہ زہد و عبادت کے پیچھے علم چھوڑ دیتے ہیں تو گویا انہوں نے بہتر و افضل کو چھوڑ کر حقیر و کمتر کو اختیار کر لیا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ زاہد کا نفع اس کے دروازے سے آگے نہیں بڑھتا اور عالم کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے اور بہت سے حد سے تجاوز کرنے والوں کو عالم راہ راست پر پھیر لاتا ہے۔

فصل

زاہدوں پر تلبیسِ ابلیس میں سے یہ ہے کہ اس نے ان کے گمان میں جما دیا کہ مباحات کو ترک کرنا زہد ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعضے فقط جو کی روٹی پر ہی گزارہ کرتے ہیں (باوجود یہ کہ صاحب مال ہوتے ہیں) اور بعضے کسی پھل و میوہ جات میں سے کچھ نہیں چکھتے اور بعضے غذا یہاں تک کم کرتے ہیں کہ ان کا بدن خشک ہو جاتا ہے اور صوف (موٹا کپڑا) پہننے سے اپنے بدن کو ایذا دیتے ہیں اور ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے اور نہ آپ کے صحابہ و تابعین و اتباع کا طریقہ ہے۔ وہ بزرگوار لوگ تو جبھی بھوک پر صابر رہتے جب کچھ نہ پاتے اور جب پاتے تو کھاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھاتے اور اس کو پسند فرماتے [1] اور مرغ

---

[1] ترمذی: کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الشواء، رقم ۱۸۲۹۔ ابوداود: کتاب الطہارۃ، باب فی ترک الوضوء مما مست النار، رقم ۱۸۷، ۱۹۰ تا ۱۹۱۔ نسائی: کتاب الطہارۃ، باب ترک الوضوء مما غیرت النار، رقم ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب الشواء، رقم ۳۳۱۱۔ احمد: ۴/ ۱۹۰، ۱۹۱۔ ۶/ ۳۰۷۔

کا گوشت کھاتے، [1] اور حلوہ پسند فرماتے تھے۔ [2] آپ ﷺ کے لیے میٹھا پانی سرد کیا جاتا [3] اور باسی پانی کو ترجیح دیتے۔ [4] کیوں کہ گرم پانی معدہ کو تکلیف دیتا اور پیاس نہیں بجھاتا ہے۔ زاہدوں میں سے ایک کہتا تھا کہ میں حلوہ نہیں کھاتا کیوں کہ میں اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ شخص احمق ہے۔ کیا یہ سرد پانی کا شکر ادا کر لیتا ہے سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ جب سفر کو جاتے تو ان کے دستر خوان سفر میں حلوا ان کا بھنا ہوا گوشت، مرغ کا گوشت اور فالودہ ہوتا تھا۔ آدمی کو جان لینا چاہیے کہ یہ نفس کی سواری ہے اور اس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود کو پہنچ جائے۔ تو جو چیزیں اس کی اصلاح کرنے والی ہیں ان کو حاصل کرے اور جن سے اس کو مضرت ہو وہ ترک کرے جیسے پیٹ تان کر کھانا اور خواہش کی چیزوں میں کثرت کرنا کیوں کہ اس سے بدن کو اذیت ہوتی ہے اور دین کے لیے بھی مضر ہے۔ پھر آدمیوں کی طبائع مختلف ہیں۔ چنانچہ عرب کے جنگلی اگر بالوں کے کپڑے پہنیں اور فقط اونٹ کے دودھ پر رہیں تو ان کو ضرر نہیں ہوتا کیوں کہ ان کے بدن اس کو برداشت کرتے ہیں اور ملک کے بھی مناسب اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اور اگر سواد عراق کے لوگ صوف پہنیں یا محض چٹنی کھائیں تو ان کو بھی مضر نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس

---

[1] بخاری: کتاب الصید والذبائح، باب لحم الدجاج، رقم ۵۵۱۷۔ مسلم: کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرها خیرا منها...... رقم ۴۲۶۵، ۴۲۶۶۔ نسائی: کتاب الصید باب اباحۃ اکل لحوم الدجاج، رقم ۴۳۵۱، ۴۳۵۲۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی اکل الدجاج، رقم ۱۸۲۶، ۱۸۲۷۔ داری: ۱/ ۵۳۵، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الدجاج، رقم ۱۹۸۳۔ احمد: ۴/ ۳۹۴، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۶۔

[2] بخاری: کتاب الاطعمۃ، باب الحلوی والعسل، رقم ۵۴۳۱۔ مسلم: کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ ولم ینو الطلاق، رقم ۳۶۷۹۔ ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی شراب العسل، رقم ۳۷۱۵۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی حب النبیؐ الحلواء والعسل، رقم ۱۸۳۱۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب الحلواء، رقم ۳۳۲۳۔ احمد: ۶/ ۵۹۔

[3] ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی ایکاء الآنیۃ، رقم ۳۷۳۵۔ ترمذی: کتاب الاشربۃ، باب ماجاء ای الشراب کان احب الی رسول اللہؐ، رقم ۱۸۹۵۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۱۵۳، ۱۵۴، کتاب الاشربۃ، رقم ۷۲۰۰، ۷۲۰۱، ۷۲۰۴۔ احمد: ۶/ ۱۰۰، ۱۰۸۔

[4] مندرجہ ذیل حوالہ جات میں مذکورہ حدیث مراد ہے۔ بخاری: کتاب الاشربۃ، باب الکرع فی الحوض، رقم ۵۶۲۱، ۵۶۱۳۔ ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی الکرع، رقم ۳۷۲۴۔ کتاب الآداب للبیہقی: ۱/ ۳۲۴، باب فی الکرع فی الماء، رقم ۶۸۱۔

قدر قلیل چیز پر آمادہ کرے کیوں کہ ان میں بعض ایسے ہو گزرے ہیں اس لیے کہ اس قوم کی یہ عادت بچپن سے پڑی ہے اور اگر بدن نازک ہو جو عیش میں پرورش ہوا ہے تو ہم اس کو منع کرتے ہیں کہ وہ اپنے جسم کو یکایک ایسی غذا پر آمادہ کرے جو اس کو ضرر پہنچائے۔ پھر اگر کسی نے زہد اختیار کیا اور خواہش کی چیزوں کا ترک کرنا اختیار کیا خواہ اس وجہ سے کہ حلال مال میں ایسے زیادہ خرچ کی گنجائش نہیں ہوتی یا جب طعام لذیذ ہو تو کثرت سے کھایا جاتا ہے، جس سے نیند بہت آتی ہے اور سستی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے شخص کو یہ جاننا ضروری ہے کہ کس چیز کا چھوڑنا مضر ہے اور کس کا چھوڑنا مضر نہیں۔ تاکہ مقدار معتدل ایسی چیزوں سے اختیار کرے کہ جن سے بدن کا قوام بخوبی باقی رہے بدون اس کے کہ نفس کو خواہ مخواہ ایذا دینا لازم آئے۔ بہت سے لوگوں نے زعم کیا کہ روکھی روٹی قوام بدن کے واسطے کافی ہے۔ اگر فرض کرلو کہ اچھا کافی ہے، تاہم وہ دوسری جہت سے بدن کے اختلاط کو مضر ہے جس کو کھٹے و میٹھے کی و سرد و گرم اور روکنے والی اور اسہال لانے والی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طبیعت میں مناسب چیز کا میلان رکھا ہے تو کبھی اس کو ترشی کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی میٹھے، ضرورت ہوتی ہے اور اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً بدن میں وہ بلغم کم ہو گیا جس کی ضرورت بدن کو قوام باقی رکھنے میں لازم ہے تو طبیعت دودھ کی خواہش کرے گی اور جب بدن میں صفراء زیادہ ہوا تو طبیعت کھٹائی کی خواہش کرتی ہے تو جس نے طبیعت کو اس کے مقتضائے جبلت کے موافق مفید چیز میں روکے جس کے انجام خوفناک ہے تو ایذا انہیں اس لیے کہ ایسی چیزیں اس کو مضر ہیں۔ رہا یہ کہ طبیعت کو مطلقاً سب چیز سے روک دے تو یہ غلطی ہے۔ یہ بیان سمجھ لینا چاہیے اور خالی اسی طرف نہ ڈھل جانا جو حارث محاسبی اور ابو طالب مکی نے لکھا ہے کہ نفس کو بہت ہی کم غذا دینے میں اس پر جہاد کرے اور مباحات و مستلذات سے اس کو بالکل یہ روک دے۔ اس لیے کہ یہاں بہتر طریقہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کرے۔

ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اے صوفیہ! دین داری میں تمہارے طریقے بہت ہی تعجب خیز ہیں۔ تم دو باتوں کے بیچ میں پڑے ہوئے ہو۔ یا تو اپنی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو یا نصرانی راہبوں کی طرح رہبانیت نکالتے ہو۔ اول کا اثر یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی اور بچوں کی طرح کھیل وو

جدو رقص کی رسی دراز کرتے ہو یا حقوق برباد کرتے اور بال بچوں کو چھوڑتے اور مسجد میں جا کر بیٹھے رہتے ہو۔ بھلا یہ لوگ عقل وشرع کے موافق کیوں عبادت نہیں کرتے۔

فصل

زاہدوں پر ابلیس یہ تلبیس ڈالتا ہے کہ ان کے وہم میں جما دیا کہ زہد اس امر کا نام ہے کہ سب سے کمتر کھانے اور لباس پر قناعت کرے۔ لہٰذا یہ لوگ اسی مقدار پر کفایت کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ریاست وجاہ ومرتبہ کی خواہش بھری رہتی ہے۔ اسی وجہ سے تم ان کو دیکھتے ہو کہ امیروں اور دولت مندوں کی ملاقات کے منتظر رہتے ہیں اور دولت مندوں کی تعظیم وتکریم اور فقیروں کی تحقیر کرتے ہیں اور لوگوں کی ملاقات کے وقت ایسا عجز وانکسار ظاہر کرتے ہیں گویا ابھی مشاہدہ سے نکلے ہیں۔ بارہا ان میں سے بعضے مال پھیر دیتے ہیں تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ اس نے زہد کا طریقہ بدل ڈالا ہے۔ یہ لوگ دنیا کی خواہش کے وسیع دروازے میں اس ذریعہ سے گھسے ہیں کہ لوگ برابر ان کی خدمت میں آئیں اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیں اس واسطے کہ دین کی انتہا یہی ہے کہ ریاست حاصل ہو۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ عابدوں وزاہدوں پر بکثرت جو امر ابلیس نے مکر سے ڈال رکھا ہے کہ ریاکاری چھپی ہوئی رکھتے ہیں اور ظاہری ریاکاری تو وہ خود علانیہ جانتے ہیں۔ وہ کچھ تلبیس میں شمار نہیں ہو سکتی جیسے جسم کی نظافت ظاہر کرنا اور چہرے کے زردی وبالوں کی پریشانی تاکہ اس کی ظاہری حالت سے ہر شخص جان لے کہ یہ صاحب بڑے زاہد ہیں۔ اسی طرح آواز پست رکھنا، تاکہ خشوع ظاہر ہو اور اسی طرح نماز وروزہ سے ریاکاری کرنا اور مال لٹانا تو ایسی کھلی ہوئی باتیں کچھ مخفی ریا میں نہیں ہو سکتی ہیں بلکہ توجہ تو مخفی ریا پر ہے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار تو نیتوں پر ہے اور جب کسی عمل سے خالص رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو وہ قبول نہ ہوگا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص صدق دلی سے عامل نہ ہو اس سے کہہ دو کہ کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھاتا ہے۔ واضح ہو کہ مومن اپنے اعمال سے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی چاہتا ہے۔ شیطان اس پر مخفی ریاکاری لے کر آتا ہے اور اس کو تلبیس میں ڈالتا ہے اور اس

سے بچنا بہت سخت مشکل ہے۔ یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تم لوگ عمل کی صحت و سقم کو پہچاننا سیکھو۔ کیوں کہ میں نے اس کو بائیس برس میں سیکھا ہے۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی جس کو سمعان کہتے تھے۔ چنانچہ میں اس کے صومعہ میں گیا اور اس سے کہا کہ اے سمعان! تم کتنی مدت سے اس صومعہ میں رہتے ہو۔ اس نے کہا کہ ستر برس ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم کیا کھاتے ہو۔ اس نے کہا کہ اے حنفی! تم کیوں اس دریافت میں لگے ہو۔ میں نے کہا مجھے فقط دریافت کرنے کی خواہش ہے۔ اس نے کہا کہ ہر رات ایک چنا کھاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہارے دل میں کیا چیز جوش کرتی ہے کہ یہ چنا تم کو کافی ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ تم وہ دیر (عبادت کی جگہ) جو سامنے نظر آتا ہے دیکھتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ سمعان نے کہا، وہ لوگ سال میں ایک روز میرے صومعہ میں آتے ہیں، اور اس کی آرائش کرتے ہیں اور اس کے گرد گھومتے ہیں اور اس سے میری تعظیم کرتے ہیں تو جب کبھی میرا نفس عبادت سے کسل کرتا ہے تو میں اس دن اور اس گھڑی کو یاد کر لیتا ہوں۔ اے حنفی! تجھے لازم ہے کہ دائمی عزت کے لیے جد و جہد کی کوشش کر۔ اس کی گفتگو سے میرے دل میں معرفت نے گھر کیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے کچھ زیادہ دکھا دوں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے؟ بولا کہ تم صومعہ سے نیچے اتر کھڑے ہو۔ میں جب وہاں کھڑا ہوا تو اس نے رسی باندھ کر ایک آبخورہ لٹکایا میں نے کھول لیا تو اس میں بیس چنے تھے۔ پھر مجھ سے کہا کہ تم ان کو لیے ہوئے اس دیر میں جاؤ کیوں کہ انہوں نے مجھے لٹکاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ میں اس دیر میں آیا تو نصاریٰ نے میرے گرد جمع ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ اے حنفی! تم کو بابا نے کیا عطا کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی غذا میں سے یہ چنے دیئے ہیں۔ نصاریٰ نے کہا کہ اے حنفی! یہ چنے آپ کے کچھ کام نہیں ہیں اور ہم سے اس کے حق دار ہیں۔ آپ ہم اس کی قیمت لے لیجیے۔ میں نے کہا کہ بیس دینار دو۔ انہوں نے فوراً بیس اشرفیاں دیدیں۔ پھر میں راہ بدل کر سمعان کے پاس آیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم نے غلطی کی۔ اگر تو ان سے بیس ہزار مانگتا تو وہ تجھے دیتے۔ اے حنفی! یہ اس کی عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پوجتا۔ اب تو قیاس کر لے کہ جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے اس کی کیا عزت ہوگی۔ اے حنفی! اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسی

ریا کے خوف سے صالحین نے اپنے اعمال چھپائے تاکہ ان کو بچالیں اور ان کو بچانے کے لیے اس کے برعکس ناقص اعمال ظاہر کیے۔ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ دن میں لوگوں کے سامنے ہنسا کرتے اور رات کو رویا کرتے تھے۔ایوب السختیانی اپنے دامن کو کچھ دراز رکھتے تھے۔ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوتے تو ان کے پاس وہ چیزیں رکھی ہوئی دکھائی دیتیں جن کو تندرست لوگ کھایا کرتے تھے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے کہ ایک شخص اپنے زمانہ میں افضل لوگوں میں سے تھا۔ لوگ دور دور سے اس کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم کرتے۔ایک روز اس کے پاس جمع ہوئے تو اس نے فرمایا کہ ہم طغیان وغرور کے خوف سے دنیا واہل واموال سے خارج ہوئے ان کو چھوڑا اور اب مجھے یہ خوف ہے کہ جس قدر حد سے تجاوز مال والوں پر ان کے مال سے نہیں آتا اس قدر طغیان ہم لوگوں میں ہماری ہی اس حالت موجود سے سماتا ہے۔تم دیکھتے ہو کہ ہم پر ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دینداری کی وجہ سے اس کی ضرورت پوری کی جائے اور اگر کچھ خریدے تو اس کے دام کم رکھے جائیں اور اگر کسی سے ملاقات کرے تو لوگ اس کی دینداری کے واسطے عزت وتوقیر کا برتاؤ کریں۔اس کی یہ گفتگو شائع ہوگئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک خبر پہنچی تو اس کو بہت پسند آیا اور اس کے دیدار وسلام کے واسطے سوار ہوا۔جب قریب آیا تو اس سے کہا گیا کہ بادشاہ آپ کے سلام کے واسطے آیا ہے۔اس نے کہا یہ کس لیے؟ کہا گیا کہ اسی گفتگو کی وجہ سے جو آپ نے بطور وعظ بیان فرمائی تھی۔ کہا اسے واپس کر دو۔ پھر غلام سے پوچھا کہ بھلا تیرے پاس کچھ کھانا موجود ہے،اس نے کہا کہ کچھ چھوارے وغیرہ پھل ہیں جن سے آپ افطار کیا کرتے تھے۔شیخ نے ان کو منگا تو ٹاٹ کے دستر خوان پر لا کر رکھے گئے اور شیخ نے کھانا شروع کیا۔حالانکہ روزہ رکھا کرتے تھے۔اتنے میں بادشاہ آکر کھڑا ہوا اور سلام کیا تو شیخ نے کچھ خفیف جواب دیا۔پھر اپنے کھانے پر متوجہ ہو گئے۔بادشاہ نے کہا کہ وہ شیخ کہاں ہیں۔کہا گیا وہ یہی ہیں کہا کہ جو کھانے میں مشغول ہیں۔کہا گیا جی ہاں۔بادشاہ نے کہا کہ اس کے پاس تو کچھ خوبی نہیں ہے اور واپس چلا گیا شیخ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس ذریعہ سے تجھے میرے پاس سے پھیر دیا۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ دوسری روایت میں وہب

سے آیا ہے کہ جب بادشاہ آیا تو شیخ کے آگے اس کا طعام پیش کیا گیا تو شیخ نے ہر قسم کے ساگ کا بڑا لقمہ جمع کر کے روغن زیتون میں ڈبو کر کھانا شروع کیا اور بہت تیزی کے ساتھ کھانے لگے۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ فلاں تیرا کیا حال ہے، تو کیسا آدمی ہے۔ شیخ نے کہا، جیسے لوگ ہوتے ہیں۔ پس بادشاہ نے اپنے گھوڑے کی باگ پھیر لی اور کہا اس شخص میں کوئی بہتری نہیں ہے۔ شیخ نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے اس کو میرے پاس سے اس طرح پھیرا کہ ملامت کرتا ہوا چلا گیا۔ ابن عطاء نے کہا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ارادہ کیا کہ یزید بن مرثد کو (کسی مقام کا) والی مقرر کرے یہ خبر یزید کو پہنچی، تو الٹی پوستین پہنی اور اپنے ہاتھ میں ایک روٹی اور گوشت دار ہڈی لے کر بغیر چادر ٹوپی و موزہ جوتہ کے باہر نکل کر بازاروں میں پھرنا اور کھانا شروع کیا۔ لوگوں نے ولید کو خبر پہنچائی کہ یزید بن مرثد کی عقل جاتی رہی ہے اور یہ سب حال بیان کیا گیا تو خلیفہ نے اردہ ترک کیا۔ غرض ایسی روایات بکثرت ہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ زاہدوں میں ایسے بھی ہیں جو ظاہر و باطن زہد کو عمل میں لاتے ہیں۔ لیکن شیطان ایسے زاہد کو بتلاتا ہے کہ تو اپنے دوستوں سے اور زوجہ سے اپنا ترک دنیا کرنا ظاہر کر دے پس اس حیلہ سے اس پر صبر کرنا آسان ہوا ہے۔ جس کا قصہ ہم نے ابراہیم بن ادہم کے ساتھ بیان کیا۔ اگر ایسا زاہد خالص اخلاص چاہتا تو اپنی زوجہ وغیرہ کے ساتھ اس قدر کھا لیا کرتا جس سے اس نفس کو بچاتا اور اپنے حق میں ایسی گفتگو نہ کرتا۔ داؤد بن ابی ہند رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال تک روزہ رکھا اور ان کے گھر والوں کو معلوم تک نہ ہوا۔ وہ اپنے کھانا گھر سے لے کر بازار جاتے اور راہ میں صدقہ کر دیتے اور بازار والے یہ سمجھتے کہ اپنے گھر سے کھا کر آئے ہوں گے اور گھر والے جانتے کہ انہوں نے بازار لے جا کر کھایا ہوگا۔ مردان خدا کا یہی طریقہ تھا۔

فصل

زاہدوں میں بعضے وہ ہیں جو الگ ہو کر مسجد میں یا رباط میں پہاڑ یا میں بیٹھ رہتے ہیں اور ان کو یہ لذت ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ فلاں زاہد اکیلا ہو رہا ہے اور بسا اوقات یہ حجت لاتا ہے

کہ اگر میں بازار میں نکلوں گا تو منکرات جو شرع میں ناجائز ہیں وہ دیکھوں گا۔اس انقطاع میں اس کے اور مقاصد بھی ہیں۔ازانجملہ تکبر اور لوگوں کو حقیر سمجھنا اور ازانجملہ اپنی ناموس وریاست کی حفاظت ہے۔کیوں کہ لوگوں کے میل جول سے یہ بات جاتی رہے گی۔حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے ذکر کی تازگی قائم رہے۔بسا اوقات اس کا مقصود یہ بھی ہوتا ہے کہ اس جاہل زاہد کے عیوب وقبیح باتیں اور علم سے جاہل ہونا سب چھپا رہے۔پس تو دیکھتا ہے کہ یہ زاہد چاہتا ہے کہ لوگ اس کے دیدار کو آئیں اور وہ کسی کو دیکھنے نہ جائے اور جب امرا اس کے پاس آتے ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے اور جب عوام اس کے دروازے پر جمع ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ چومتے ہیں تو پھول جاتا ہے پس وہ نہ مریضوں کی عیادت کو جاتا ہے اور نہ جنازے کی نمازوں میں شریک ہوتا ہے۔اس کے مریدین کہتے ہیں کہ شیخ کو معذور سمجھے کہ ان کی عادت یہی ہے۔بھلا اس عادت میں کیا عذر ہو جو شرع کے خلاف ہے۔اگر یہ زاہد اپنی ضروری غذا وغیرہ کا کسی وقت حاجت مند ہوتا ہے اور اتفاق سے کوئی شخص موجود نہ ہوا جو اس کے واسطے خرید لائے تو بھوکا رہنے پر صبر کرتا ہے تاکہ خود نکل کر خرید کرنے میں عوام کے درمیان چلنے پھرنے سے اس کا مرتبہ کم نہ ہو۔اگر وہ خود نکل کر اپنی ضرورت کی چیز خریدے تو اس کی شہرت جاتی رہے۔لیکن اس کے دل میں حفظ ناموس کی بہت خواہش ہے۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ بازار میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز خریدتے اور خود اٹھا لاتے تھے۔ [1] عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے گزرے تو کچھ لوگوں نے آپ سے کہا کہ کیا سبب ہے کہ آپ ایسا کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بے پرواہ کر دیا ہے۔کہا میں چاہتا ہوں کہ اس ذریعہ سے نفس کا تکبر دور کروں اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جنت میں وہ بندہ داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔ [2]

---

[1] مصنف کے یہ الفاظ مجھے نہیں ملے البتہ اس کے ہم معنی درج ذیل کتب میں موجود ہیں۔مختصر الشمائل المحمدیۃ للترمذی بتحقیق الامام الالبانی ص ۱۸۰، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ رقم ۲۹۳۔شرح السنۃ ۱۳/ ۲۴۳، کتاب الفضائل باب تواضعہ، رقم ۳۶۷۶۔حلیۃ الاولیاء: ۸/ ۳۷۲، رقم ۱۲۵۴۴، فی ترجمۃ (۴۳۰) عبد اللہ بن وھب۔

[2] مستدرک الحاکم: ۳/ ۴۷۰، کتاب معرفۃ الصحابۃ، رقم ۵۷۵۷۔مجمع الزوائد: ۱/ ۹۹، کتاب الایمان، باب ماجاء فی الکبر، کنز العمال: ۳/ ۵۴۴، باب الکبر والخیلاء، رقم ۷۷۴۲۔جامع المسانید والسنن لابن کثیر: ۸/ ۵۸، رقم ۵۶۴۷۔

فصل

یہ جو ہم نے ضرورت خرید وفروخت وغیرہ کے واسطے نکلنے کا ذکر کیا جس میں تبدّل ہے۔ یہ قدمائے سلف کی عادت تھی اور یہ عادت بدل گئی۔ جیسے لباس وحالات بدل گئے۔ آج کل میں کسی عالم کو نہیں دیکھتا کہ کسی ضروری چیز کی خرید کے واسطے نکلے۔ اس لیے کہ جاہلوں کے نزدیک اس سے نور علم میں دھندلاہٹ آجاتی ہے اور نور علم کی تعظیم ان کے نزدیک مشروع ہے اور ایسی باتوں میں عوام کے دلوں کی رعایت کرنا ریا کاری کی طرف نہیں لے جاتا اور ایسے طریقہ کا استعمال کرنا جس سے عوام کے دلوں میں ہیبت باقی رہے ان کے نزدیک ممنوع نہیں ہے اور ہر چیز سے ان لوگوں کے قلوب متغیر ہوں اگر چہ وہ سلف میں ہو تو اس کا عمل میں لانا ضروری نہیں ہے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم پہلے ہنستے اور مزاح کرتے تھے اور جب ہماری یہ حالت پہنچی کہ ہمارے قول وفعل کی پیروی کی جائے گی تو ہم نے دیکھا کہ یہ باتیں ہم کو روا نہیں ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم کو ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت پہنچی کہ ایک روز ان کے اصحاب باہم خوش طبعی کرتے تھے۔ کہ اتفاق سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کو خاموشی کا حکم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے آج ریا سیکھی تو فرمایا کہ میں یہ ناگوار سمجھتا ہوں کہ تمہاری پیروی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جاہلوں کے قول سے خوف کیا۔ تم لوگ ان زاہدوں کی طرف نظر کرو کہ کیونکر عمل کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ عوام لوگ عابدوں کے حق میں خوش طبعی وغیرہ کا گمان نہیں رکھتے۔

فصل

زاہدوں میں بعضے ایسے ہیں کہ اگر اس سے درخواست کی جائے کہ نرم کپڑے پہنے تو منظور نہ کرے گا۔ تاکہ اس کے مرتبہ زہد میں نقصان نہ آئے اور اگر باہر ہو تو لوگوں کے سامنے نہ کھائے اور اپنے آپ کو مسکرانے سے روکتا ہے ہنسنے کا کیا ذکر ہے۔ ابلیس اس کو وہم دلاتا ہے کہ یہ خلق کی اصلاح ہے حالانکہ یہ ریا کاری ہے جس سے وہ اپنی ناموس کا قاعدہ محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ تو اس کو دیکھے گا کہ لوگوں کے سامنے سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر حزن وغم کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر کبھی اس کو خلوت میں تنہا دیکھے تو شریٰ (سلمٰی پہاڑ کی

گھاٹی جہاں بکثرت شیر ہوتے ہیں) کا شیر نظر آئے گا۔

فصل

سلف صالحین کا قاعدہ تھا کہ ہر خصلت جس سے وہ انگشت نما ہوتے اس کو دور رکھتے اور جہاں وہ مشارٌ الیہ بنائے جاتے وہاں سے ہٹ جاتے۔ عبداللہ بن خفیف نے کہا کہ یوسف بن اسباط نے بیان فرمایا کہ میں سج سے پیدل نکل کر مصیصہ کو روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو میری جراب میرے گلے میں تھی۔ پس ادھر سے ایک دکاندار نے اٹھ کر مجھے سلام کیا اور ادھر سے دوسرے نے اٹھ کر سلام کیا۔ میں اپنی جرابیں ڈال کر مسجد میں گھس گیا۔ وہاں دو رکعتیں پڑھنے لگا تو مجھے سب طرف سے لوگوں نے گھیر لیا اور ایک شخص نے میرے چہرے کے سامنے دیکھنا شروع کیا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ میرا جی کب تک اس حالت پر سلامت رہے گا۔ پس میں اپنی جراب لے کر باوجود پسینے میں غرق ہونے اور تھکے ماندے ہونے کے الٹے پاؤں سج کی طرف واپس آیا۔ پھر دو سال تک میرا قلب بحال خود نہ آیا۔

فصل

بعضے زاہد کا یہ حال ہے کہ وہ پھٹا ہوا کپڑا پہنتا ہے اور اس کو نہیں سیتا اور اپنے عمامہ و داڑھی کی درستی چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کے پاس دنیا سے سوائے اس لباس کے کچھ نہیں ہے۔ یہ ریاکاری کے دروازوں میں سے ہے۔ پھر اگر وہ اصلاح و درستی کرنے میں سچا بھی ہو جیسے داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا تھا کہ آپ اپنی داڑھی کیوں درست نہیں کرتے تو فرمایا تھا کہ میں اس کے فکر سے دوسری طرف مشغول ہوں۔ تاہم اسے یہ جان لینا چاہیے کہ زاہد موصوف ٹھیک راہ نہیں چلا۔ اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ نہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے [1] اور آئینہ دیکھتے، خوشبو لگاتے [2] اور تیل

---

[1] بخاری: کتاب اللباس، باب ترجیل الحائض زوجہا، رقم ۵۹۲۵۔ مسلم: کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجہا و ترجیلہ...... رقم ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۷۔ ابوداؤد: کتاب الترجل، باب ماجاء فی الفرق، رقم ۴۱۸۹۔ ابن ماجۃ: کتاب اللباس، رقم ۳۶۳۳۔ مختصر الشمائل المحمدیہ: ص ۳۷، رقم ۲۶۔

[2] بخاری: کتاب اللباس، باب الطیب فی الرأس واللحیۃ، رقم ۵۹۲۳، ۵۹۲۸۔ ابوداؤد: کتاب الترجل، باب ماجاء فی استحباب الطیب، رقم ۴۱۶۲۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب الطیب، رقم ۵۲۶۰، ۵۲۶۱۔ سنن الداری: ۲/۲۶۰، کتاب المناسک، باب الطیب عند الاحرام رقم ۱۷۴۸، ۱۸۴۹۔

ملتے۔ [1] حالانکہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام تمام مخلوق سے زیادہ آخرت میں مشغول تھے۔ (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما داڑھی میں حنا وکتم کا خضاب لگاتے) [2] حالانکہ سب صحابہ سے بڑھ کر خوف رکھنے والے اور سب سے زیادہ زاہد تھے اور جو کوئی ان اکابر سے بڑھ کر رتبہ کا مدعی ہو تو اس کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے گا۔

فصل

بعضے زاہد ہمیشہ چپ رہنے کو لازم کر لیتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملنے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ گویا اس طرح اپنے قبیح اخلاق سے ان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھول جاتے ہیں کہ تجھ پر تیرے اہل کا حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی فرماتے [3] اور بچوں کو باتوں سے بہلاتے [4] اور ازواج مطہرات سے دل بہلانے کی باتیں کرتے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے [5] اور اسی طرح دیگر اخلاق لطیفہ مروی ہیں۔ پھر اس زاہد جاہل کو دیکھو جس نے اپنی زوجہ کو بیوہ کے مانند بنا دیا اور بچوں کو یتیم سا بنا دیا اور برے اخلاق کا برتاؤ کیا اور الگ ہو بیٹھا۔ کیوں کہ یہ تاویل نکالی کہ ایسے امور اس کو شغل آخرت سے روکنے والے ہیں اور کم علمی سے یہ جانا کہ اہل وعیال کے ساتھ کشادہ روئی سے بسر کرنا آخرت کے واسطے معین ہے۔ صحیحین میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو نے کنواری لڑکی سے کیوں بیاہ نہ کیا جس سے تو کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔ [6] اکثر اوقات اس جعلی زاہد پر خشکی

---

[1] مسلم: کتاب الفضائل، باب شیبہ، رقم ۶۰۸۳۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب الدھن، رقم ۵۱۱۷۔ مستدرک الحاکم: ۲/۶۶۳، کتاب التاریخ، فی ذکر خضاب رسول اللہ ﷺ بالکتار، رقم ۴۲۰۱۔ احمد: ۲/۲۵۔ مختصر الشمائل المحمدیہ للترمذی: ص۳۹، رقم ۳۲۔ [2] مسلم: کتاب الفضائل، باب شیبہ، رقم ۶۰۷۳، ۶۰۷۶۔

[3] بخاری: فی کتاب ادب المفرد، ص۷۷، باب المزاح، رقم ۲۶۵۔ احمد: ۲/۳۴۰، ۳۶۰۔ ترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی المزاح، رقم ۱۹۹۰، ۱۹۹۲۔ [4] بخاری: کتاب الادب، باب الانبساط الی الناس، رقم ۶۱۲۹، ۶۲۰۳۔ مسلم: کتاب الادب، باب جواز تکنیۃ من لم یولد لہ کنیۃ الصغیر، رقم ۵۶۲۲ وغیرھما۔

[5] ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی السبق علی الرجل، رقم ۲۵۷۸۔ نسائی: فی الکبریٰ): ۵/۳۰۴، کتاب عشرہ النساء ابواب الملاعبۃ، مسابقۃ الرجل زوجہ، رقم ۸۹۴۳، ۸۹۴۴، ۸۹۴۵۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، رقم ۱۹۷۹۔ احمد: ۶/۳۹۔ [6] بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات، رقم ۵۰۷۹، ۵۰۸۰۔ مسلم: کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر، رقم ۳۶۴۲ وغیرھما من اصحاب السنن۔

غالب ہوجاتی ہے تو وہ زوجہ سے ملنا بالکل ترک کر دیتا ہے جس کا حق فرض تھا۔ گویا نفل کے پیچھے فرض کو کھو دیتا ہے یہ ثواب کی بات نہیں ہے۔

فصل

بعضے زاہد کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اعمال پر نظر کرتا ہے۔ اس سے اگر کہا جائے کہ آپ بڑے لوگوں میں سے ہیں تو اس کو حق سمجھتا ہے۔ بعض زاہد اپنے واسطے کرامت ظاہر ہونے کا منتظر رہتا ہے اور اس کے خیال میں جم جاتا ہے کہ اگر وہ دریا کے پاس جا پہنچے تو اسکی قدرت ہے کہ پانی پر رواں ہو جائے۔ پھر جب اس نے کسی معاملہ میں دعا کی اور وہ قبول نہ ہوئی تو وہ دل میں ناخوش ہوتا ہے۔ گویا وہ مزدور تھا کہ اپنی مزدوری مانگتا ہے۔ اگر اس کو سمجھ ہوتی تو جانتا کہ وہ تو ایک بندۂ مملوک ہے اپنی خدمت سے کچھ احسان نہیں رکھ سکتا ہے اور اگر یہ دیکھتا کہ اس کو نیک عمل کی توفیق ملی ہے تو جانتا کہ اس پر شکر ادا کرنا بھی واجب ہے، اور اپنے قصور سے خوف کھاتا۔ اس پر لازم یہ تھا کہ اپنے عمل کو دیکھنے سے اس کو یہ امر باز رکھتا کہ میرے اعمال میں مجھ سے سخت قصور سرزد ہوا جیسے رابعہ عدویہ رحمہا اللہ کہا کرتی تھیں کہ میں استغفر اللہ کہنے میں اپنی کم سچائی سے توبہ کرتی ہوں اور مغفرت مانگتی ہوں رابعہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کس عمل کو سمجھتی ہیں کہ وہ مقبول ہوا ہو تو فرمایا کہ اگر کچھ ہے تو یہ کہ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ مجھ پر الٹا نہ مار دیا جائے۔

فصل

بعضے زاہد جن کی کم علمی سے شیطان نے ان پر قابو پایا ہے یہ تلبیس ڈالی کہ وہ لوگ اپنے واقعات پر عمل کرتے ہیں اور کسی فقیہ کے قول پر التفات نہیں کرتے۔ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابو اسحاق الخزاز مرد صالح تھے اور انہوں نے سب سے اول مجھے قرآن تلقین کیا۔ ان کی یہ عادت تھی کہ رمضان میں بولنا چھوڑ دیتے تھے اور جو ضرورتیں ان کو لاحق ہوتی ان میں آیات قرآنی سے خطاب کرتے۔ چنانچہ جس سے کہنا ہوتا کہ پاس آؤ۔ یعنی اجازت دیتے تو بجائے اس کے یہ آیت پڑھتے ﴿اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ﴾ [1] اے بنی اسرائیل! اس قوم کفار پر دروازے سے داخل ہو، الخ اور تیسرے پہر کو اپنے بیٹے کو کہتے ﴿مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا﴾ [2] یعنی زمین ساگ و ککڑی سے۔ یعنی بیٹے کو حکم دیا کہ بازار سے ساگ خریدو۔ میں نے شیخ سے

[1] ۵/المائدۃ:۲۳۔ [2] ۲/البقرۃ:۶۱۔

عرض کیا کہ آپ اس کو عبادت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ گناہ ہے۔ یہ کلمہ ان پر دشوار گزرا تو میں نے کہا کہ یہ قرآن مجید احکام شرعیہ بیان کرنے کے لیے اترا ہے تو اس کو دنیاوی اغراض میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں یہ تو ایسا ہے جیسے اوراق مصحف میں گھاس پات رکھے یا اس کو تکیہ بنا دے۔ تو شیخ نے مجھے سخت سست کہا اور دلیل کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ زاہد کم علم کبھی عوام سے کوئی بات سن کر اسی کے موافق فتویٰ دیتا ہے۔ چنانچہ مجھ سے ابو حکیم ابراہیم بن دینار الفقیہ نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک مرد نے فتویٰ پوچھا کہ ایک عورت کو تین طلاق دی گئیں۔ اس کے لڑکا ہوا تو کیا وہ عورت اپنے شوہر کو حلال ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ میرے پاس شریف الدحالی بیٹھے تھے۔ یہ مشہور زاہد تھے اور عوام میں ان کی بڑی قدر تھی۔ کہنے لگے کہ نہیں وہ حلال ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حکم کسی عالم نے نہیں دیا تو کہا کہ واللہ! میں نے یہاں سے بصرہ تک یہی فتویٰ دیا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بھائیو دیکھو جاہلوں کے ساتھ جہالت کیا کرتی ہے۔ زاہد میں جہالت کے ساتھ اپنے مرتبہ کی حفاظت مل جاتی ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کو جہالت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ زاہد کو باوجود معرفت کے بہت سے علوم وفتویٰ دینے سے روکتے اور انکار کرتے تھے۔ کیوں کہ اس میں فتویٰ دینے کے شروط نہیں ہیں۔ پھر بھلا اگر ہمارے زمانہ کے زاہدوں کی جھلکی دیکھتے کہ واقعات میں کیسے فتویٰ دیتے ہیں تو کس طرح سخت تنبیہ کرتے۔ اسمٰعیل بن شبہ نے کہا کہ میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ ان دنوں احمد بن حرب مکہ سے آئے تھے تو امام نے مجھ سے پوچھا کہ یہ خراسانی کون شخص ہے جو آج کل وارد ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ زہد میں ایسا ایسا ہے اور تقویٰ میں ایسا ایسا ہے تو فرمایا کہ اس کو فتویٰ دینے میں داخل نہ ہونا چاہیے باوجود ان صفات کے جن کو اپنے نفس کے واسطے مدعی ہو۔

فصل

ابلیس کی تلبیس ان جاہل زاہدوں پر یہ بھی ہے کہ عالموں کی حقارت ومذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم کا مقصود یہی تھا کہ عمل کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ علم تو قلب کا نور ہے۔ اگر یہ جہال زاہد عالموں کا رتبہ جانتے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات سے شریعت کی حفاظت فرمائی

ہے اور یہ انبیا علیہم السلام کا مرتبہ ہے تو یہ زہادان کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھتے جیسے فصحا کے سامنے گونگا اور آنکھوں والوں کے سامنے اندھا ہوتا ہے۔ علما (صحیح) راستہ کے دلیل ہیں اور سب خلق ان کے پیچھے ہے۔ دانا آدمی وہی ہے جو کسی ایک کے ساتھ چلتا ہے۔ صحیحین میں سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ واللہ اگر تیری ذات سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت دیدے تو تیرے واسطے سرخ اونٹوں کے گلہ سے بہتر ہے۔ [1]

فصل

جن امور سے یہ لوگ علما کو عیب لگاتے ہیں ایک یہ ہے کہ علما بعض مباحات کو استعمال کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے قوت حاصل کریں تا کہ درس کا کام پورا کریں اور اسی طرح بعض علما پر مال جمع کرنے کا عیب لگاتے ہیں اگر یہ لوگ مباح کے معنے سمجھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ایسے شخص کی مذمت نہیں ہو سکتی ہے۔ انتہا درجہ یہ ہے کہ جمع نہ کرنے والا جامع مال سے بہتر ہو۔ پھر کیا جس نے نماز فرض ادا کی اور سو رہا تو اس کو وہ شخص عیب لگائے جو نماز پڑھتا رہا ہے یہ تو بہتر نہیں ہے۔ ابو عبداللہ الخواص نے کہا کہ ہمارے یہاں حاتم الاصم گزرے۔ ہم ان کے ہمراہ ان کے تین سو بیس مریدوں کے ساتھ ری میں داخل ہوئے۔ سب حج کا قصد کرتے تھے۔ وہ صوف کے کپڑے اور صوف کے جبے پہنے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس تھیلا یا طعام کچھ نہ تھا۔ ہم لوگ ایک سوداگر کے پاس اترے۔ اس نے رات کو ہماری مہمانی کی۔ دوسرے روز اس نے کہا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! آپ کو کچھ ضرورت تو نہیں، میں چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہمارا فقیہ بیمار ہے اس کی عیادت کروں حاتم نے کہا کہ اگر تیرا فقیہ بیمار ہے تو فقیہ کی عیادت کی بڑی فضیلت ہے اور اس کا دیکھنا عبادت ہے اور میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں وہ بیمار محمد بن مقاتل ری کے قاضی تھے۔ یہ سب لوگ قاضی کے دروازے پر آئے تو دیکھا دربان موجود ہے۔ حاتم اصم متفکر ہو گئے کہ عالم کے دروازے پر یہ حال ہے۔ پھر قاضی نے ان کو اجازت دی تو داخل ہو کر کیا دیکھتے ہیں مکان چمکتا ہوا اور اسباب خوب موجود ہے اور کپڑے

[1] بخاری: کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب علی بن ابی طالب، رقم ۳۷۰۱۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب ۔ رقم ۶۲۲۳، احمد: ۵/ ۳۳۳۔ ابوداود: کتاب العلم، باب نشر العلم، رقم ۳۶۶۱۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۵/ ۴۶، کتاب المناقب، باب فضائل علی بن ابی طالب، رقم ۸۱۴۹۔

عمدہ وفرش و پردے ہیں۔ حاتم اصم متفکر ہوکر دیکھنے لگے۔ جب اس محل میں داخل ہوئے جہاں محمد بن مقاتل تھے تو دیکھا کہ عمدہ بچھونا ہے اس پر لیٹے ہیں اور سرہانے مورچھل ہے۔ لوگ کھڑے ہیں، پھر سوداگر بیٹھ گئے اور حاتم کھڑے رہے تو محمد بن مقاتل نے ان کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ حاتم نے کہا کہ میں نہیں بیٹھوں گا مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ قاضی نے کہا کہ پوچھو۔ حاتم نے کہا کہ اٹھ کر سیدھے بیٹھو تو پوچھوں۔ ابن مقاتل نے اپنے غلاموں کو حکم دیا انہوں نے تکیہ لگا کر ان کو بٹھایا۔ حاتم اصم نے کہا کہ اپنا یہ علم تم کس سے لائے ہو۔ کہا کہ ہم کو ثقہ مشائخ نے ثقہ اماموں سے پہنچایا ہے۔ کہا کہ انہوں نے کس، سے لیا ہے کہا کہ تابعین سے پوچھا کہ کس سے لیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے، پوچھا کہ اصحاب نے کس سے لیا ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے۔ پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو کہاں سے لائے۔ کہا کہ جبرائیل علیہ السلام سے لیا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ حاتم اصم نے کہا کہ پھر تم نے اس علم میں جو اللہ تعالیٰ سے جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا اور حضرت محمد ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اور صحابہ نے تابعین کو اور تابعین نے ائمہ کو اور ائمہ نے ثقات کو اور ثقات نے تم کو پہنچایا ہے یہ پایا کہ دنیا میں جس کا گھر سب سے بہتر اور بچھونا نرم اور زینت زیادہ ہو تو اسکی منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہے۔ قاضی نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ پھر تم نے کیونکر سنا ہے کہا کہ میں نے سنا کہ جو دنیا میں زاہد ہو اور آخرت میں راغب ہو اور مساکین کو پسند کیا اور اپنی آخرت کا سامان بھیجا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی منزلت زیادہ اور قرب زیادہ ہوگا۔ حاتم نے کہا کہ پھر تم نے کس کی اقتدا کی۔ کیا نبی ﷺ واصحاب وتابعین ومابعد صالحین کی اقتدا کی یا فرعون ونمرود کی اقتدا کی جس نے سب سے پہلے گچ اور اینٹ سے عمارت بنوائی ہے۔ ایب رے عالمو! تمہارے سبب سے جاہل جو دنیا پر ہزار جان سے گرا پڑتا ہے یہ کہے گا کہ جب یہ عالم اس طرح پر ہے تو میں کیوں نہ ہو جاؤں۔ حاتم وہاں سے نکل آئے۔ محمد بن مقاتل کا مرض بڑھتا گیا۔ ری کے لوگوں نے یہ ماجرا جو حاتم وابن مقاتل کے درمیان ہوا تھا سب سے سنا تو حاتم سے کہا کہ قزوین میں محمد بن عبید الطنافسی کا محل و دولت وسامان اس سے بھی زیادہ ہے۔ حاتم روانہ ہوکر محمد بن عبید کے پاس پہنچے ان کے پاس ایک جماعت کثیر موجود تھی جن کو

حدیث سناتے تھے ان سے کہا کہ خدا تم پر رحم کرے میں ایک شخص عجمی ہوں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے میری نماز کی کنجی اور مبداء دین سکھلا دیجیے کہ وضو کیونکر کرتے ہیں۔ محمد بن عبید نے کہا کہ بہت تکریم وخوشی کے ساتھ سکھلاؤں گا۔ اے غلام برتن میں پانی لاؤ۔ پس وہ لایا تو محمد بن عبید نے تین بار وضو کر کے فرمایا کہ اسی طرح وضو کیا کرو۔ حاتم نے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے تاکہ میں آپ کے سامنے وضو کرلوں تاکہ خود مستحکم ہو جائے۔ محمد بن عبید کھڑے ہو گئے اور حاتم نے وضو کرنا شروع کیا۔ تین بار منہ دھویا۔ جب ہاتھوں کی باری آئی تو چار مرتبہ ہاتھ دھوئے۔ طنافسی نے کہا کہ تم نے اسراف کیا۔ حاتم نے کہا کہ کس چیز میں اسراف کیا۔ کہا کہ تم نے ہاتھ چار مرتبہ دھوئے تو حاتم نے کہا سبحان اللہ! میں فقط ایک ہاتھ میں اسراف کا ملزم ہوا اور آپ اس تمام سامان میں جو دیکھ رہا ہوں کچھ مسرف نہ ہوئے۔ طنافسی نے جانا کہ اس شخص نے اسی واسطے میرا قصد کیا تھا۔ پس وہ گھر چلے گئے اور چالیس روز تک لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ حاتم وہاں سے حجاز کو گئے۔ جب مدینہ پہنچے تو چاہا کہ وہاں علما کو بھی قائل کریں۔ پس جب مدینہ میں داخل ہوئے تو پوچھا کہ حضرت محمد ﷺ کا محل کہاں ہے تاکہ میں وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھوں۔ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا محل نہ تھا۔ بلکہ آپ کے واسطے ایک کچی کوٹھری تھی۔ حاتم نے کہا کہ پھر آپ کے خاندان اور اصحاب واز واج کے محل کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے محل نہ تھے بلکہ ان کے مکانات کچے تھے۔ حاتم نے کہا کہ اے لوگو پھر یہ شہرِ فرعون ہے۔ یہ کلمہ سن کر لوگوں نے حاتم کو گالیاں دیں اور پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے اور بیان کیا کہ عجمی یہ کہتا ہے کہ یہ شہرِ فرعون ہے۔ حاکم نے کہا کہ تو نے ایسا کلمہ کیوں کہا۔ حاتم نے کہا کہ اے امیر! جلدی نہ فرمائیے میں ایک پردیسی ہوں۔ جب اس شہر میں داخل ہوا تو میں نے پوچھا کہ یہ کون سا شہر ہے جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ کا شہر ہے میں نے کہا کہ محل رسول اللہ ﷺ کہاں ہے اور آپ کے اصحاب کے محلات کہاں ہیں تو لوگوں نے کہا کہ ان بزرگوں کے محلات نہ تھے بلکہ کچے گھر تھے اور میں نے قرآن مجید میں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ﴾ [1] یعنی رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں تمہاری بہتری ہے۔ اب تم لوگ مجھے بتلا دو کہ کس کی پیروی کی ہے آیا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی

---

[1] ۳۳/الاحزاب:۲۱۔

پیروی کی یا فرعون کی پیروی کی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جاہل زاہد سے علما کے حق میں افسوس ہے کہ جاہل مذکور اپنے علم پر بھروسہ کر کے فضیلت کو بھی فرض سمجھتا ہے کیوں کہ حاتم نے جن امور کا اول سے آخرت تک انکار کیا وہ مباح ہیں اور مباح میں شرع نے اجازت دی ہے اور جس چیز کی اجازت دی اس میں عتاب و عذاب نہیں فرمایا جائے گا۔ اب ذرا غور کرو کہ جہالت کیسی قبیح چیز ہے۔ ہاں اگر حاتم ان علما سے اس قدر کہتے کہ یارو جس حالت میں تم لوگ پڑے ہو اگر اس میں کمی کرتے تا کہ عوام الناس تمہاری اقتدا کرتے تو یہ کلام مناسب تھا اور دیکھو زاہد سنتا کہ عبدالرحمٰن بن عوف و زبیر و ابن مسعود فلاں فلاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اموال عظیمہ چھوڑے تو بھلا تمہاری رائے میں یہ زاہد کیا کہتا اور تمیم الداری نے ہزار درم کا ایک حلہ خریدا تھا۔ اس کو پہن کر رات میں نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تھے۔ بالجملہ زاہد پر فرض یہ ہے کہ عالموں سے علم سیکھے اور اگر نہ سیکھے تو خاموش رہے۔

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قاریوں کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلا کرتے ہیں۔ حبیب فارسی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے کہ شیطان قاریوں سے واللہ ایسے کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹ سے کھیلتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قاریوں سے زاہد مراد ہیں اور یہ قدیم سے ان کا متواتر و معروف نام ہے۔

باب دہم

صوفیوں پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صوفیہ بھی زاہدوں میں سے ایک قوم ہے۔ ہم نے زاہدوں پر تلبیسِ ابلیس کا بیان لکھ دیا، لیکن چند صفات و احوال میں صوفیہ ان سے جدا ہیں۔ انہوں نے اپنے واسطے کچھ نشانات و علامات خاص کر لی ہیں۔ لہٰذا ہم ان کا ذکر علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ تصوف ابتدا میں زہد کلیہ کا نام تھا، پھر جو لوگ تصوف کی طرف منسوب ہوئے انہوں نے سماع و رقص کی اجازت دی، تو عوام میں سے جو لوگ آخرت کے طالب ہوئے وہ ان کی طرف جھک پڑے۔ اس وجہ سے کہ یہ لوگ زہد ظاہر کرتے تھے اور دنیا کے طالب بھی ان کی طرف جھک گئے کیوں کہ ان کے پاس راحت و کھیل کود نظر آیا۔ تو ضروری ہوا کہ اس قوم کے طریقہ میں جو تلبیس ابلیس نے ان پر ڈالی ہے اس کا حال کھول دینا چاہیے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اس طریقہ کا اصل و فرع بیان ہو اور اس کے امور کی شرح بیان کی جائے۔

فصل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نسبت اسلام و ایمان کی طرف ہوتی۔ چنانچہ مسلم یا کافر کہا جاتا۔ پھر پیچھے زمانہ میں زاہد و عابد وغیرہ نام پیدا ہوئے۔ پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زہد و عبادت سے تعلق کر کے دنیا سے انقطاع کر لیا اور عبادت کے واسطے علیحدہ ہو گئے اور اس میں ایک طریقہ بنا کر متفرد نام و طریقہ سے ممتاز ہوئے اور کچھ اخلاق مخصوص کر لیے۔ جو ان کے سوائے دوسروں میں نہ ہوں۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے پاس خدمت کے واسطے جو شخص سب سے اول منفرد ہوا تھا اس کا لقب صوفہ اور نام غوث بن مرّ تھا۔ پس اس کی طرف منسوب ہوئے یہ لوگ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کے ساتھ متشابہ ہوئے تو نام صوفیہ رکھا۔ ابو محمد عبدالغنی بن سعید الحافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ولید بن القاسم سے پوچھا کہ یہ صوفی کیا نسبت ہے تو انہوں نے فرمایا: کیا زمانہ جاہلیت میں ایک قوم تھی جن کو صوفہ کہتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے الگ ہو گئے تھے اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا۔ تو جو کوئی ان سے مشابہ ہوا

وہ صوفیہ ہے۔ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایسے لوگ معروف بصوفہ ہیں غوث بن قرّ کی اولاد میں سے ہیں جو کہ تمیم بن مرّ کا بھائی تھا۔ زبیر بن بکار نے کہا کہ عرفہ سے لوگوں کو حج کی اجازت دینا غوث بن مرّ بن اد بن طابخہ کے حوالے تھی۔ پھر اس کے فرزند میں رہی اس کو لوگ صوفہ کہتے تھے اور جب اجازت کا وقت آتا تو عرب کہتے کہ اے صوفہ آپ نے اجازت دی۔

زبیر نے کہا کہ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ صوفہ اور صوفان ہر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بیت اللہ والوں کے سوائے دوسرے لوگوں سے امر البیت کا متولی ہو جب کہ مناسک حج میں سے کسی چیز کا سرانجام اس کے تعلق میں ہو تو ان کو صوفہ وصوفان کہتے ہیں۔

ابن السائب الکلبی نے کہا کہ غوث بن مرّ کا نام صوفہ اس لیے ہوا کہ اس کی ماں کا کوئی لڑکا نہیں جیتا تھا۔ اس نے نذر مانی کہ اگر جیتا رہے تو اس کے سر میں صوف باندھے گی اور اس کو کعبہ کی خدمت سے مربوط کر دے گی۔ یعنی ہمیشہ کعبہ کے پاس رہ کر خدمت کرتا رہے گا۔ پھر اس نے اپنی نذر پوری کی تو اس لڑکے کا نام صوفہ پڑ گیا اور جو اس کی اولاد ہوئی وہ بھی صوفہ کہلائی۔ عقال ابن شبہ نے کہا کہ تمیم بن مرّ کی ماں کی لڑکیاں زیادہ ہوئیں تو اس نے کہا کہ مجھ پر لِلّٰہ نذر ہے کہ اگر لڑکا ہوا تو میں اس کو بیت اللہ کی خدمت کے واسطے دے دوں گی تو غوث پیدا ہوا۔ اس کی ماں نے عہد کے موافق اس کو خانہ کعبہ کے پاس باندھ دیا۔ جب اس کو سخت دھوپ لگی تو گر پڑا۔ یہ عورت ادھر آئی تو دیکھا کہ وہ گر پڑا ہے اور بالکل ڈھیلا پڑ گیا ہے تو کہنے لگی کہ یہ صوفہ ہو گیا۔ یعنی جیسے صوف کا ٹکڑا ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس کا نام صوفہ ہوا۔ پھر صوفہ کے متعلق یہ تھا کہ لوگوں کو حج کرادے اور ان کو عرفہ سے منیٰ اور منیٰ سے مکہ کی اجازت دینا صوفہ کے متعلق تھا اور برابر یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں رہتی آئی۔ یہاں تک کہ عدوان نے لی۔ پھر برابر عدوان میں چلی آئی یہاں تک کہ ان سے قریش نے لی۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ تصوف کی طرف منسوب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے دیکھا کہ اہل صفہ بھی اسی صفت پر تھے جو ہم نے صوفہ کے حال میں بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع تھے اور ہمیشہ فقیر رہتے کیوں کہ اہل صفہ محتاج تھے جو رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ اس کے پاس مال تھا نہ اہل وعیال پس ان کے لیے مسجد نبوی میں ایک صفہ بنا دیا گیا تھا۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ضعفاء مسلمین کے لئے صفہ بنا دیا گیا تھا۔ تو مسلمانوں نے جہاں تک جس سے ہوسکتا وہاں کھانا وغیرہ پہنچایا کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آیا کرتے اور فرماتے ((اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الصُّفَّةِ)) وہ جواب دیتے (وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ) پھر فرماتے کہ ((کَیْفَ اَصْبَحْتُمْ)) تو وہ جواب دیتے کہ ہم نے خیریت کے ساتھ صبح کی یا رسول اللہ ﷺ۔ [1]

ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اہل الصفہ میں تھا اور جب شام ہوتی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے۔ پس آپ ہر شخص کو حکم دیتے کہ وہ ایک شخص کو اپنے ساتھ لے جاتا، پھر جو لوگ اہل الصفہ میں سے دس یا کم وبیش رہ جاتے تو نبی کریم ﷺ کے لیے عشاء کا کھانا لایا جاتا پس ہم لوگ آپ کے ساتھ کھاتے۔ جب فارغ ہوتے تو ہم سے رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ جا کر مسجد میں سو رہو۔ [2] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان اصحاب نے بضرورت مسجد میں قیام کیا اور صدقہ بضرورت کھایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتح دے کر ان کو مستغنی کر دیا تو یہ لوگ نکل کر چلے گئے۔

صوفی کی نسبت اہل الصفہ کی طرف وجوہ بالا کے لحاظ سے غلط ہے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو صفی کہا جاتا۔ اور ایک قوم اس طرف گئی کہ صوفی لیا گیا ہے صوفانہ سے جو ایک خوشنما خودرو ساگ چھوٹا چھوٹا ہوتا ہے تو اس طرف منسوب کیے گئے۔ کیوں کہ یہ لوگ بھی جنگل کے ساگ پات پر کفایت کرنے میں اختیار کرتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ کیوں کہ اگر اس طرف نسبت ہوتی تو صوفانی کہا جاتا۔ ایک اور جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوفۃ القفا کی طرف وہ چند بال گدی کے آخر میں جمتے ہیں گویا صوفی اس سے حق کی طرف متوجہ اور خلق سے منہ پھیرے ہے۔ دیگر جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوف کی طرف اور یہ ہوسکتا ہے قول اول یعنی صوفہ کی طرف منسوب ہونا اصح ہے۔ یہ نام اس قوم کے واسطے ۲۰۰ ہجری سے

---

[1] مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۱۷ مذکر اھل الصفۃ، رقم ۱۲۰۳۔ [2] اس میں محمد بن عمر الواقدی ضعیف اور متروک روای ہے۔ حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۳۱، رقم ۱۳۳۸ فی ترجمۃ ثقیف بن عمرو۔

اور پہلے ظاہر ہوا۔ اور جب صوفیوں کے اول لوگوں نے تصوف ظاہر کیا تو اس کے معنی میں کلام کیا اور صفت عبارات کثیرہ سے بیان کی۔ اس کا حاصل یہ کہ تصوف ان کے نزدیک اس کا نام ہے کہ نفس کو کوشش و ریاضت سے اخلاق رذیلہ سے پھیرے اور اخلاق جمیلہ مانند زہد وحلم وصبر واخلاص وصدق وغیرہ خصائص حسنہ پر آمادہ کرے جس سے دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب حاصل ہوتا ہے۔

جنید بن محمد سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہر برے اخلاق سے نکلنا اور ایک نیک خلق میں داخل ہونا۔ رویم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ کل مخلوق تو رسوم پر بیٹھ رہی اور یہ گروہ صوفیہ حقائق پر بیٹھا سب خلق نے اپنے نفس سے ظواہر شرع کی درستی چاہی اور اس گروہ نے اپنے نفس سے حقیقت تقویٰ ومداومتِ صدق چاہا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وائل قوم کا یہی حال تھا۔ پھر ابلیس نے ان پر چند چیزوں میں تلبیس کی پھر ان کے بعد والوں پر تلبیس کی۔ اسی طرح جب کوئی زمانہ گزرا تو زمانے والوں پر ابلیس کی طمع بڑھی اور اس نے تلبیس زیادہ کی۔ یہاں تک کہ متاخرین میں اس نے پورا قابو حاصل کر لیا۔ اور اصل تلبیس یہ کہ ان کو علم سے روکا اور یہ دکھلایا کہ عمل اصلی مقصود ہے۔ تو جب علم کا چراغ گل ہوا تو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ بعض صوفیہ وہ ہیں جن کو شیطان نے یہ بات دکھلا دی کہ مقصود اصلی دنیا کو بالکل ترک کر دینا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بدن کی اصلاح والی چیزیں چھوڑ دیں اور مال کو سانپ بچھو سے تشبیہ دی۔ اور یہ نہ یاد رکھا کہ مال مصلحتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اپنے نفسوں پر بار ڈالنے اور حملہ کرنے میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ بعض ایسے ہیں جو لیٹتے نہیں۔

ان لوگوں کے مقاصد واقعی اچھے تھے۔ مگر افسوس کہ طریق شرع کے خلاف ہیں۔ بعض صوفیہ بوجہ کم علمی جو موضوع حدیثیں ان کو ملتی ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔ ایک قوم ان کے لیے ایسی نکل آئی جنہوں نے ان کے واسطے فقر وفاقہ وساوس وخطرات کے بارے میں کلام کیا، اور کتابیں تصنیف کیں مثلاً حارث محاسبی۔ پھر کچھ لوگ ایسے آئے کہ انہوں نے مذہب تصوف کو ترتیب دی۔ اور اس مذہب کو خاص صفات کے ساتھ ممتاز کیا۔ مثلاً مرقع

اور سماع، وجد، رقص اور تالیاں بجانا وغیرہ اور طہارت و نظافت کی زیادتی سے تمیز بخشی، بعد ازاں اس امر میں ترقی ہوتی رہی۔ اور شیخ لوگ ان کے لیے نئے طریقے ایجاد کرتے رہے اور اپنے واقعات سے گفتگو کرتے رہے کچھ اس وجہ سے نہیں کہ علما سے دور رہے بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر سمجھ بیٹھے کہ یہی پورا پورا علم ہے یہاں تک کہ اس کا نام علم باطن رکھا، اور علم شریعت کو علم ظاہر گردانا۔

بعض صوفیہ ایسے ہیں جو بہت بھوکا رہنے کی وجہ سے خیالات فاسدہ میں پڑ گئے اور اس حالت کو سمجھے کہ مشاہدہ میں محو و مستغرق ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک اچھی صورت کے شخص کا خیال باندھا۔ اسی میں محو ہو گئے یہ لوگ کفر و بدعت کے درمیان ہیں۔ پھر ان لوگوں میں سے چند اقوام نے کچھ طریقے نکالے۔ لہٰذا ان کے عقائد میں فساد آ گیا۔ بعض حلول کے قائل ہوئے بعض الحاد میں پڑ گئے۔ اسی طرح شیطان ان کو انواع انواع بدعتوں سے بہکاتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے لیے نئی سنتیں قرار دیں۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے ان کے لیے کتاب السنن تصنیف کی اور تفسیر کے حقائق جمع کیے۔ اور صوفیہ نے جو قرآن کی عجب عجب تفسیر بدون اسناد کے بیان کی ہے اس کا تذکرہ کیا کہ جو کچھ وہ اپنے واقعہ میں دیکھتے جس کو علم کے اصول میں سے کسی اصل کی طرف مسند نہیں کرتے اس کو اپنے مذاہب پر محمول کرتے ہیں......

تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ کھانے پینے میں ورع اختیار کرتے ہیں اور قرآن میں بے تکلف جو چاہتے ہیں کہہ گزرتے ہیں۔ محمد بن یوسف قطان نیشاپوری نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن السلمی ثقہ نہیں اور اصم سے ان کا سماع کچھ یوں تھوڑا سا ثابت ہے۔ جب حاکم ابو عبداللہ بن البیع انتقال کر گئے تو ابو عبدالرحمٰن نے اصم سے تاریخ یحییٰ بن معین اور کچھ دوسری چیزیں روایت کیں۔ نیز وہ صوفیہ کے لیے حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صوفیہ کے لیے ابو نصر سراج نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام لمع الصوفیہ رکھا۔ اس میں عجیب برے عقیدے بیان کیے اور مہمل گفتگو کی۔ جس کا کسی قدر بیان ہم آگے چل کر ان شاء اللہ کریں گے۔ ابو طالب مکی نے قوت القلوب تصنیف کی جس میں باطل حدیثیں بغیر کسی اصل کی طرف اسناد کیے لکھی ہیں۔ مثلاً رات اور دن میں نمازیں

پڑھنا وغیرہ جو بالکل موضوع ہیں اور فاسد عقائد اس میں بیان کیے اور اس قول کو بار بار لکھا ہے کہ ''قال بعض المکاشفین''، یعنی بعض اہل کشف نے ایسا کہا ہے۔ حالانکہ یہ مقولہ محض خیالی بات ہے۔ اس کتاب میں بعض صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو دنیا میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ محمد ابن علاف نے کہا کہ ابو طالب مکی بعد وفات ابوالحسن بن سالم کے بصرہ میں گئے۔ میں نے بھی ان کے مقولے سنے۔ بعد ازاں بغداد آئے۔ ان کے وعظ میں لوگ جمع ہوئے۔ انہوں نے اپنے کلام میں تخلیط کی۔ لوگوں نے ان کا یہ قول یاد رکھا کہ مخلوق کے حق میں خالق سے زیادہ کوئی ضرر رساں نہیں۔ یہ مقولہ سن کر سب آدمیوں نے ان کو چھوڑ دیا اور بدعتی بنایا۔ اس کے بعد وہ لوگوں کے سامنے وعظ کہنے سے باز رہے۔ خطیب نے کہا: کتاب قوت القلوب صوفیہ کی زبان پر لکھی اور اس میں صفات الٰہی کی نسبت ناگوار اور منکر باتیں کیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابو نعیم اصفہانی نے صوفیہ کے لیے کتاب الحلیہ تصنیف کی اور حدود تصوف میں اشیائے قبیحہ کا ذکر کیا۔ اور اس بات سے ذرا شرم نہ آئی کہ صوفیہ میں حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اور بڑے بڑے اصحاب اور قاضی شریح وحسن بصری وسفیان ثوری اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح سلمی نے طبقات صوفیہ میں فضیل وابراہیم بن ادہم ومعروف کرخی کا تذکرہ کیا اور ان کو صوفی قرار دیا۔ اگر ان بزرگوں کو صوفی گرداننے سے سلمی کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اہل زہد تھے تو تصوف ایک مشہور مذہب ہے جس میں زہد سے زیادتی پائی جاتی ہے۔ اور زہد وتصوف میں فرق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ زہد کی مذمت کسی نے نہیں کی اور تصوف کو سب نے برا کہا ہے۔ چنانچہ آگے ذکر آئے گا۔ عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے صوفیہ کے لیے کتاب الرسالہ لکھی جس میں عجیب عجیب باتیں بیان کیں۔ فنا وبقا وقبض وبسط ووقت وحال ووجود وجمع وتفرقہ وصحو وسکر وذوق وشوق واثبات وتجلی ومحاضرہ مکاشفہ ولوائح وطوالع ولوامع تکوین وتمکین وشریعت وحقیقت وغیرہ میں کلام کیا۔ جس کی کچھ حقیقت نہیں اور سراسر تخلیط ہے۔ پھر ان کی تفسیر جو اس شخص نے کی وہ زیادہ تعجب خیز ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے صفوۃ التصوف تصنیف کی۔ اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کے ذکر کرنے سے اہل عقل کو حیا آتی ہے۔ ہم ان میں سے جو کچھ ذکر کرنے کے قابل ہے موقع موقع پر ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر حافظ کہا کرتے تھے کہ ابن طاہر مذہب اباحت رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امرد کی طرف دیکھنا جائز ثابت کیا ہے۔ اور یحییٰ بن معین سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے مصر میں ایک خوبصورت لڑکی دیکھی خدا اس پر رحمت کرے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ اس پر رحمت کیوں بھیجتے ہیں۔ جواب دیا کہ خدا اس پر رحمت کرے اور ہر ایک خوب صورت پر درود بھیجے۔ شیخ ابن ناصر نے کہا کہ ابن طاہر ان لوگوں میں سے نہیں جن کا قول حجت ہوا۔ ابو حامد غزالی نے آ کر قوم صوفیہ کے طریقہ پر کتاب احیاء العلوم تصنیف کی اور اس کو باطل حدیثوں سے بھر دیا جن کا بطلان وہ خود نہیں جانتے اور علم مکاشفہ میں گفتگو کی اور قانون فقہ سے باہر ہو گئے۔ اس میں لکھا ہے کہ وہ ستارہ سورج اور چاند جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا ان سے مراد انوار ہیں جو اللہ عزوجل کے حجاب ہیں یہ مشہور چاند، سورج، ستارے مراد نہیں غزالی کا یہ کلام باطنیہ کے کلام کی قسم سے ہے اور اپنی کتاب ''المفصح بالاحوال'' میں لکھتے ہیں کہ صوفیہ حالت بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور فوائد اخذ کرتے ہیں پھر ان صورتوں کے مشاہدے سے ترقی کر کے حالت ان درجات پر پہنچتی ہے جو تنگنائے کلام سے باہر ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان لوگوں نے جو یہ چیزیں تصنیف کیں اس کا سبب یہ ہوا کہ سنن اور اسلام و آثار کا علم رکھتے تھے اور صوفیہ کا طریقہ جو اچھا معلوم ہوا اس پر جھک پڑے اور وہ طریقہ صرف اس لیے اچھا معلوم ہوا کہ دلوں میں زہد کی خوبی بیٹھی ہوئی ہے اور اس قوم کی ظاہری حالت اور ان کے کلام سے کلام رقیق تر نہیں دیکھا اور سلف کے حالات میں ایک قسم کی سختی پائی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کی رغبت اس قوم کی طرف شدت سے ہے۔ کیوں کہ ہم بیان کر چکے یہ طریقہ ایسا ہے جس میں بظاہر نظافت اور تعبد ہے اور اس کے ضمن میں راحت اور سماع ہے۔ لہٰذا طبیعتیں اس طریقہ کی جانب مائل ہیں۔ اوائل صوفیہ کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں اور امیروں سے نفرت کرتے تھے اب یہ لوگ دوست بن گئے۔

فصل

یہ سب کی سب تصنیفات جو صوفیہ کے لیے تصنیف کی گئیں ان کا استناد کسی علمی اصول کی

طرف نہیں، صرف وہ واقعات ہیں جو بعض صوفیہ نے بعض سے اخذ کیے ہیں اور ترتیب دی ہے اور ان کا نام علم باطن رکھا ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے وساوس اور خطرات کی نسبت سوال کیا۔ جواب دیا کہ اس بارے میں صحابہ اور تابعین نے کچھ گفتگو نہیں کی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، ہم نے اس کتاب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ ذوالنون سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور احمد بن حنبل سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے حارث محاسبی کا کلام سنا اور اپنے ایک ہم نشین سے کہا کہ میں تمہارے لیے اس قوم میں بیٹھنا جائز نہیں رکھتا۔ سعید بن عمرو البروعی کہتے ہیں کہ میں ابوزرعہ کے پاس تھا۔ ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے اس سائل سے کہا کہ خبردار ان کتابوں سے بچتے رہو۔ یہ کتابیں بدعت اور گمراہی ہیں۔ بس حدیث کو لازم پکڑ لو اس میں تم کو وہ چیز ملے گی جس سے ان کتابوں کی پروانہ رہے گی۔ یہ سن کر ایک شخص بولا کہ ان کتابوں میں عبرت ہے۔ ابوزرعہ نے جواب دیا کہ جس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں عبرت نہ ہوگی اس کے لیے ان کتابوں میں عبرت نہیں۔ بھلا کیا تم نے سنا ہے کہ مالک بن انس وسفیان ثوری واوزاعی ودیگر ائمہ متقدمین نے خطرات ووساوس وغیرہ میں ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس قوم نے اہل علم کی مخالفت کی کبھی حارث محاسبی اور کبھی عبدالرحیم دبیلی اور کبھی حاتم اصم اور کبھی شقیق سے سند لاتے ہیں۔ یہ بیان کر کے ابوزرعہ بولے کہ لوگ بدعت کی طرف کیا جلدی دوڑ کر جاتے ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا کہ پہلے جس شخص نے اپنے شہر میں ترتیب احوال اور مقام ولایت کی نسبت کلام کیا تو وہ ذوالنون مصری ہیں۔ عبداللہ بن عبدالحکم جو مصر کے رئیس اور مالکی مذہب تھے۔ ذوالنون پر انکار کیا اور جب یہ بات شائع ہوئی کہ ذوالنون نے ایسا علم ایجاد کیا ہے جس کے بارے میں سلف نے گفتگو نہیں کی تو علماء مصر نے ان کو چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ ان کو زندیقیت کا الزام لگایا۔ سلمی نے کہا کہ ابوسلیمان دارانی دمشق سے نکالے گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا خیال تھا میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں اور فرشتے مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ احمد بن الحواری کی نسبت لوگوں نے شہادت دی کہ وہ اولیا کو انبیا پر فضیلت دیتے تھے۔ لہٰذا وہ دمشق سے مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور اہل بسطام نے ابویزید پر ان کی باتوں کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ وہ

کہتے تھے کہ حسین بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ مجھ کو بھی رسول اللہ ﷺ کی مانند معراج ہوئی۔اس بناء پر ان کو بسطام سے نکالا گیا۔ چند سال مکہ میں رہے۔پھر جرجان میں آ کر قیام کیا۔یہاں تک کہ حسین ابن عیسیٰ رحلت کر گئے۔تو پھر ابو یزید بسطام میں واپس آئے۔سلمی نے کہا ایک شخص نے بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ کہتے تھے کہ فرشتے اور جن اور شیاطین میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو وعظ سناتا ہوں۔عوام نے اس بات کو سن کر انکار کیا۔حتیٰ کہ ان کو قبائح کی طرف منسوب کیا۔لہٰذا وہ بصرہ کو چلے گئے،اور وہیں انتقال کیا۔سلمی نے کہا کہ حارث محاسبی نے کلام الٰہی وصفات الٰہی کے بارے میں کچھ کلام کیا۔اس پر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو چھوڑ دیا لہٰذا وہ مرتے دم تک غائب و پوشیدہ رہے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ابو بکر خلال نے کتاب السنہ میں روایت کیا کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حارث سے کنارہ کشی اختیار کرو، حارث بلاؤں کی جڑ ہے۔جہم کے حوادث میں مبتلا ہے۔فلاں فلاں شخص اس کی صحبت میں رہے۔سب کو جہمیہ بنا دیا۔اہل کلام کا قول ہمیشہ یہی رہا کہ حارث ایسا ہے جیسے شیر دوزانو بیٹھا ہو، دیکھتے رہو کہ کس روز لوگوں پر کود پڑے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اوائل صوفیہ اقرار کرتے تھے کہ اعتماد کتاب وسنت پر کیا جاتا ہے (بعد میں) ان لوگوں کو صرف کم علمی کے سبب سے شیطان نے فریب دیا۔ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ بعض اوقات میرے دل میں صوفیہ کے نکات سے کوئی نکتہ گزرتا ہے، بہت دنوں تک پڑا رہتا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتا مگر جب کہ دو شاہد عدل یعنی کتاب وسنت شہادت دیں۔ابو یزید بسطامی نے کہا: اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو کرامتیں ملی ہیں حتیٰ کہ ہوا میں معلق دوزانو بیٹھ جاتا ہے تو دھوکا نہ کھاؤ جب تک اس امر کو نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور حدود شرعی کی نگہداشت میں اس کی کیا کیفیت ہے۔ابو یزید کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی تلاوت، شریعت کی حمایت، جماعت کا لزوم، جنازہ کے ساتھ چلنا اور مریضوں کی عیادت کرنا چھوڑ دے اور ثناء شان باطنی کا دعویٰ کرے وہ بدعتی ہے۔سری کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں احکام کی پیروی چھوڑ کر علم باطن کا دعویٰ کرے وہ غلطی پر ہے۔جنید نے کہا کہ ہمارا یہ تصوف کا مذہب کتاب وسنت واصول سے مقید

ہے۔ یہ بھی کہا کہ ہمارا علم کتاب وسنت سے بندھا ہوا ہے۔ جس شخص کو کتاب یاد نہیں اور حدیث نہیں لکھتا اور فقہ نہیں سیکھتا اس کی پیروی نہیں کی جائے گی۔ نیز جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم نے قیل وقال سے تصوف نہیں لیا، بلکہ بھوک کی سختی جھیل کر اور دنیا کو چھوڑ کر محبوب وعمدہ چیزوں کو ترک کر کے حاصل کیا ہے۔ کیوں کہ تصوف کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صاف معاملہ رکھنا اور تصوف کی اصل یہ ہے کہ دنیا سے علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ حارثہ کا قول ہے کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے پہچانا۔ لہٰذا رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رہا۔ ابوبکر سقاف کہتے ہیں کہ جو شخص ظاہر میں امر ونہی کی حدود ضائع کر دے وہ باطن میں مشاہدۂ قلبی سے محروم رہے گا۔ ابو الحسین نوری اپنے اصحاب سے کہتے تھے کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے پاس نہ جاؤ۔ اور جس شخص کو ایسی حالت کا مدعی دیکھو جس پر اس کا حفظ ظاہری نہ دلالت کرتا ہے نہ شہادت دیتا ہے تو اس کو اس کے دین کے بارے میں متہم کر دو۔ جریری کہتے ہیں کہ ہمارا یہ امر سب کا سب ایک فصل پر جمع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے دل کے لیے مراقبہ لازم کر لو اور علم ظاہری پر قائم رہو۔ ابو حفص نے کہا: جس شخص نے اپنے افعال واحوال کو کتاب وسنت کے ساتھ نہ تولا اور اپنے خطرات کو تہمت نہ لگائی اس کو آدمیوں کے دفتر میں نہ شمار کرو۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب شیوخِ صوفیہ کے اقوال سے ایسا ثابت ہو گیا تو ان کے بعض شیوخ سے بوجہ کم علمی کے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اگر یہ غلطیاں جو ان حضرات سے روایت کی گئی ہیں واقعی صحیح ہیں تو ان کو رد کریں گے۔ کیوں کہ حق بات بولنے میں کچھ روک ٹوک نہیں۔ اور اگر یہ روایتیں ان بزرگوں سے صحیح نہیں تو ہم ایسے قول اور مذہب سے دور رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ خواہ کسی شخص سے صادر ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو صوفیہ میں سے نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں تو ان کی غلطیاں بکثرت ہیں۔ ہم صوفیہ کی بعض غلطیاں جو ہم کو پہنچی ہیں بیان کریں گے اور خدا تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ غلط گو کی غلطی بیان کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ شریعت پاک ہو جائے اور لوگوں کو شرع کی خاطر غیرت دلائی جائے ہم کو

اس بیان کی کوئی حاجت نہیں، صرف بات اتنی ہے کہ علمی امانت ادا کی جاتی ہے۔ اور تمام علما کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ ایک دوسرے کی غلطی محض حق کے اظہار کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ ہوتا تھا کہ غلط گو کے عیب کا اظہار کیا جائے۔ اگر کوئی جاہل کہے کہ بھلا فلاں زاہد متبرک پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں تو اس قول کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیوں کہ اطاعت صرف احکام شریعت کی کی جاتی ہے لوگوں کی اطاعت نہیں ہوتی۔ بسا اوقات نسیان اولیا اور اہل جنت سے ہوتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے۔ اس کی لغزشوں کا ظاہر کرنا اس کے مرتبہ کا مانع نہیں۔ اور جاننا چاہیے کہ جو شخص ایک آدمی کی تعظیم کا خیال کرے گا اس کے افعال پر دلیل کے ساتھ غور نہ کرے گا وہ ایسا ہے کہ جیسے ایک شخص نے ان کرامات وخوارق کو دیکھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کچھ غور نہ کیا لہٰذا ان کی الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اور اگر اس طرف خیال دوڑاتا کہ وہ بھی فقط کھانے پینے ہی سے زندہ ہیں تو ہرگز ان کو وہ منصب نہ دیتا جس کے وہ مستحق نہیں۔

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے شعبہ اور سفیان بن سعید اور سفیان بن عیینہ اور مالک بن انس سے اس شخص کی نسبت سوال کیا جس کا حافظہ درست نہیں یا حدیث کے بارے میں متہم ہے۔ سب نے جواب دیا کہ اس کی یہ حالت ظاہر کر دینی چاہیے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ تھا کہ ایک شخص کی نہایت مبالغہ کے ساتھ تعریف کرتے تھے۔ پھر اکثر اشیاء میں اس کی غلطیاں بیان فرماتے تھے۔ ایک بار آپ نے کہا کہ فلاں شخص میں اگر ایک عادت نہ ہوتی تو بڑا اچھا آدمی تھا۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر آیا اور نقل کیا گیا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو ب نے سجدہ کیا۔ امام نے کہا کہ لوگوں کو ان سے دور رکھو۔

جماعت صوفیہ سے جو سوءِ اعتقاد کی روایتیں پہنچی ہیں ان کا بیان

ابو عبداللہ رملی کہتے ہیں کہ ابوحمزہ نے طرسوس کی جامع مسجد میں وعظ کہا، لوگوں نے دل سے سنا۔ ایک روز وہ وعظ بیان کر رہے تھے کہ یکا یک مسجد کی چھت پر کوّا بولا۔ ابوحمزہ نے زور سے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک لبیک۔ اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت کی طرف منسوب کیا۔ مسجد کے دروازے پر ان کو گھوڑا یوں پکار کر نیلام ہوا کہ یہ زندیق کا گھوڑا ہے۔ ابوبکر فرغانی

نے کہا کہ ابوحمزہ جب کوئی آواز سنتے تھے تو لبیک لبیک کہتے تھے لوگوں نے ان کو حلولی ٹھہرایا۔ ابو علی نے کہا کہ ابوحمزہ اس آواز کو خدا کی طرف سے پکارنے والا سمجھتے تھے جوان کو ذکر الٰہی کے لئے بیدار کرتا تھا۔ ابوعلی روز باری نے کہا کہ ابوحمزہ کو حلولی اس لیے قرار دیا گیا کہ وہ جب کوئی آواز مثلاً ہوا کا چلنا، پانی کا شور، پرندوں کا غل سنتے تھے تو زور سے لبیک پکارتے تھے۔ لہٰذا حلول کا الزام ان کو لگایا گیا۔ سراج نے کہا: میں نے سنا ہے کہ ایک بار حارث محاسبی کے گھر گئے، اتنے میں ایک بکری بولی۔ حمزہ نے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک یا سیدی۔ حارث یہ سن کر غصہ ہو گئے، اور ایک چھری ہاتھ میں لے کر بولے کہ اگر تم اس حالت سے توبہ نہ کرو گے تو میں تم کو ذبح کر ڈالوں گا۔ ابوحمزہ نے کہا کہ جب میری اس حالت کا سننا تمہیں پسند نہیں پھر تم بھوسہ اور خاک کیوں نہیں کھاتے۔

سراج نے کہا کہ علما کی ایک جماعت نے ابوسعید احمد بن عیسیٰ خزاز پر انکار کیا ہے اور بوجہ چند الفاظ کے جو اُن کی تصنیف کی ہوئی ایک کتاب موسوم بکتاب السرّ میں پائے گئے ہیں ان کو کفر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طاعت گزار بندہ جو فرض منصبی کو بجالائے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی تعظیم لازم ہے اور خدا تعالیٰ اس کے نفس کو پاک کر دیتا ہے۔ سراج نے کہا: ابوالعباس احمد بن عطا بھی کفر و زندیقیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اکثر صوفیہ کو ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اکثر مرتبہ جنید رحمہ اللہ پر باوجود علم و فضل کے گرفت کی گئی اور کفر و زندیق کی شہادت دی گئی۔ سراج نے کہا: بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ فرغانی نے کہا کہ جس شخص نے ذکر الٰہی کیا اس نے بہتان باندھا اور جس نے صبر کیا اس نے جرأت کی۔ یہ بھی کہا ہے کہ خبردار! جس حالت میں مشاہدۂ الٰہی کا طریقہ ہاتھ آئے تو حبیب یا کلیم یا خلیل کا لحاظ نہ کرو۔ یہ قول سن کر کوئی بولا کہ کیا ان پر درود نہ پڑھوں، جواب دیا کہ ہاں درود تو پڑھو مگر کچھ وقار نہ سمجھو اور اس درود کی اپنے دل میں کوئی مقدار خیال نہ کرو۔ سراج نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اہل حلول میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ جسموں کو اختیار فرمایا ہے جن میں ربوبیت کے معنے سے حلول کیا اور بشریت کے معنی ان سے زائل کر دیئے اور بعض اہل حلول اچھی صورتوں کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ اچھی صورتوں میں حلول کئے ہوئے ہے۔ سراج نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اہل شام کی ایک جماعت کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں قلوب سے رویت الٰہی اس طرح ہوتی ہے جیسے آخرت میں آنکھوں سے ہوگی۔ سراج نے کہا: میں نے سنا ہے کہ غلام الخلیل نے ابوالحسن نوری پر شہادت دی کہ ان کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں خدا کا عاشق ہوں اور خدا مجھ پر عاشق ہے۔ نوری نے جواب دیا کہ میں نے اللہ سے سنا ہے فرمایا: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ [1] یعنی اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ عشق کچھ محبت سے زیادہ نہیں۔ قاضی ابو یعلیٰ نے کہا، حلولیہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ عشق رکھتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس عقیدہ میں تین وجہوں سے جہالت ہے۔ اول بحیثیت اسم کے، کیوں کہ اہل لغت کے نزدیک عشق فقط اس کے لیے ہوتا ہے جس سے نکاح ہو سکے۔ دوسرے صفات الٰہی سب منقولہ ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے یوں نہیں کہہ سکتے عشق رکھتا ہے۔ چنانچہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے یوں نہیں کہتے کہ عارف ہے۔ تیسرے اس مدعی کو کہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کو اس سے محبت ہے۔ یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ جو شخص یوں کہے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے۔'' [2]

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: نقل کرتے ہیں کہ عمرو مکی نے بیان کیا کہ میں حسین بن منصور کے ہمراہ مکہ کی ایک گلی میں جا رہا تھا اور قرآن شریف پڑھتا تھا۔ میری قرأت سن کر حسین بولے کہ ایسا کلام میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی میں نے ان کو چھوڑ دیا۔ محمد بن یحییٰ رازی کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عثمان کو حلاج پر لعنت کرتے ہوئے سنا اور کہتے تھے کہ اگر میں نے حلاج پر قابو پایا تو اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ اے شیخ! کس وجہ سے حلاج پر اس قدر ناراض ہو۔ جواب دیا کہ میں نے قرآن شریف کی آیت پڑھی تو کہنے لگا کہ ممکن ہے میں بھی ایسا کہہ لوں یا تالیف کروں اور ایسا ہی کلام میرا ہو۔ ابوبکر بن ممشاد نے کہا کہ

[1] ۵/ المائدۃ: ۵۴۔ [2] یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن ابی کثیر کا مقولہ ہے۔ اور سند میں محمد بن عطاء الثقفی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۱۸۶، کتاب العلم، باب کراھیۃ الدعویٰ۔ الطبرانی فی الصغیر: ۱/ ۱۴۰، رقم ۱۸۶۔ المقاصد الحسنۃ للسخاوی: ص ۴۲۳، رقم ۱۱۶۰۔

دینور میں ہمارے پاس ایک آدمی آیا اس کے ساتھ ایک تھیلی تھی۔ جس کو رات اور دن میں کسی وقت اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے اس تھیلی کو ٹٹولا تو اس میں حلاج کا ایک خط نکلا۔ جس کا عنوان یہ تھا کہ رحمان و رحیم کی طرف سے فلاں بن فلاں کو واضح ہو...... وہ خط بغداد بھیج دیا گیا۔ حلاج کو کو بلوا کر وہ خط پیش کیا گیا۔ کہا کہ یہ خط میرا ہے اور میں نے لکھا ہے۔ لوگوں نے کہا: ابھی تک تو تم کو نبوت کا دعویٰ تھا، اب ربوبیت کا دعویٰ کرنے لگے۔ جواب دیا کہ میں ربوبیت کا مدعی نہیں لیکن ہم لوگوں کا یہ عین الجمع مذہب ہے۔ بھلا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی کوئی لکھنے والا ہے۔ ہاتھ تو فقط ایک اوزار (ذریعہ) ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اور بھی کسی کا یہ مذہب ہے؟ جواب دیا کہ ہاں ابن عطاء اور ابو محمد جریری اور ابو بکر شبلی ہیں لیکن جریری اور شبلی چھپاتے ہیں۔ اگر کچھ ہیں تو ابن عطاء ہیں جریری کو بلوا کر پوچھا گیا۔ جواب دیا کہ یہ شخص کافر ہے اور جس کا یہ قول ہو قابل قتل ہے۔ شبلی سے پوچھا تو کہا جو ایسا کہے وہ نظر بند کیا جائے۔ ابن عطاء سے سوال کیا گیا تو انہوں نے حلاج کی سی بات کہی۔ یہی ان کے قتل کا سبب ہوا۔

ابوعبداللہ بن حنیف سے ان چند اشعار کا مطلب پوچھا گیا:

سُبْحَانَ مَنْ اَظْهَرَ نَاسُوْتَهُ   سِرَّ سَنَا لَاهُوْتِهِ الثَّاقِبِ

ثُمَّ بَدَا فِيْ خَلْقِهِ ظَاهِرًا   فِيْ صُوْرَةِ الْآكِلِ وَالشَّارِبِ

حَتّٰى لَقَدْ عَايَنَهُ خَلْقُهُ   كَلَحْظَةِ الْحَاجِبِ بِالْحَاجِبِ

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے ناسوت کو لاہوتِ درخشاں کی روشنی کے راز کا مظہر بنایا پھر اپنی مخلوق میں کھلم کھلا کھانے پینے والے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حتیٰ کہ اس کی مخلوق نے اس کو اس طرح دیکھا جیسے دونوں بھویں مقابلہ میں نظر آتی ہیں۔''

یہ اشعار سن کر شیخ نے کہا: اس کے قائل پر خدا کی لعنت ہو۔ عیسیٰ بن فورک نے کہا: یہ اشعار حسین بن منصور کے ہیں۔ شیخ نے کہا: اگر حسین کا یہ اعتقاد تھا تو وہ کافر ہے ورنہ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے اس سے نقل کیا ہو۔ ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن زنجی نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ بنت سمری حامد وزیر کے پاس بھیجی گئی۔ حامد نے اس سے حلاج کی نسبت پوچھا: کہنے لگی کہ میرے باپ مجھ کو ان کے پاس لے گئے۔ حلاج نے کہا کہ میں نے تیری

شادی اپنے بیٹے سلیمان سے کر دی جو نیشا پور میں مقیم ہے۔ جب میری تمہاری مرضی کے خلاف کوئی بات صادر ہو تو تم دن کو روزہ کھولنا اور اپنا منہ میری طرف کرنا اور جو بات تم کو ناگوار معلوم ہوئی تھی مجھے یاد دلانا میں ہر بات سنتا اور دیکھتا ہوں۔ بنت سمری نے کہا: میں نے ایک رات کوٹھے پر سو رہی تھی۔ میں نے حلاج کو محسوس کیا وہ مجھ سے آ لپٹتے تھے۔ میں ان کی اس حرکت سے خوف زدہ ہو کر جاگ اٹھی، مجھ سے کہا کہ میں تم کو صرف نماز کے واسطے بیدار کرنے آیا تھا۔ جب ہم کوٹھے سے نیچے اترے تو حلاج کی بیٹی مجھ سے بولی کہ ان کو سجدہ کرو۔ میں نے کہا: کہیں کوئی غیر خدا کو بھی سجدہ کرتا ہے۔ حلاج نے میرا کلام سن کر کہا کہ ہاں ایک خدا آسمان پر ہے اور ایک خدا زمین پر۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا علمائے عصر نے حلاج کا خون مباح ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ پہلے جس نے اس کا خون حلال بتایا وہ ابو عمرو قاضی ہیں۔ پھر تمام علما نے ان سے موافقت کی۔ فقط ابو العباس سریج نے سکوت کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا حلاج کیا کہتا۔ اور علما کا اجماع ایسی دلیل ہے جو خطا سے محفوظ ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ تم سب کے سب ضلالت پر اجماع و اتفاق کرو۔'' [1] ابو بکر محمد بن داؤد فقیہ اصفہانی نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے اگر وہ حق ہے تو جو کچھ حلاج کہتا ہے وہ باطل ہے۔ ابو بکر شدت سے حلاج کی مخالفت کرتے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں سے ایک گروہ نے حلاج کی طرف داری کی ہے جس کا سبب جہالت اور اجماع فقہا سے لاپروائی ہے۔ ابراہیم بن محمد نصر آبادی نے تو یہاں تک کہا کہ نبیوں اور صدیقوں کے بعد اگر کوئی ہے تو ایک حلاج ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہی مذہب ہمارے زمانہ کے واعظوں اور ہمارے وقت کے صوفیوں کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سب کے سب شریعت سے ناواقف اور علم نقلی کی شناخت سے بہرہ ہیں۔ میں نے ایک کتاب حلاج کی حکایات میں تالیف کی ہے جس میں اس کے حیلے اور خوارق بیان کئے ہیں اور جو کچھ علما نے اس کے حق میں فرمایا ہے وہ بھی لکھا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جاہلوں کی بیخ کنی کرنے پر اعانت فرمائے۔

---

[1] [ضعیف] اس میں نوح بن ابی مریم مشہور وضاع موجود ہے:
الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی: ۱/۱۶۲: (الجزء الخامس)

عمر البناء بغدادی نے مکہ میں بیان کیا کہ کہتے ہیں کہ جب غلام الخلیل کامیاب ہوئے اور صوفیہ کو زندیقیت کی طرف نسبت کیا تو خلیفہ نے صوفیہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ نوری سب سے پہلے آگے بڑھ کر جلاد کے پاس گئے تاکہ ان کا سرتن سے جدا کرے۔ جلاد نے پوچھا کہ تم نے سبقت کیوں کی۔ جواب دیا کہ اس وقت لحظہ بھر کے لیے میں نے اپنے اصحاب کی زندگی اپنی زندگی پر اختیار کر لی ہے۔ یہ سن کر جلاد ٹھہر گیا اور اس کی اطلاع خلیفہ کو دی گئی۔ خلیفہ نے ان کا معاملہ قاضی القضاۃ اسمٰعیل بن اسحاق کے سپرد کیا۔ انہوں نے سب کو رہا کر دیا۔ ابوالعباس احمد بن عطاء نے کہا کہ بغداد میں غلام الخلیل نے خلیفہ سے صوفیہ کی شکایت کی اور بیان کیا کہ یہاں پر قوم زنادقہ ہے۔ لہٰذا ابوالحسن نوری وابوحمزہ صوفی وابوبکر دقاق اور ان کے ہم عصروں میں سے ایک جماعت گرفتار ہو کر آئے۔ جنید بن محمد نے فقہ میں ابوثور کا مذہب اختیار کر کے اپنے آپ کو بچالیا۔ وہ لوگ خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے۔ خلیفہ نے سب کے قتل کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ابوالحسن نوری نے پیش قدمی کی۔ جلاد نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنے ساتھیوں میں سب سے سبقت کیوں کی حالانکہ تم بلائے نہیں گئے۔ جواب دیا: میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی جان پہلے دے کر محض اتنی دیر کے لیے اپنے یاروں کو بچالوں۔ اس بات پر خلیفہ نے ان سب کو قاضی کے حوالے کر دیا۔ لہٰذا چھوڑ دیئے گئے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قصہ کے اسباب میں سے نوری کا یہ قول ہے کہ مجھ کو خدا سے عشق ہے اور خدا میرا عاشق ہے۔ اس قول کی شہادت لوگوں نے ان پر دی ہے۔ پھر اس کا قتل کے لیے آگے بڑھنا اپنے نفس کی ہلاکت پر اعانت کرنا ہے لہٰذا یہ بھی خطا ہے۔

رقی کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں ایک لنگر خانہ تھا۔ ایک روز ایک فقیر آیا جو دو خرقے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ آ کر کہنے لگا کہ میں مہمانداری چاہتا ہوں، میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کو مہمان خانہ میں لے جاؤ۔ وہ فقیر نو روز تک ہمارے پاس رہا اور ہر تیسرے روز اپنا ایک دن کا کھانا کھاتا تھا۔ چلتے وقت بولا کہ مہمانی تین دن تک ہوا کرتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ اپنے حالات سے ہم کو آگاہ کرتے رہنا۔ وہ ہمارے پاس سے چلا گیا۔ بارہ برس کے بعد پھر آیا۔ میں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ جواب دیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا

جن کا نام ابوشعیب مقفع تھا اور وہ (کسی بلا میں) مبتلا تھے۔ میں ایک سال ان کی خدمت میں مصروف رہا۔ میرے جی میں آیا کہ ان سے پوچھوں کہ اس بلا میں پڑنے کا اصل سبب کیا ہے۔ جب میں ان کے قریب گیا تو میرے پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھے کہ جو بات تمہارے لیے مفید نہیں اس کے سوال کرنے سے کیا حاصل ہے۔ میں یہ سن کر باز رہا یہاں تک کہ تین سال ہو گئے۔ تیسرے سال مجھ سے بولے کیا تم ضرور ہی میرا حال سننا چاہتے ہو۔ میں نے کہا: اگر آپ کی رائے ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ جواب دیا کہ ایک بار رات کو نماز پڑھ رہا تھا۔ یکا یک محراب سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ میں نے کہا: اے ملعون! دور ہو کہ میرے پروردگار کی یہ شان نہیں کہ مخلوق پر ظاہر ہو۔ تین بار میں نے یوں ہی کہا۔ پھر محراب سے مجھ کو ایک آواز سنائی دی کہ اے ابوشعیب! میں نے کہا لبیک آواز آئی کہ تو پسند کرتا ہے کہ میں اسی وقت تیری جان قبض کرلوں یا تیرے گزشتہ اعمال کی تجھ کو جزا دوں یا تجھ کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی بدولت علیین میں تیرا رتبہ بلند کروں۔ میں نے بلا کو پسند کیا پس میری دونوں آنکھیں دونوں ہاتھ دونوں پاؤں گر پڑے۔ یہ قصہ سن کر میں نے ان بزرگ کی خدمت پورے بارہ برس تک کی۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے کہ میرے قریب آؤ میں ان کے قریب گیا، ان کے اعضاء کو میں نے سنا کہ ایک عضو دوسرے عضو سے مخاطب ہو کر کہتا تھا اس شخص سے جدا ہو جاؤ ان کے تمام اعضاء علیحدہ ہو کر سامنے آ گئے اور وہ تسبیح و تقدیس میں مصروف رہے پھر انتقال کر گئے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: اس حکایت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا مگر جب منکر ہوا تو عذاب کیا گیا۔ اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ ایک قوم کا قول (عقیدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ہوتا ہے۔ ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بلخی نے کتاب المقالات میں نقل کیا ہے کہ تشبیہ کے قائلین میں سے ایک قوم نے جائز رکھا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار آنکھوں سے ہوتا ہے اور وہ لوگ اس کا بھی انکار نہیں کرتے کہ گلی کوچے کے ملنے والوں ہی میں کوئی خدا ہو اور ایک قوم نے اسی کے ساتھ خدا تعالیٰ سے مصافحہ اور میل جول بھی جائز رکھا ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ان کے پاس آتا ہے اور وہ خدا کے پاس جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو عراق میں اصحاب الناظر (الباطن) اور اصحاب الوساوس اور اصحاب الخطرات

کہتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ عقیدہ نہایت ہی بدتر ہے۔ خدا ایسی رسوائی سے پناہ میں رکھے۔

طہارت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ طہارت کی نسبت جو شیطان نے عابدوں کو فریب دیا ہے ہم بیان کر چکے۔ مگر صوفیہ کے حق میں اس کا فریب حد سے زیادہ ہے۔ لہٰذا زیادہ پانی استعمال کرنے میں ان کے وسوسے مضبوط ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے سنا ہے ابن عقیل ایک بار رباط میں داخل ہوئے، صوفیہ ان کو کم پانی استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر ہنسنے لگے اور یہ نہ جانا کہ جو شخص ایک رطل پانی میں وضو کامل طور پر کرلے گا تو اس کو کافی ہے۔ ابواحمد شیرازی کی نسبت ہم نے سنا ہے کہ انہوں نے کسی فقیہ سے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔ جواب دیا کہ نہر پر سے آتا ہوں۔ مجھ کو طہارت کے بارے میں وسوسہ ہے۔ ابواحمد بولے کہ میں نے ایک زمانہ میں صوفیہ کی یہ حالت دیکھی تھی کہ شیطان سے تمسخر کیا کرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ شیطان ان سے مسخراپن کرتا ہے۔ بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ چٹائیوں پر بھی جوتی پہن کر چلتے ہیں۔ گو اس میں کچھ ڈر نہیں لیکن بسا اوقات مبتدی اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس کا التزام رکھتا ہے تو اس کو امر شرعی خیال کر بیٹھتا ہے۔ سلف کا یہ طریقہ نہ تھا اور تعجب تو اس شخص پر ہے جو ظاہری پاکیزگی کے لیے احتیاط رکھنے میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے اور اس کا باطن گندگی اور کدورت سے بھرا ہوا ہے۔

نماز میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نماز کی نسبت اہل عبادت کو شیطان کا فریب دینا مذکور ہو چکا اس بارے میں وہ صوفیہ کو اور بھی زیادہ دھوکا دیتا ہے۔ محمد بن طاہر مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ان سنتوں میں سے جو صرف صوفیہ ہی کے لیے خاص ہیں اور صوفیہ ہی ان سے نسبت رکھتے ہیں۔ ایک یہ کہ مرقعہ (پیوند والا لباس) پہننے کے بعد دو رکعتیں پڑھے اور توبہ کرے۔ اس عقیدہ کے لیے ثمامہ بن اثال کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ جب وہ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جاہل آدمی جب ایسے امر میں دست اندازی کرتا ہے جو اس کا کام نہیں تو کیسا برا معلوم ہوتا ہے۔ اور کافر جب اسلام لاتا ہے تو اس پر غسل واجب ہے۔ یہ فقہا کی ایک جماعت کا مذہب ہے جن میں سے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ باقی رہا دو رکعت نماز پڑھنا، اس کا حکم کسی عالم نے اسلام لانے والے کو نہیں دیا۔ ثمامہ کی حدیث میں کہیں نماز کا ذکر نہیں کہ اس پر قیاس کر لیا جائے۔ اب یہ دو رکعتیں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ یہ بدعت ہے جس کا نام سنت رکھ دیا ہے۔ پھر سب سے قبیح تر ابن طاہر کا قول ہے کہ بہت سی سنتیں ایسی ہیں جو صرف صوفیہ ہی کے لیے خاص ہیں۔ کیوں کہ وہ سنتیں اگر شریعت سے مسنون ہیں تو تمام مسلمان اس میں مساوی ہیں اور فقہا ان کو خوب جانتے ہیں۔ صوفیہ کے لیے خاص ہونے کی کیا وجہ ہے اور اگر صوفیہ کی رائے سے ہیں تو صرف انہیں کے لیے اس وجہ سے مخصوص ہیں کہ انہوں نے ان کو ایجاد کیا ہے۔

مساکن کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ رباطین بنانے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ اگلے صوفیہ نے رباطوں کو اس لیے اختیار کیا تھا کہ تنہائی میں عبادت کریں اور آج کل کے صوفی اگر اپنے ارادے میں ٹھیک بھی ہیں تو چند وجوہ سے خطا پر ہیں ایک تو انہوں نے یہ بدعت کی بنیاد نکالی ہے اسلام کی بنیاد فقط مسجدیں ہیں۔ دوسرے انہوں نے مسجدوں کی ایک نظیر بنائی جس کی وجہ سے مسجدوں میں جمعیت کم کرنی چاہی۔ تیسرے انہوں نے مسجدوں کی طرف قدم اٹھانے کی فضیلت سے اپنے آپ کو محروم رکھا۔ چوتھے انہوں نے نصاریٰ سے مشابہت کی کہ وہ بھی دیروں میں تنہا رہتے ہیں۔ پانچویں باوجود جوان ہونے کے بن بیاہے رہے حالانکہ ان میں اکثر کو نکاح کی حاجت ہوتی ہے۔ چھٹے انہوں نے اپنے لیے مشہور نام مقرر کیا ہے کہ لوگ زاہد کہہ کر یاد

---

[1] صحیح موارد الظمآن للالبانی: ۲/ ۴۰۱، کتاب المناقب، باب فی ثمامۃ بن اثال، رقم ۱۹۴۱/ ۲۲۸۱۔ صحیح ابن خزیمہ: ۱/ ۱۲۵، ابواب غسل الجنابۃ، باب الامر بالاغتسال اذا اسلم الکافر، رقم ۲۵۳۔ مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۹، ۱۰، رقم ۹۸۳۴۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۱۷۱، کتاب الطہارۃ، باب الکافر یسلم فیغتسل۔

کریں۔جس کی وجہ سے لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں اور ان کو بابرکت سمجھتے ہیں اور اگر اس قوم کا ارادہ ٹھیک نہیں تو انہوں نے جھوٹ کی دوکانیں بنائیں ہیں، بطالت کا گھر تیار کیا ہے اور زاہد کے اظہار کو شہرت دی ہے۔ہم نے متاخرین میں سے اکثر کو دیکھا ہے کہ معاش کی محنت سے فارغ ہوکر آرام سے رباطوں میں پڑے ہیں۔کھانے پینے ناچ گانے میں مشغول ہیں۔ہر ایک ظالم سے دنیا کے طالب ہیں اور خراج لینے والوں کے ہدیئے قبول کرنے میں تقویٰ نہیں بجالاتے۔ان کی اکثر رباطین وہ ہیں جن کو اہل ظلم نے بنوایا ہے اور حرام کے مال ان پر وقف کیے ہیں۔ابلیس نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس آئے وہ تمہارا رزق ہے۔لہٰذا ورع وتقویٰ کی قید اپنے سے ساقط کر دی۔اب ان کی ساری ہمت باورچی خانہ، حمام اور ٹھنڈے پانی پر مبذول ہے۔کہاں ہے بشر (الحافی) کی بھوک اور کہاں کے سری (سقطی) کا ورع اور کہاں ہے جنید کا زہد؟ اس قوم کی یہ حالت ہے کہ اکثر وقت ہنسی مذاق کی باتوں میں کٹتا ہے۔یا اہل دنیا کی زیارت میں بسر ہوتا ہے۔جب کسی کو کچھ فراغت ملی تو ذرا صوف کے جبہ میں اپنا سر ڈال دیا کچھ سودا کا غلبہ ہوا تو بول اٹھا کہ حَدَّثَنِي قَلْبِي عَنْ رَبِّي یعنی میرا دل میرے پروردگار سے بات کرتا ہے۔میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے رباط میں قرآن شریف پڑھا۔صوفیہ نے اس کو روک دیا۔اور کچھ لوگ رباط میں حدیث پڑھنے لگے۔ان سے کہا گیا کہ یہ جگہ حدیث پڑھنے کی نہیں ہے۔

مال کو چھوڑ دینے اور اس سے علیحدہ رہنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اوائل صوفیہ کو زہد وتقویٰ میں صداقت حاصل کرنے کے لیے شیطان فریب دیتا تھا اور مال کے عیوب ان پر ظاہر کرتا تھا اور اس کے شر سے ان کو ڈراتا تھا۔لہٰذا وہ لوگ مال سے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے اور بساط فقر پر بیٹھ جاتے تھے۔ان حضرات کے مقاصد تو نیک تھے مگر افعال میں اس بارے میں بوجہ کم علمی کے خطا پر تھے اور اس زمانے میں تو شیطان کو اس صنعت سے فراغت ہے۔کیوں کہ صوفیہ کے ہاتھ کسب اموال سے خالی ہیں۔

ابونصر طوسی نے کہا کہ میں نے مشائخ رے کی ایک جماعت سے سنا، کہتے تھے کہ ابوعبداللہ مقری کو اپنے باپ کے ترکہ سے علاوہ اسباب وزمین کے پچاس ہزار دینار ورثہ میں ملے۔ وہ تمام جائیداد سے الگ ہو گئے اور فقراء کو خیرات کر ڈالی۔ ایسی ہی روایتیں ایک جماعت کثیر سے منقول ہیں۔ ہم اس فعل کے مرتکب کو ملامت نہیں کرتے جب کہ کفایت پر عمل ہوا اور اپنے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑا ہو یا اس کو کوئی ایسا پیشہ آتا ہو جس کی وجہ سے لوگوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ یا مال میں شبہ تھا لہٰذا خیرات کر دیا۔ لیکن جب کہ مال حلال سب کا سب نکال ڈالے پھر لوگوں کا محتاج ہو یا اس کے اہل وعیال مفلس ہو جائیں تو ایسا شخص یا تو اپنے بھائیوں کے احسان اور خیرات کا خواہاں ہو گا یا ظالموں اور مشتبہ مال والوں سے کچھ حاصل کرے گا۔ یہ فعل بے شک مذموم وممنوع ہے۔ مجھ کو ان زاہدوں پر کوئی تعجب نہیں جنہوں نے بوجہ کم علمی کے ایسا کیا بلکہ تعجب تو صرف ان لوگوں پر ہے جو علم وعقل رکھتے ہیں انہوں نے کیونکر اس فعل کی ترغیب دی اور شرع کے خلاف ہونے کے باوجود کس طرح اس کا حکم لیا۔ حارث محاسبی نے اس بارے میں بہت کچھ ذکر کیا ہے اور ابوحامد غزالی نے اس کی تائید کی ہے۔ میرے نزدیک ابوحامد کی نسبت اس امر میں حارث معذور ہے۔ کیوں کہ ابوحامد ان سے زیادہ فقیہ تھے۔ مگر افسوس کہ تصوف میں پڑ جانے کی وجہ سے ان پر تصوف کی حمایت وامداد لازم آ گئی۔

حارث محاسبی نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے منجملہ اس کے ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں اے مفتون! جب کہ تیرا یہ خیال ہے کہ مال حلال جمع کرنا اس کے چھوڑ دینے سے اعلیٰ وافضل ہے تو گویا تو نے محمد ﷺ ودیگر انبیاء علیہم السلام کو عیب لگایا اور یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مال جمع کرنے سے امت کو منع فرمایا تو ان کی خیر خواہی نہ کی۔ حالانکہ آپ خوب جانتے تھے کہ مال جمع کرنا امت کے حق میں بہتر ہے اور یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو مال جمع کرنے سے ممانعت فرمائی تو ان کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ بندوں کے حق میں مال جمع کرنا بہتر ہے۔ یاد رکھ کہ صحابہ کے مال سے حجت پکڑنا تیرے لیے کچھ مفید نہیں۔ قیامت کے دن ابن عوف رضی اللہ عنہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں بقدر کفایت ہی ملا ہوتا۔ مجھ کو حدیث پہنچی ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو اصحاب رسول اللہ ﷺ

میں سے کچھ لوگ باہم کہنے لگے کہ ہم کو اس قدر ترکہ چھوڑ جانے سے عبدالرحمٰن کے حق میں خوف ہے۔ کعب بولے کہ سبحان اللہ عبدالرحمٰن کے حق میں کس بات کا خوف ہے انہوں نے پاک طریقہ سے مال کمایا اور پاک جگہ خیرات کیا۔ کعب کا یہ قول ابو ذر کو معلوم ہوا۔ غضبناک ہو کر کعب کی تلاش میں نکلے اور راستے میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پڑی پائی۔ اس کو اٹھالیا، اور کعب کو ڈھونڈنے لگے۔ کسی نے کعب سے جا کر کہا کہ ابو ذر تمہاری تلاش میں پھر رہے ہیں۔ کعب بھاگ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس فریادی آئے اور تمام قصہ بیان کیا۔ ابو ذر بھی تلاش کرتے کرتے کعب کے نشان قدم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان تک پہنچے جب اندر داخل ہوئے تو کعب ڈر کے مارے اٹھ کر حضرت عثمان کے پیچھے جا بیٹھے اور ابو ذر ان سے بولے، اے یہودیہ کے بیٹے! ذرا کھڑا تو رہ۔ کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جو اس قدر ترکہ چھوڑا ہے اس کا کچھ حرج نہیں؟ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ قیامت کے دن جو زیادہ مالدار ہوں گے وہ زیادہ محتاج ہوں گے۔ مگر ایک وہ شخص جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مال لٹایا ہوگا۔ [1] پھر فرمایا: اے ابو ذر! تو تو نگری چاہتا ہے اور میں افلاس کا خواہاں ہوں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتاجی چاہتے ہیں اور اے یہودیہ کے بیٹے تو یوں کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جو کچھ چھوڑا اس کا کوئی ڈر نہیں۔ تو جھوٹا ہے اور جو ایسا کہے وہ جھوٹا ہے۔ کعب نے ان باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ ابو ذر چلے گئے۔ حارث نے کہا کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوف باوجود فضل وکمال کے میدان قیامت میں ٹھہرے رہیں گے۔ اس وجہ سے کہ عفت کے لیے حلال سے مال حاصل کیا اور نیک راہ میں لگایا لہٰذا فقراء مہاجرین کے ساتھ جنت کی طرف نہ جانے پائیں گے بلکہ ان کے پیچھے پیچھے گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تھا تو وہ خوش ہوتے تھے اور تیرا حال ہے کہ ذخیرہ رکھتا ہے اور افلاس کے ڈر سے مال جمع کرتا ہے۔ حالانکہ یہ حرکت گویا خدا کے ساتھ سوء ظن اور اس کے رزق کا ضامن ہونے پر یقین نہ لانا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ممکن ہے

---

[1] بخاری: کتاب الاستقراض والدیون: باب اداء الدیون، رقم ۲۳۸۸۔ مسلم: کتاب الزکاۃ: باب الترغیب فی الصدقۃ، رقم ۲۳۰۴۔ ترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجاء عن رسول اللہ فی منع الزکاۃ من التشدید، رقم ۶۱۷۔ احمد: ۱۵۲/۵۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب التغلیظ فی حبس الزکاۃ، رقم ۲۴۴۲۔

کہ تو دنیا کی زیب وزینت ولذت اور فراغت کے لیے مال جمع کرے ہم کو حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا وہ ایک سال بھر کی راہ دوزخ سے قریب ہو جائے گا۔ (1) تیری کیفیت یہ ہے کہ ذراسی چیز کے فوت ہو جانے پر افسوس کرتا ہے، اور عذاب الٰہی سے نزدیک ہونے کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ وائے ہو تجھ پر بھلا کیا تم اپنے زمانے میں حلال کو پاتا ہے جس طرح صحابہ نے پایا اور دنیا میں حلال کہاں رہا جس کو تو جمع کرے۔ دیکھ میں تجھ کو سمجھاتا ہوں جس قدر بہم پہنچ جائے اتنے ہی پر قناعت کر اور اعمال نیک کے لیے مال جمع نہ کر۔ بعض اہل علم سے کسی نے اس شخص کی نسبت سوال کیا جو اچھے کاموں کے لیے مال جمع کرتا ہے۔ جواب دیا کہ ترک کر دینا سب سے اچھا کام ہے اور ہم نے سنا ہے کہ کسی بزرگ تابعی سے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا۔ ایک نے حلال طریقہ سے دنیا طلب کی اس کو حاصل ہوئی۔ اس نے صلہ رحم کیا اور اپنے لیے آخرت کا سامان کیا اور دوسرے نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی۔ نہ اس کو طلب کیا نہ صرف کیا ان دونوں میں کون افضل ہے جواب دیا کہ واللہ! ان دونوں میں فرق ہے جو شخص دنیا سے علیحدہ رہا وہ دوسرے سے اس قدر افضل ہے جتنا مشرق ومغرب میں فاصلہ ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہاں تک سب کا سب حارث کا کلام ہے۔ ابو حامد نے اس کا ذکر کیا ہے اور تائیدگی کی ہے اور ثعلبہ کی حدیث سے اس کلام کو قوت دی ہے کہ ثعلبہ کو مال ملا تو اس نے زکوٰۃ نہیں دی۔ (2) ابو حامد نے کہا کہ جو کوئی انبیا و اولیا کے افعال واقوال پر غور کرے گا اس کو اس بارے میں کچھ شک نہ رہے گا کہ مال کے ہونے سے اس کا نہ ہونا افضل ہے۔ اگرچہ اچھے کاموں میں کیوں نہ لگایا جائے۔ کیوں کہ کم از کم اتنا ضرور ہوگا کہ مال کی اصلاح کے تردد میں پڑ کر ذکر الٰہی سے اس کا دل برطرف ہو جائے گا۔ لہٰذا مرید کو چاہیے کہ مال سے علیحدہ ہو

---

(1) [ضعیف] دیکھئے ضعیف الجامع الصغیر: ۵/۱۶۴، رقم ۵۴۲۱۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، رقم ۱۷۷۰۔ تذکرہ الموضوعات للفتنی ص ۱۷۴، باب ذم الدنیا والغنی الا استغنائًا للمصالح...... کنز العمال: ۳/۱۹۷، رقم ۶۱۴۷۔

(2) ضعیف الاسناد ہے اس میں علی بن یزید الالھانی متروک راوی ہے۔ مجمع الزوائد: ۷/۳۱، ۳۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ البقرۃ۔ شعب الایمان: ۴/۷۹ باب (۳۲) فی الایفاء بالعقود، رقم ۴۳۵۷۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۵/۲۹۰ باب قصہ ثعلبۃ بن حاطب...... تفسیر الطبری: ۶/۴۲۵، رقم ۱۷۰۰۲۔

جائے حتیٰ کہ بقدر ضرورت اپنے پاس رکھے۔ جب تک اس کے پاس ایک درم بھی باقی رہے گا جس کی طرف اس کا دھیان بنے گا وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب رہے گا۔ مصنف نے کہا کہ یہ سب باتیں عقل وشرع کے خلاف ہیں اور سمجھ کا قصور ہے کہ مال سے کیا مراد ہے۔

فصل کلامِ مذکورہ کے رد میں

مال کا شرف تو یہیں سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مرتبہ عظیم فرمایا اور اس کی محافظت کا حکم دیا۔ کیوں کہ اس کو آدمی کے لیے باعث قیام بنایا اور آدمی شریف ہے۔ جو چیز شریف کے لیے باعث قیام وحیات ہے وہ بھی ضرور شریف ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ [1]

''یعنی تم اپنے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے باعث قیام قرار دیا ہے بیوقوفوں کو مت دے ڈالو۔''

اور نیز اللہ عزوجل نے ناسمجھ آدمی کو مال سپرد کرنے سے منع فرمایا: چنانچہ ارشاد ہوا۔

﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ [2]

''یعنی جب تم یتیموں کو دیکھو کہ اچھی طرح سمجھ آ گئی تو ان کے مال ان کو دے دو۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ''آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا'' [3] اور سعد کو ارشاد فرمایا کہ ''تمہارے لیے اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں'' [4] اور نیز

---

[1] ۴/النساء:۵۔ [2] ۴/النساء:۶۔ [3] بخاری: کتاب الاستقراض، باب ما ینھی عن اضاعۃ المال، رقم ۲۴۰۸۔ مسلم: کتاب الاقضیۃ، باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ، رقم ۴۴۸۳، ۴۴۸۵، ۴۴۸۶۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱۲/۳۶۶، کتاب الحظر والاباحۃ ...... رقم ۵۵۵۵۔ احمد: ۴/ ۲۴۶۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۶/۶۳، کتاب الحجر، باب النھی عن اضاعۃ المال فی غیر حقہ والطبرانی فی الکبیر: ۲۰/۳۱۸، رقم ۹۰۳۔

[4] بخاری: کتاب الفرائض، باب میراث البنات، رقم ۶۷۳۳، مسلم: کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۴۲۰۹۔ ابن ماجہ: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۲۷۰۸۔ مؤطا امام مالک: ۲/۷۶۳، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ فی الثلث لا تتعدی، رقم ۴۔ ابوداود: کتاب الوصایا، باب ما جاء فیما لا یجوز للموصی فی مالہ، رقم ۲۸۶۴۔ ونسائی: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۳۶۵۶۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو ابوبکر کے مال سے بڑھ کر کسی نے نفع نہیں پہنچایا۔ [1] عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا بھیجا اور فرمایا کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار سجا کر میرے پاس آؤ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایک لشکر پر حاکم کر کے بھیجتا ہوں خدا تعالیٰ تم کو سلامت رکھے گا اور غنیمت عطا فرمائے گا نیک نیتی کے ساتھ جس قدر جی چاہے مال لے لینا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں کچھ مال کی خواہش سے اسلام نہیں لایا بلکہ اسلام کی محبت سے مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اے عمرو! اچھا مال اچھے آدمی کے لیے ہوتا ہے۔ [2] انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ نے خیر و برکت کی دعا کی اور دعا کے آخری الفاظ یہ تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ)) [3]

''خداوند! انس کو مال اور اولاد زیادہ عطا فرما اور اس میں برکت دے''

عبیداللہ بن کعب بن مالک نے کہا کہ میں نے کعب بن مالک سے سنا اپنا توبہ کرنے کا قصہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ یہ ہے کہ اپنا مال خدا اور رسول کے لیے خیرات کر دوں۔ ارشاد فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رہنے دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ [4]

---

[1] ترمذی: کتاب المناقب رقم ۳۶۶۱۔ احمد: ۲/ ۲۵۳، ۳۶۶۔ ابن ماجۃ: المقدمۃ باب فضائل اصحاب رسول اللہ، رقم ۹۴۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۳۳۵۔ کتاب المناقب، باب فی فضل ابی بکر الصدیق، رقم ۱۸۱۶/ ۲۱۶۶۔ تاریخ بغداد: ۱۰/ ۳۶۴، رقم ۵۵۲۵، ۱۲/ ۱۳۵، رقم ۶۵۸۶۔ مسند الحمیدی: ۱/ ۱۲۱، رقم ۲۵۰۔

[2] احمد: ۴/ ۱۹۷، ۲۰۲۔ احمد فی فضائل الصحابۃ: ۲/ ۹۱۲، رقم ۱۷۴۵۔ الادب المفرد للبخاری ص ۸۴ باب المال الصالح للمرء الصالح، رقم ۲۹۹۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۳، کتاب البیوع، رقم ۲۱۳۰۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۳۹۷۔ کتاب المناقب: باب فضل عمرو بن العاص، رقم ۱۹۳۴/ ۲۲۷۷۔ مجمع الزوائد: ۹/ ۳۵۳۔ کتاب المناقب: باب ماجاء فی عمرو بن العاص: شرح السنۃ: ۱۰/ ۹۱، کتاب الامارۃ والقضاء، باب الرشوۃ والھدیۃ للقضاۃ، رقم ۲۴۹۵۔

[3] بخاری: کتاب الدعوات، باب دعوۃ النبی لخادمہ...... رقم ۶۳۴۴۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل انس بن مالک، رقم ۶۳۷۲، ۶۳۷۵۔ ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب انس بن مالک، رقم ۳۸۲۹، احمد: ۳/ ۱۹۴، ۶/ ۴۳۰۔ مسند عبد بن حمید ص ۳۷۵، ۳۷۷، رقم ۱۲۵۵، ۱۲۶۷۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/ ۹۶، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یأتم بالرجل ومعہ امرأۃ او امرأتان۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ مذکور شدہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں اور صوفیہ کے عقیدہ کے خلاف ہیں کہ وہ کہتے ہیں مال کا زیادہ ہونا حجاب اور عذاب ہے اور مال کا رکھ چھوڑنا توکل کے منافی ہے۔ اس امر کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مال جمع کرنے میں فتنہ کا خوف ہے اور اسی لیے جماعت کثیر نے مال سے پرہیز کیا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ حلال طریقہ سے مال کا جمع کرنا بہت کم ہوتا ہے اور اس کے فتنہ سے دل کا سلامت رہنا بعید ہے اور باوجود مال کے آخرت کی یاد میں دل کا مشغول ہونا شاذ ونادر ہے اور اسی وجہ سے مال کے فتنہ کا خوف ہوا کرتا ہے۔ باقی رہا مال کا حاصل کرنا تو بات یہ ہے کہ جس شخص کو ذریعہ حلال سے بقدر کفاف حاصل کرنے کی احتیاج ہے تو یہ ایسا امر ہے جو ضروری ہے اور جس شخص کا مقصود طریق حلال سے مال جمع کرنا اور بڑھانا ہو تو ہم اس کے مقصود پر غور کریں گے اگر صرف فخر اور بڑائی چاہتا ہے تو بہت برا مقصود ہے اور اگر اپنی اور اہل وعیال کی عفت چاہتا ہے اور آئندہ زمانے کی آفتوں کے لیے ذخیرہ رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ بھائیوں کی امداد کرے، فقیروں کو خوش کرے نیک کاموں کو سرانجام دے، تو اس کے قصد پر اس کو ثواب ملے گا اور اس نیت سے اس کا جمع کرنا بہت سی عبادتوں سے افضل ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نیتیں مال جمع کرنے میں خلل سے پاک تھیں کیوں کہ ان کے مقاصد نیک تھے۔ لہٰذا اس کی حرص کی اور زیادتی چاہی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کے لیے ان کے گھوڑے کا ایک حصہ ایک زمین مقرر فرمائی جس کو ثر ثر کہتے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا دوڑایا حتیٰ کہ دوڑتے دوڑتے کھڑا ہو گیا تو حضرت زبیر نے اپنا کوڑا آگے تک پھینک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہاں تک زبیر کا کوڑا پہنچا ہے وہیں تک ان کو زمین دے دو۔'' [1] سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے اور کہا

[4] (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) بخاری: کتاب التفسیر، باب ''لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ...... رقم ۴۶۷۶۔ مسلم: کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب بن مالک وصاحبیہ، رقم ۷۰۱۶۔ ابوداؤد: کتاب الایمان والنذور، باب فیمن نذر ان یتصدق بمالہ، رقم ۳۳۱۷۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ التوبۃ، رقم ۳۱۰۲۔ نسائی: کتاب الایمان والنذور باب اذا اندر ثم اسلم قبل ان یفی، رقم ۳۸۵۴۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۸۱/۴ کتاب الزکاۃ، باب مایستدل بہ۔

[1] اس میں عبداللہ العمری راوی ضعیف ہے۔ ابوداؤد: کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین، رقم ۳۰۷۲۔ احمد: ۱۵۶/۲۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۴۴/۶، کتاب احیاء الموات، باب اقطاع الموات۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۶۳/۲۱، رقم ۱۳۳۵۲۔ اور دیکھیے ضعیف سنن ابی داؤد ص ۲۴۸، رقم ۳۰۷۲۔

کرتے تھے کہ خداوند مجھ کو فراخ دستی عطا فرما۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹوں نے آ کر کہا ﴿وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾۔ 1 یعنی ایک اونٹ اناج کا اور زیادہ ملے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے نفع لینے میں زیادتی کی طمع کی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ﴾ 2

''یعنی اگر تم دس برس پورے بکریاں چراؤ گے تو تمہاری عنایت ہے۔''

''حضرت ایوب علیہ السلام جب شفا پا چکے تو سونے کی ٹڈیاں ان کے پاس سے گزریں۔ وہ اپنی چادر ان کے پکڑنے کو پھیلانے لگے تاکہ زیادہ مالدار ہو جائیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ایوب! کیا تیرا پیٹ نہیں بھرا۔ عرض کیا اے پروردگار! تیرے فضل سے کس کا پیٹ بھرتا ہے۔'' 3

غرض کہ مال جمع کرنا ایک ایسا امر ہے جو طبیعتوں میں رکھا گیا ہے جب اس سے مقصود خیر ہو تو وہ بھی خیر محض ہوگا۔ محاسبی کا جو کچھ اس بارے میں کلام ہے وہ سراسر خطا ہے جو شریعت سے واقف نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ محاسبی کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا ہے دروغ محض ہے بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مال جمع کرنے سے برا مقصود ہو یا ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے اور کعب وابوذر رضی اللہ عنہما کی جو حدیث نقل کی ہے بالکل جھوٹ اور جاہلوں کی بنائی ہوئی ہے۔ چونکہ محاسبی سے اس حدیث کی صحت مخفی رہی لہٰذا اس کو مان بیٹھے۔ اس کے بعض الفاظ روایت بھی کیے گئے ہیں گو کہ اس کا طریقہ کوئی ثابت نہیں ہوتا۔

مالک بن عبداللہ زیادی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے اور اندر آنے کی اجازت لی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دی۔ اس وقت ان

---

1 ۱۲/ یوسف: ۶۵۔ 2 ۲۸/ القصص: ۲۷۔ 3 بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ ، وایوب اذ نادیٰ ربہ...... رقم ۳۳۹۱۔ نسائی: کتاب الغسل والتیمم، باب الاستتار عند الغسل، رقم ۴۰۹۔ احمد: ۲/ ۳۱۴۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱۴/ ۱۲۱۔ کتاب التاریخ: باب بدء الخلق، رقم ۶۲۲۹۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۱۹۸، کتاب الطہارۃ، باب التعری اذا کان وحدہ کتاب الاسماء والصفات للبیہقی: ۱/ ۳۳۰، باب ماجاء فی اثبات العزۃ للہ تعالیٰ، رقم ۲۵۹۔

کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اتنے میں حضرت عثمان نے کعب سے پوچھا کہ اے کعب! عبدالرحمٰن انتقال کر گئے اور مال چھوڑ گئے۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ کعب بولے، اگر اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے رہے تو کچھ ڈر نہیں۔ یہ سن کر ابوذر نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور کعب کے ماری اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ ''یہ احد کا پہاڑ اگر میرے لیے سونا بن جائے میں اس کو خدا کی راہ میں صرف کروں اور وہ میری خیرات مقبول ہو جائے تو جب بھی میں پسند نہیں کرتا کہ اس میں سے چھ اوقیہ کے برابر چھوڑ کر وفات پاؤں۔ یہ کہہ کر ابوذر نے تین بار کہا اے عثمان رضی اللہ عنہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم نے یہ حدیث سنی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں۔'' [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ اس کے راویوں میں ابن لہیعہ مطعون ہے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث قابل حجت نہیں اور تاریخ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوذر نے ۲۵ھ میں انتقال کیا اور عبدالرحمٰن نے ۳۲ھ میں رحلت کی لہٰذا عبدالرحمٰن بعد ابوذر کے سات برس تک زندہ رہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ موضوع ہے۔ پھر کیونکر صحابہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو عبدالرحمٰن پر خوف ہے کیا بالا جماع ثابت نہیں کہ حلال طریقہ سے مال جمع کرنا مباح ہے۔ باوجود مباح ہونے کے خوف کی کیا وجہ ہے۔ کیا شریعت ایسا بھی کرتی ہے کہ کسی چیز کی اجازت دے اور پھر اس پر عذاب کرے۔ یہ سب ناسمجھی اور کم علمی کی باتیں ہیں۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ عبدالرحمٰن پر ابوذر انکار کرتے ہیں حالانکہ ابوذر سے عبدالرحمٰن افضل ہیں اس لیے کہ وہ ایسے معروف نہیں۔ پھر ان کا ایک اکیلے عبدالرحمٰن کے پیچھے پڑ جانا دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے صحابہ کا رویہ اختیار نہیں کیا۔

طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے تین سو بہار چھوڑ گئے۔ ہر بہار میں تین تین قنطار تھے۔ بہار بوجھ کو کہتے ہیں (جو تین سو رطل کا ہوتا ہے اور قنطار ایک ہزار دو سو اوقیہ کا ہوتا ہے۔) زبیر رضی اللہ عنہ کا مال پانچ کروڑ دو لاکھ کا تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نوّے ہزار چھوڑ کر انتقال کیا۔ محاسبی کا یہ قول کہ

---

[1] احمد: ۱/۶۳۔ مجمع الزوائد: ۱۰/۲۳۹ کتاب الزہد: باب فی الانفاق والامساک، المطالب العالیہ: ۳/۱۸۶، باب من قال فی المال حق سوی الزکاۃ، رقم ۹۶۸۔

عبدالرحمٰن قیامت کے دن گھٹنوں کے بل چلیں گے اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حدیث نہیں جانتے۔ کیوں کہ یہ واقعہ خواب کا تھا بیداری میں ایسا نہیں فرمایا۔ اور خدا کی پناہ جب عبدالرحمٰن ایسے صحابی قیامت میں گھٹنوں کے بل چلیں گے تو پھر دوڑ کر کون جائے گا۔ حالانکہ عبدالرحمٰن ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کے لیے زندگی میں جنت کی شہادت دے دی گئی اور اہل شوریٰ میں سے ہیں۔ پھر حدیث جو محاسبی نے روایت کی وہ بروایت عمارہ بن زاذان ہے۔ اور بخاری کہتے ہیں کہ اکثر اوقات زاذان کی حدیث مضطرب ہوتی ہے۔ احمد نے کہا: زاذان حضرت انس سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم رازی نے کہا کہ زاذان قابل حجت نہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ زاذان ضعیف ہیں۔

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں بیٹھی تھی یکا یک کچھ آواز سنی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ شام سے آیا جو ہر قسم کا اسباب تجارت لایا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سات سو اونٹ تھے۔ تمام مدینہ آواز سے گونج اٹھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے، فرماتے تھے "میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو خواب میں دیکھا ہے کہ جنت میں گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہوتے ہیں۔" یہ خبر عبدالرحمٰن کو ملی کہنے لگے کہ اگر مجھ سے ہو سکا تو بہشت میں کھڑا ہو کر داخل ہوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تمام اونٹ مع ان کے پالانوں کے اور اسباب کے خدا کی راہ میں دے دیئے۔ [1]

محاسبی کا یہ قول کہ مال حلال کا چھوڑ دینا اس کے جمع کرنے سے افضل ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ جب قصد صحیح ہو تو علما کے نزدیک بلا خلاف جمع کرنا افضل ہے اور یہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ "جو شخص دنیا کی فوت شدہ چیز پر افسوس کرے گا" [2] محض دروغ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں فرمایا اور محاسبی کا یہ مقولہ کہ دنیا میں حلال کہاں رہا

---

[1] یہ حدیث منکر ہے اس میں عمارۃ بن زاذان راوی ضعیف ہے۔ کشف الاستار: ۳/ ۱۱۵، کتاب علامات النبوۃ، باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف، رقم ۲۵۸۶۔ احمد: ۶/ ۱۱۵۔ اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ: ۱/ ۴۱۲۔ مناقب سائر الصحابۃ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ۲/ ۱۴، باب طائفۃ من الصحابۃ، کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۲/ ۱۳ حدیث فی ذکر عبدالرحمٰن بن عوف۔

[2] ضعیف حدیث ہے۔ دیکھئے سلسلہ احادیث ضعیفہ، رقم ۱۷۷۰ اور ضعیف الجامع الصغیر: ۵/ ۱۶۴، رقم ۵۴۲۱۔

ہے۔ہم پوچھتے ہیں کہ آخر پھر ٹھیک طور پر حلال کیا چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو فرماتے ہیں کہ ''حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔'' [1] کیا حلال سے آپ کی مراد یہ ہے کہ معدن سے کوئی دفینہ مل جائے جس میں کچھ شک وشبہ نہ ہو حالانکہ یہ امر بہت دور کی بات ہے اور ہم سے اس کی باز پرس نہ ہوگی۔ بلکہ اگر مسلمان کوئی چیز یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالے تو قیمت بلاشبہ حلال ہوگی۔ یہی فتویٰ فقہا کا ہے۔ مجھ کو تعجب اس امر کا ہے کہ ابو حامد نے سکوت کیا۔ بلکہ محاسبی کے قول کی تائید کی۔ وہ کیونکر کہتے ہیں کہ گو مال نیک کاموں میں صرف کیا جائے پھر بھی اس کا نہ ہونا ہونے سے افضل ہے۔ اگر ابو حامد اس کے برخلاف اجماع ہونے کا دعویٰ کریں درست ہے لیکن صواب ان کے فتوے کے خلاف ہے۔

محاسبی کا یہ قول کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے مال سے جدا ہو جائے۔ اس بارے میں ہم بیان کر چکے کہ اگر مال حرام یا مشتبہ ہو یا انسان تھوڑے مال پر یا اپنے کسب پر قناعت کر سکے تو اس کو جائز ہے کہ اپنے مال سے علیحدہ ہو جائے ورنہ کوئی اس کی وجہ نہیں۔ باقی رہا ثعلبہ کا قصہ، تو اس کو مال نے ضرر نہیں پہنچایا بلکہ مال پر بخل کرنا اس کے لیے مضر ہوا، اور رہے انبیاء علیہم السلام ان کا یہ حال تھا کہ حضرت ابراہیم وشعیب علیہما السلام وغیرہ کے پاس مال اور کھیتیاں تھیں۔ سعید بن مسیب کہا کرتے تھے کہ جو شخص مال نہیں پیدا کرتا وہ خیر پر نہیں۔ مال سے قرض ادا کرے، اپنی آبرو بچائے، اگر مر جائے تو اپنے بعد والوں کے لیے میراث چھوڑ جائے۔ ابن مسیب چار سو دینار ترکہ میں چھوڑ کر گئے تھے۔ اور صحابہ نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ ہم ذکر کر چکے سفیان ثوری نے دو سو ترکہ میں چھوڑے اور کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مال ایک ہتھیار ہے۔ سلف ہمیشہ مال کی تعریف کرتے رہے اور زمانے کی آفتوں اور محتاجوں کی اعانت کے لیے مال جمع کرتے رہے۔ ہاں البتہ ان میں سے بعض نے اس لیے مال سے علیحدگی اختیار کی کہ عبادات میں مشغول رہیں اور دلجمعی حاصل رہی لہٰذا تھوڑے پر قناعت کی۔ اگر حارث محاسبی

[1] بخاری: کتاب البیوع، باب الحلال بین والحرام بین ...... ۲۰۵۱۔ مسلم: کتاب المساقات: باب اخذ الحلال وترک الشبہات، رقم ۴۰۹۴۔ ابوداؤد: کتاب البیوع، باب فی اجتناب الشبہات، رقم ۳۳۲۹۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی ترک الشبہات، رقم ۱۲۰۵۔ نسائی: کتاب البیوع، باب اجتناب الشبہات فی الکسب، رقم ۴۴۵۸۔ ابن ماجۃ: کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبہات، رقم ۳۹۸۴۔

یوں کہتے کہ تھوڑا مال رکھنا بہتر ہے تو ایک بات تھی، مگر وہ تو اس کو گناہ کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔

فصل

جاننا چاہیے کہ محتاجی ایک مرض ہے جو اس میں مبتلا ہو اور صبر کیا اس کو اس صبر کا ثواب ملے گا۔ اسی لیے محتاج لوگ امیروں سے پانچ سو برس پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ کیوں کہ وہ بلا پر صابر رہے۔ اور مال ایک نعمت ہی اور نعمت کے لیے شکریہ ضروری ہی مالدار جب کہ محنت اٹھاتا ہے اور اپنے آپ کو نیک کام میں ڈالتا ہے۔ بمنزلہ مفتی اور مجاہد کے ہے۔ اور محتاج ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک گوشے میں الگ بیٹھا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کتاب سنن الصوفیہ میں ایک باب باندھا ہے۔ جس میں ذکر کیا ہے کہ فقیر کے لیے کچھ چھوڑنا مکروہ ہے۔ اور وہ حدیث لکھی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک صحابی نے دو دینار چھوڑ کر انتقال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جہنم کے دو داغ ہیں۔'' [1] مصنف نے کہا کہ اس حدیث سے حجت لانا اس شخص کا کام ہے جو حقیقتِ حال نہیں سمجھتا۔ کیوں کہ یہ صحابی جو انتقال کر گئے تھے ان کا کام تھا کہ صدقہ لینے میں فقیروں سے مزاحمت کیا کرتے تھے۔ اور جو اپنے پاس تھا اسے رکھ کر چھوڑا۔ لہٰذا یہ فرمایا ''دو داغ ہیں۔ اور اگر نفسِ مال ہی چھوڑنا مرنا مکروہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ سعد سے نہ فرماتے کہ تمہارے لیے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' [2] اور نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی اپنے بعد کچھ نہ چھوڑتا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی۔ میں اپنا آدھا مال لے آیا۔ آپ نے فرمایا اے عمر بال بچوں کے لیے کس قدر باقی رکھا۔ میں نے عرض کیا جس قدر لایا ہوں اتنا چھوڑ

---

[1] احمد: ۲۵۲/۵، ۲۵۳، ۲۵۸۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۲۴/۸، ۱۴۸، ۱۷۶، رقم ۷۵۰۶، ۷۵۷۴، ۷۶۵۴۔ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۷۱/۲ فی ترجمۃ ارطاۃ بن المنذر۔ مجمع الزوائد: ۴۱/۳، کتاب الجنائز۔

[2] بخاری: کتاب الجنائز، باب رثاء النبی سعد بن خولہ، رقم ۱۲۹۵۔ مسلم: کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۴۲۰۹۔ ابوداؤد: کتاب الوصایا، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ، رقم ۲۸۶۴۔ ترمذی: کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث، رقم ۲۱۱۶۔ نسائی: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۲۶۵۷۔ ابن ماجۃ: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، رقم ۲۷۰۸۔

آیا ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں فرمایا۔ [1] ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہی اسی قول کے باطل ہونے پر جو جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ انسان کو نہ چاہیے کل کے لیے آج کچھ شے ذخیرہ رکھے۔اور کہتے ہیں کہ ایسا کرنے والا اپنے پروردگار کے ساتھ سوء ظن رکھتا ہے اور اس پر کما حقہ،توکل نہیں کرتا۔ابن جریر نے کہا کہ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا ''تم بکریاں پالو کیوں کہ ان میں برکت ہے'' [2] دلالت کرتا ہے اس قول کے فاسد ہونے پر جو بعض صوفیہ کا خیال ہے کہ جو بندہ اپنے رب پر توکل رکھتا ہے اس کے لیے یہی بات شایاں ہے کہ صبح وشام میں کسی وقت کچھ مال اور روپیہ اس کے پاس نہ ہو۔کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح اپنی ازواج مطہرات کے لیے سال بھر کا رزق ذخیرہ رکھتے تھے۔ [3]

فصل

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے پاک مالوں سے علیحدہ ہو گئے۔اور پھر صدقات جو لوگوں کا میل کچیل ہے طلب کرنے لگے اور ان میں پڑ گئے۔کیوں کہ انسان کی حاجت منقطع نہیں ہوتی۔اور عاقل آدمی آئندہ کے لیے سامان کیا کرتا ہے۔اور ابتدا سے زہد میں اپنا مال جو علیحدہ کر ڈالتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مکے کے راستے میں پانی سے سیراب ہو گیا لہٰذا جو پانی اپنے ہمراہ لایا تھا اس کو پھینک دیا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو حصین سلمی اپنی معدن میں سے کچھ سونا نکال لائے۔ اس سے اپنا قرضہ ادا کیا۔جس میں سے کبوتر کے انڈے کے برابر بچ رہا۔اس کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کو جہاں مصلحت خیال

---

[1] ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، رقم ۱۶۷۸۔ ترمذی: کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمرؓ، رقم ۳۶۷۵۔ مستدرک الحاکم: ۱/۵۷۴، کتاب الزکاۃ، باب افضل الصدقۃ جهد المقل، رقم ۱۵۱۰۔ سنن الکبریٰ بیہقی: ۴/۱۸۱، کتاب الزکاۃ، باب مایستدل بہ علی ان قولہ خیر الصدقۃ ...... داری: ۱/۴۲۰، کتاب الزکاۃ، باب الرجل لیصدق بجمیع ماعندہ، رقم ۱۶۱۵۔ [2] من حدیث ام ھانیؓ: احمد: ۶/۴۲۴۔ ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب اتخاذ الماشیۃ، رقم ۲۳۰۴۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۴/۴۲۸۔ رقم ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱۔ تاریخ بغداد: ۷/۱۱، رقم ۳۴۷۳۔ مجمع الزوائد: ۴/۶۶، کتاب البیوع باب فیما یتخذ من الدواب۔ [3] من حدیث عمر بن الخطابؓ: بخاری: کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنۃ علی اھلہ، رقم ۵۳۵۷، ۵۳۵۸۔ مسلم: کتاب الجهاد والسیر، باب حکم الفیٔ، رقم ۴۵۷۵، ۴۵۷۸۔

فرمایئے کام میں لایئے۔ راوی نے کہا کہ ابوحصین داہنی جانب سے آئے آپ نے منہ موڑ لیا پھر بائیں طرف سے آئے آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر سامنے سے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک جھکا لیا۔ جب انہوں نے آپ کو بہت تنگ کیا تو آپ نے وہ سونا ان کے ہاتھ سے چھین کر ان کو کھینچ مارا اگر لگ جاتا تو ان کی آنکھ پھوٹ جاتی۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے ”تم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ اپنا سارا مال خیرات کر ڈالتے ہیں پھر بیٹھ کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو صدقہ تو بعد فارغ البالی کے ہوا کرتا ہے۔ اور پہلے اپنے اہل وعیال کو دینا چاہیے۔“ [1] ابوداؤد نے اس حدیث کو بروایت محمود بن لبید اپنے سنن میں ذکر کیا ہے کہ جابر بن عبداللہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے۔ اتنے میں ایک آدمی انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کی یارسول اللہ مجھ کو یہ سونا اپنے قبیلے کی معدن سے ملا ہے۔ اس کو صدقہ کرتا ہوں اور میرے پاس اس کے سوا کوئی مال نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر منہ پھیر لیا۔ پھر وہ شخص داہنی جانب سے آیا آپ نے عرض فرمایا۔ پھر بائیں طرف سے آ کر اسی طرح کہنے لگا۔ آپ نے روگردانی فرمائی۔ پھر پشت مبارک کی طرف سے سامنے آیا۔ آپ نے اس سے وہ سونے کا ٹکڑا لے کر اس کو پھینک مارا۔ اگر اس کے لگ جاتا تو آزار پہنچاتا۔ یا کوئی عضو بیکار ہو جاتا پھر فرمایا۔ تم لوگوں میں سے بعض کا قاعدہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب کا سب لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صدقہ ہے۔ پھر محتاج ہو کر بیٹھ رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بھیک مانگنے کو ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ دیکھو بہتر صدقہ وہ ہے جو اپنی فارغ البالی کے بعد ہو۔ [2] ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ نے اس شخص سے فرمایا ”اپنا مال ہمارے سامنے سے لے جاؤ ہم کو اس کی کچھ حاجت نہیں۔“ [3] ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابو

---

[1] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں عمر بن الحکم بن ثوبان اور عبداللہ بن ابی یحیٰ ہیں اور دونوں ضعیف راوی ہیں۔ طبقات ابن سعد: ۴/ ۲۰۸، ۲۰۹، رقم ۴۶۰ فی ترجمۃ ابی حصین السلمی۔

[2] ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، رقم ۱۶۷۳۔ داری: ۱/ ۴۲۰، کتاب الزکاۃ، باب النہی عن الصدقۃ بجمیع ماعندالرجل، رقم ۱۶۱۴۔ ابن خزیمہ: ۴/ ۹۸، ابواب صدقۃ التطوع، باب الزجر عن صدقۃ المرأ بمالہ کلہ، رقم ۲۴۴۱۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۷۳، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۵۰۷۔ اور دیکھئے ضعیف سنن ابی داؤد ص ۱۳۲، رقم ۱۶۷۳۔

[3] ابوداوَد: کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من مالہ رقم ۱۶۷۴ اور ابن خزیمہ: ۴/ ۱۹۸ ابواب صدقۃ التطوع، باب الزجر عن صدقۃ المرأ بمالہ کلہ، رقم ۲۴۴۱ اور دیکھئے ضعیف سنن ابی داؤد ص ۱۳۲، رقم ۱۶۷۴۔

سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا "کچھ کپڑے خیرات کریں۔ لوگوں نے کچھ کپڑے دیئے ان کپڑوں میں سے آپ نے دو کپڑے اس آدمی کو عنایت فرمائے۔ پھر سب کو صدقہ کی ترغیب دی۔ اس آدمی نے بھی دونوں میں سے ایک کپڑا اتار کر صدقے میں ڈالا۔ آپ نے بآواز بلند اس سے فرمایا کہ تو اپنا کپڑا لے لے۔" [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے خود ابوالوفاء ابن عقیل کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ ابن شاذان کہتے تھے۔ صوفیہ کی ایک جماعت شبلی کے پاس گئی۔ شبلی نے ایک تونگر آدمی کے پاس کسی کو بھیجا۔ کہ ان کے کھانے کے لیے کچھ اس سے مانگ لائے۔ اس تونگر نے قاصد کو واپس کیا اور کہلا بھیجا کہ اے ابوبکر! تم تو خدا کے عارف ہو اسی سے کیوں نہیں مانگ لیتے۔ شبلی نے قاصد سے کہا: اس سے جا کر کہو کہ دنیا ایک سفلہ (بری) چیز ہے۔ اس کو تجھ ایسے سفلہ سے طلب کرتا ہوں۔ اور حق سے تو حق ہی کا طالب ہوں۔ یہ سن کر اس نے سو دینار بھیج دیئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ اگر شروع ہی میں اس کلام قبیح سے پیشتر وہ تونگر سو دینار دے ڈالتا تو کچھ نہ تھا۔ لیکن اب تو شبلی نے ناپاک رزق کھایا اور اپنے مہمانوں کو کھلایا۔

فصل

بعض صوفیہ کے پاس کچھ سرمایہ تھا انہوں نے سب خیرات کر ڈالا اور کہنے لگے ہم اپنے آپ کو صرف خدا کے حوالے کرتے ہیں حالانکہ یہ کم فہمی ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اسباب سے قطع تعلق کرنا اور مال علیحدہ کرنا عین توکل ہے۔ قزاز نے ہم سے کہا کہ مجھ سے خطیب نے بیان کیا کہ مجھ کو ابونعیم حافظ نے خبر دی کہ مجھ سے جعفر خلدی نے اپنی کتاب سے روایت کی کہ میں نے جنید سے سنا، کہتے تھے کہ میں ایک بار ابو یعقوب زیات کے دروازے پر ان کے اصحاب کی جماعت میں جا کر کھڑا ہوا، وہ بولے کہ تم لوگوں کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا

---

[1] ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، رقم ۱۶۷۵۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب اذا تصدق وھو محتاج الیہ ھل یرد علیہ، رقم ۲۵۳۷۔ مستدرک الحاکم: ۱/۵۷۴، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۵۰۸۔ مسند احمد: ۳/۲۵۔ صحیح ابن خزیمہ: ۳/۱۵۱، ابواب الاذان والخطبۃ فی الجمعۃ باب امر الامام الناس فی خطبۃ یوم الجمعۃ بالصدقۃ اذا رأی حاجۃ او فقرا، رقم ۱۷۹۹۔

شغل کیوں نہیں جو تم کو میرے پاس آنے سے باز رکھے۔ میں نے جواب دیا کہ جب ہمارا آپ کے پاس آنا گویا خدا کے ساتھ شغل ہے تو خدا سے ہم نے قطع تعلق کہاں کیا۔ اس کے بعد میں نے ان سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے پہلے ایک درہم نکالا جو ان کے پاس تھا۔ پھر مجھ کو جواب دیا اور کما حقہ توکل کا بیان کیا۔ پھر بولے کہ مجھ کو حیا آئی اس بارے میں کہ تم کو جواب دوں اور میرے پاس مال ہو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر یہ لوگ توکل کے معنی سمجھتے کہ توکل کہتے ہیں خدا تعالیٰ پر دل کے وثوق رکھنے کو۔ نہ اس کو کہ مال علیحدہ کر دیا جائے تو ایسا نہ کہتے مگر کیا کریں ان کی سمجھ ہی کم ہے۔ بڑے بڑے صحابہ، تابعین ذخیرہ رکھا کرتے تھے اور مال جمع کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت ہم روایت کر چکے کہ جب خلیفہ ہوئے اور خلافت کے کاروبار کی وجہ سے اپنا کسب چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ پھر میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں حالانکہ یہ قول صوفیہ کے نزدیک منکر ہے اور اس طرح کہنے والے کو توکل سے خارج کر دیتے ہیں اور اسی طرح اس شخص پر بھی انکار کرتے ہیں جو یوں کہے کہ فلاں کھانا مجھ کو نقصان پہنچائے گا۔ اس بارے میں ابوطالب رازی سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مقام پر ٹھہرا۔ وہاں کے لوگ دودھ لے کر آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ یہ دودھ پی لو۔ میں نے کہا کہ میں دودھ نہیں پیوں گا کیوں کہ دودھ مجھ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس واقعہ کو چالیس برس کا زمانہ گزر گیا۔ ایک روز میں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا کہ خداوند تو جانتا ہے کہ میں نے کسی لحہ میں تیرے ساتھ شرک نہیں کیا۔ یکا یک میں نے سنا کہ ایک ہاتف مجھے آواز دیتا ہے کہ بھلا کیا دودھ والے روز بھی شرک کیا۔ مصنف نے کہا خدا جانے یہ حکایت کہاں ہوتی کہ خود وہ چیز ضرر کی فاعل ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھ کو ضرر پہنچاتی ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ خود چیز ضرر کی فاعل ہے بلکہ صرف یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ چیز ضرر کا سبب ہے جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے کہا:

﴿اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [1]

---

[1] ۱۴/ابراہیم:۳۶۔

”یعنی ان بتوں نے بہت آدمیوں کو گمراہ کر دیا۔“

اور صحیح طور پر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”مجھ کو کسی مال نے ابوبکر کے مال کی مانند نفع نہیں دیا۔“ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ نفع نہیں دیا) [1] اسی قول کا مقابل ہے کہ نقصان نہیں پہنچایا اور صحیح طور پر وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کہ مجھ کو خیبر کے زہر آلود لقمہ کا اثر ہمیشہ مدت معینہ کے بعد اثر دکھاتا رہا حتیٰ کہ اب میرے دل کی رگیں کاٹ ڈالیں“ [2] یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ نبوت کے رتبہ سے بڑھ کر کوئی رتبہ کامل اور پورا نہیں اور آنحضرت ﷺ نے نفع کو مال کی طرف اور ضرر کو کھانے کی جانب منسوب فرمایا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے طریق سے کنارہ کشی کرنا شریعت پر دست درازی ہے۔ لہٰذا جو شخص اس قسم سے بیہودہ بکے اس کے ہذیان کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم ذکر کر چکے کہ اوائل صوفیہ اپنے مال سے بوجہ زہد وورع کے علیحدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بیان کر چکے کہ ان بزرگوں کا مقصود خیر تھا۔ لیکن اپنی اس حرکت میں غلطی پر ضرور تھے۔ چنانچہ ان کی مخالفت میں ہم شرع وعقل کا تذکرہ لا چکے باقی رہے متاخرین صوفیہ وہ دنیا اور مال جمع کرنے کی طرف مائل ہیں۔ خواہ کسی صورت سے ہو وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ راحت کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور شہوت سے محبت رکھتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو کسب پر قادر ہیں اور عمل میں نہیں لاتے۔ رباط یا مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی خیرات پر بھروسہ کرتے ہیں اور ان کا دل ہر وقت اس بات میں لگا رہتا ہے کہ کوئی آدمی آ کر دروازہ کھٹکھٹائے۔ خوب معلوم ہے ”مرد غنی اور پوری قوت والے کے لئے صدقہ لینا

---

[1] ترمذی: کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکرؓ، برقم ۳۶۶۱۔ ابن ماجہ: المقدمۃ، باب فی فضائل اصحاب رسول اللہؐ، رقم ۹۴۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۳۳۵، کتاب المناقب، باب فی فضل ابی بکر الصدیق، رقم ۱۸۱۶، ۲۱۶۶۔ احمد: ۲/ ۲۵۳، ۳۶۶۔ مسند الحمیدی: ۱/ ۱۲۱، رقم ۲۵۰۔ تاریخ بغداد: ۱۰/ ۳۶۴، رقم ۵۵۲۵۔ ۱۲/ ۱۳۵، رقم ۶۵۸۶۔

[2] بخاری: کتاب المغازی، باب، مرض النبیؐ ووفاتہ، رقم ۴۴۲۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۱۱، کتاب الضحایا، باب استعمال اوانی المشرکین والاکل من طعامہم۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۳/ ۱۲۳۹ فی ترجمۃ سعید بن محمد الوراق۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۵/ ۵۷۲، رقم ۷۹۱۵۔

جائز نہیں'' [1] اور یہ لوگ کچھ پروا نہیں کرتے اور اس بارے میں باہم کچھ کلمات مقرر کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا نام فتوح رکھا ہے دوسرے یہ کہ خدا کی طرف سے ہے۔ لہٰذا خدا کا عطیہ رد نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کے سوا کسی کا شکر نہ کرنا چاہیے حالانکہ یہ سب باتیں خلاف شریعت اور جہالت کی ہیں اور سلف صالحین کے طریقے کے برخلاف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے۔ ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں۔ جس نے ان کو چھوڑا اس نے اپنا دین پاک کیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشتبہ چیز کھانے سے قے کی۔ صالحین کا قاعدہ تھا کہ ظالم اور مشتبہ مال والے کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔ اکثر سلف کا یہ حال تھا کہ عفت اور طہارت کے خیال سے اپنے بھائیوں کا صلہ نہ قبول فرماتے تھے۔ ابو بکر مروزی نے کہا میں نے ابو عبداللہ سے ایک محدث کا تذکرہ کیا۔ سن کر بولے کہ خدا ان پر رحم کرے اگر ایک عادت ان میں نہ ہوتی تو کیا خوب آدمی تھے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔ پھر کہنے لگے کہ تمام خصلتوں کو انسان کامل طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے ان سے کہا کیا وہ محدث صاحب سنت پر نہیں۔ جواب دیا کہ اپنی جان کی قسم میں نے خود ان سے حدیث لکھی ہے۔ لیکن ایک عادت ان میں یہ تھی کہ کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ جس سے چاہتے تھے لے لیتے تھے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہم نے سنا ہے کہ کوئی صوفی کسی امیر کے پاس گیا جو ظالم تھا۔ اس کو نصیحت کی اس نے کچھ دیا۔ صوفی نے لے لیا۔ امیر کہنے لگا کہ ہم سب لوگ شکاری ہیں مگر جال مختلف ہیں۔ علاوہ اس بیان مذکورہ کے ہم کہتے ہیں کہ دنیا کے واسطے ذلت اٹھانے سے ان لوگوں کی غیرت کہاں جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ''اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے'' [2] اوپر کے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے۔ علما نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں اور

---

[1] ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، رقم ۱۶۳۴۔ ترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجاء من لاتحل لہ الصدقۃ، رقم ۶۵۲۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۶۵، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۴۷۷، ۱۴۷۸۔

[2] بخاری: کتاب النفقات، باب وجوب النفقۃ علی الاھل والعیال، رقم ۵۳۵۵۔ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی، رقم ۲۳۸۵، ۲۳۸۸۔ ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب فی الاستعفاف، رقم ۱۶۴۸۔ ترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی النھی عن المسئلۃ، رقم ۶۸۰۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب الید العلیا رقم ۲۵۳۲، ۲۵۳۴، ۲۵۴۴۔

یہی تفسیر حقیقی ہے۔ بعض صوفیہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ اوپر کا ہاتھ لینے والا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: یہ تاویل میرے نزدیک فقط ان لوگوں کی ہے جو بھیک مانگنے کو عمدہ جانتے ہیں لہٰذا وہ دون ہمتی کے محتاج ہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اوائل صوفیہ مال کے حاصل ہونے پر غور کیا کرتے تھے کہ کس صورت سے آتا ہے اور اپنے کھانے کی تفتیش کیا کرتے تھے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سری سقطی کی نسبت سوال کیا۔ جواب دیا کہ وہ بزرگ طیب المطعم یعنی پاک حلال کھانے والے مشہور ہیں۔ سری کہتے ہیں ایک مرتبہ جہاد میں میرا اور ایک جماعت کا ساتھ ہوا، ہم نے کرایہ پر ایک مکان لیا، اس میں میں نے ایک تنور لگایا وہ لوگ ورع کے خیال سے اس تنور کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ صوفیہ حال کے زمانے والے جو نظر آتے ہیں انہوں نے نیا شیوہ اختیار کر رکھا ہے کچھ پروا نہیں کرتے کہ کہاں سے مال حاصل کیا ہے۔ یہ امر تعجب خیز ہے۔ میں خود ایک بار ایک رباط میں داخل ہوا۔ وہاں کے شیخ کو دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ فلاں امیر کو خلعت ملنے کی مبارک باد دینے کے لیے اس کے پاس گئے ہیں یہ امیر اہل کفر وظلم سے تھا۔ میں نے سن کر کہا وائے ہو تم پر یہ تمہارے لیے کافی نہ ہوا کہ دکان کھول رکھی ہے۔ اب امیروں کے پاس بھی جانے لگے تاکہ وہاں مکر فروشی کریں۔ تم لوگ باوجود قدرت کے صدقوں اور ہدیوں پر تکیہ کر کے بیٹھ رہتے ہو۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کر کے جس سے ملے لے لیتے ہو۔ پھر اس پر بھی کفایت نہیں کرتے حتیٰ کہ ظالموں کے پاس مانگتے پھرتے ہو۔ اور ان کو اس پوشاک پر جو جائز نہیں اور اس حکومت پر جس میں انصاف نہیں مبارک باد دیتے ہو۔ خدا کی قسم! تم اسلام کے لیے سب ضرر رسانوں سے بڑھ کر ضرر رساں ہو۔

فصل

مصنف نے کہا کہ شیوخ میں سے ایک جماعت کا یہ حال ہے کہ مال مشتبہ جمع کرتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسمیں ہیں۔ بعض تو باوجود کثرت مال کے اور جمع کرنے کی حرص کے زہد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ ظاہر حالت کے خلاف ہوتا ہے اور بعض باوجود جمع

کرنے کے فقر وافلاس کے اظہار کرتے ہیں اور اکثر یہ لوگ زکوٰۃ کا مال لے کر فقیروں کا حق مارتے ہیں حالانکہ زکوٰۃ لینا ان کو جائز نہیں۔ ابوالحسن بسطامی جو ابن ملحیان کی رباط کے شیخ تھے صوف پہنا کرتے تھے۔ لوگ دور سے ان کے ملنے کو آتے اور ان سے برکت لیتے تھے۔ جب انتقال کیا تو چار ہزار دینار چھوڑ مرے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ نہایت قبیح بات ہے۔ صحیح طور پر مروی ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک شخص نے انتقال کیا اور دو دینار چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جہنم کے دو داغ ہیں۔'' [1]

لباس کے بارے میں صوفیہ پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اوائل صوفیہ نے جب سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''لباس مبارک میں پیوند لگایا کرتے تھے'' [2] اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے فرمایا: ''جب تک پیوند نہ لگایا کرو کپڑا جدا نہ کیا کرو۔'' [3] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لباس میں پیوند لگے تھے اور اویس قرنی ملبہ کے ڈھیر پر سے پیوند چنا کرتے تھے۔ ان کو رات میں دھوتے پھر سی کر پہنتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے پیوند لگے لباس اختیار کیے۔ حالانکہ اپنے اس قیاس کرنے میں یہ لوگ بہت دور جا پڑے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہم پھٹے پرانے حال میں رہنا پسند فرماتے تھے اور بوجہ زہد وتقویٰ کے دنیا کی زینت سے منہ موڑتے تھے اور اکثر بزرگوار تو محتاجی کے سبب سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک سے مروی ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے دیکھا تو ایک میلہ کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی بی بی فاطمہ سے کہا کہ امیر المومنین کا کرتا دھو ڈالو۔ وہ بولیں کہ

---

[1] احمد: ۵/۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۸۔ الطبرانی فی الکبیر: ۸/۱۴۴، ۱۴۸، ۱۷۶، بارقام، ۷۵۰۶، ۷۵۷۴، ۷۶۵۴۔ تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲/۳۷۱ فی ترجمۃ ارطاۃ بن المنذر۔ مجمع الزوائد: ۳/۴۱، کتاب الجنائز۔

[2] احمد: ۶/۱۰۶، ۱۲۱، ۱۲۶، ۱۲۷، ۲۴۲، ۲۶۰۔ طبقات ابن سعد: ۱/۲۷۵، فی ذکر صفۃ اخلاق رسول اللہ۔ الادب المفرد للبخاری ص ۱۴۲، باب ما یعمل الرجل فی بیتہ، رقم ۵۴۰۔ مسند ابی یعلی الموصلی: ۴/۳۴۶، ۴۱۵، رقم ۴۶۳۴، ۴۸۲۸۔

[3] یہ حدیث ضعیف ہے۔ ترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی ترقیع الثوب، رقم ۱۷۸۰۔ مستدرک الحاکم: ۴/۳۴۷، کتاب الرقاق، رقم ۷۸۶۷۔ شرح السنۃ: ۱۲/۴۵، کتاب اللباس، باب ترقیع الثوب والبذاذۃ، رقم ۳۱۱۵۔ طبقات ابن سعد: ۸/۶۱، فی ترجمۃ (۴۱۲۸) عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا: اور دیکھئے سلسلۂ احادیث ضعیفہ: ۳/۴۵۷، رقم ۱۲۹۴۔

خدا کی قسم! ان کے پاس بجز اس ایک کرتے کے کوئی اور کرتا نہیں۔ لیکن جب یہ فقر کی نیت اور خستہ حالی ارادے سے نہ ہو تو اس کے کوئی معنی نہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمارے زمانے کے صوفیہ کی تو یہ حالت ہے کہ دو یا تین کپڑے مختلف رنگ کے لیتے ہیں اور ان کو پھاڑ کر جوڑتے ہیں لہٰذا ان کے لباس میں دو وصف جمع ہو جاتے ہیں، شہوت بھی اور شہرت بھی۔ کیوں کہ ایسے پیوند لگے کپڑے پہن کر سلف کے مانند ہو جاتے ہیں۔ یہ محض ان کا خیال ہے۔ کیوں کہ شیطان نے ان کو فریب دیا ہے اور ان کے کانوں میں پھونک دیا ہے کہ تم صوفیہ ہو۔ اس لیے صوفیہ پیوند لگے لباس پہنا کرتے تھے اور تم بھی وہی پہنتے ہو۔ یہ کمبخت اتنا نہیں جانتے کہ تصوف صورتاً نہیں ہوتا بلکہ معناً ہوتا ہے اور ان کو نہ صورتاً تصوف سے نسبت ہے نہ معناً۔ صورتاً تو اس لیے نہیں کہ متقدمین ضرورتاً پیوند لگاتے تھے اور پیوند لگے لباس سے زینت نہ چاہتے تھے اور معناً اس لیے نہیں کہ وہ بزرگوار اہل ریاضت واہل زہد تھے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسی قوم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کپڑوں کے نیچے صوف پہنتے ہیں اور اس کی آستین ظاہر کر دیتے ہیں۔ تا کہ اپنا لباس لوگوں کو دکھلائیں۔ ایسے لوگ رات کے چور ہیں۔ بعض وہ ہیں جو نرم کپڑے زیب تن کرتے ہیں پھر ان کے اوپر سے صوف ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ کھلم کھلا دن دہاڑے ڈاکہ مارتے ہیں۔ دوسرے صوفیہ ایسے آئے کہ صوفیوں سے مشابہ تو بننا چاہا۔ مگر پھٹے پرانے حال سے رہنا ان پر گراں گزرا اور خوش عیشی پسند کی اور یہ بھی ٹھیک نہ سمجھا کہ تصوف کی صورت سے علیحدہ ہو جائیں۔ تا کہ معاش کا سلسلہ بیکار نہ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے اعلیٰ درجہ کا فوطہ یعنی سندی کپڑے کا کرتہ پہنا اور نفیس رومی عمامہ باندھا مگر وہ عمامہ بلا نقش ونگار یعنی سادہ رکھا۔ اب ایک شخص کا یہ کرتہ اور عمامہ پانچ ریشمی کپڑوں کی قیمت کا ہے۔ ابلیس نے ان کو یہ بھی فریب دیا ہے۔ کہ تم بذات خود صوفی ہو اور مقصود ان کا صرف یہ ہے کہ تصوف کی رسمیں اور اہل دنیا کے ناز ونعمت دونوں حاصل ہو جائیں۔ ان لوگوں کی علامت

ایک یہ ہے کہ بوجہ کبر ونخوت کے امیروں سے دوستی رکھتے ہیں اور فقیروں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! تم کو کیا ہو گیا۔ میرے پاس اس حالت میں آتے ہو کہ لباس تو راہبوں ایسا پہنے ہو اور تمہارے دل پھاڑ کھانے والے بھیڑیوں کے ایسے ہیں۔ دیکھو لباس تو چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر خوف الٰہی سے اپنے دلوں کو نرم کرو۔

مالک بن دینار نے کہا کہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ ادھر قاریوں سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لگاتے ہیں اور ادھر ظالموں اور اہل دنیا سے ملتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک حصہ لیتے ہیں۔ پس تم لوگ خدا کے قاریوں میں سے ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تم کو برکت دے۔ مالک بن دینار نے یہ بھی کہا کہ تم ایسے زمانے میں ہو جو دو رنگا ہے۔ تمہارے زمانے کو اہل بصیرت ہی دیکھتا ہے تم اس زمانے میں ہو جن لوگوں کا کبر وغرور بڑھ گیا ہے اور ان کے منہ میں ان کی زبانیں سوج گئی ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا طلب کرتے ہیں، تم ان سے بچتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہیں تم کو اپنے جال میں پھنسا لیں، اور نیز مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک جوان آدمی کو دیکھا جو ہر وقت مسجد میں رہتا تھا۔ اس کے پاس جا بیٹھے اور کہنے لگے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے بارے میں کسی چونگی وصول کرنے والے حاکم سے گفتگو کروں وہ تم کو کچھ دے دیا کرے اور تم ان کے ساتھ رہو۔ جواب دیا اے ابو یحییٰ! جو آپ کا جی چاہے کیجیے۔ مالک نے ایک مٹھی خاک لی اور اس کے سر پر ڈالی دی اور نیز مالک سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک جوان آدمی صوفی میرے پاس آیا کرتا تھا وہ اس بلا میں گرفتار ہوا کہ پل کی حکومت اس کو ملی۔ ایک بار وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ دریا سے ایک کشتی گزری جس میں ایک بطخ تھی۔ اس کے اعوان واصحاب پکارے کہ کشتی کو قریب کرتا کہ ہم عامل صاحب کے لیے ان کی بطخ کو پکڑ لیں۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی دو بطخیں لینا۔ راوی کہتا ہے کہ مالک اس حکایت کو نقل کر کے رو پڑتے تھے اور ہم نشینوں کو ہنسایا کرتے تھے۔

محمد بن حنیف کہتے ہیں کہ میں نے رویم سے کہا، مجھ کو کچھ وصیت کیجیے۔ جواب دیا کہ اصلی بات اپنی روح کا خدا کی راہ میں لگانا ہے۔ ورنہ صوفیہ کی چکنی چپڑی باتوں میں مشغول نہ

ہو۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا، میں نے اپنے باپ سے سنا ہے، کہتے تھے مجھ کو خبر ملی کہ ایک آدمی نے شبلی سے آکر بیان کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت یہاں اتری ہے جو جامع مسجد میں ٹھری ہے۔ شبلی دیکھنے کو گئے کہ مرقعے (پیوند والا لباس) اور فوط پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر یہ شعر پڑھا:

اَمَّا الْخِيَامُ فَاِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ   وَاَرٰى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا

''خیمے تو ضرور ویسے ہیں جیسے معشوقہ کے قبیلہ کے خیمے ہیں، مگر میں دیکھتا ہوں کہ قبیلہ کی عورتیں ان عورتوں سے بالکل جدا ہیں۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ ان صوفیوں کو متقدمین کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ کھوٹا پن کسی پر چھپا نہیں۔ سوائے بڑے ہی غبی وکند ذہن آدمی کے اور اہل عقل تو خوب جانتے ہیں کہ بھونڈے طریقے سے پردہ میں بات کہی ہے اور یہ مضمون ایسا ہے جیسے کسی شاعر نے چند شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

''میں نے ظبا کی نیل گایوں کو ان سے تشبیہ دی۔ اگر تجھ میں رہی تو ساکن کے برابر نہیں ہے، کیا غیر ناطق کو ناطق سے تشبیہ دی یا وحشی کو مانوس سے یا محبت والے کو دشمنی والے سے تشبیہ ہے۔ اس کو میں خوب جانتا ہوں مگر فقط مغالطہ دینے کے طور پر میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے۔''

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرے نزدیک فوط اور مرقعوں کا پہننا چار وجہ سے مکروہ ہے۔ ایک تو یہ سلف کا لباس نہیں، وہ بزرگ صرف ضرورتاً پیوند لگاتے تھے۔ دوسرے اس لباس میں فقر وافلاس کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ انسانوں کو حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کریں۔ تیسرے زہد وتقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم کو اس کے چھپانے کا حکم ہے۔ چوتھے ان لوگوں کی مشابہت پائی جاتی ہے جو شریعت سے دور ہیں اور جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی

قوم سے مشابہت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے۔“ [1]

ابوزرعہ طاہر بن محمد نے بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے خبر دی کہ میں اپنے دوسرے سفر میں بغداد کو گیا، وہاں شیخ ابومحمد عبداللہ بن احمد عسکری کے پاس حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوا وہ صوفیہ کے منکر تھے۔ میں ان سے پڑھنے لگا۔ مجھ سے بولے اے شیخ! اگر تم ان جاہل صوفیوں میں سے ہوتے تو میں تم کو معذور رکھتا تم عالم آدمی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں مشغول ہو اور اس کی تلاش میں سعی کرتے ہو۔ میں نے جواب دیا، اے شیخ! میری کس بات پر آپ نے انکار کیا۔ بھلا دیکھوں تو سہی اگر شریعت میں اصل نکل آئی تو اس کو لازم پکڑ لوں گا اور شریعت میں کچھ اصل نہ ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ کہنے لگے یہ پیوند جو تمہارے مرقعے میں لگے ہیں۔ میں نے کہا: اے شیخ! اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک جبہ تھا جس میں گریبان، آستین اور چوبغلے دیباج کے جوڑے تھے۔ [2] آپ کا انکار اس لیے واقع ہوا کہ یہ پیوند اس کپڑے کی جنس سے نہیں اور دیباج بھی جبہ مبارک کی جنس سے نہ تھا۔ لہٰذا ہم نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ شریعت میں اس کی اصل ہے اور ایسا مرقع جائز ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ عسکری کا انکار درست تھا۔ ابن طاہر نے کم علمی سے ان پر رد کیا کہ جوڑ لگی ہوئی آستینوں اور گریبان والے جبہ کو عادت کے طور پر پہنا جاتا ہے۔ ایسا خیال کیا کہ اس جبہ کے پہننے میں شہرت نہیں۔ لیکن یہ پیوند جو لگائے جاتے ہیں ان میں ظاہری شہرت اور زہد کے دعوے کی صورت پائی جاتی ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ لوگ اچھے خاصے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیوند بنا لیتے ہیں۔ جو محض بلا ضرورت ہوتا ہے اور بوجہ اس کے خوبصورت ہونے کے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں اور زہد کی شہرت بھی چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ لباس مکروہ ہے۔ جس کا تذکرہ خود مشائخ صوفیہ کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے۔

---

[1] ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، رقم ۴۰۳۱۔ احمد: ۲/ ۵۰، ۹۲۔ مسند عبد بن حمید ص: ۲۶۷، رقم ۸۴۸۔ کتاب ذکر اخبار اصفہان لابی نعیم اصفہانی: ۱/ ۱۲۹، فی ترجمۃ شیخہ احمد بن محمود۔ شعب الایمان: ۲/ ۷۵، باب التوکل والتسلیم، رقم ۱۹۹۔ اور دیکھئے ارواء الغلیل: ۵/ ۱۰۹، رقم ۱۲۶۹۔

[2] مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلک للرجال، رقم ۵۴۰۹۔ ابوداؤد: کتاب اللباس، باب الرخصۃ فی العلم وخیط الحریر، رقم ۴۰۵۴۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب الرخصۃ فی العلم فی الثوب، رقم ۳۵۹۴۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۵/ ۴۷۳، ۴، کتاب الزینۃ، باب صفۃ جبۃ رسول اللہ ﷺ، رقم ۹۶۱۹، ۹۶۲۰۔ احمد: ۶/ ۳۴۸۔

جعفر حذاء کہتے ہیں جب باطنی فوائد اس قوم نے گم کر دیئے تو ظاہری آرائش ونمائش میں پڑ گئے۔قوم سے مراد فوط اور رنگے کپڑے پہننے والے ہیں۔ثوری نے کہا کہ پیوند لگے لباس ایک زمانے میں موتی کے پردے تھے اور اب تو مزبلوں کے مردار ہوگئے ہیں۔ ابن باکویہ نے کہا: مجھ کو ابوالحسن حنظلی نے خبر دی کہ محمد بن علی نے پیوند لگے لباس والے لوگوں کو دیکھ کر کہا میرے بھائیو! اگر تمہارے لباس تمہارے باطن کے موافق ہیں تو تم نے لوگوں کو اپنے باطن پر مطلع کرنا پسند کیا اور اگر اس کے مخالف ہیں تو خداوند کعبہ کی قسم! تم ہلاک ہوگئے۔ابو عبداللہ محمد بن عبدالخالق دینوری نے اپنے بعض اصحاب سے کہا: تم جو آج کل کے صوفیہ کا ظاہری لباس دیکھتے ہو اس کو دیکھ کر خوش نہ ہونا۔یہ لوگ جب اپنا باطن خراب کر چکے تو ظاہر کو آرائش دے رہے ہیں۔ابن عقیل نے کہا: میں ایک روز حمام میں گیا۔ایک کھونٹی پر ایک پیوند لگا جبہ دیکھا جس میں فوط کے جوڑ لگے ہوئے تھے۔میں نے حمامی سے پوچھا کہ یہ کھونٹی پر جبہ لٹک رہا ہے۔اندر کون ہے اس نے مجھ سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو ہر طرف سے مال جمع کرنے کے لیے شہر در شہر گھومتا پھرتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو مرقع کو پیوند پر پیوند لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ حد درجہ کا کثیف ہو جاتا ہے۔ابن حباب ابوالحسین جو ابن الکرینی کی صحبت میں رہے ہیں کہتے ہیں کہ مجھ کو الکرینی نے وصیت کی کہ میرا مرقعہ میرے بعد تم لینا۔میں نے دیکھا تو وہ مرقع گیارہ رطل کا تھا۔جعفر نے کہا: اس وقت میں مرقعوں کا نام وزن سے لیا کرتے تھے۔

فصل

صوفیہ نے قرار دیا ہے کہ یہ مرقع صرف شیخ ہی کے ہاتھ سے پہنا جاتا ہے اور اس کے لیے ایک اسناد متصل مقرر کی ہے جو سراسر کذب و دروغ ہے۔محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کے ہاتھ سے خرقہ پہننا سنت لکھا ہے اور اس کو سنت گردانا ہے اور ام خالد رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حجت پکڑی۔کیوں کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے آئے۔ان میں ایک سیاہ کرتی تھی۔آپ نے فرمایا: بتاؤ یہ کرتی میں کس کو پہناؤں۔سب لوگ خاموش ہو رہے۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام خالد کو میرے پاس

لاؤ، مجھ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے مجھ کو وہ کرتی پہنائی اور فرمایا: پہنو اور پھاڑو۔ [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ام خالد کو فقط اس لیے پہنایا تھا کہ وہ اس وقت چار برس کی بچی تھیں۔ ان کے باپ خالد بن سعید بن العاص تھے اور ماں ہمینہ بنت خلف تھی یہ دونوں حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں جا کر ام خالد پیدا ہوئیں۔ انکا نام امۃ تھا جب حبشہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ام خالد کو پیار کیا کیوں کہ وہ کم سن تھیں۔ لہٰذا یہ طریقہ سنت نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت لوگوں کو لباس پہنانے کی نہ تھی اور نہ صحابہ وتابعین نے ایسا کیا۔ علاوہ ازیں صوفیہ کے نزدیک بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کو پہنانا سنت نہیں، اور نہ سیاہ خرقہ ہونا سنت ہے بلکہ مرقعہ یا فوطہ سنت بتاتے ہیں۔ ام خالد کی حدیث کے موافق انہوں نے سیاہ خرقہ پہننا کیوں نہ سنت قرار دیا۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں شیخ کا مرید کے ساتھ مرقعہ پہنانے میں شرط کرنا سنت لکھا ہے اور عبادہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی کہ تنگی وفراخی میں اطاعت وفرماں برداری کریں گے۔" [2] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس باریک فقہ پر غور کرنا چاہیے کجا مرید کے ساتھ شیخ کا شرط کرنا اور کجا بیعت اسلام پر جو لازم اور واجب الاطاعت ہے رسول اللہ ﷺ کا شرط فرمانا۔

فصل

باقی رہا صوفیہ کا رنگے کپڑے پہننا پس وہ اگر نیلے رنگ کے ہیں تو ان لوگوں سے سفید لباس کی فضیلت فوت ہوتی ہے اور اگر سندی کپڑا یعنی فوطہ ہے تو وہ شہرت کا لباس ہے اور اس کی شہرت نیلے کپڑے سے زیادہ ہے اور اگر پیوند لگے یعنی مرقعے ہیں تو یہ اور بھی شہرت میں بڑھ کر

---

[1] بخاری: کتاب اللباس، باب الخمیصة السوداء، رقم ۵۸۲۳۔ ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فیما یدعی لمن لبس ثوبا جدیدا، رقم ۴۰۲۴۔ احمد: ۶/۳۶۴، ۳۶۵۔ مسند الحمیدی: ۱/۱۶۱، ۱۶۲، رقم ۳۳۷۔ مستدرک الحاکم: ۲/۲، ۷، کتاب البیوع، رقم ۲۳۶۷۔ [2] بخاری: کتاب الفتن، باب قولہ (سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَھَا) رقم ۷۰۵۶۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة للأمراء فی غیر معصیة، رقم ۴۷۶۸۔ موطا امام مالک: ۲/۴۴۵، کتاب الجهاد، باب الترغیب فی الجهاد، رقم ۵۔ نسائی: کتاب البیعة، باب البیعة علی السمع والطاعة، رقم ۴۱۵۴۔ ابن ماجه: کتاب الجهاد، باب البیعة، رقم ۲۸۶۶۔

ہیں۔ شریعت نے سفید کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے اور شہرت کے لباس سے منع کیا ہے۔ چنانچہ سفید کپڑے کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سب کپڑوں میں سفید کپڑا پہنا کرو کیوں کہ وہ سب کپڑوں سے اچھا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔'' [1] سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم سفید کپڑے پہنا کرو کیوں کہ وہ بہت پاک اور عمدہ ہوتے ہیں اور ان ہی میں اپنے مردے کفنایا کرو۔'' ترمذی نے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں مروی ہے۔ [2] نیز ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک بھی مستحب ہے۔ احمد بن حنبل اور اسحاق کا قول ہے کہ ہمارے نزدیک کفن دینے کے لیے سفید کپڑا محبوب تر ہے۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں رنگے کپڑے پہننا سنت لکھا ہے اور اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ حُلّہ پہنا'' [3] اور ''فتح مکہ کے روز جب آپ تشریف لائے تو سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔'' [4] مصنف رحمہ اللہ علیہ نے کہا: اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لباس پہنا ہے اور نہ اسکا انکار کیا جاتا ہے کہ اس کا پہننا جائز ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''آپ کو سرخ رنگ اچھا لگتا ہے۔'' [5] مسنون لباس تو

---

[1] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی البیاض، رقم ۴۰۶۱۔ ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء مایستحب من الاکفان، رقم ۹۹۴۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب البیاض من الثیاب، رقم ۳۵۶۶۔ احمد: ۱/ ۲۴۷، ۳۶۳۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۰۶، کتاب الجنائز، رقم ۱۳۰۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۵/ ۳۳، کتاب الحج، باب مایحرم من الثیاب۔

[2] احمد: ۵/ ۱۳، ۱۷، ۱۸، ۱۹۔ ترمذی: کتاب الادب: باب ماجاء فی لبس البیاض، رقم ۲۸۱۰۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب الامر بلبس البیض من الثیاب، رقم ۵۳۲۴۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب البیاض من الثیاب، رقم ۳۵۶۷۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۰۶، کتاب الجنائز، رقم ۱۳۰۹۔

[3] بخاری: کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، رقم ۵۸۴۸۔ مسلم: کتاب الفضائل: باب فی صفۃ النبی، رقم ۶۰۶۴۔ ابوداؤد: کتاب اللباس باب فی الرخصۃ فی الحمرۃ، رقم ۴۰۷۲۔ ترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی الرخصۃ فی الثوب الاحمر للرجال، رقم ۱۷۲۴۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب لبس الحلل، رقم ۵۳۱۶۔

[4] کتاب الحج، باب جواز دخول مکۃ بغیر احرام، رقم ۳۳۰۹۔ ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی العمائم، رقم ۴۰۷۶۔ ترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی العمامۃ السوداء، رقم ۱۷۳۵۔ نسائی، کتاب الزینۃ، باب لبس العمائم السود، رقم ۵۳۴۶، ۵۳۴۷۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب العمامۃ السوداء، رقم ۳۵۸۵۔

[5] بخاری: کتاب اللباس، باب البرود والحبر والشملۃ، رقم ۵۸۱۲، ۵۸۱۳۔ مسلم: کتاب اللباس، باب فضل ثیاب الحبرۃ، رقم ۵۴۴۰۔ ۵۴۴۱۔

فقط وہ ہے جس کا آپ حکم دیتے تھے اور جس پر مداومت فرماتے تھے یوں تو صحابہ رضی اللہ عنہم سیاہ وسرخ لباس پہنا کرتے تھے لیکن فوط اور مرقعے ہم ضرور کہیں گے کہ شہرت کے لباس ہیں۔

فصل

لباسِ شہرت کے مکروہ وممنوع ہونے کے بارے میں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا جب تک اس کو نہ اتارے گا اللہ تعالیٰ اس سے روگرداں رہے گا۔ [1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شہرتوں سے منع فرمایا صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو شہرتیں کیا ہیں ارشاد فرمایا کہ لباس کا پتلا اور گاڑھا ہونا، نرم اور سخت ہونا، بڑا اور چھوٹا ہونا۔ لیکن ہاں ان دونوں کے درمیان راستی ومیانہ روی اختیار کرو۔ [2] ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو شخص شہرت والا لباس پہنے گا قیامت کے دن خدا اس کو ذلیل کرے گا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا خدا تعالیٰ اس کو ذلت پہنائے گا۔ [3] لیث نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا جو شخص مشہور چار پائے پر سوار یا مشہور لباس پہنے گا جب تک وہ اس پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس سے اعراض رکھے گا۔ خواہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل اکرام ہی کیوں نہ ہو۔ مصنف نے کہا ہم روایت کر چکے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کوئی برا کم درجے کا لباس پہنے دیکھا تو فرمایا اس کو مت پہنو یہ شہرت کا کپڑا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ابوداؤد: کتاب اللباس باب فی لبس الحمرۃ، رقم ۴۰۶۰۔ ترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی احب الثیاب الی رسول اللہ، رقم ۱۷۸۷۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب فی لبس الحمرۃ، رقم ۵۳۱۷۔

[1] ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب من لبس شہرۃ من الثیاب، رقم ۳۶۰۸۔ اورضعیف سنن ابن ماجہ: ص۲۹۵، رقم ۷۲۷/۳۶۷۵، حلیۃ الاولیاء: ۲۱۲/۴، رقم ۵۳۸۵ وشعب الایمان: ۱۶۹/۵، باب فی الملابس والاوانی، رقم ۶۲۳۰۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۲۸۳/۶، رقم ۹۰۰۳۔ [2] شعب الایمان: ۱۶۹/۵، باب فی الملابس والاوانی، رقم ۶۲۳۱۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳۱۱/۶، رقم ۹۴۰۳۔ اور دیکھیے ضعیف الجامع الصغیر ۳۰/۶، رقم ۶۰۵۷۔ وسلسلۂ احادیث ضعیفہ: ۳۴۹/۵، رقم ۲۳۲۶۔ [3] ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی لبس الشہرۃ، رقم ۴۰۲۹۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب من لبس شہرۃ من الثیاب، رقم ۳۶۰۶، ۳۶۰۷۔ شعب الایمان :۱۶۹/۵، برقم ۶۲۲۸، باب فی الملابس والاوانی۔ احمد: ۹۲/۲، ۱۳۹۔ اور دیکھیے صحیح الجامع الصغیر: ۳۵۴/۵، رقم ۶۴۰۲۔

ہے۔ مقاتل بن بریدہ نے کہا میرے باپ بریدہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فتح خیبر میں موجود تھا اور ان لوگوں میں تھا جو قلعہ پر چڑھ گئے تھے۔ میں وہاں چڑھ کر ایسا سامنے کھڑا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اچھی طرح مجھ کو دیکھا۔ اور وہاں سے آیا تو میں سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میں نہیں جانتا کہ شہرت کے واسطے اسلام میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہو۔ سفیان ثوری نے کہا: صحابہ رضی اللہ عنہم دو شہرتوں کو مکروہ جانتے تھے۔ ایک تو ایسے نفیس کپڑے جن کی وجہ سے مشہور ہو جائے اور لوگ اس کی طرف آنکھیں اٹھائیں۔ دوسرے ایسے ردی کپڑے جن سے حقیر ہو جائے اور ذلیل سمجھا جائے۔ معمر نے کہا ایوب کا کرتا لمبا دیکھ میں نے ان پر ناراضی ظاہر کی۔ کہنے لگے کہ سنو گزشتہ زمانے میں نیچا لباس رکھنا شہرت میں داخل تھا مگر آج کل اونچا رکھنے میں شہرت ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں صوف کے پہننے والے بھی ہیں اور حجت لاتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے صوف پہنا ہے'' [1] اور صوف پہننے کی فضیلت منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صوف پہننے کی نسبت اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات آپ صوف پہنتے تھے اور اہل عرب کے نزدیک اس کا پہننا کوئی شہرت میں داخل نہ تھا اور صوف پہننے کی فضیلت میں یہ لوگ جو کچھ روایت کرتے ہیں تمام موضوعات ہیں۔ جن میں سے کچھ بھی ثابت نہیں اور صوف پہننے والے کی حالت دو میں سے ایک ضرور ہوگی۔ یا تو وہ صوف اور اس کے مانند سخت کپڑے پہننے کا عادی ہے اس کے لیے صوف پہننا مکروہ نہیں۔ کیوں کہ اس کے پہننے سے اس کی شہرت نہیں ہوتی۔ اور یا عادی تو نہیں مگر تکلف اور اترانے کی راہ سے پہنتا ہے اس کے لیے دو وجہ سے جائز نہیں ایک تو یہ کہ اپنے نفس کو تکلیف مالا یطاق دیتا ہے جو اس کو ناجائز ہے دوسرے اس کے پہننے میں شہرت اور اظہار زہد دونوں پائے جاتے ہیں۔

---

[1] بخاری: کتاب اللباس، باب لبس جبۃ الصوف فی الغزو، رقم ۵۷۹۹۔ مسلم: کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، رقم ۶۳۱۔ ابوداؤد: کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، رقم ۱۵۱۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب لباس رسول اللہ، رقم ۳۵۵۶۔ سنن الدارمی: ۱/۱۹۲، کتاب الطہارۃ، باب فی المسح علی الخفین، رقم ۷۱۴۔ احمد: ۴/۲۵۱۔

انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں میں مشہور ہونے کے لیے صوف کا لباس پہنے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں ضرور خارش کا کپڑا پہنائے گا۔ جس سے اس کی رگیں گر پڑیں گی۔“ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو لوگ ریا کی غرض سے صوف کا لباس پہنتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے زمین فریاد کرتی ہے۔“ [2]
خالد بن شوذب نے کہا: میں حسن (بصری) کے پاس موجود تھا۔ اتنے میں فرقد آئے۔ حسن نے ان کا کمبل پکڑ کر ان کی طرف بڑھایا اور بولے کہ اے ام فرقد کے بیٹے! اس کمبل میں کوئی برّ و نیکی نہیں، بلکہ اصلی برّ و نیکی اعتقاد دل اور صدق عمل ہے۔ ابو شداد مجاشعی نے کہا: حسن (بصری) کے سامنے صوف پہننے والوں کا تذکرہ آیا۔ میں نے سنا کہ تین بار حسن بولے خدا کھوئے ان کم بختوں کو کیا ہو گیا، اپنے دلوں میں تو کبر و غرور پوشیدہ رکھتے ہیں اور لباس میں عجز و تواضع ظاہر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! ان لوگوں کو اپنے لباس پر اس سے بھی زیادہ غرور ہے جس قدر دوشالے والے کو اپنے دوشالے پر ہو۔ حسن کے پاس ایک آدمی صوف پہننے والوں میں سے آیا جو صوف کا جبہ پہنے تھا اور صوف کا عمامہ باندھے تھا اور صوف کی چادر اوڑھے تھا۔ آکر بیٹھا اور زمین کی طرف اپنی نگاہ کر لی اور ذرا اوپر سر نہ اٹھایا۔ شاید حسن کو اس کی یہ حرکت مغرورانہ معلوم ہوئی۔ کہنے لگے ایسے بھی لوگ ہیں جو کبر و غرور اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ خدا کی قسم! انہوں نے اپنے دین کو قابل تشنیع بنا لیا۔ پھر بولے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی ہیئت سے پناہ مانگا کرتے تھے“ [3] لوگوں نے پوچھا اے ابوسعید! منافقوں کی ہیئت کیا ہے۔ جواب دیا کہ لباس سے خشوع ظاہر کرنا اور دل میں خشوع نہ ہونا۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ یہ کلام ایسے شخص کا ہے جو لوگوں کو خوب پہچانتا ہے اور لباس سے دھوکا نہیں کھاتا۔ خود میں نے انہیں لوگوں میں سے ایک کو دیکھا ہے جو صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھا۔ اگر کوئی اس کو یوں کہہ کر پکارتا تھا

---

[1] ضعیف ہے: دیکھئے کشف الخفاء للعجلونی: ۲/ ۳۸۰، تحت حدیث، رقم ۲۵۹۵۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ۲/ ۲۷۷، کتاب اللباس والزینۃ، الفصل الثالث، رقم ۳۸۔ [2] [موضوع] ابن ابی حاتم فی کتابہ المجروحین: ۳/ ۱۵۶، میزان الاعتدال: ۴/ ۵۱۶، برقم ۱۰۱۱۶۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۲/ ۴۰۶، رقم ۱۹۴۹۔ اور دیکھئے ضعیف الجامع الصغیر: ۲/ ۳۵، رقم ۱۴۰۹ اور سلسلۂ احادیث ضعیفہ: ۵/ ۲۸۵، رقم ۲۲۵۹۔

[3] [موضوع] روایت ہے: دیکھئے تذکرہ الموضوعات لابن القیسرانی ص ۱۹۵۔

کہ اے فلاں کے باپ تو وہ اور اس کے ساتھی برا مانتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک صوف وہ عمل کرتا ہے جو اوباش کے نزدیک دیباج بھی نہیں کرتا۔ ضمرہ نے کہا: مجھ سے ایک آدمی نے بیان کیا کہ حماد بن ابی سلیمان بصرہ میں داخل ہوئے۔ ان کے پاس فرقد سنجی صوف کا کپڑا پہنے ہوئے آئے۔ حماد ان سے بولے، اپنے اوپر سے یہ اپنی نصرانیت اتار ڈال، ہم نے دیکھا ہے کہ ہم ابراہیم نخعی کا انتظار کیا کرتے تھے وہ نکلتے تھے اور زعفرانی لباس پہنے ہوتے تھے۔ خالد سے مروی ہے کہ قلابہ نے کہا تم صوف کے لباس والوں سے بچتے رہو۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ عبدالکریم ابو امیہ صوف کا لباس پہنے ہوئے ابو العالیہ کے پاس گئے۔ ابو العالیہ ان سے بولے کہ یہ راہبوں کی پوشاک ہے۔ مسلمانوں کا تو یہ قاعدہ تھا جب کہ کہیں جاتے آتے تھے تو آرائش کرتے تھے۔ فضیل نے کہا: تم لوگوں کے لیے صوف پہن کر آرائش کرو تو تمہارے سامنے سر نہ اٹھائیں گے۔ اور قرآن شریف سے آراستہ ہو تو تمہارے آگے سر اونچا نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک چیز چھوڑ کر دوسری چیز سے زینت اختیار کرو۔ یہ سب دنیا کی محبت کے لئے ہے۔ ابو سلیمان نے کہا: بعض لوگ ساڑھے تین درم کی عبا پہنتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی شہرت پانچ درم کے برابر ہوتی ہے۔ ان کو اس بات سے شرم نہیں آتی کہ ان کی شہرت ان کے لباس سے زیادہ بڑھ گئی۔ اگر دو سفید کپڑے پہن کر لوگوں کی نگاہوں سے اپنا زہد و تقویٰ پوشیدہ رکھتے تو ان کے لئے زیادہ سلامتی کا سبب ہوتا۔ ابو سلیمان نے کہا: مجھ سے میرے باپ نے پوچھا کہ صوف کا لباس پہننے سے ان لوگوں کی مراد کیا ہے۔ میں نے کہا عجز و تواضع۔ جواب دیا کہ ان لوگوں کا تو قاعدہ ہے کہ جب صوف کا کپڑا پہنتے ہیں اسی وقت مغرور بھی ہوتے ہیں عمرو بن یونس نے کہا: سفیان ثوری نے ایک صوفی کو دیکھا۔ بولے کہ تیرا یہ لباس بدعت ہے۔ ابو داؤد نے بھی سفیان ثوری سے ایسا ہی روایت کیا۔ عبداللہ بن المبارک نے ایک آدمی کا مشہور لباس دیکھ کر دو بار کہا میں اس کو مکروہ جانتا ہوں، میں اس کو مکروہ جانتا ہوں۔ حسن بن عمرو نے کہا: میں نے بشر بن حارث سے سنا، بیان کرتے تھے کہ علی موصلی ایک بار معافی کے پاس گئے اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ معافی بولے اے ابوالحسن! یہ شہرت کیسی ہے۔ علی نے جواب دیا اے ابو مسعود! آؤ میں اور تم دونوں باہر نکلیں دیکھیں ہم میں زیادہ

مشہور کون ہے۔ معافی نے کہا: بدن کی شہرت ویسی نہیں جیسی لباس کی شہرت ہے۔ بشر بن حارث کہتے ہیں ایوب سجستانی کے پاس بدیل گئے ان کے بچھونے پر مقام سینہ کا سرخ ریشمی کپڑا بچھا ہوا تھا۔ جو گرد و غبار سے بچاتا تھا۔ بدیل بولے یہ کیا ہے۔ ایوب نے جواب دیا، اس صوف کے لباس سے جو تم پہنے ہو یہ کپڑا اچھا ہے۔ بشر بن الحارث سے کسی نے صوف پہننے کی نسبت سوال کیا۔ ان کو بہت ناگوار و گراں گزرا اور ان کے چہرے سے کراہت ظاہر ہوئی۔ پھر بولے میرے نزدیک خز اور زعفرانی لباس پہننا شہروں میں صوف کا کپڑا پہننے سے محبوب تر ہے۔ محمد بن ادریس انباری کہتے ہیں میں نے ایک نوجوان کو ٹاٹ کا جبہ پہنے دیکھا۔ اس سے کہا کہ کس عالم نے اس کو پہنا ہے۔ کس عالم نے ایسا کیا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا مجھ کو بشر بن حارث نے دیکھا تو کچھ برا نہ سمجھا۔ یزید کہتے ہیں کہ میں بشر کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا کہ اے ابونصر میں نے فلاں شخص کو ٹاٹ کا جبّہ پہنے دیکھا۔ اس پر اعتراض کیا تو بولا کہ ابونصر نے مجھ کو یہ جبہ پہنے ہوئے دیکھا تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ سن کر بشر مجھ سے کہنے لگا اے ابوخالد! مجھ سے اس شخص نے مشورہ نہیں لیا اگر میں اس پر کچھ اعتراض کرتا تو مجھ کو جواب دیتا کہ فلاں نے پہنا ہے اور فلاں نے پہنا ہشام ابن خالد نے کہا میں نے ابوسلیمان دارانی کو ایک صوف پہننے والے آدمی سے کہتے ہوئے سنا کہ تو نے زاہدوں کا اوزار ظاہر کر دیا۔ تو جانتا ہے کہ اس صوف نے تجھ کو نفع دیا وہ آدمی چپ ہو رہا۔ ابوسلیمان بولے کہ تیرا ظاہر تو روئی دار کپڑوں والا اور باطن صوفی ہونا چاہیے ابن سیرویہ کہتے ہیں ابومحمد بن ابی معروف کرخی ایک بار ابوالحسن بن بشار کے پاس گئے اور صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ابوالحسن بولے اے ابومحمد! تم نے اپنے جسم کو صوفی بنایا ہے یا دل کو۔ دیکھو تصوف اختیار کرو اور سفید پر سفید کپڑے پہنو۔ نضر بن شمیل نے کسی صوفی سے کہا: تم اپنا صوف کا جبہ بیچتے ہو جواب دیا کہ جب شکاری اپنا جال ہی بیچ ڈالے تو شکار کس چیز سے کرے گا۔ ابوجعفر ابن جریر طبری نے کہا: وہ شخص خطا پر ہے جو باوجود روئی اور کتان کا کپڑا حلال طریقہ سے ملنے کے بال اور اون کا لباس اختیار کرلے اور گیہوں کی روٹی چھوڑ کر ساگ اور مسور کھانا پسند کرے اور عورتوں کی خواہش لاحق ہونے کے خوف سے گوشت کھانا چھوڑ دے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سلف صالحین اوسط درجے کا لباس پہنا کرتے تھے جو نہ بہت بڑھ کر ہوتا تھا اور نہ بالکل گھٹ کر۔ جمعہ اور عید اور بھائیوں کی ملاقات کے لیے انہیں کپڑوں میں سے نفیس لباس اختیار کرتے اور بہت نفیس لباس پہننا ان کے نزدیک کوئی قبیح نہ تھا۔ مسلم نے اپنی صحیح میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے ایک حلہ سنہری دھاریوں والا مسجد کے قریب بکتا ہوا دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ جمعہ کے لیے اور باہر سے آنے والوں کے لیے یہ حلہ خرید فرما لیتے تو بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔'' [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ پر اس حلہ سے آرائش کرنے کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ بوجہ اس کے ریشمی ہونے کے انکار فرمایا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم ابو العالیہ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا: مسلمانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کہیں آتے جاتے تو زیب و زینت کرتے تھے۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مہاجرین اور انصار اونچے درجے کا لباس پہنا کرتے تھے۔ تمیم الداری نے ایک حلہ ہزار درم کو خریدا تھا۔ لیکن اس سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ تمیم داری نے ایک حلہ ہزار درم کو مول کیا۔ اس کو پہن کر تہجد ادا کیا کرتے تھے۔ ثابت نے کہا کہ تمیم داری کے پاس ایک حلّہ تھا جو انہوں نے ہزار درم میں خریدا تھا۔ اس کو اس رات پہنا کرتے تھے جس میں شب قدر کی امید کی جاتی ہے۔ ابن سیرین نے کہا: تمیم داری نے ایک چادر ہزار درم کو مول لی اس کو اوڑھ کر اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت نفیس لباس پہنا کرتے تھے اور بہت عمدہ خوشبو لگایا کرتے تھے۔ حسن بصری اعلیٰ درجے کی پوشاک پہنا کرتے تھے کلثوم بن جوشن کہتے ہیں کہ ایک بار حسن بصری ایک قیمتی جبہ پہنے ہوئے اور ایک گراں بہا چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلے۔ ان کو فرقد نے دیکھا اور بولے اے استاد! کیا

[1] بخاری: کتاب اللباس، باب الحریر للنساء، رقم ۵۸۴۱۔ مسلم: کتاب اللباس، باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلک للرجال ۵۴۰۱۔ ابوداؤد: کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الحریر، رقم ۴۰۴۰۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب ذکر النھی عن لبس السیراء، رقم ۵۲۹۷۔ ابن ماجۃ: کتاب اللباس، باب کراھیۃ لبس الحریر، رقم ۳۵۹۱۔ احمد: ۲/۲۰، ۳۹۔

آپ کا لباس ایسا ہونا چاہیے۔ حسن نے جواب دیا اے ابن ام فرقد! کیا تم نہیں جانتے کہ اکثر اہل دوزخ وہ ہیں جو صوف کا لباس پہنتے ہیں۔ مالک بن انس عدن کے نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے۔ احمد بن حنبل کا کپڑا قریب قریب ایک دینار میں خریدا جاتا تھا۔ غرض کہ سلف پھٹے پرانے حال کو ایک حد تک اختیار کرتے تھے اور پرانے کپڑے صرف اپنے گھروں میں پہنتے تھے۔ جب باہر نکلتے تو زیب وزینت کرتے تھے اور ایسا لباس پہنتے تھے جس کے ادنیٰ یا اعلیٰ ہونے کی خواہش ان کو نہ ہوتی تھی۔ عیسیٰ بن حازم نے کہا: ابراہیم بن ادہم کا لباس کتان، روئی پوستین تھا۔ میں نے ان کو کبھی صوف اور شہرت کا کپڑا پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔ محمد بن ریان کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں ذوالنون نے سرخ موزہ دیکھا کہنے لگے بیٹا اس کو اتار ڈالو۔ اس میں شہرت ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ نے اس کو نہیں پہنا۔ آپ نے تو صرف دو موزے سادے سیاہ رنگ کے پہنے ہیں۔'' [1] ربیع بن یونس کہتے ہیں کہ ابو جعفر منصور نے کہا: طعن کے قابل ہیئت رسوا کرنے کی ہیئت سے بہتر ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ جو لباس صاحب لباس کے لیے عیب ناک ہی وہ ہے جس میں زہد اور افلاس کا اظہار پایا جائے۔ ایسا لباس گویا خدا سے شکایت کرنے کی زبان اور پہننے والے کی حقارت کا سبب ہے اور یہ سب مکروہ و ممنوع ہے۔ احوص نے بیان کیا کہ میرے باپ کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میری ہیئت بوسیدہ تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تمہارے پاس کچھ مال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ دریافت فرمایا کہ کس قسم کا مال ہے۔ میں نے عرض کیا، ہر قسم کا مال ہے۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اونٹ، گھوڑے غلام، بکریاں سب کچھ دیا ہے۔ فرمایا: جب تم کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہے تو اپنے آپ کو تونگر ظاہر کرو۔'' [2] جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ میرے مکان پر ہم سے ملنے کو

---

[1] ترمذی: کتاب الادب، باب ماجاء فی خف رسول اللہ، رقم ۲۸۲۰۔ ابوداود: کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، رقم ۱۵۵۔ ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب الخفاف السود، رقم ۳۶۲۰۔ مختصر الشمائل المحمدیہ للترمذی ص ۵۲، رقم ۵۸۔

[2] ابوداود: کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، رقم ۴۰۶۳۔ ترمذی: کتاب البر والصلۃ: باب ماجاء فی الاحسان والعفو، رقم ۲۰۰۶۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تشریف لائے۔ ایک آدمی کے بال پریشان دیکھے۔ فرمایا: ''کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بال درست کر لے۔ پھر ایک آدمی کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا فرمایا: کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھو ڈالے۔'' [1] ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ربیع بن زیاد کی عیادت کو گئے۔ ربیع نے کہا! یا امیر المومنین! میں آپ سے اپنے بھائی عاصم کی شکایت کرتا ہوں۔ دریافت فرمایا کہ اس کا کیا حال ہے۔ جواب دیا کہ ٹھکانہ چھوڑ دیا اور عبا پہن لی جس کی وجہ سے اس کی بی بی اور بال بچے غمناک واندوہ گین ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ عاصم کو میرے پاس لاؤ۔ جب عاصم آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دنیا کو حلال کر دیا اور تم سے دنیا کو چھین لینا نہیں چاہتا اور خدا کی قسم کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی ذلیل تر ہو واللہ! اگر تم اس کی نعمتوں کا اظہار فعل کی راہ سے کر و تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ قول کی راہ سے نعمت الٰہی کا اظہار کرو۔ عاصم نے کہا! یا امیر المومنین! میں دیکھتا ہوں کہ آپ موٹا کپڑا پہنتے ہیں اور اناج کھاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ پھر فرمایا: اے عاصم! وائے ہو تجھ پر! اللہ تعالیٰ نے انصاف کرنے والے اماموں پر فرض کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو عوام کے ساتھ اندازہ کریں تا کہ افلاس والے کے افلاس تابع نہ ہو۔ ابو بکر الانباری نے کہا: اس آخری فقرے کے معنی یہ ہیں کہ فقر و افلاس بہت زیادہ بڑھ جائے۔ محاورہ ہے کہ مذمت فلاں شخص کی تابع ہے یعنی اس کی مذمت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی یوں کہے کہ نفیس لباس پہننا خواہش نفسانی ہے اور ہم کو حکم ہے کہ نفس کو محنت میں ڈالیں اور نیز یہ آرائش مخلوق کے لیے ہے۔ حالانکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے افعال مخلوق کے لیے نہ ہوں بلکہ خدا کے واسطے ہوں۔ تو جواب یہ ہے کہ ہر چیز جس کی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) نسائی: کتاب الزینۃ باب ذکر ما یستحب من لبس الثیاب وما یکرہ منہا، رقم ۵۲۹۶۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۸۶، ۷۷۔ کتاب الایمان، رقم ۶۵۔ احمد: ۳/ ۴۷۳، ۴۷۴۔ [1] ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، رقم ۴۰۶۲۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب تسکین الشعر، رقم ۵۲۳۸۔ احمد: ۳/ ۳۵۷۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۲۰۶، کتاب اللباس، رقم ۷۳۸۰۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۴۳، کتاب اللباس، باب اللباس والنظافۃ، رقم ۱۲۰۳/ ۱۴۳۸۔

نفس خواہش کرے وہ مذموم نہیں اور ہر آرائش جو لوگوں کے لیے ہو وہ مکروہ نہیں۔ اس سے اسی وقت منع کیا جائے گا جب شریعت میں اس کی ممانعت ہو یا دین کے بارے میں ریا کی صورت نکل آئے ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ خوب صورت معلوم ہوا کرے یہ ایسی خواہش نفسانی ہے جس پر ملامت نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ بالوں میں کنگھا کرتا ہے اور آئینہ میں منہ دیکھتا ہے اور عمامہ برابر کر کے باندھتا ہے اور لباس کا استر اندر ہونے کی وجہ سے موٹا اور ابرہ اوپر ہونے کے سبب سے عمدہ رکھتا ہے۔ ان میں کوئی ایسی شے نہیں جو مکروہ اور مذموم ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: صحابہ کی ایک جماعت دروازہ پر رسول اللہ ﷺ کے انتظار میں تھی آپ ان کے پاس جانے کو اٹھے۔ گھر میں ایک نافذ تھی جس میں پانی بھرا تھا۔ اس میں آپ دیکھ دیکھ کر سر کے بال اور ریش مبارک درست فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ "فرمایا ہاں، جب آدمی اپنے بھائیوں کے سامنے جائے تو اپنے آپ کو درست کر لینا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔" [1] عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسرے طور پر مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے کے لیے اٹھے۔ ایک نافذ آپ نے دیکھی جس میں پانی تھا۔ اس میں اپنا عکس مبارک دیکھا۔ پھر ریش اقدس اور سر اطہر کو درست کیا اور باہر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا: میں نے کیا کیا۔ فقط اتنا ہی تو کیا ہے کہ پانی میں اپنا عکس دیکھا ہے اور اپنی داڑھی اور سر کے بال درست کیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمان آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے کہ جب اپنے بھائیوں سے ملنے کو جاتا ہے تو اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کوئی کہے اس کی کیا وجہ کہ تم نے سری سقطی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا اگر میں کسی آدمی کی اپنے پاس آتے ہوئے آہٹ پاؤں اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر لوں یعنی اس آنے والے کے سبب سے داڑھی درست کر لوں تو ڈرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس حرکت پر دوزخ میں عذاب کرے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قول اس پر محمول ہے کہ سری کی مراد

---

[1] یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں عیسیٰ بن واقد اور عطاء بن السائب دونوں راوی ضعیف ہیں۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۷۳ باب ما یفعل من لم یکن له مرآة، رقم ۱۸۲۔ کنز العمال: ۶/ ۶۴۳، ۶۴۴، رقم ۱۷۱۹۶۔

دین کے بارے میں خشوع وغیرہ کا اظہار کر کے ریا کاری کا مرتکب ہونا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ اپنی صورت اچھی بنانا مقصود ہوتا کہ کوئی ناز یبا چیز نظر نہ آئے تو ایسا کرنا مذموم نہیں۔ جو شخص اس کو مذموم یقین کرے وہ ریا کو نہیں جانتا اور مذموم کے معنی نہیں سمجھتا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر غرور ہوگا وہ بہشت میں نہ جائے گا۔ایک آدمی نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں ہر ایک پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، جوتا خوب صورت ہو۔ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو محبوب رکھتا ہے۔ غرور تو اس کو کہتے ہیں کہ حق بات سے سرکشی کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' [1] یہ حدیث فقط صحیح مسلم میں ہے اور معنی یہ ہیں کہ حق سے منہ موڑنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا غرور کا باعث ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ چنانچہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ابو العباس بن عطاء بہت اعلیٰ درجہ کا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ مثلاً دبیقی اور لؤلؤ کا بنا ہوا کپڑا اور بہت نیچا لباس پسند کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں بھی مرقعوں کی طرح شہرت ہے۔ نیک لوگوں کے لباس تو اوسط درجے کے ہونے چاہئیں۔ غور کرنا چاہیے کہ شیطان ان لوگوں کے ساتھ دونوں مخالف طریقوں سے کس طرح کھیلتا ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بعض صوفیہ ایسے ہیں کہ جب کوئی کپڑا پہنتے ہیں تو اس کا کچھ حصہ پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اکثر اوقات اعلیٰ درجے کے لباس کو خراب کر دیتے ہیں۔ عیسیٰ بن علی وزیر کہتے ہیں ایک روز ابن مجاہد میرے باپ کے ساتھ تھے۔ کسی نے شبلی کے اندر آنے کی خبر دی ابن مجاہد بولے، میں تمہارے سامنے اسی وقت شبلی کو ساکت کر دوں گا۔ شبلی کی عادت یہ تھی کہ جب کچھ پہنتے تھے تو اس کو کسی مقام سے چاک کر ڈالتے تھے۔ جیسے ہی شبلی آ کر بیٹھے ابن مجاہد

[1] مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، رقم ۲۶۵۔ ابوداود: کتاب اللباس، باب ماجاء فی الکبر، رقم ۴۰۹۱، ۴۰۹۲۔ ترمذی: کتاب البر والصلۃ: باب ماجاء فی الکبر، رقم ۱۹۹۹۔ احمد: ۱/ ۳۹۹، ۴۱۶، ۴۵۱ ومستدرک الحاکم: ۱/ ۷۸، کتاب الایمان، رقم ۶۹۔

نے ان سے کہا اے ابوبکر یہ کون سے علم کی بات ہے کہ جس چیز سے نفع اٹھائیں اس کو خراب کریں۔ شبلی نے جواب دیا کہ یہ کون سے علم کی بات ہے۔

﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ [1]

''یعنی حضرت سلیمان گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں کاٹنے لگے''

یہ سن کر ابن مجاہد خاموش ہو رہے میرے باپ ان سے بولے تم شبلی کو ساکت کرنا چاہتے تھے انہوں نے الٹا تم کو ساکت کر دیا۔ پھر شبلی نے ان سے کہا سب لوگ اتفاق کرتے ہیں کہ تم قاریٔ وقت ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ قرآن شریف میں کس جگہ ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا۔ ابن مجاہد چپ ہو رہے۔ میرے باپ کہنے لگے اے ابوبکر آپ ہی بتائیے۔ جواب دیا قولہ تعالیٰ:

﴿قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ﴾ [2]

''یعنی یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے حبیب ہیں۔ اے محمد ﷺ! آپ ان سے پوچھئے تو سہی کہ پھر تم کو خدا تعالیٰ تمہارے گناہوں کے بدلہ میں عذاب کیوں کرتا ہے۔

یہ سن کر ابن مجاہد بولے کہ میں نے کبھی اس آیت کو سنا ہی نہ تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ کو اس حکایت کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ کیوں کہ اس کے راویوں میں حسن بن غالب ثقہ نہیں ہے۔ ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ حسن بن غالب نے ایسی چیزوں کا دعویٰ کیا ہے جن سے اس کی دروغ گوئی اور خلاف ورزی ظاہر ہے۔ اچھا اگر یہ قصہ صحیح بھی ہو تو اس سے شبلی کی کم فہمی ظاہر ہوتی ہے جو اس آیت سے حجت پکڑی اور ابن مجاہد کی کم فہمی ہے جو اس کے جواب سے خاموش ہو رہے۔ جواب یہ تھا کہ آیت

﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ [3]

میں اچھی چیز کا خراب کر ڈالنا نہیں ہے۔ کیوں کہ نبی معصوم کی طرف فاسد کر ڈالنے کو منسوب کرنا جائز نہیں اور آیت کے معنوں میں مفسروں کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ

---

[1] ۳۸/ص: ۳۳۔ [2] ۵/المائدۃ: ۱۸۔ [3] ۳۸/ص: ۳۳۔

گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں پر مسح کیا۔ یعنی ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تم خدا کی راہ میں ہو۔ ان معنوں کے لحاظ سے تو یہ اصلاح ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور گھوڑوں کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا جائز ہے۔ لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی فعل ایسا نہ کیا جس میں گناہ ہو۔ لیکن اچھے خاصے کپڑے کو بلا کسی غرض صحیح کے خراب کر ڈالنا ہرگز جائز نہیں اور ممکن ہے کہ جو کچھ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا ان کی شریعت میں اس کا جواز ہو اور ہماری شرع میں نہ ہو۔ ابو عبداللہ بن عطاء کہتے ہیں، ابو علی روز باری کا مذہب تھا کہ اپنی آستین پھاڑ ڈالتے تھے اور کرتے کو چاک کر لیتے تھے۔ ان کا قاعدہ تھا کہ گراں قیمت کپڑے کو پھاڑ کر آدھا اوڑھ لیتے تھے اور آدھا باندھ لیتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک روز حمام کو گئے اور ایک لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھیوں کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہ تھا جس کو باندھیں۔ انہوں نے اپنے اصحاب کے شمار پر اس لباس کے ٹکڑے کیے۔ سب نے ایک ایک ٹکڑا باندھا اور پیشتر ان سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب باہر نکلیں تو وہ ٹکڑے حمام والے کو دے دیں۔ ابن عطاء نے کہا کہ مجھ سے ابو سعید گازرونی نے بیان کیا کہ میں اس روز ابو علی کے ہمراہ تھا وہ چادر جس کے انہوں نے ٹکڑے کیے تھے تیس دینار کی تھی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس قسم کی تفریط ابو الحسن بوشنجی سے منقول ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میرے پاس ایک چکور تھا جو میں نے سو درم میں لیا تھا۔ ایک رات میرے یہاں دو مسافر آئے۔ میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہمانوں کے لیے کچھ ہے وہ کہنے لگیں کچھ نہیں صرف روٹی ہے۔ میں نے اس چکور کو حلال کیا اور ان کے پاس لے گیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابو الحسن کے لیے یہ بھی تو ممکن تھا کہ قرض لیتے پھر چکور کو بیچ کر ادا کر دیتے۔ غرض انہوں نے تفریط کی۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا بیان کرتے تھے کہ ابو الحسن بغدادی ایک بار رے میں داخل ہوئے۔ ان کو اپنے پاؤں پر پٹی باندھنے کی ضرورت ہوا کرتی تھی ایک آدمی نے ان کو دبیقی رومال دیا۔ انہوں نے رومال کے دو ٹکڑے کیے اور پٹی باندھی۔ کسی نے کہا، اگر آپ رومال کو بیچ کر پٹی خرید لیتے اور باقی قیمت کو خیرات کر دیتے تو بہتر تھا۔ جواب دیا کہ میں مذہب میں خیانت نہیں کرتا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تھے۔ایک بار چرخی دار کنوؤں پر گزرے اور ایک چرخی پر چل رہی تھی اور جس میں سے آواز نکلتی تھی کھڑے ہو گئے۔وجد میں آ کر اپنی طیلسان کی چادر اس پر پھینک دی۔ چرخی نے چکر کھایا چادر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس جہالت، تفریط اور بے علمی پر غور کرنا چاہیے۔صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''آپ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا'' [1] اور اگر کوئی آدمی درست (کھرے) دینار کو کاٹ کر خرچ میں لائے فقہا کے نزدیک تفریط کرنے والا ٹھہرے گا۔ بھلا اس فضول خرچی کا کیا ٹھکانا ہے جو بالکل حرام ہے۔اسی قسم سے صوفیہ کا ان کپڑوں کو چاک کرنا ہے جو وجد کی حالت میں پھینکے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان شاء اللہ اس کا ذکر آئے گا۔طرہ یہ ہے کہ صوفیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ایک حالت ہے حالانکہ جو حالت شریعت کے خلاف ہو اس میں خیر نہیں۔تم دیکھتے ہو کہ یہ اپنے نفس کے بندے ہیں یا ان کو حکم ملا ہے کہ اپنی رائے پر عمل کریں۔ یہ لوگ اگر اس قدر پہچانتے ہیں کہ اس فعل میں وہ شریعت کے خلاف ہیں اور پھر بھی ایسا کرتے ہیں تو کمال سرکش ہیں اور اگر اس قدر نہیں جانتے تو سخت جاہل ہیں۔

عبداللہ رازی نے کہا: جب نزع کی حالت میں ابوعثمان کا حال متغیر ہوا تو ان کے بیٹے ابوبکر نے کرتا جو اس وقت پہنے ہوئے تھا چاک کر ڈالا۔ابوعثمان نے آنکھ کھولی اور کہا بیٹا ظاہر میں خلاف سنت کرنا دل کی باطنی ریا کا اثر ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بعض صوفیہ ایسے ہیں جو لباس کو نہایت کوتاہ رکھتے ہیں یہ بھی شہرت میں داخل ہے۔ چنانچہ علاء اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ابوسعید سے کسی نے تہبند کے بارے میں پوچھا۔جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ''مسلمان کا تہبند آدھی پنڈلیوں تک چاہیے۔ٹخنوں اور پنڈلیوں میں جو حصہ کھلا رہے کچھ حرج نہیں۔ جو اس سے زیادہ نیچا ہوگا وہ دوزخ کی نشانی ہے۔'' [2] ابراہیم بن سعید

[1] بخاری: رقم ۲۴۰۸ و مسلم: رقم ۴۴۸۳۔

[2] مؤطا امام مالک: ۲/۹۱۴، ۹۱۵، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الرجل ثوبہ، رقم ۱۲۔ابوداؤد: کتاب اللباس باب فی قدر موضع الازار، رقم ۴۰۹۳۔نسائی (فی الکبریٰ): کتاب الزینۃ، باب اسبال الازار، رقم ۹۷۱۴۔

جوہری نے بیان کیا مجھ کو عبدالرزاق نے لکھا کہ معمر نے بیان کیا ایوب کے کرتے میں دامن کچھ کم نیچا رہ گیا۔ کہنے لگے اس زمانے میں اونچا لباس رکھنا شہرت میں داخل ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم ابن ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے پاس گیا اور ایک کرتا اونچا گھٹنوں سے نیچا پنڈلی سے اوپر تک کا پہنے ہوئے تھا۔ احمد نے مجھ پر اعتراض کیا اور کہا یہ کیا بلا ہے۔ تم کو ایسا لباس زیبا نہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں بعض ایسے ہیں جو بجائے عمامہ کے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی شہرت ہے۔ کیونکہ اہل شریعت کے لباس کے خلاف ہے اور جس چیز میں شہرت ہو وہ مکروہ ہے۔ بشر بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک جمعہ کے روز ابن مبارک مسجد میں داخل ہوئے ان کے سر پر کلاہ تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سروں پر کلاہیں نہیں تو اس کلاہ کو اتار کر کسی طاق میں چھپا کر رکھ دیا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جو وسوسہ کی وجہ سے کئی کپڑے رکھتے ہیں۔ ایک جوڑا قضائے حاجت کے لیے اور ایک جوڑا نماز کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ ابو یزید نے اس بارے میں صوفیہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے اس فعل میں کچھ ڈر نہیں مگر یہ نہ چاہیے کہ اس کو سنت قرار دیا جائے۔ جعفر نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ ان سے علی ابن حسین کہنے لگے اے بیٹا قضائے حاجت کے لیے میں دوسرا کپڑا مقرر کر لیتا تو بہتر تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر آ کر مجھ پر بیٹھتی ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر دوبارہ جو میں علی کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس صرف ایک ہی کپڑا تھا (اور وہ دوسرا کپڑا مقرر کرنے سے باز آ گئے۔)

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جن کے پاس فقط ایک جوڑا کپڑا ہوتا

---

2 (پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب موضع الازار این ھو؟ رقم ۳۵۷۳۔ مسند احمد: ۳/ ۵، ۶، ۳۱۔

ہے۔ یہ بات اچھی ہے مگر جمعہ اور عید کے لیے دوسرا کپڑا بنا لینا ممکن ہو تو عمدہ اور بہتر ہے۔ یوسف بن عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک بار جمعہ کے دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سنایا۔ اس میں فرمایا "اگر تم کاروبار کے کپڑے کے سوائے دو کپڑے جمعہ کے لیے خرید لیا کرو تو کیا حرج ہے۔" [1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ کچھ حصہ اس حدیث کا مجھ سے محمد بن عبدالرحمٰن نے بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک قیمتی یمنی چادر اور عمان کی بنی ہوئی ازار تھی۔ آپ یہ دو کپڑے جمعہ اور عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ پھر تہہ کر کے رکھ دیئے جاتے تھے۔ [2]

کھانے پینے میں صوفیہ پر تلبیسِ ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متقدمین صوفیہ کو اس امر کی نسبت فریب دینے میں شیطان نے بہت مبالغہ کیا کہ کھانا سخت اور کم کھائیں۔ پانی پینے سے ان کو باز رکھا۔ جب متاخرین کی باری آئی تو شیطان کو آرام مل گیا اور ان کی خوش عیشی اور بسیار خوری دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا۔

متقدمین صوفیہ کے افعال کا مختصر بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: متقدمین بعض ایسے تھے جو کئی کئی دن تک بغیر کھانے کے گزار دیتے تھے جب بالکل طاقت نہ رہتی تھی تو کچھ کھا لیا کرتے تھے اور بعض ایسے تھے کہ ہر روز تھوڑا سا کھا لیتے تھے۔ جس سے بدن قائم نہیں رہتا تھا۔ سہل بن عبداللہ کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اپنی ابتدائی حالت میں ایک درم کا کھجور کا شیرہ اور ایک درم کا گھی اور ایک درم کا چاولوں کا آٹا خرید کر سب کو ملا لیا کرتے تھے اور اس کے تین سو ساٹھ حصے بنا کر چھوڑتے

---

[1] ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب اللبس للجمعۃ، رقم ۱۰۷۸۔ ابن ماجۃ: کتاب اقامۃ الصلوات: باب ما جاء فی الزینۃ یوم الجمعۃ، رقم ۱۰۹۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/۲۴۲، کتاب الجمعۃ، باب السنۃ فی اعداد الثیاب الحسان للجمعۃ۔

[2] یہ حدیث ان الفاظ سے مجھے نہیں ملی مگر اس کے شواھد حضرت جابر و عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ہیں لیکن وہ بھی ضعیف ہیں: صحیح ابن خزیمہ: ۳/۱۳۲، کتاب الجمعۃ، باب استحباب لبس الجبۃ فی الجمعۃ، برقم ۱۷۶۶۔ مسند الشافعی ص ۴۷ کتاب العیدین۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/۲۴۷، کتاب الجمعۃ، باب ما یستحب من الارتداد ببرد اور دیکھیے ضعیف الجامع الصغیر: ۴/۲۳۴، رقم ۴۶۲۳۔

تھے۔ ہر رات کو ایک حصہ پر روز افطار کرتے تھے۔ ابو حامد طوسی نے سہل بن عبداللہ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک مدت تک ایک بیری کے پتے کھاتے تھے۔ بعد ازاں ایک زمانے تک بھوسہ کھایا اور تین برس میں فقط تین درم کا کھانا کھایا۔ ابو جعفر حداد کہتے ہیں ایک روز میرے پاس ابو تراب آئے اور میں ایک پانی کے حوض پر بیٹھا تھا، اور سولہ روز سے نہ کچھ کھایا تھا نہ پیا تھا۔ مجھ سے بولے کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ علم اور یقین کا امتحان کرتا ہوں۔ دیکھوں کہ کون غالب ہے۔ جو غالب ہو گا اسی طرف ہو جاؤں گا۔ ابو تراب نے کہا: عنقریب تمہاری کوئی حالت ہو جائے گی۔ ابراہیم بن بناء بغدادی کہتے ہیں کہ میں اخمیم سے اسکندریہ تک ذوالنون کے ہمراہ تھا۔ جب ان کے روزہ افطار کرنے کا وقت آیا میں نے روٹی کا ٹکڑا اور نمک جو میرے ساتھ تھا نکالا اور ان سے کہا آپ آیئے کھایئے۔ جواب دیا کہ تمہارا نمک پسا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ بولے کہ تم کو نجات ملے گی۔ پھر میں نے ان کے توشہ دان کو دیکھا تو اس میں تھوڑا سا جو کا ستو تھا اس کو پھانکنے لگے۔ ابو سلیمان کا قول ہے کہ مکھن کو شہد کے ساتھ کھانا اسراف میں داخل ہے۔ ابو سعید جو سہل کے اصحاب میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ زبیری اور زکریا ساجی اور ابن ابی اوفی نے سنا کہ سہل بن عبداللہ کہتے تھے میں مخلوق کے لیے حجت الٰہی ہوں۔ وہ تینوں صاحب ان کے پاس آئے زبیری ان سے مخاطب ہو کر بولے، ہم نے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں میں مخلوق پر خدا کی حجت ہوں۔ آپ کس بارے میں حجت ہیں۔ آپ کوئی نبی ہیں یا صدیق ہیں۔ سہل نے جواب دیا میرا یہ مطلب نہیں جو تمہارا خیال ہے۔ بلکہ میں نے اس لیے کہا کہ میں حلال کھانا کھاتا ہوں آؤ ہم تم سب مل کر صحیح طور پر حلال معلوم کریں۔ انہوں نے پوچھا کیا آپ کو صحیح طور پر حلال معلوم ہو گیا۔ جواب دیا ہاں۔ وہ بولے کیونکر۔ سہل نے کہا میں نے اپنی عقل اور معرفت اور قوت کے سات ٹکڑے کیے ہیں۔ ان کو ویسے ہی چھوڑ دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ ان میں سے چھ ٹکڑے زائل ہو جاتے ہیں اور ایک باقی رہتا ہے۔ پھر میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ ایک ٹکڑا بھی جاتا نہ رہے اور اس کے ساتھ میری جان تلف ہو جائے۔ مجھ کو خوف ہوتا ہے کہ میں نفس کو تباہ کروں اور اس کا قاتل ٹھہروں لہٰذا اس کو بقدر سد رمق اس قدر کھانا پہنچا دیتا ہوں جس سے وہ چھ کے چھ ٹکڑے پھر لوٹ آتے ہیں۔

ابو عبداللہ بن وتد کہتے ہیں چالیس برس ہوئے کہ میں اپنے نفس کو فقط ایسے وقت میں کھانا دیتا ہوں جس حالت میں اس کے لیے خدا تعالیٰ نے مردار کو حلال کر دیا ہے۔ عیسیٰ بن آدم نے کہا: ایک آدمی ابو یزید کے پاس آیا اور کہنے لگا جس مسجد میں آپ ہیں میں بھی اسی جگہ بیٹھنا چاہتا ہوں۔ ابو یزید نے اجازت دے دی۔ وہ شخص ایک دن تک بغیر کچھ کھائے بیٹھا رہا اور صبر کیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو ابو یزید سے بولا کہ اے استاد! مجھ کو کھانا چاہیے ابو یزید نے کہا: اے صاحبزادے! ہمارے یہاں کا کھانا تو ذکر الٰہی ہے۔ وہ کہنے لگا اے استاد! مجھ کو کچھ ایسی چیز چاہیے جس سے میرا جسم خدا کی عبادت میں قائم رہے۔ جواب دیا کہ اے صاحبزادے! اجسام تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ایک بھائی نے جو ابو تراب کی صحبت میں رہتا تھا، بیان کیا کہ ابو تراب نے ایک صوفی کو دیکھا کہ اپنا ہاتھ خربوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھایا اور وہ صوفی تین دن کا بھوکا تھا۔ ابو تراب نے اس سے کہا تو اپنا ہاتھ خربوزہ کے چھلکے کی طرف بڑھاتا ہے تو تصوف کے لائق نہیں، بس بازار میں رہا کر۔ ابو القاسم قیروانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک اپنے ہم صحبت سے سنا کہتا تھا کہ ابو الحسن نصیبی اپنے اصحاب کے ساتھ ایک ہفتہ بغیر کچھ کھائے حرم میں رہے۔ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص طہارت کی غرض سے باہر چلا۔ راستے میں خربوزہ کا چھلکا دیکھا اس کو اٹھا کر کھا لیا۔ کسی آدمی نے اس کو چھلکا کھاتے دیکھ لیا۔ کچھ کھانے کی چیز لے کر اس کے پیچھے پیچھے چلا اور ان سب کے سامنے لا کر وہ کھانا رکھ دیا۔ شیخ ابو الحسن بولے! تم میں سے کس نے یہ گناہ کیا۔ وہ شخص بولا کہ میں نے راستے میں ایک خربوزہ کا چھلکا پایا تھا اس کو کھا لیا۔ یہ سن کر شیخ نے کہا کہ جا اپنے گناہ کے ساتھ کے ساتھ رہ اور یہ کھانا سنبھال۔ یہ کہہ کر حرم سے مع اپنے اصحاب کے چل کھڑے ہوئے۔ وہ شخص بھی پیچھے ہو لیا۔ شیخ اس سے بولے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ اپنے گناہ کے ساتھ رہ۔ اس نے کہا جو کچھ ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے کہا: خیر توبہ کے بعد تو کچھ کلام ہی نہیں۔

بنان بن محمد کہتے ہیں کہ میں مکہ میں مجاور تھا۔ وہیں میں نے ابراہیم خواص کو دیکھا ایک بار مجھ کو کئی دن گزر گئے کہ کہیں سے کچھ نہ آیا مکہ میں ایک حجام تھا۔ جو فقیروں سے محبت رکھتا تھا۔ اور اس کی عادت تھی کہ جب کوئی فقیر اس کے پاس پچھنا لگوانے کے لیے جاتا تو اس کے واسطے

گوشت مول لیا اور پکا کر کھلاتا۔ میں بھی اس حجام کے پاس گیا اور کہا کہ پچھنا لگوانا چاہتا ہوں اس نے گوشت خریدنے کے لئے آدمی بھیجا اور اس کے پکانے کا حکم دیا۔ میں پچھنا لگوانے کو اس کے سامنے بیٹھا۔ میرا نفس مجھ سے کہنے لگا کہ بھلا کیا پچھنوں سے فراغت پانے کے ساتھ گوشت کی ہانڈی بھی پک چکے گی۔ اسی اثنا میں میں چونکا اور کہا: اے نفس! کیا تو اسی واسطے مجھ کو پچھنا لگوانے کے لیے لایا ہے کہ کھانا کھلائے۔ میں خدا تعالیٰ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اس حجام کے کھانے میں سے کچھ نہ چکھوں گا۔ غرض جب فراغت ہوئی میں اٹھ کر چلا۔ حجام کہنے لگا سبحان اللہ! تم میری رسم جانتے ہو۔ میں بولا کہ میں نے عہد کرلیا ہے اور قسم کھالی ہے۔ وہ چپ ہو رہا ہے۔ میں مسجد حرام کی طرف گیا، وہاں بھی مجھ کو کچھ کھانے کی چیز نہ ملی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دن بھر گزر گیا۔ شام تک میں نے کچھ نہ پایا۔ جس وقت میں عصر کی نماز کے لیے کھڑا ہوا تو گر پڑا اور مجھ کو غش آ گیا۔ لوگ میرے گرد جمع ہوئے اور سمجھے کہ میں دیوانہ ہوں۔ ابراہیم خواص آئے اور لوگوں کو ہٹا کر میرے پاس بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کھاؤ گے۔ میں نے کہا: اب تو رات بھی قریب ہے۔ یہ سن کر بولے اے مبتدیو! تم پر آفرین ہے اسی حالت پر ثابت قدم رہو نجات پاؤ گے۔ پھر ابوالحسن اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب ہم عشاء کی نماز پڑھ چکے تو میرے پاس آئے اور اپنے ساتھ ایک مسور کی دال کا پیالہ اور دو روٹیاں اور ایک پانی کا کٹورا لائے اور میرے آگے رکھ کر بولے کہ کھاؤ۔ میں نے وہ دونوں روٹیاں اور مسور کی دال کھالی پھر پوچھا کہ ابھی کچھ بھوکے رہ گئے ہو اور کھاؤ گے؟ میں نے کہا: ہاں! وہ ایک دال کا پیالہ اور دو روٹیاں پھر لائے۔ میں نے ان کو بھی کھالیا اور ان سے کہا کہ بس اب پیٹ بھر گیا۔ کھانا کھا کر میں لیٹ رہا اس رات برابر صبح تک سوتا رہا۔ نہ میں نے نماز پڑھی اور نہ طواف کیا۔ علی روز باری کا قول ہے کہ اگر صوفی پانچ دن کے بعد کہے میں بھوکا ہوں تو اس سے کہو کہ بازار میں رہا کرے اور کوئی کسب کرے۔ احمد صغیر کہتے ہیں، ابو عبداللہ بن خفیف نے مجھ کو حکم دیا کہ روز رات کو دس دانے انگور کے روزہ افطار کرنے کے لیے ان کے پاس لے جایا کروں۔ ایک روز مجھ کو ان پر ترس آیا اور پندرہ دانے لے گیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا تم کو یہ حکم کس نے دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہی دس دانے کھائے اور باقی چھوڑ دیئے۔ ابو عبداللہ

خفیف کہتے ہیں جب میں مبتدی تھا چالیس مہینے اس طرح گزرے کہ ہر رات ایک مٹھی ساگ پر افطار کرتا تھا۔ ایک روز میں نے فصد کھلوائی۔ میری رگ میں سے ماء اللحم کے مشابہ کچھ پانی نکلا اور مجھ کو غش آ گیا۔ فصاد کو حیرت ہوئی اور کہنے لگا کہ میں نے اس شخص کے سوائے کوئی بدن ایسا نہیں دیکھا جس میں خون نہ ہو۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں جو گوشت نہ کھاتے تھے حتیٰ کہ ان میں سے بعض کا مقولہ ہے: ایک درم کی برابر گوشت کھانے سے چالیس روز تک دل سخت رہتا ہے۔ اور بعض ایسے ہوئے ہیں جو ہر ایک عمدہ کھانے سے باز رہتے تھے اور اس حدیث سے حجت پکڑتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے نفس کو عمدہ کھانے سے محروم رکھو کیوں کہ اسی کی وجہ سے شیطان کو رگوں میں دوڑنے کی قوت حاصل ہوتی ہے'' [1] اور بعض ایسے تھے کہ ٹھنڈا پانی پینے سے باز رہتے تھے۔ بعض ایسے ہوئے ہیں کہ پانی کو ایک مٹکے میں بھر کر زمین میں گاڑ دیتے تھے جس سے گرم ہو جاتا تھا اور بعض ایسے گزرے ہیں کہ اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے کھانے کی چیزیں چھوڑ دیتے تھے۔ ابو یزید کہتے ہیں کہ بنی آدم جو کھاتے ہیں اس میں سے چالیس برس تک میں نے کچھ نہیں کھایا اور بہت آسان برتاؤ جو میں نے اپنے نفس سے کیا یہ ہے کہ ایک بار میں نے اس سے ایک کام کرنے کو کہا اس نے انکار کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ سال بھر تک پانی نہ پیوں گا۔ لہٰذا ایک برس تک پانی نہیں پیا۔ ابو حامد غزالی نے نقل کیا ہے کہ ابو یزید نے کہا: میں نے اپنے نفس کو خدا کی طرف بلایا وہ کچھ کسمسایا۔ اس بات پر میں نے عہد کیا کہ سال تک نہ پانی پیوں گا نہ سوؤں گا۔ میں نے اس عہد کو پورا کیا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابو طالب مکی نے صوفیہ کے لیے کھانے میں کچھ ترتیب مقرر کی

[1] اس میں بزیع ابو الخلیل البصری راوی ضعیف ہے۔ فردوس الاخبار: ۱/ ۱۳۵، رقم ۳۲۱۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ۲/ ۲۴۰، کتاب الاطعمۃ: الفصل الاول، رقم ۲۶۔ کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۳/ ۳۰، کتاب الاطعمۃ، باب ترک الطیبات، میں ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ (ھذا حدیث موضوع علی رسول اللہ)

ہے اور کہا ہے مرید کے لیے مستحب ہے کہ دن اور رات میں دو روٹی سے زیادہ نہ کھائے۔
ابو طالب کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے گزرے ہیں جو تدبیر نکال کر اپنی خوراک کم کر دیتے تھے۔ بعض ایسے تھے کہ کھجور کی جڑ لے کر اس سے اپنی خوراک تولتے تھے۔ وہ جڑ ہر روز تھوڑی تھوڑی سوکھ کر ہلکی ہوتی رہتی تھی۔ اسی قدر خوراک کم ہو جاتی تھی۔ بعض یہ تدبیر نکالتے تھے کہ ہر روز کھاتے رہتے تھے پھر بتدریج دوسرے دن اسی طرح تیسرے دن کھانے لگے۔ ابو طالب کہتے ہیں کہ بھوک سے دل کا خون کم ہو کر سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے سفید ہو جانے میں نور الٰہی ہے اور بھوک سے دل کی چربی پگھل جاتی ہے۔ اس کے پگھلنے سے دل رقیق ہو جاتا ہے اور دل کا رقیق ہونا کشف کی کنجی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ صوفیہ کے لیے ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ''ریاضۃ النفوس'' رکھا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں کہ مبتدی صوفی کو چاہیے کہ توبہ کے طور پر دو مہینے پے در پے روزے رکھے۔ پھر افطار کرے تو تھوڑا کھانا کھائے اور ذرا ذرا سا لقمہ لے اور ترکاری کو بالکل چھوڑ دے۔ میوے اور لذت کی چیزیں اور بھائیوں میں اٹھنا بیٹھنا اور کتابوں کا مطالعہ ترک کر دے۔ یہ سب چیزیں نفس کو خوش کرنے والی ہیں۔ اور نفس کا اس کی لذت سے باز رہنا اس کو غم سے بھر دیتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بعض متاخرین نے صوفیہ کے لیے چلہ نکالا ہے۔ چالیس روز تک ایک آدمی روٹی نہیں کھاتا لیکن عمدہ عرقیات پیتا ہے اور بہت سے لذیذ میوے کھاتا ہے۔ الغرض یہ تھوڑا سا بیان کھانے کے بارے میں صوفیہ کی زیادتی کرنے کا تھا اور اس قدر مذکور شدہ باقی غیر مذکور پر دلالت کر سکتا ہے۔

فصل

(اس بیان میں کہ افعال مذکورہ کی بابت صوفیہ کو شیطان نے فریب دیا اور اس بارے میں صوفیہ کی خطا کا اظہار)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سہل بن عبداللہ کی نسبت جو کچھ نقل کیا گیا وہ ایک ناجائز فعل ہے کیوں کہ اس میں نفس کو تکلیف مالا یطاق دینا ہوا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو گیہوں کرامت فرمایا اور اس کا چھلکا چار پاؤں کے لیے مقرر کیا۔ خود بھوسہ کھانا اور چوپاؤں کو زحمت

میں ڈالنا زیبا نہیں اور بھوسہ کون سی غذا کی چیز ہے۔ ایسی چیزیں اس قدر مشہور ہیں جن کی تردید کی ضرورت نہیں۔ ابو حامد نے نقل کیا کہ سہل روایت کرتے ہیں جو بھوکا آدمی بھوک کے مارے ناطاقت ہو کر بیٹھ کر نماز پڑھے وہ افضل ہے اس سے کہ کھانے سے قوت پا کر کھڑا ہو کر نماز ادا کرے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ قول محض خطا ہے بلکہ سچ تو یوں ہے کہ جب کھڑے ہونے کی قوت ملی تو وہ کھانا بھی عبادت میں داخل ہوا۔ کیوں کہ اس نے عبادت کے لیے اعانت کی اور جب اس قدر بھوکا رہا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا تو وہ خود اپنے لئے ترک فرائض کا سبب بنا۔ لہٰذا بھوکا رہنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کھانا مردار ہوتا تو یہ حرکت جائز تھی لیکن جب کھانا حلال ملتا ہے تو کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس بھوک میں کون سی قربت ہے جو عبادت کے اوزار بیکار کر دے۔ حداد کا جو یہ قول مذکور ہوا کہ میں دیکھتا ہوں کہ علم غالب ہوتا ہے یقین محض ایک جہالت ہے۔ کیوں کہ یقین اور علم میں باہم مخالفت نہیں۔ علم کا اعلیٰ مرتبہ یقین ہے۔ یہ کون سے یقین اور علم میں داخل ہے کہ وہ کھانا اور پینا جس کی نفس کو ضرورت ہے ترک کر دے۔ حداد نے دراصل علم کا اشارہ تو امر شریعت کی جانب کیا ہے اور یقین کا اشارہ قوت صبر کی طرف ہے حالانکہ یہ نہایت قبیح تخلیط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدعتیں نکالیں اور تشدد کیا۔ یہ لوگ اپنے تشدد میں قریش کے مانند ہیں حتیٰ کہ قریش کا نام تشدد کی وجہ سے حمس پڑ گیا تھا (یعنی دین کے بارے میں سختی کرنے والے) اسی واسطے قریش کا یہ حال تھا کہ اصل کا تو انکار کر بیٹھے اور فرع میں تشدد کیا۔ ذوالنون کا یہ قول کہ تمہارا نمک پسا ہوا ہے تم کو نجات نہ ملے گی نہایت ہی قبیح بات ہے۔ بھلا جو شخص مباح شے کو استعمال میں لائے۔ اس کو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ تم کو نجات نہ ملے گی اور جو کا ستو کھانے سے قولنج کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ ابو سلیمان کا یہ قول کہ مکھن اور شہد ملا کر کھانا اسراف میں داخل ہے، مردود ہے۔ کیوں کہ اسراف شرعی طور پر ممنوع ہے۔ اور کھانے کی شریعت میں اجازت ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو چھوارے سے ملا کر کھایا کرتے تھے'' [1] ''اور شیرینی اور شہد پسند فرماتے تھے۔'' [2] سہل کی نسبت جو ہم نے

---

[1] بخاری: کتاب الاطعمۃ، باب القثاء بالرطب، رقم ۵۴۴۰۔ مسلم: کتاب الاشربۃ، باب اکل القثاء بالرطب، رقم ۵۳۳۰۔ ابوداؤد: کتاب الأطعمۃ: باب فی الجمع بین لونین فی الاکل، رقم ۳۸۳۵۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ: باب ماجاء فی اکل القثاء بالرطب، رقم ۱۸۴۴۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب القثاء والرطب یجمعان، رقم ۳۳۲۵۔ (اگلے صفحہ پر)

بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی عقل اور قوت کے سات ٹکڑے کیے ہیں یہ فعل مذموم ہے قابل تعریف نہیں۔ شریعت نے ایسی حرکت کی اجازت نہیں دی اور قریب قریب حرام ہونے کے ہے۔ کیوں کہ اس میں نفس کی حق تلفی اور اس پر ظلم کرنا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس شخص کا مقولہ جو یوں کہتا ہے کہ میں اس وقت کھاتا ہوں جب مردار میرے لیے مباح ہو جاتا ہے اس شخص نے اپنی پوچ رائے پر عمل کیا اور باوجود حلال ملنے کے نفس کو تکلیف دی۔ ابو یزید کا یہ قول کہ ہماری روزی تو ذکر الٰہی ہے کلام رکیک ہے۔ کیوں کہ بدن کا دار و مدار کھانے کی حاجت پر ہے حتیٰ کہ دوزخی بھی دوزخ میں کھانے کے حاجت مند ہوں گے۔ ابو تراب کا اس صوفی کو خربوزے کا چھلکا کھا لینے پر ملامت کرنا بلاوجہ ہے اور وہ صوفی بھی جو تین دن تک بھوکا رہا شرع کی ملامت سے نہیں بچ سکتا۔ بنان بن محمد نے جو حجامت کے وقت عہد کیا کہ کچھ نہ کھاؤں گا۔ حتیٰ کہ ضعف طاری ہو گیا ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کیا۔ پھر ان سے ابراہیم خواص کا یہ کہنا کہ اے مبتدیو تم پر آفرین ہے محض خطا ہے۔ کیوں کہ ان کو چاہئے کہ ضرور روزہ افطار کرتے۔ خواہ رمضان ہی میں ایسا کیوں نہ ہوتا کہ کئی دن بغیر کھانے کے گزر جاتے اور جو شخص پچھنا لگائے اور اس کو غش آ جائے اس کو روزہ رکھنا جائز بھی نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور وہ پھر بھی افطار نہ کرے اور مر جائے تو دوزخ میں داخل ہوگا۔'' مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن یونس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کو رمضان شریف میں تکلیف پہنچے اور افطار نہ کرے وہ دوزخی ہے۔'' [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابن خفیف کا اس قدر خوراک کم کر دینا فعل قبیح و غیر مستحسن ہے۔ ایسی حکایتوں کو ان لوگوں کی خوبیاں ظاہر کرنے کی غرض سے وہی شخص بیان کرے گا جو

---

[2] (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) بخاری: کتاب الاطعمۃ: باب الحلوی والعسل، رقم ۵۴۳۱۔ مسلم: کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علیٰ من حرم امرأتہ ولم ینو الطلاق، رقم ۳۶۷۹۔

[1] یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں بقیۃ بن الولید متکلم فیہ راوی ہے: تاریخ بغداد: ۱۰/۲۷۰ فی ترجمۃ (۵۳۸۵) عبدالرحمٰن بن یونس السراج: کنز العمال: ۸/۵۲۲، کتاب الصوم، الباب الاول فی صوم الفرض، فصل فی احکام الصوم، رقم ۲۳۹۵۴۔ میزان الاعتدال: ۲/۲۰۱، فی ترجمۃ (۵۰۱۱) عبدالرحمٰن بن یونس۔

اصول شریعت سے ناواقف ہے اور جو شخص علمی لیاقت رکھتا ہے وہ تو بڑے آدمی کا قول سن کر بھی مرعوب نہیں ہوتا۔ بھلا ایک جاہل کے رسمی فعل پر تو کیا التفات کرے گا۔ باقی رہا ان لوگوں کا گوشت نہ کھانا۔ یہ مذہب برہمنوں کا ہے جن کے یہاں جاندار کا ذبح کرنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ بدن کی مصلحتیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اس کو قوی رکھنے کے لیے گوشت کو مباح کر دیا۔ پس گوشت کھانا طاقت بخشتا ہے اور اس کو چھوڑ دینا کمزور بنا دیتا ہے اور بدخلقی پیدا کرتا ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ گوشت کھایا کرتے تھے'' [1] اور بکری کے دست کا گوشت پسند فرمایا کرتے تھے۔ [2] مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے آپ کے سامنے جو گھر میں کھانا پکا تھا وہ رکھ دیا گیا آپ فرمانے لگے ''کیا میں نے وہ تمہاری ہنڈیا نہیں دیکھ لی ہے جو جوش مار رہی ہے۔'' [3] حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہر روز گوشت خریدا کرتے تھے۔

سلف کا عموماً یہی قاعدہ تھا۔ لیکن اگر کوئی ان میں نادار و مفلس ہوتا تو افلاس کے سبب سے گوشت نہیں کھا سکتا تھا اور جو شخص اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے باز رکھے تو مطلقاً یہ بات ٹھیک نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست پر بنایا ہے اور اس کی صحت کو چاروں خلط یعنی خون و بلغم اور سودا و صفرا کے اعتدال پر موقوف رکھا ہے تو کبھی کوئی خلط زیادہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا طبیعت اس چیز کی رغبت کرتی ہے جو اس کو کم کر دے مثلاً صفرا بڑھ جاتا ہے تو طبیعت ترشی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یا بلغم کم ہو جاتا ہے تو طبیعت کو تر چیزوں کی رغبت ہوتی ہے۔ غرض طبیعت میں اس چیز کی خواہش قدرتی طور پر رکھی گئی ہے جو

---

[1] مسند احمد: ۱/ ۴۰۰، ۴۰۳ و ۶/ ۳۴۱۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ: باب ماجاء فی ای اللحم کان احب الی رسول اللہ، رقم ۱۸۳۷۔ مختصر الشمائل المحمدیہ: باب ماجاء فی ادام رسول اللہ، رقم ۱۴۲۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب اطایب اللحم، رقم ۳۳۰۷، ۳۳۰۸۔ شرح السنۃ: ۱۱/ ۲۹۷، کتاب الاطعمۃ باب ما کان یحب من اللحم، رقم ۲۸۵۱۔

[2] بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ (وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ) رقم ۳۳۴۰۔ مسلم: کتاب الایمان، باب ادنیٰ اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، رقم ۴۸۰۔ احمد: ۲/ ۳۳۱۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ باب ماجاء فی ای اللحم کان احب الی رسول اللہ، رقم ۱۸۳۷۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب اطایب اللحم، رقم ۳۳۰۷۔

[3] بخاری: کتاب الاطعمۃ: باب الادم، رقم ۵۴۳۰۔ مسلم: کتاب العتق، باب انما الولاء لمن اعتق، رقم ۳۷۸۶۔ موطا: امام مالک: ۲/ ۵۶۲، کتاب الطلاق باب ماجاء فی الخیار، رقم ۲۵۔ نسائی: کتاب الطلاق، باب خیار الامۃ، رقم ۳۴۷۷۔ مسند احمد: ۶/ ۱۷۸۔

اس کے موافق ہو۔ جب نفس ایسی چیز کی خواہش کرے جس میں اس کی اصلاح ہو اور باز رکھا جائے تو گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کو رد کرنا چاہا۔ علاوہ ازیں بدن پر بھی اس کا اثر پڑے گا اور یہ فعل شرع و عقل کے خلاف ہوا۔ یہ بات معلوم ہے کہ بدن انسان کے لیے ایک سواری ہے جب سواری کے ساتھ نرم برتاؤ نہ کیا جائے گا تو منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔ افسوس ان لوگوں کا علم کم رہا لہٰذا اپنی ناکارہ رایوں سے گفتگوئیں کیں۔ اگر کبھی سند لاتے ہیں تو کوئی ضعیف یا موضوع حدیث پیش کرتے ہیں یا اس میں ان کی سمجھ ردی اور خراب ہوتی ہے۔ مجھ کو تو ابو حامد (غزالی) پر تعجب آتا ہے کہ صوفیوں کے ساتھ فقہ کے رتبہ سے اتر کر ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں جب مرید کا نفس جماع کی خواہش کرے تو اس کو نہ چاہیے کہ کھانا کھا کر اس کو طاقت پہنچائے اور جماع کرے جس سے یہ لازم آئے کہ نفس کی دو خواہشیں پوری کیں اور نفس اس پر غالب آ جائے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ قول نہایت قبیح ہے۔ کیوں کہ سالن بھی کھانے سے زیادہ ایک خواہش ہے۔ لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ سالن بھی نہ کھائے اور پانی بھی ایک دوسری خواہش ہے۔ بھلا کیا صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ ''رسول اللہ ﷺ ایک غسل سے تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔'' [1] پھر آپ نے ایک ہی خواہش پر اقتصار کیوں نہ فرمایا۔ بھلا کیا صحیحین میں یہ حدیث نہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ ککڑی کو چھوارے سے ملا کر کھایا کرتے تھے۔'' [2] یہ بھی دو خواہشیں ہیں۔ بھلا کیا رسول اللہ ﷺ نے ابو الہیثم بن تیہان کے یہاں روٹی اور بھنا ہوا گوشت اور گدرائے ہوئے چھوارے نہیں کھائے اور ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ثوری گوشت، انگور اور فالودہ کھایا کرتے تھے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ بھلا کیا گھوڑے کو جو اور بھوسہ اور روٹی کے ٹکڑے نہیں کھلاتے اور گیہوں چنے اونٹ کو نہیں دیتے۔ بدن بھی بمنزلہ اونٹ کے ہے۔ متقدمین نے ایک ساتھ ہمیشہ دو سالن کھانے سے اس لیے منع کیا ہے تاکہ عادت نہ پڑ جائے اور آخر کو تکلیف ہو۔ فقط فضول خواہشوں سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ صوفیہ نے اس حدیث سے جو

---

[1] بخاری: کتاب النکاح، باب من طاف علیٰ نسائہ فی غسل واحد، رقم ۵۲۱۵۔ مسلم: کتاب الحیض، باب جواز نوم الجنب، رقم ۷۰۸۔ ترمذی: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی الرجل، یطوف علی نسائہ بغسل واحد ۱۴۰۔ ابوداؤد: کتاب الطھارۃ، باب فی الجنب یعود، رقم ۲۱۸۔ نسائی: کتاب الطھارۃ، باب النساء قبل احداث الغسل رقم ۲۶۴۔

[2] بخاری: رقم ۵۴۴۰ و مسلم: رقم ۵۳۳۰۔

حجت پکڑی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنے نفسوں کو عمدہ کھانے سے محروم رکھو تو یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے۔ انسان جب صرف جو کی روٹی اور موٹا پسا ہو نمک کھائے گا تو اس کا مزاج پھر جائے گا۔ کیوں کہ جو کی روٹی خشک اور خشکی پیدا کرنے والی ہے اور نمک خشک او رقابض ہے۔ جو دماغ اور بینائی کو ضرر پہنچاتا ہے۔ کم غذا معدہ کے سمٹ جانے اور تنگی کا سبب بنتی ہے۔ یوسف ہمدانی اپنے شیخ عبداللہ حوفی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بغیر سالن کے بلوط کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ ان کے اصحاب درخواست کیا کرتے تھے کہ کچھ روغنی اور چکنی روٹی کھائیں وہ قبول نہ کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ کھانا سخت قولنج پیدا کرتا ہے۔

جاننا چاہیے، مذموم کھانا صرف یہ ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھایا جائے۔ اور کھانے کی نسبت عمدہ ادب یہ ہے جو شارع ﷺ نے تعلیم کیا۔ یحییٰ بن جابر طائی سے مروی ہے کہ میں نے مقدام بن معدیکرب سے سنا کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے برا برتن جس کو آدمی بھرتا ہے وہ پیٹ ہے۔ فرزند آدم کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا رکھیں اور اگر مجبوری ہی آپڑے تو ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لیے رکھے۔" [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شارع نے اس قدر کھانے کا حکم دیا ہے جو نفس کو قائم رکھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: شارع علیہ السلام کی اس تہائی تقسیم کو اگر بقراط بھی سن لیتا تو یہ حکمت دیکھ کر حیران رہ جاتا کیوں کہ کھانا اور پانی معدے میں جا کر پھولتے ہیں اور اس کے بھر دینے کے قریب ہو جاتے ہیں اور تہائی کے قریب سانس کے لیے رہ جاتا ہے۔ یہ تقسیم نہایت اعتدال پر واقع ہوئی ہے۔ اگر اس سے تھوڑا سا کم ہو جائے تو کچھ مضر نہیں اور اگر بہت ہی کمی کرے تو قوت میں ضعف آجائے اور کھانے کے منفذ تنگ ہو جائیں گے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ صوفیہ فقط مبتدیوں اور جوانوں کو غذا کم کرنے کا حکم

[1] ترمذی: کتاب الزہد، باب ماجاء فی کراھیۃ کثرۃ الاکل، رقم ۲۳۸۰۔ ابن ماجۃ: کتاب الاطعمۃ، باب الاقتصاد فی الاکل وکراھیۃ الشبع، رقم ۳۳۴۹۔ نسائی (فی الکبریٰ) ۴/۱۷۷، کتاب آداب الاکل: باب ذکر قدر الذی یستحب للانسان من الاکل، رقم ۶۷۶۸، ۶۷۶۹، ۶۷۷۰۔ مستدرک الحاکم ۴/۱۳۵، کتاب الاطعمۃ، رقم ۷۱۳۹۔ احمد ۴/۱۳۲۔

کرتے ہیں۔ حالانکہ جوانوں کے حق میں سب سے زیادہ ضرر رساں چیز بھوک ہے۔ کیوں کہ بوڑھے اور ادھیڑ آدمی تو بھوک پر صبر کر سکتے ہیں۔ مگر نوجوان ہرگز صابر نہیں ہو سکتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جوانی کی حرارت تیز ہوتی ہے۔ لہٰذا ہضم عمدہ ہوتا ہے اور ان کی کشادگی زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس طرح بڑے چراغ میں زیادہ تیل کی حاجت ہوتی ہے۔ اس حالت میں جب کہ جوان آدمی بھوک پر صبر کریں گے اور آغاز ترقی میں اس کو ثابت رکھیں گے تو اپنے نفس کی نشو ونما کو روکیں گے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دیواروں کی جڑ کھودنے لگے۔ علاوہ ازیں معدہ جب غذا نہ پائے تو بدن میں جو فضولیات جمع ہیں ان کے لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا اور خلطوں کو اپنی غذا بنائے گا جس سے جسم اور ذہن خراب ہو جائے گا۔ یہ بیان بہت بڑی اصل ہے۔ جس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: علما نے اس کم خوراک کا ذکر کیا ہے جو بدن کو ضعیف کر دے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے عقبہ بن مکرم نے کہا: یہ لوگ جو کم کھاتے ہیں اور اپنی خوراک تھوڑی کرتے ہیں مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا ہے کہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے ایسا کیا تھا آخر ادائے فرض سے عاجز رہ گئے۔ اسحاق بن داؤد بن صبیح نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے ذکر کیا کہ اے ابوسعید! ہمارے شہر میں ان صوفیہ کی ایک جماعت ہے۔ وہ بولے کہ ان کے قریب نہ جانا کیوں کہ میں نے ان لوگوں میں سے کچھ ایسے دیکھے ہیں جو صوفی بن کر دیوانے ہو گئے اور بعض ایسے دیکھے کہ زندیق بن گئے۔ پھر بولے کہ ایک بار سفیان ثوری سفر کو چلے میں ان کو پہنچانے کے لیے کچھ دور گیا۔ ان کے ساتھ دستر خوان تھا جس میں فالودہ اور بکری کا گوشت تھا۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی آدمی نے کہا کہ مجھ کو پندرہ برس سے شیطان دھوکا دے رہا ہے اور بعض اوقات مجھ کو وسوسہ ہوتا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی ذات میں فکر دوڑانے لگتا ہوں۔ امام بولے کہ شاید تو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے اس کو افطار کر اور چکنی چیزیں کھایا کر اور واعظوں کے پاس بیٹھا کر۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو خراب اور ردی کھانا کھاتے ہیں اور

چکنا چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے معدے میں اخلاط فاسد ہوتے ہیں۔ معدہ ایک مدت تک ان خلطوں کو غذا بناتا رہتا ہے۔ کیوں کہ معدہ کے لیے ایسی چیز ضرور ہونی چاہیے جس کو وہ ہضم کرے۔ جو کھانا اس میں موجود تھا جب اس کو ہضم کر چکا اور پھر کچھ نہ پایا تو خلطوں کو لے کر ہضم کرتا ہے اور ان کو غذا بناتا ہے اور یہ خراب غذا وسواس وجنون و بداخلاقی کا باعث ہوتی ہے اور یہ کم خوراک بنانے والے لوگ کم خوراک کے ساتھ اور خراب کھانے بھی کھاتے ہیں جس سے ان کے اخلاط فاسدہ زیادہ ہوتے ہیں اور معدہ ان اخلاط کے ہضم کرنے میں مشغول رہتا ہے اور یہ لوگ بتدریج کم کھانے کی عادت ڈالتے ہیں اور معدہ کو تنگ کرتے ہیں اور پھر کھانے سے باز رہنے کو کرامت خیال کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ اصلی سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

عبدالمنعم بن عبدالکریم نے کہا: میرے باپ نے بیان کیا کہ ایک عورت بہت بڑھیا تھی، اس سے کسی نے اس کی گزشتہ حالت دریافت کی، کہنے لگی کہ جوانی کے عالم میں اپنے آپ ایسی حالتیں پاتی تھی جو حالت کی طاقت سے زیادہ تھیں۔ جب میں بڑی ہوئی تو وہ سب حالت مجھ سے زائل ہو گئی۔ لہٰذا مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ جوانی کی قوت تھی جس پر مجھ کو احوال کا توہم ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابو علی دقاق سے سنا تھا، کہتے تھے اس عورت کا قصہ جو شیخ سنے گا وہ اس بڑھیا پر رحم کرے گا اور کہتے تھے کہ یہ بڑھیا منصف تھی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کوئی کہے کہ تم خوراک کم کرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے روایت کیا ہے عمر رضی اللہ عنہ ہر روز گیارہ لقمے کھایا کرتے تھے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ ایک ہفتہ تک بغیر کچھ کھائے ہوئے رہتے تھے اور ابراہیم تیمی دو مہینے تک بھوکے رہے (جواب) یہ ہے کہ بعض وقتوں میں انسان کو اس قسم کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اس پر مداومت نہیں کرتا اور اس میں ترقی نہیں چاہتا۔ سلف میں بعض ایسے تھے جو پرہیز وغیرہ کی وجہ سے بھوکے رہتے تھے ان کو صبر کی عادت ہو گئی تھی اور ان کے بدن کو کچھ ضرر نہ پہنچتا تھا۔ عرب میں ایسے لوگ ہیں جو کئی کئی دن تک صرف دودھ پی کر رہتے ہیں اور یہ حکم نہیں دیتے کہ خوب پیٹ بھر کر کھائے۔ بلکہ اس بھوک سے منع کرتے ہیں جو قوت کو ضعیف کر دے اور بدن کو تکلیف پہنچائے اور جب بدن ضعیف ہو جائے گا تو عبادت میں کمی واقع ہو گی اور اگر جوانی کی قوت پر حملہ کیا جائے گا تو بڑھاپا

آ جائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ بدن جو سواری ہے خراب ہو جائے گا۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے صداع بھر کر چھوارے ڈال دیئے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھاتے تھے حتیٰ کہ بہت خراب چھوارے بھی کھا جاتے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ انہوں نے مکھن، شہد اور سفید خمیری روٹی خریدی۔ کسی نے کہا کہ آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں۔ جواب دیا کہ جب ہم کو میسر آتا ہے تو مَردوں کا کھانا کھاتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو مَردوں کی طرح صبر کرتے ہیں۔

فصل

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: باقی رہا صاف پانی پینا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔ جابر بن عبداللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی ایک جماعت میں ایک مریض کی عیادت کو تشریف لائے اور پانی مانگا۔ وہاں ایک حوض قریب تھا۔ فرمایا: ''اگر تمہارے یہاں مشکیزہ میں رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو لاؤ۔ ورنہ پھر یہی حوض کا پانی پی لیں گے۔'' [1] یہ حدیث بخاری میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حوض میں سے شیریں پانی لایا جاتا تھا۔ [2] مصنف رحمہ اللہ نے کہا: یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ گدلا پانی گردہ میں سنگریزہ اور جگر میں سدّہ پیدا کرتا ہے اور ٹھنڈا پانی اگر اس کی برودت معتدل ہو تو معدہ کو مضبوط اور شہوت کو قوی اور رنگ کو خوب صورت کرتا ہے اور خون میں عفونت نہیں آنے دیتا۔ بخارات کو دماغ کی جانب چڑھ جانے سے باز رکھتا ہے اور تندرستی کی محافظت کرتا ہے اور جب پانی گرم ہوتا ہے تو ہضم کو خراب کر دیتا ہے غفلت و سستی لاتا ہے، بدن کو لاغر کرتا ہے۔ جلندھر اور دق کی بیماری پر نوبت پہنچ جاتی ہے، اور اگر آفتاب کے ذریعہ سے پانی گرم کیا جائے تو جذام کے عارضہ کا خوف ہے۔

بعض زاہدوں کا قول ہے کہ تم عمدہ کھانا کھاؤ گے پانی پیو گے تو موت کو کب پسند کرو

---

[1] بخاری: کتاب الاشربۃ: باب الکرع فی الحوض، رقم ۵۶۲۱۔ ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی الکرع، رقم ۳۷۲۴۔ سنن الداری: ۱/۵۵۵، کتاب الاشربۃ، باب فی الذی یکرع فی النہر، رقم ۲۰۴۸۔ ابن ماجۃ: کتاب الاشربۃ، باب الشرب بالاکف والکرع، رقم ۳۴۳۲۔ مسند احمد: ۳/۳۲۸۔ [2] ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب فی ایکاء الآنیۃ، رقم ۳۷۳۵۔ احمد: ۶/۱۰۰، ۱۰۸۔ مستدرک الحاکم: ۴/۱۵۴، کتاب الاشربۃ، رقم ۷۲۰۴۔

گے۔ابو خلیل طوسی کہتے ہیں جب انسان مزے دار چیزیں کھائے گا تو اس کا دل سخت ہو جائے گا اور موت سے نفرت کرے گا اور جس وقت اپنے نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے گا اور لذتوں سے محروم رکھے گا تو اس کا نفس یہ آفتیں اٹھا کر موت کا خواہش مند ہوگا۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سخت تعجب ہے کہ فقیہ آدمی کیونکر ایسی باتیں کرتا ہے۔کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر نفس کو کسی قسم کے عذاب میں ڈال دیا جائے تو وہ موت کو پسند کرے گا۔علاوہ ازیں ہمارے لیے کیونکر جائز ہے کہ نفس کو عذاب میں گرفتار کریں۔اللہ تعالیٰ کا تو حکم ہے ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [1] "یعنی تم اپنے نفسوں کو مار نہ ڈالو" اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ یہ نرمی کی ہے کہ سفر میں روزہ افطار کر لینے پر ہم سے رضا مندی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [2] "یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا" پھر دیکھنا چاہیے کہ بھلا کیا نفس ہمارے لیے ایسی سواری نہیں ہے جس کے ذریعہ سے ہم منزل پر پہنچتے ہیں۔کسی کا شعر ہے:

وَكَيْفَ لَا نَاْوِیْ لَهَا وَهِيَ الَّتِيْ ... بِهَا قَطَعْنَا السَّهْلَ وَالْحُزُوْنَا

"ہم اپنی اونٹنی کو اچھی طرح کیوں نہ رکھیں، اسی سے تو ہم نرم و سخت زمین طے کرتے ہیں۔"

ابو یزید کا سال بھر تک پانی چھوڑ کر اپنے نفس کو عذاب میں ڈالنا ایک مذموم حالت ہے۔ان باتوں کو صرف جاہل لوگ اچھا جانتے ہیں۔مذموم اس وجہ سے ہے کہ نفس کا ہم پر ایک حق ہے اور حق دار کا حق ادا نہ کرنا ظلم ہے۔انسان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دے اور گرمی میں دھوپ میں اس قدر بیٹھے کہ تکلیف ہو اور جاڑے میں برف میں بیٹھے۔پانی کا خاصہ ہے کہ بدن میں اصلی رطوبتوں کی محافظت کرتا ہے اور غذا کو اس کے مقام پر پہنچاتا ہے اور نفس کا مدار غذا پر ہے۔جب اس کو آدمیوں کی غذا ملی اور پانی نہ دیا گیا تو گویا اس پر حملہ کیا اور بڑی بھاری خطا ہے۔علیٰ ہذا القیاس ابو یزید کا اپنے نفس کو خواب سے باز رکھنا۔

ابن عقیل کہتے ہیں لوگوں کے لیے یہ امر جائز نہیں کہ اپنے جی سے سزائیں قائم کریں اور ان سزاؤں کو پورا کریں۔دلیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا اپنے لیے خود حدِ شرع قائم کر لینا

[1] ۴/النساء:۲۹۔ [2] ۲/البقرہ:۱۸۵۔

کافی نہیں اور اگر ایسا کر گزرے تو امام اُس حدّ کا اعادہ کرے گا۔ یہ نفوس اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ حتیٰ کہ مالدار آدمیوں کے لیے مال میں تصرف کرنا علی الاطلاق نہیں بلکہ خاص صورتوں میں رکھا گیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم نے ہجرت کی حدیث میں روایت کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زادِ سفر کھانا پانی لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے کے سایہ میں بچھونا بچھایا اور ایک پیالہ میں آپ کے واسطے دودھ دوہا۔ پھر اس پیالہ پر پانی چھوڑا۔ حتیٰ کہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔'' [1] یہ سب باتیں نفس کے ساتھ نرمی کرنے کی ہیں۔ ابو طالب نے جو ترتیب مقرر کی ہے وہ نفس پر حملہ کرنا ہے تاکہ وہ ضعیف ہو جائے۔ بھوک فقط اسی وقت تک اچھی ہے جب ایک مقدار پر ہو۔ باقی رہا مکاشفہ کا ذکر تو یہ ایک خیالی بات ہے۔ ترمذی نے جو کچھ تصنیف کیا ہے تو گویا اپنی رائے فاسد سے ایک نئی شریعت نکالی ہے۔ توبہ کے وقت پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی کیا وجہ ہے اور میوے جو مباح ہیں ان کے چھوڑ دینے کیا فائدہ ہے اور جب انسان کتابوں کا مطالعہ نہ کرے گا تو کس سیرت کا اتباع کرے گا اور چلّہ جو نکالا ہے محض خیالی مضمون ہے۔ جس کا مدار ایک بے اصل حدیث پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی چالیس روز تک خدا تعالیٰ کے ساتھ اخلاص رکھے گا تو یوں ہو گا۔'' [2] ہم پوچھتے ہیں کہ اخلاص تو ہمیشہ واجب ہے۔ چالیس روز کی قید لگانے کی کیا وجہ ہے۔ پھر اگر ہم اس کو مان بھی لیں تو اخلاص ایک دل کا عمل ہے۔ کھانے میں کیا قباحت ہے۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ میووں کا کھا لینا اچھا ہو گیا اور روٹی سے باز رکھا گیا۔ یہ سب باتیں جہالت کی نہیں تو کیا ہیں۔

عبدالمنعم بن عبدالکریم قشیری نے کہا کہ میرے باپ نے بیان کیا کہ صوفیہ کی جمتیں ہر ایک

---

[1] بخاری: کتاب المناقب: باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم ۳۶۱۵۔ مسلم: کتاب الزہد، باب فی حدیث الہجرۃ، رقم ۷۵۲۱۔ دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۴۷۶، خروج النبی مع صاحبہ ابی بکرؓ۔

[2] موضوعات ابن الجوزی: ۳/ ۱۴۴، ۱۴۵، باب من اخلص للہ اربعین صباحا۔ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ: ۲/ ۳۰۵، کتاب الادب والزہد والرقائق، رقم ۸۲۔ اللآلی المصنوعۃ: ۲/ ۳۲۷۔ ۳۲۸ کتاب الادب والزہد تفسیر الدرّ المنثور: / ۶۱۹، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت (۲۶۹)۔ حلیۃ الاولیاء: ۵/ ۲۱۵، رقم ۶۸۷۹ فی ترجمۃ (۳۱۶) مکحول الشامی، سلسلہ احادیث ضعیفۃ: ۱/ ۵۵، ۵۶، رقم ۳۸۔

سے ظاہر تر ہیں اور ان کے مذہب کے قواعد ہر ایک مذہب کے قواعد سے زیادہ قوی ہیں۔ کیوں کہ لوگ یا تو اہل نقل وحدیث ہیں اور یا اہل عقل وفکر اور اس گروہ کے مشائخ ان سب سے ترقی کر گئے ہیں جو چیز لوگوں کے لیے غیب ہے وہ صوفیہ کے لیے ظہور ہے۔ لہٰذا صوفیہ اہل وصال ہیں اور لوگ اہل استدلال۔ پس ان کے ارادت مند کو چاہیے کہ تعلقات کو قطع کر دے اول مال سے علیحدہ ہو جائے، پھر جاہ ومرتبہ چھوڑ دے، اور جب تک خواب کا غلبہ نہ ہو آرام نہ کرے اور اپنی غذا کو آہستہ آہستہ کم کرے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جس کسی کو ذرا سی سمجھ بھی ہوگی وہ جان لے گا کہ یہ کلام محض تخلیط ہے۔ کیوں کہ جو شخص عقل ونقل دونوں ہی سے الگ ہو گیا ہو آدمیوں کے شمار سے خارج ہے اور خلقت میں جو کوئی ہے وہ صاحب استدلال ہی ہے اور وصال کا ذکر کرنا خیالی پلاؤ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان مریدوں اور پیروں کی تخلیط سے محفوظ رکھے۔

فصل، ان حدیثوں کا بیان جن سے صوفیہ کے افعال خطا ثابت ہوتے ہیں

سعید بن میسب نے کہا: عثمان بن مظعون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں کچھ باتیں آئی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ جب تک آپ سے تذکرہ نہ کرلوں کوئی نیا کام کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے جی میں کیا آتا ہے۔ عرض کیا، میرے جی میں یہ آتا ہے کہ خصی ہو جاؤں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو، اور سنو، میری امت کا خصی ہونا روزہ ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ پہاڑوں میں جا بیٹھوں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو، سنو، میری امت کی رہبانیت یہ ہے کہ مسجدوں میں بیٹھے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کریں۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ زمین پر سیاحی کروں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو، سنو، میری امت کی سیاحی خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور حج اور عمرہ ہے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ اپنے تمام مال سے علیحدہ ہو جاؤں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو سنو، تمہارا ہر روز

صدقہ دینا، اپنے نفس اور بال بچوں کی پرورش کرنا اور مسکین و یتیم پر رحم کرنا، ان کو کھانا کھلانا اس فعل سے افضل ہے۔ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بی بی خولہ کو طلاق دے دوں اور چھوڑ دوں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو سنو، میری امت کی ہجرت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے چھوڑ دے، یا میری زندگی میں ہجرت کر کے میرے پاس آئے، یا میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے، یا اپنے مرنے کے بعد ایک یا دو یا تین یا چار بیبیاں چھوڑ جائے۔ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ اپنی بیوی سے قربت نہ کروں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو، سنو، مسلمان آدمی جب اپنی منکوحہ سے قربت کرتا ہے تو اگر بر تقدیر اس صحبت سے لڑکا نہ ہوا تو اس کو بہشت میں ایک کنیز ملے گی اگر لڑکا ہوا مگر اس سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اس کا پیشرو اور شفیع ہو گا اور اگر اس کے بعد وہ لڑکا زندہ رہا تو قیامت میں اس کے لیے نور ہو گا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ گوشت نہ کھاؤں۔ فرمایا: اے عثمان! ذرا ٹھہرو سنو، مجھ کو گوشت مرغوب ہے اور جب ملتا ہے کھاتا ہوں اور اگر میں اپنے پروردگار سے سوال کروں کہ ہر روز مجھ کو گوشت کھلائے تو ضرور کھلایا کرے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے جی میں آتا ہے کہ خوشبو نہ لگاؤں۔ فرمایا: اے عثمان! ٹھہرو، سنو، جبریلؑ مجھے گاہے گاہے خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے اور جمعہ کے روز تو اس کو ترک ہی نہیں کرتا۔ اے عثمان! میرے طریقہ سے منہ نہ موڑو۔ جو شخص میری سنت سے پھر گیا اور اسی حالت میں بغیر توبہ کیے مر گیا فرشتے اس کا منہ میرے حوض سے پھیر دیں گے۔'' [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حدیث عمیر بن مرداس کی روایت سے ہے۔

ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بی بی ایک بار رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئیں۔ ازواج مطہرات نے ان کو کثیف حالت میں دیکھا، ان سے کہنے لگیں تم کو کیا ہو گیا تمہارے شوہر سے مال دار تو قریش میں کوئی نہیں ہے۔ وہ بولیں کہ ہم کو اس شخص سے کوئی نفع نہیں۔ رات بھر نماز پڑھتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ ازواج نے

---

[1] اس میں علی بن زید بن جدعان اور القاسم بن عبداللہ بن عمر العمری دونوں ضعیف ہیں۔ کتاب نوادر الاصول لحکیم الترمذی: ۱/ ۳۴۶، الاصل الثانی والخمسون والمئتان فی اخلاق المعرفۃ عن سعید بن المسیبؒ۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: اے عثمان رضی اللہ عنہ! کیا تم میری پیروی نہیں کرتے۔ عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ قربان ہوں کیا بات ہے۔ فرمایا: ''تم دن بھر روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں ایسا کرتا ہوں۔ فرمایا: ایسا نہ کرو۔ کیوں کہ تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بی بی کا تم پر حق ہے۔ لہٰذا نماز بھی پڑھو اور خواب بھی کرو اور روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو۔'' [1]

ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون ایک حجرہ میں بیٹھ کر عبادت کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی، آپ تشریف لائے اور جس حجرہ میں عثمان رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اس کے دروازہ کے دونوں بازو تھام کر کھڑے رہے اور فرمایا: ''اے عثمان رضی اللہ عنہ! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے لیے نہیں بھیجا دو یا تین بار آپ نے یہی جملہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر دین ملت ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔'' [2]

کہمس ہلالی کہتے ہیں میں مسلمان ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی۔ پھر سال بھر تک آپ سے جدا رہا۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہوا اور اس وقت میں لاغر ہو گیا تھا اور میرا جسم بالکل نزار (کمزور) تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سر سے پاؤں تک مجھ کو دیکھا میں نے عرض کیا کیا آپ مجھ کو نہیں پہچانتے۔ فرمایا تم کون ہو۔ میں نے عرض کیا کہمس ہلالی ہوں۔ فرمایا تمہارا یہ حال کیوں ہو گیا۔ میں نے عرض کیا، جب سے آپ ﷺ سے جدا ہوا دن کو کبھی بے روزہ نہیں رہا اور رات کو خواب نہیں کیا۔ فرمایا: تم کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے نفس کو عذاب میں ڈالو۔ پس پورے رمضان بھر اور ہر مہینے ایک روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا، میرے لیے کچھ اور زیادہ کر دیجیے۔ فرمایا: پورے رمضان بھر اور ہر مہینے تین روزے رکھا کرو۔ [3]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب ما یؤمر بہ من القصد فی الصلاۃ، رقم ۱۳۶۹۔ دارمی: ۲/ ۵۷۰، کتاب النکاح، باب النہی عن التبتل، رقم ۲۰۹۲۔ مسند احمد: ۶/ ۱۰۶۔ صحیح موارد الظمآن: ۱/ ۵۱۶، کتاب النکاح، باب فی حق المرأۃ علی الزوج، رقم ۱۰۷۴، ۱۲۸۷۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۰۲ فی ترجمۃ (۶۹) عثمان بن مظعون۔ ارواء الغلیل: ۷/ ۷۸، رقم 2015۔

[2] طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۰۲ فی ترجمۃ (۶۹) عثمان بن مظعون۔ ابونعیم فی اخبار اصفہان: ۲/ ۲۴۵، فی ذکر خبر محمد بن احمد بن تمیم۔ سلسلۂ احادیث صحیحہ: ۴/ ۳۸۶، تحت تخریج حدیث، رقم ۱۷۸۲۔

ایوب رحمۃ اللہ علیہ نے ابوقلابہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے عورتوں کی صحبت اور گوشت کھانے سے پرہیز اختیار کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر اس بارے میں سخت وعید فرمائی اور ارشاد فرمایا: اگر میں اس بارے میں پہلے تم کو ہدایت کر چکا ہوتا تو آج تم پر سختی کرتا۔ پھر فرمایا: میں رہبانیت دے کر خدا کی طرف سے نہیں بھیجا گیا ہوں اچھا دین ملت ابراہیم ہے جو خالص اور آسان ہے۔ [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دوسری حدیث میں ہم روایت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندے پر کھانے اور پینے میں اپنی نعمت کا اثر دیکھے۔ [2] بکر بن عبداللہ کا قول ہے کہ جس شخص کو مال خیر عطا ہوا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار کیا تو اس شخص کا نام حبیب اللہ اور اس کی نعمت کا ذکر کرنے والا رکھا جائے گا اور جس کو مال خیر ملا اور اس نے اپنے اوپر اس کا اظہار نہ کیا اس کا نام بغیض اللہ اور اس کی نعمت سے دشمنی رکھنے والا پڑے گا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حد سے زیادہ خوراک کم کر دینا جس سے ہم کو شریعت نے منع کیا ہے۔ ہمارے زمانہ کے صوفیہ میں اس کے برعکس مضمون ہے۔ جس طرح متقدمین صوفیہ کی ہمت بھوک اور فاقہ کی طرف مبذول تھی اسی طرح ان کی ساری ہمت کھانے کی طرف مبذول ہے۔ ان لوگوں کو صدقہ کے کثیف اور میلے مال کی بدولت صبح و شام کا کھانا اور شیرینی حاصل ہے۔ انہوں نے دنیا کے کاروبار کسب و حرفت سب چھوڑ دیئے، اور عبادت سے منہ پھیر لیا اور بطالت کا فرش بچھا لیا۔ ان میں سے اکثر کی ہمت کھانے اور کھیلنے کی جانب متوجہ ہے۔ اگر ان

---

[3] (پچھلے صفحہ کا حاشیہ) [ضعیف] ابوداؤد: کتاب الصوم، باب فی صوم اشہر الحرام، رقم ۲۴۲۸۔ ابن ماجہ: کتاب الصیام، باب صیام اشہر الحرام، رقم ۱۷۴۱۔ مسند احمد: ۵/ ۲۸۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۲/ ۱۳۹، کتاب الصیام، باب صوم یوم من الشہر، رقم ۲۷۴۳۔ اور دیکھئے ضعیف سنن ابن ماجہ: ص ۱۳۴، رقم ۳۳۸، ۱۷۶۸۔

[1] اخبار اصفہان: ۲/ ۲۴۵، فی ترجمۃ محمد بن احمد۔ طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۹۲، فی ترجمۃ (۶۹) عثمان بن مظعون کنز العمال: ۳/ ۴۷ فی الاقتصاد والرفق فی الاعمال، رقم ۵۴۲۲۔

[2] ضعیف ہے کیونکہ ابن جدعان نے اس کو مرسل بیان کیا ہے۔ جمع الجوامع، رقم ۱۸۹۸، ۱۸۹۹۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۲/ ۲۷۸، رقم ۱۸۹۹۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۲/ ۱۱۶، رقم ۱۷۱۵۔

کے ساتھ کوئی شخص احسان کرے تو کہتے ہیں شکریہ ادا کر، اور اگر کچھ برائی کر دے تو کہتے ہیں توبہ کر اور اس قصور کے عوض میں جو کچھ اس پر لازم کرتے ہیں اس کو واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ جس چیز کو شریعت نے واجب قرار نہیں دیا اس کو واجب کہنا گناہ ہے۔

محمد بن عبدوس سراج بغدادی کہتے ہیں ایک بار بصرہ میں ابو مرحوم واعظ کھڑے ہو کر وعظ کہنے لگے حتیٰ کہ اپنے بیان سے لوگوں کو رلایا۔ جب وعظ سے فراغت پائی تو کہنے لگے ہم کو خدا کی راہ میں کون شخص چاول کھلائے گا۔ مجلس میں سے ایک جوان آدمی اٹھ کر بولا کہ میں یہ خدمت بجا لاؤں گا۔ ابو مرحوم نے کہا: بیٹھو، خدا تم پر رحم کرے ہم کو تمہارا رتبہ معلوم ہو گیا۔ وہ نوجوان دوبارہ اٹھ کر بولا۔ ابو مرحوم نے کہا: بیٹھو، خدا تم پر رحم کرے ہم کو تمہارا منصب معلوم ہو گیا۔ پھر تیسری بار وہ جوان اٹھ کر بولا۔ ابو مرحوم نے اپنے اصحاب سے کہا، اٹھو، ہمارے ساتھ اس شخص کے یہاں چلو ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس جوان کے مکان پر آئے۔ وہ جوان بیان کرتا ہے کہ ہم ایک ہنڈیا ساگ کی لائے اور بغیر نمک کے اس کو کھایا، پھر ابو مرحوم بولے، میرے پاس ایک پانچ بالشت کا لمبا چوڑا دستر خوان اور پانچ پیمانے چاول یعنی بھات اور پانچ سیر گھی اور دس سیر شکر اور پانچ سیر بادام اور پانچ سیر پستہ لے آؤ۔ یہ سب چیزیں حاضر کی گئیں۔ ابو مرحوم اپنے ساتھیوں سے بولے بھائیو! دنیا کیسی ہو رہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے۔ ابو مرحوم نے کہا: اب دنیا میں بھی اس کی نہریں جاری کر دو۔ یہ کہہ کر وہ گھی منگایا گیا اور چاولوں میں بہایا گیا۔ پھر ابو مرحوم اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر بولے، بھائیو! دنیا کیسی ہو رہی ہے: انہوں نے کہا: اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری ہیں۔ بولے، بھائیو! دنیا میں اس کے درخت بھی لگا دو۔ یہ کہہ کر وہ بادام اور پستہ منگایا اور چاولوں میں ڈال دیا گیا۔ پھر ابو مرحوم اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، بھائیو! دنیا میں اس کے پتھر پھینک دو۔ یہ کہہ کر وہ شکر لا کر اس میں ڈالی گئی۔ پھر ابو مرحوم اپنے ساتھ والوں سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو! دنیا کیسی ہو رہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا رنگ چمک رہا ہے اور اس کا آفتاب روشن ہے اور اس کی نہریں اس میں جاری کر دی گئیں اور اس کے درخت بھی اس میں لگا دیے

گئے اور اس کے پھل لٹک پڑے ہیں اور اس کے پتھر اس میں پھینک دیئے گئے ہیں۔ ابو مرحوم نے کہا: بھائیو! ہم کو دنیا سے کیا غرض ہے اس پر ہاتھ مارو۔ یہ سن کر اس کھانے میں ہاتھ مارنے اور پانچوں انگلیوں سے کھانے لگے۔ ابوالفضل احمد بن سلمہ کہتے ہیں یہ قصہ میں نے ابوحاتم رازی سے بیان کیا۔ کہنے لگے کہ مجھ کو لکھوا دو۔ میں نے ان کو لکھوا دیا وہ بولے صوفیہ کی حالت یہ ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بعض صوفیہ کا میں نے یہ حال دیکھا ہے کہ جب کہیں دعوت میں جاتے ہیں تو خوب کھاتے ہیں۔ پھر کچھ کھانا ساتھ لے جانے کو لے لیتے ہیں اور اکثر اوقات بلا اجازت صاحب خانہ کے اپنی جیب میں کھانا بھر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالا جماع حرام ہے۔ ایک بڈھے صوفی کو میں نے دیکھا کہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کچھ کھانا لیا۔ صاحب خانہ نے اٹھ کر اس سے چھین لیا۔

سماع ورقص کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ راگ میں دو باتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک تو دل کو خدا تعالیٰ کی عظمت میں غور کرنے اور اس کی خدمت میں قائم رہنے سے غافل کر دیتا ہے۔ دوسرے دل کو جلد حاصل ہونے والی لذتوں کی طرف راغب کرتا ہے اور ان کے پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر قسم کی حسی شہوتیں پیدا کرتا ہے جن میں بہت بڑی شہوت نکاح ہے اور نکاح کی کامل لذت نئی عورتوں میں ہے اور نئی لذتیں حلال ذریعہ سے حاصل ہونا دشوار ہے۔ لہٰذا انسان کو زنا پر برانگیختہ کرتا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ زنا اور غنا میں باہم تناسب ہے۔ اس جہت سے کہ غنا روح کی لذت ہے اور زنا لذات نفسانی کا بڑا حصہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے ((اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا)) [1] یعنی راگ زنا کا افسوں ہے۔

ابو جعفر طبری نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے لہو کی چیزیں نکالی ہیں وہ قابیل کی اولاد میں سے ایک آدمی ہے جس کو ثوبال کہتے ہیں اس کے زمانے میں مہلائیل بن قینان نے آلات لہو مثل بانسری اور طبل اور عود کے ایجاد کیے۔ قابیل کی اولاد لہو ولعب میں پڑ گئی۔ ان لوگوں کی خبر ان کو بھی پہنچی جو شیث علیہ السلام کی نسل سے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ نیچے اترا اور فواحش اور شراب کا پینا کھلم کھلا ہونے لگا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان لذات کے آلات میں ایسی بات رکھی گئی ہے جو ایک دوسری چیز سے لذت حاصل ہونے کا باعث ہوتی ہے، خصوصاً وہ لذت جو اس لذت کے مناسب ہو۔ ابلیس کو جب اس امر میں مایوسی ہوئی کہ عبادت کرنے والوں کو کوئی آواز مثل عود وغیرہ کے سنائے تو اس چیز پر غور کیا جو عود سے حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا بتدریج کام نکالنا چاہا۔ پہلے ان کو بغیر عود کے راگ سنایا اور اس کی خوبی ان پر ظاہر کر دی۔ حالانکہ اس کم بخت کا مقصد صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ایک چیز سے دوسری چیز پر ترقی کرے۔ فقیہ وہ ہے جو اسباب اور نتیجوں پر غور کرے اور مقاصد میں تامل کرے۔ مثلاً امرد پر نگاہ ڈالنا مباح ہے بشرطیکہ ہیجان شہوت سے بے خوف ہو اور اگر شہوت کا خوف ہو تو جائز نہیں۔

[1] [موضوع] حدیث نہیں ہے بلکہ فضیل بن عیاض کا قول ہے۔ کتاب المنہیات لحکیم الترمذی: ۱/۵۴، فی النہی عن الغنا۔ الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ: ۱/۲۵۲، رقم ۳۱۲۔

اسی طرح چھوٹی لڑکی کا منہ چومنا جو تین برس کی ہو جائز ہے۔ کیوں کہ ایسی جگہ اکثر شہوت واقع نہیں ہوتی اور اگر شہوت پائی جائے تو حرام ہے۔ علیٰ ہذا القیاس! محرم عورتوں کے ساتھ تنہا ہونے میں اگر شہوت کا خوف ہو تو حرام ہے۔ اس قاعدہ پر غور کرنا چاہیے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: راگ کے بارے میں لوگوں نے بہت طول طویل کلام کیا۔ بعض نے حرام بتایا ہے اور بعض نے بغیر کراہت کے مباح رکھا ہے اور بعض نے اباحت کے ساتھ مکروہ کہا ہے اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ یہ ہے کہ یوں کہو پہلے ایک چیز کی ماہیت وحقیقت دیکھنا چاہیے پھر اس پر حرام وغیرہ ہونے کا اطلاق کیا جائے۔ غنا ایک رسم ہے جو بہت سی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ ایک حج کو جانے والوں کا راگ ہے جو راستوں میں گاتے چلتے ہیں۔ اہل عجم میں سے بہت سے حاجیوں کے گروہ راستوں میں اشعار پڑھتے ہوئے جن میں کعبہ وزمزم ومقام (ابراہیم) کی تعریف کرتے ہیں اور بعض اوقات اشعار پڑھنے کے ساتھ کچھ بجانے لگتے ہیں جو اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی قسم سے غازی لوگ ہیں وہ بھی اشعار پڑھتے ہیں جن میں جہاد وغزا پر ابھارتے ہیں۔ اسی قسم سے جنگ کرنے والوں کے اشعار ہیں جو فخر کے طور پر لڑائی کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسی قسم سے مکہ کے راستے میں حدا کے اشعار ہیں۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے۔

بَشَّرَ هَا دَلِيْلُهَا وَقَالَا　　　غَدًا تَرِيْنُ الطَّلْحَ وَالْجِبَالَا

”اونٹنی کو اس کے رہبر نے بشارت دی اور کہا کہ تو ریگستان اور پہاڑوں کی زینت ہے۔“

ایسے اشعار سے اونٹ اور آدمی طرب میں آتے ہیں۔ مگر یہ طرب ایسی نہیں ہوتی کہ حد اعتدال سے خارج کر دے۔

اس حدا کی اصل یہ ہے جس طور پر ابوالبختری نے وہب سے بروایت طلحہ مکی بیان کیا ہے کہ بعض علما نے کہا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستے میں ایک قوم کی طرف جا گزرے جن میں ایک حدا خوان تھا۔ آپ نے ان کو سلام علیک کر کے فرمایا کہ ہمارا حدی خواں سو رہا ہے۔ ہم تمہارے حدی خواں کی آواز سن کر تمہاری طرف آ نکلے۔ بھلا کیا تم جانتے ہو کہ

حُدا کہاں سے نکلا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو معلوم نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: ایک بار عرب کا جداعلیٰ مُضر اپنے کسی چرواہے کے پاس گیا اور اپنے اونٹوں کو دیکھا کہ متفرق ہو گئے تھے۔ اس بات سے غصہ ہو کر ایک لکڑی لی اور اس کو اس چرواہے کے ہاتھ پر مارا۔ وہ غلام جنگل میں دوڑتا پھرنے لگا اور چلا چلا کر کہتا تھا یَـــا یَـــدَاہُ وَ ایَـــدَاہُ یعنی ہائے میرا ہاتھ، ہائے میرا ہاتھ اونٹوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف جھک پڑے۔ مضر نے اپنے جی میں کہا: اگر اس قسم کا راگ نکالا جائے تو اونٹ اس کی وجہ سے مانوس ہوں اور ایک جگہ رہا کریں۔ [1] اس وقت سے یہ حُدا نکلا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا ایک حُدی جوان تھا جس کا نام انجشہ تھا۔ حُدا خوانی کیا کرتا تھا جس سے اونٹ تیز چلا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انجشہ ہاں ہاں ذرا ہشیار رہ کہ تو شیشیاں لدے ہوئے اونٹ کو ہانک رہا ہے۔ [2] سلمہ بن اکوع کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف چلے۔ رات کو چلے جا رہے تھے۔ جماعت میں سے ایک شخص نے عامر سے کہا: تم ہم کو کچھ اپنا مبارک کلام کیوں نہیں سناتے۔ عامر شاعر تھے۔ قوم کو یہ حُدا سنانے لگے:

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ... وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

فَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ ... الْاَقْدَامَ اِنْ لَا قَیْنَا

''خداوند! اگر تو ہم کو توفیق نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ زکوٰۃ و نماز ادا کرتے۔ خداوند! ہمارے دلوں میں اطمینان غیبی القا فرما اور جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔''

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اونٹ ہنکانے والا کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، عامر بن اکوع ہیں۔ فرمایا: خدا اس پر رحم کرے۔'' [3]

---

[1] مرفوعاً موضوع ہے لیکن موقوفاً بیان کرنا صحیح ہے اس میں ابوالبختری وھب بن وھب بن کثیر راوی ضعیف ہے۔ دیکھیے سلسلۂ ضعیفہ: ۲/۳۱، رقم ۵۵۴۔

[2] بخاری: کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر والرجز والحداء...... رقم ۶۱۴۹۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب رحمۃ النبی للنساء، رقم ۶۰۳۶۔ مسند احمد: ۳/۱۰۷۔ مسند الحمیدی: ۲/۵۰۸، رقم ۱۲۰۹۔ داری: ۲/۷۴۹، کتاب الاستئذان: باب فی المزاح، رقم ۲۶۰۱۔

[3] بخاری: کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر والرجز والحداء وما یکرہ منہ، رقم ۶۱۴۸۔ مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ خیبر، رقم ۴۶۶۸۔ مسند احمد: ۴/۵۰۔ الطبرانی فی الکبیر: ۷/۹۷، رقم ۶۲۲۵، ۶۲۲۷۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا: بدو لوگ جو حُدا گاتے ہیں اس کے سننے میں کچھ حرج نہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عرب کے اشعار پڑھنے کا واقعہ ایک وہ ہے کہ مدینہ والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے تشریف لانے کے وقت یہ پڑھتے تھے۔

((طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا، مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ، وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا، مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ.)) [1]

"کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر ایک چودھویں رات کا چاند چمک اٹھا، جب تک دعا کرنے والے خدا سے دعا کریں ہم پر اس نعمت کا شکر واجب ہے۔"

اسی قسم کے اشعار میں وہ اشعار داخل ہیں کہ مدینہ والے گایا کرتے تھے اور بعض اوقات گانے کے وقت دف بجانے لگتے تھے۔ چنانچہ زہری نے عروہ سے روایت کیا کہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، حج کے ایام تھے۔ اس وقت حضرت عائشہ کے رضی اللہ عنہا پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی گاتی تھیں اور دف بجاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر سے منہ ڈھانکے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان لڑکیوں کو جھڑکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک کھول کر فرمایا: اے ابو بکر کچھ مت کہو۔ آج کل عید کے ایام ہیں۔ [2] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں کم سن تھیں کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کم سن تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ان کے پاس لڑکیوں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ [3] جعفر بن محمد نے کہا: میں نے ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ عروہ کی حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گانے والی لڑکیوں کی نسبت روایت کرتے ہیں، یہ غنا کیا چیز اور کس قسم کا تھا۔ جواب دیا ایسا تھا جیسے سوار آدمی کا راگ ہوتا ہے۔ ((اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ)) یعنی تمہارے پاس

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۵۰۷، باب من استقبل رسول اللّٰہ واصحابہ من اصحابہ۔ فتح الباری: ۷/ ۳۲۷ رقم ۳۹۲۵۔ اور دیکھیے سلسلۂ ضعیفہ: ۲/ ۶۳، رقم ۵۹۸۔

[2] بخاری: کتاب العیدین، باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین، رقم ۹۸۷، (۳۵۲۹)۔ مسلم: کتاب العیدین، باب الرخصۃ واللعب الذی لا معصیۃ فیہ فی ایام العید، رقم ۲۰۶۳۔ نسائی: کتاب صلاۃ العیدین، باب ضرب الدف یوم العید، رقم ۱۵۹۴، ۱۵۹۸۔ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب الغناء والدف، رقم ۱۸۹۸۔ مسند احمد: ۶/ ۳۳، ۸۴، ۱۲۷۔

[3] بخاری: کتاب الادب، باب الانبساط الی الناس، رقم ۶۱۳۰۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضل عائشہؓ، رقم ۶۲۸۷۔ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، رقم ۱۹۸۲۔

آئے ہم تمہارے پاس آئے۔

ابو عقیل نے نہیہ سے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، ہمارے یہاں انصار میں سے ایک یتیم لڑکی تھی۔ ہم نے ایک انصاری سے اس کی شادی کردی۔ اس کے شوہر کے ساتھ اس کو رخصت کرنے والوں میں ایک میں بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ انصار لوگ غزل کو پسند کرتے ہیں تم نے رخصتی کے وقت کیا کہا تھا، میں نے کہا برکت کی دعا کی تھی۔ فرمایا: یہ کیوں نہ کہا۔

((اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیُّوْنَا نُحَیِّیْکُمْ
لَوْلَا الذَّھَبُ الْاَحْمَرُ مَا حَلَّتْ بِوَادِیْکُمْ
وَلَوْلَا الْحَبَّةُ السَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارِیْکُمْ)) [1]

ابو زبیر نے جابر سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اس لڑکی کو اس کے گھر کی طرف رخصت کیا۔ عرض کیا۔ جی ہاں فرمایا: اس کے ہمراہ ایسی لڑکیاں کیوں نہ بھیج دیں جو گاتی چلتیں (اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیُّوْنَا نُحَیِّیْکُمْ) کیوں کہ انصار میں غزل کا رواج ہے۔ [2]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہاں تک جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے معلوم ہوگیا وہ لوگ جو گایا کرتے اس قسم سے نہ تھا کہ طرب پیدا کرے اور ایسا نہ تھا جیسا آج کل معروف ہے۔

اسی نوع کے وہ اشعار ہیں جو زاہد لوگ طرب والحان سے پڑھتے ہیں۔ جن سے دلوں کا رجوع آخرت کی طرف ہوتا ہے ان اشعار کا نام زہدیات رکھا ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے:

یَا غَادِیاً فِیْ غَفْلَةٍ وَّرَائِحاً
اِلٰی مَتٰی تَسْتَحْسِنُ الْقَبَائِحَا
وَکَمْ اِلٰی کَمْ لَا تَخَافُ مَوْقِفاً

[1] یہ حدیث ان الفاظ سے مجھے نہیں ملی البتہ اس کے ہم معنی مندرجہ ذیل مصادر میں ملاحظہ فرمائیں ابن حبان مع الاحسان: ۱۳/۱۸۵، کتاب الحظر والاباحۃ، رقم ۵۸۷۵۔ مسند احمد: ۶/۲۶۹۔ مجمع الزوائد: ۴/۲۸۹، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح واللھو۔

[2] ابن ماجہ: کتاب النکاح: باب الغناء والدف رقم ۱۹۰۰ سنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۲۸۹ کتاب الصداق: باب ما یستحب من اظہار النکاح واباحۃ الضرب بالدف علیہ مسند احمد ۳/۳۹۱ مجمع الزوائد: ۴/۲۸۹، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح واللھو والنثار ورواء الغلیل ۷/۵۱، رقم ۱۹۹۵۔

يَسْتَنْطِقُ اللهُ بِهِ الْجَوَارِحَا

يَا عَجَبًا مِنْکَ وَأَنْتَ مُبْصِرٌ

كَيْفَ تَجَنَّبْتَ الطَّرِيْقَ الْوَاضِحَا

''اے صبح وشام غفلت میں رہنے والے تو کب تک بری باتوں کو اچھا سمجھتا رہے گا، کب تک تجھ کو اس مقام کا خوف نہ ہوگا جس جگہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اعضاء گفتگو کریں گے،، مجھ کو تیری حالت پر تعجب آتا ہے کہ تو آنکھوں والا ہو کر روشن راستے سے کیونکر دور ہوا جاتا ہے۔''

ایسے اشعار بھی مباح ہیں۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کے اشعار کی جانب مباح ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ ابو حامد خلفانی کہتے ہیں میں نے احمد بن حنبل سے کہا: اے ابوعبداللہ! یہ رقت آمیز قصیدے جو بہشت ودوزخ کے بیان میں ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ بولے کہ کس قسم کے قصیدے پوچھتے ہو۔ میں نے کہا مثلاً وہ کہتے ہیں:

إِذَا مَا قَالَ لِيْ رَبِّيْ، أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِيْنِيْ،

وَتُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِيْ، وَبِالْعِصْيَانِ تَأْتِيْنِيْ،

''جب مجھ سے میرا خدا فرمائے گا کہ تجھ کو میری نافرمانی کرتے ہوئے شرم نہ آئی، تو میری مخلوق سے گناہوں کو چھپاتا تھا، اور میرے سامنے گناہ کرتا تھا۔''

احمد بن حنبل نے یہ شعر سن کر کہا ذرا پھر پڑھو۔ میں نے دوبارہ پڑھے۔ احمد اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اپنے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے کان لگا کر سنا تو حجرے کے اندر ان کے رونے کی آواز آتی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے:

إِذَا مَا قَالَ لِيْ رَبِّيْ، أَمَا اسْتَحْيَيْتَ تَعْصِيْنِيْ،

وَتُخْفِي الذَّنْبَ مِنْ خَلْقِيْ، وَبِالْعِصْيَانِ تَأْتِيْنِيْ.

وہ اشعار جو نوحہ خواں لوگ پڑھتے ہیں جن سے حزن وبکاء کا جوش ہوتا ہے ممنوع ہیں کیوں کہ ان کے ضمن میں معصیت اور گناہ ہے۔ باقی رہے وہ اشعار جو گانے والے لوگ گانے کا قصد کر کے گاتے ہیں۔ جن میں خوب صورت عورتوں اور شراب وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے جس کو سن کر

طبیعت میں جنبش آتی ہے اور حد اعتدال سے خارج ہو جاتی ہے اور لہو ولعب کی محبت برانگیختہ ہوتی ہے۔ یہی راگ اس زمانے میں مشہور ہے۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے:

ذَهَبِيُّ اللَّوْنِ تَحْسَبُ مِنْ وَجْنَتِهِ النَّارَ تُقْتَدَحُ

خَوَّفَنِي مِنْ فَضِيحَتِهِ لَيْتَهُ وَافِي وَافْتَضِحُ

''یعنی ایک طلائی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے، مجھ کو رسوائی کا خوف دلاتا ہے۔ کاش وہ میرے پاس آ جائے اور میں رسوائی اٹھاؤں۔''

ایسے راگوں کے لیے لوگوں نے طرح طرح کے الحان نکالے ہیں۔ وہ سب الحان سننے والے کو حدّ اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں اور لہو کی محبت برانگیختہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ایک اور چیز ہوتی ہے جس کا نام بسیط رکھا ہے اس سے بتدریج دلوں میں بے قراری پیدا ہوتی ہے۔ پھر انہوں نے اس راگ کے ساتھ باجا وغیرہ ملا دیا ہے۔ راگ کے موافق دف اور گھنگرو اور بانسری وغیرہ بجاتے ہیں۔ آج کل کے زمانے کا غنا (راگ) جو معروف ہے یہی ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قبل اس کے کہ ہم راگ کی اباحت یا حرمت یا کراہت کے بارے میں گفتگو کریں یہ کہتے ہیں کہ عاقل کو چاہیے اپنے نفس اور بھائیوں کو نصیحت کرے اور غنا کی مذکورشدہ قسموں میں جن جن پر غنا کا لفظ صادق آتا ہے بیان کر کے شیطان کے فریب سے ڈرائے اور ہر ایک غنا کو ایک ہی صورت پر محمول نہ کرے۔ اس کے بعد بیان کرے کہ فلاں نے اس کو مباح سمجھا ہے اور فلاں نے مکروہ کہا ہے۔

لہٰذا ہم پہلے اپنے نفس اور بھائیوں کو نصیحت کرنے میں گفتگو شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب کو معلوم ہے کہ آدمیوں کی طبیعتیں متفق ہیں کبھی مختلف نہیں ہوتیں۔ اگر جوان آدمی سلیم البدن، صحیح المزاج دعویٰ کرے کہ اچھی صورتیں دیکھنے سے وہ بے قرار نہیں ہوتا اور اس کے دل پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے دین میں کچھ ضرر نہیں آتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں سب طبیعتیں مساوی ہیں اور اگر اس دعویٰ میں اس کی سچائی ثابت ہو جائے تو ہم جان لیں گے کہ اس کو کوئی مرض ہے جو حد اعتدال سے خارج ہو گیا۔ پھر اگر وہ

بہانے ڈھونڈے اور کہے کہ میں اچھی صورتیں فقط عبرت حاصل کرنے کی غرض سے دیکھتا ہوں اور آنکھوں کی کشادگی اور ناک کی باریکی اور گورے رنگ کی صفائی میں صنعت الٰہی دیکھ کر تعجب کرتا ہوں۔ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ طرح طرح کی مباح چیزوں کے دیکھنے میں بہت کافی عبرت ہے اور اچھی صورتوں کے دیکھنے میں تو طبیعت کا میلان صنعت میں غور کرنے سے باز رکھتا ہے۔ کبھی یقین نہ کرو کہ باوجود شہوت کے غور کرنے کی نوبت آئے گی۔ کیوں کہ طبعی میلان اس سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جو شخص یوں کہے کہ یہ طرب انگیز غنا جو طبیعت کو بے قرار کرتا ہے اور اس کے لیے عشق کا محرک ہوتا ہے اور دنیا کی محبت پیدا کرتا ہے مجھ پر اثر نہیں کرتا اور جس دنیا کا ذکر اس غنا میں ہے دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ کیوں کہ سب طبیعتیں مشترک ہیں۔ پھر اگر اس کا دل خوف الٰہی کے سبب سے خواہش نفسانی سے دور بھی ہو تو یہ غنا طبیعت کو اس خواہش نفسانی سے نزدیک کر دے گا۔ گو کہ کتنا ہی اس کا خوف الٰہی بڑھا ہوا ہو۔ علاوہ ازیں سب سے قبیح تر جگت اور کنایہ کی باتیں ہیں۔ پھر یہ جگت اور کنایہ اس ذات پر کیونکر چل سکتا ہے جو ہر ایک راز جلی و خفی کا دانا ہے، پھر اگر دراصل یہی بات ہو جو کچھ اس صوفی کا خیال ہے جب بھی اتنا ضرور ہے کہ اسی شخص کے لیے مباح ہو سکتا ہے جس کی یہ صفت ہو۔ لیکن صوفیہ نے تو مطلق طور پر مبتدی، جوان اور نادان لڑکے کے لیے مباح کر دیا حتیٰ کہ ابو حامد غزالی نے کہا ہے وہ تشبیب جس میں رخساروں اور زلفوں کی تعریف اور قد و قامت کا وصف، اچھی عورتوں کے دیگر اوصاف کا ذکر ہو صحیح بات یہ ہے کہ حرام نہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں دنیا کے لیے راگ نہیں سنتا بلکہ اس سے فقط اشارات اخذ کرتا ہوں خطا پر ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اشارات اخذ کرنے سے پہلے طبیعت مطلب کی طرف دوڑتی ہے۔ لہٰذا اس شخص کا یہ حال ویسا ہی ہے جیسا دوسرے شخص نے کہا تھا کہ میں صنعت الٰہی میں غور کرنے کے لیے خوب صورت عورت کو دیکھتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ شخص کہتا ہے راگ میں ایسی باتیں موجود ہیں جن کا اشارہ خالق کی طرف ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خالق کی شان اس سے برتر ہے کہ اس کے حق میں یوں کہا جائے کہ وہ معشوق ہے۔ یا اس کی طرف سے کوئی ایسا ارادہ ہوتا ہے۔ ہمارا حصہ تو اس کی معرفت سے فقط

ہیبت اور تعظیم ہے۔اب یہاں تک ہم نصیحت کا ذکر کر کے غنا کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے بیان کرتے ہیں۔

فصل

غِنا کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے زمانے کا غِنا زھد یہ قصیدے تھے مگر ہاں لوگ ان قصیدوں کو الحان سے گاتے تھے۔ان سے جو روایتیں پہنچی ہیں وہ مختلف ہیں۔ان کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ غنا دل میں نفاق اگا دیتا ہے، مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔اسمٰعیل بن اسحٰق ثقفی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ امام احمد سے کسی نے قصیدے سننے کی نسبت سوال کیا۔جواب دیا کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں، یہ بدعت ہے ایسی مجلس میں بیٹھنا نہ چاہیے۔ابوالحارث نے روایت کیا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تغبیر: [1] بدعت ہے کسی نے ان سے کہا کہ تغبیر سے دل پر رقت طاری ہوتی ہے جواب دیا کہ وہ بدعت ہے۔یعقوب ہاشمی نے روایت کیا کہ احمد نے کہا تغبیر بدعت ہے اور دین میں نکالی ہوئی نئی بات ہے۔یعقوب بن غیاث نے روایت کیا کہ احمد نے کہا کہ میرے نزدیک تغبیر مکروہ ہے اور اس کے سننے سے منع کیا۔مصنف نے کہا کہ یہ سب روایتیں غنا کے مکروہ ہونے کی دلیل ہیں۔ابوبکر خلال نے کہا: امام احمد نے قصائد کو مکروہ کہا ہے۔کیوں کہ ان سے بیان کیا گیا کہ لوگ ان کو سن کر بیبا کی اختیار کرتے ہیں۔پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی روایتیں پہنچی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ غنا میں کچھ ڈر نہیں۔مروزی نے کہا: میں نے ابوعبداللہ امام احمد سے قصائد کی نسبت سوال کیا جواب دیا کہ بدعت ہے۔میں نے کہا: کیا وہ لوگ متروک کیے جائیں۔فرمایا: اس درجہ تک ان کو نہ پہنچایا جائے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہم روایت کر چکے ہیں کہ امام احمد نے اپنے بیٹے صالح کے پاس ایک قوال کو گاتے ہوئے سنا، اور اس پر اعتراض نہیں کیا۔صالح نے ان سے کہا: ابا جان! کیا آپ اس پر انکار نہیں فرمایا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ میں نے یہ سنا تھا کہ لوگ منکرات عمل میں لاتے ہیں۔اس لیے مکروہ جانتا تھا لیکن ایسے راگ کو تو مکروہ نہیں سمجھتا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اصحاب نے ابوبکر خلال اور ان کے ہم صحبت عبدالعزیز سے غنا کا

[1] ذکر الٰہی کو دعا اور تضرع سے بدل دینے کو تغبیر کہتے ہیں۔مولف نے آگے خود ہی اس کی تشریح کر دی ہے۔

مباح ہونا روایت کیا ہے۔ اس کا اشارہ صرف انہیں قصائد زہدیہ کی طرف ہے جو ان دونوں بزرگوں کے زمانے میں رائج تھا اور اسی پر وہ غنا محمول ہوگا جس کو امام نے مکروہ نہیں جانا بدلیل اس کے کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی مر گیا اور ایک بیٹا اور ایک گانے والی لونڈی چھوڑ کر مرا۔ لڑکے کو اس لونڈی کے فروخت کرنے کی ضرورت پڑی۔ احمد نے جواب دیا کہ گانے والی کہہ کر نہ بیچی جائے گی۔ وہ شخص بولا کہ گانے والی کہنے کی حالت میں اس کی قیمت تیس ہزار درم ہوں گے اور اگر وہ سادہ کہہ کر فروخت کی جائے تو فقط بیس ہی دینار کو فروخت ہوگی۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ یہی کہہ کر بیچی جائے گی کہ سادہ ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اس لیے دیا کہ گانے والی لونڈی زہدیہ قصیدے نہیں گاتی بلکہ وہ اشعار جو طرب انگیز اور طبیعت کو عشق پر برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں گاتی ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ غنا ممنوع ہے۔ کیوں کہ اگر ممنوع نہ ہوتا تو احمد رحمۃ اللہ علیہ یتیم کا مال فوت کرنا جائز نہ رکھتے اور یہ قول ایسا ہوا جیسا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میرے پاس شراب ہے، جو یتیموں کا مال ہے فرمایا اس کو بہا دو۔ [1] پس اگر اس کی اصلاح کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتیموں کا مال ضائع کرنے کا حکم نہ دیتے۔ مروزی نے احمد بن حنبل سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا مخنث کی کمائی جس کو وہ غنا سے حاصل کرے ناپاک ہے۔ یہ حکم اس لیے لگایا کہ مخنث قصائد نہیں گاتا بلکہ غزل نوحے گایا کرتا ہے۔ اس تمام بیان سے ظاہر ہوا کہ احمد سے دو روایتیں کراہت کے بارے میں اور زہدیات کو الحان سے گانے کے غیر مکروہ ہونے میں آئی ہیں۔ باقی رہا وہ غنا جو آج کل معروف و مشہور ہے۔ امام احمد کے نزدیک ممنوع ہے اور اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ لوگوں نے کیا کیا نئی نئی باتیں نکالی ہیں تو خدا جانے کیا حکم دیتے ہیں۔

فصل

غنا کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی نسبت عبداللہ احمد نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ اسحٰق بن عیسیٰ نے کہا: میں نے مالک بن انس سے اس غنا کی نسبت سوال کیا

[1] ابوداود: کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی الخمر تخلل، رقم ۳۶۷۵۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب بیع الخمر والنھی عن ذلک، رقم ۱۲۹۳۔ مسند احمد: ۳/۱۱۹، ۲۶۰۔

جس کی اہل مدینہ اجازت دیتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ فعل فاسقوں کا ہے۔ ابوالطیب طبری نے کہا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے راگ اور اس کے سننے سے منع کیا اور کہا کہ اگر کسی لونڈی کو خریدا اور اس کو گانے والی پایا تو اس عیب کی وجہ سے اس کو لوٹا دینا مشتری کو جائز ہے۔ تمام علمائے مدینہ کا یہی مذہب ہے سوائے ایک ابراہیم بن سعد کے، انکی نسبت زکریا ساجی نے نقل کیا ہے کہ اس عیب میں کچھ ہرج نہ رکھتے تھے۔

فصل

غنا کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی بابت ابوالطیب طبری نے کہا کہ امام ابوحنیفہ باوجود نبیذ پینے کو مباح بتانے کے غنا کو مکروہ کہتے ہیں، اور راگ سننا گناہ قرار دیتے ہیں اور یہی مذہب تمام اہل کوفہ یعنی ابراہیم، شعبی، حماد اور سفیان ثوری وغیرہ کا ہے۔ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اہل بصرہ میں بھی اس کے مکروہ وممنوع ہونے میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صرف عبیداللہ بن حسن عنبری سے اتنا مروی ہے کہ وہ اس میں کچھ حرج نہیں جانتے تھے۔

فصل

غنا کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی نسبت حسن بن عبدالعزیز جروی نے بیان کیا ہے کہ میں نے محمد بن ادریس شافعی سے سنا کہتے تھے میں عراق میں ایک چیز چھوڑ آیا ہوں جس کو زندیقوں نے نکالا ہے اس کا نام تغبیر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابومنصور ازہری نے بیان کیا کہ مغبّرہ (تغبیر کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو ذکر الٰہی کو دعا اور تضرع سے بدل لیتے ہیں۔ ذکر الٰہی کے اشعار کا جن پر ان کو طرب آتا ہے تغبیر نام رکھا ہے۔ گویا جب الحان کے ذریعہ سے ان کو مشاہدۂ حق ہوا تو طرب میں آگئے اور وجد کرنے لگے۔ اس معنی کے لحاظ سے اس قوم کا نام مغبّرہ پڑا۔ زجاج نے کہا ان لوگوں کا نام مغبرہ اس لیے ہوا کہ دنیائے فانی لوگوں کو بے رغبت کرتے ہیں اور آخرت کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہبۃ اللہ بن احمد حریری نے ابوالطیب طاہر بن عبداللہ طبری سے روایت کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غنا ایک لہو مکروہ ہے جو باطل چیز کے مشابہ ہے۔ جو شخص زیادہ

غنا سنے گا وہ بیوقوف ہے، اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ ابو الطیب نے کہا: شافعی تغبیر کو مکروہ بتاتے تھے۔ طبری نے یہ بھی کہا ہر شہر کے علما نے غنا کے مکروہ وممنوع ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ صرف ابراہیم بن سعد اور عبید اللہ عنبری علما کی جماعت سے جدا ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم بڑی جماعت کی پیروی کرو'' [1] اور یہ بھی فرمایا ''جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔'' [2]

مصنف رحمہ اللہ نے کہا اصحاب شافعی میں بڑے بڑے لوگ سماع کا انکار کرتے تھے۔ ان میں سے متقدمین میں تو باہم انکار کرنے میں کوئی اختلاف ہی نہیں پایا جاتا اور متاخرین میں جو اکابر ہیں وہ انکار پر ہیں۔ ان میں سے ابو الطیب طبری ہیں جنہوں نے غنا کے مذموم اور ممنوع ہونے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ ابو القاسم حریری نے ابو الطیب سے وہ کتاب روایت کی ہے اور ایک ان میں سے قاضی ابو بکر محمد بن مظفر شامی ہیں جن سے عبد الوہاب بن مبارک انماطی نے روایت کی کہ کہتے تھے راگ اور اس کا سننا اور عود وغیرہ بجانا جائز نہیں اور کہتے تھے کہ جو شخص امام شافعی کی طرف غنا کو منسوب کرے اس نے ان پر بہتان باندھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب ادب القضاء میں قطعی طور سے کہا کہ جو آدمی راگ سننے پر مداومت کرے اس کی شہادت مردود اور عدالت باطل ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا علمائے شافعیہ اور اہل دیانت کا یہی قول ہے۔ اس کی نسبت فقط متاخرین شافعیہ میں ہے۔ ان لوگوں نے رخصت دی ہے۔ جن کا علم کم تھا اور ہوائے نفسانی ان پر غالب تھی۔

غنا کے مکروہ وممنوع ہونے کے دلائل کا بیان

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: ہمارے اصحاب یعنی حنابلہ نے قرآن، سنت اور آثار سے استدلال

---

[1] کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۱/۸۶، باب ماذکر عن النبی من امرہ بلزوم الجماعۃ، رقم ۸۰۔ مستدرک الحاکم: ۱/۲۰۰، کتاب العلم، رقم ۳۹۱۔ ابن ماجۃ: کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، رقم ۳۹۵۰۔

[2] مسلم: کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن...... رقم ۴۷۸۶۔ نسائی: کتاب المحاربۃ: باب التغلیظ فیمن قاتل تحت رایۃ عمیۃ، رقم ۴۱۱۹۔ مسند احمد: ۲/۲۹۶، ۳۰۶، ۳/۴۴۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/۱۵۶، کتاب قتال اہل البغی: باب الترغیب فی لزوم الجماعۃ، مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۳۳۹، باب لزوم الجماعۃ، رقم ۲۰۷۰۷۔

کیا ہے۔قرآن سے تین آیتیں لاتے ہیں۔

''پہلی آیت'' ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ [1]

''یعنی بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابوالصہباء نے کہا: میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے معنی پوچھے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ [2] جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ غنا ہے۔عطاء بن سائب نے سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ [3] سے مراد غنا اور اس کے مشابہ دوسری چیزیں ہیں۔مجاہد نے کہا: لھوالحدیث کے معنی غنا ہیں۔سعید بن یساز کہتے ہیں میں نے عکرمہ سے لہوالحدیث کے بارے میں سوال کیا، جواب دیا کہ وہ غنا ہے۔حسن، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

''دوسری آیت'' ﴿وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ﴾ [4] ہے۔''یعنی تم غافل ہو''۔یحییٰ بن سعید نے بیان کیا کہ سفیان نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ عکرمہ نے ابن عباس سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ سے مراد غنا ہے۔قبیلۂ حمیر میں محاورہ ہے سَمَدَ لَنَا جس کے معنی ہیں غَنّٰى لَنَا یعنی ہم کو گانا سنایا۔مجاہد نے کہا، سامدون کے معنی غنا ہیں۔جب کوئی گاتا ہے تو اہل یمن بولتے ہیں سَمَدَ فُلَانٌ یعنی فلاں شخص نے راگ گایا۔

''تیسری آیت'' ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ [5] یعنی اے ابلیس جس کو تجھ سے ہو سکے اپنی آواز سنا کر اپنی طرف ابھار لے۔سفیان ثوری نے لیث سے روایت کیا کہ مجاہد نے کہا: اس آیت سے مراد غنا و مزامیر ہیں۔

سنت سے یوں استدلال کرتے ہیں۔نافع نے کہا: ایک بار ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو جلدی سے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ دیا اور بار بار پوچھتے تھے کہ اے نافع! کیا وہ آواز آتی ہے۔میں کہہ دیتا تھا۔ہاں یہ سن کر چلے چلتے تھے کہ میں نے کہا اب وہ آواز نہیں آتی۔تب اپنے ہاتھ کانوں سے جدا کیے اور

---

[1] ۳۱/لقمان:۶۔ [2] ۳۱/لقمان:۶۔ [3] ۳۱/لقمان:۶۔

[4] ۵۳/النجم:۶۱۔ [5] ۱۷/الاسراء:۶۴۔

سواری کو راستے کی طرف لوٹایا اور بولے کہ میرے سامنے رسول اللہ ﷺ نے کسی چرواہے کی بانسری سنی تھی تو آپ نے یہی عمل فرمایا تھا جیسا میں نے کیا۔ [1] مصنف رحمہ اللہ نے کہا: جب صحابہ کا یہ فعل اس آواز پر تھا جو اعتدال سے خارج نہیں کر دیتی تو بھلا اس زمانے والوں کے راگ اور باجوں کا کیا کہا جائے۔

ابوامامہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے، بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے اور یہ آیت پڑھی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي﴾ [2] الخ "یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ لہو کی باتیں خریدتے ہیں، تاکہ خدا کی راہ سے گمراہ کر دیں اور اس کو ایک تمسخر سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت بخش عذاب ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی آدمی گانے کے لیے اپنی آواز بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو شیطان بھیجتا ہے، وہ دونوں اس کے اوپر سوار ہو جاتے ہیں۔ ایک اس جانب دوسرا اس جانب ہوتا ہے۔ اپنے پاؤں اس گانے والے کے سینے میں مارتے ہیں حتیٰ کہ گانے سے خاموش رہے۔ [3] عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے گانے والی لونڈی کا خریدنا، فروخت کرنا، تعلیم دینا اور اس کا راگ سننا حرام کر دیا ہے۔ اتنا فرما کر یہ آیت پڑھی ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ [4] عبدالرحمٰن بن عوف نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دو آوازوں سے جن میں حماقت اور فجور پایا جاتا ہے منع فرمایا ہے۔ ایک نغمہ کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت کی آواز۔ [5]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الادب، باب کراھیۃ الغناء والزمر، رقم ۴۹۲۴، ۴۹۲۶۔ مسند احمد: ۲/ ۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۲۲۲، کتاب الشھادات، باب ماجاء فی ذم الملاھی من المعازف والمزامیر ونحوھا۔ [2] ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع المغنیات، رقم ۱۲۸۲۔ ابن ماجہ: کتاب التجارات، باب مالا یحل بیعہ، رقم ۲۱۶۸۔ مسند احمد: ۵/ ۲۵۲، ۲۶۴۔ مسند الحمیدی: ۲/ ۴۰۵، رقم ۹۱۰۔ مجمع الزوائد: ۴/ ۹۱، کتاب البیوع، باب فی ثمن القینۃ۔

[3] اس میں علی بن زید الالھانی وعبیداللہ بن زحر ضعیف راوی ہیں۔ مجمع الزوائد: ۸/ ۱۱۹، ۱۲۰۔ کتاب الادب، باب ماجاء فی الشعر والشعراء الطبرانی فی الکبیر: ۸/ ۲۱۲، ۲۴۱ بارقام ۷۷۴۹، ۷۸۲۵۔ اور دیکھیے سلسلہ ضعیفہ: ۲/ ۳۳۵، رقم ۹۳۱۔

[4] مجمع الزوائد: ۴/ کتاب البیوع، باب فی ثمن القینۃ الدر المنثور: ۵/ ۳۰۷، تفسیر سورۃ لقمان آیت نمبر ۶۔

[5] ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، رقم ۱۰۰۵ فی شعب الایمان: ۷/ ۲۴۲، باب فی الصبر علی المصائب، رقم ۱۰۱۶۴۔ اور سنن الکبریٰ للبیہقی ۴/ ۶۹: کتاب الجنائز: باب الرخصۃ فی البکاء بلا ندب ولا نیاحۃ۔ دیکھیے صحیح سنن الترمذی: ۱/ ۵۱۳، رقم ۱۰۰۵، مسند الطیالسی: ۳/ ۲۶۲، رقم ۱۷۸۸۔

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا۔ آپ کے صاحبزادے ابراہیم اس وقت دم توڑ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی گود میں لیا، اور آپ کی آنکھیں بھر آئیں۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خود تو روتے ہیں اور دوسروں کو رونے سے منع فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ''مجھ کو رونے سے نہیں منع کیا گیا بلکہ حماقت اور فجور سے بھری ہوئی دو آوازوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، ایک نغمہ کی آواز، دوسرے مصیبت میں چیخ کر رونے سے، منہ پیٹنے گریبان پھاڑنے اور شیطانی نوحہ کرنے سے منع کیا ہے۔'' [1] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ کو اللہ تعالیٰ نے مزمار اور طبل کے تباہ کرنے کو مبعوث فرمایا ہے۔'' [2] دوسری روایت میں آیا ہے کہ ''مزامیر کو توڑ ڈالنے کو بھیجا ہے۔'' [3]

ابوالفرج بن فضالہ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا کہ محمد بن عمر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرے گی تو اس کے اوپر بلا نازل ہوگی۔ ان پندرہ میں سے ایک آپ نے یہ فرمایا کہ گانے والی لونڈیاں اور گانے بجانے کی چیزیں اختیار کریں گے۔'' [4] محمد بن یزید نے مسلم بن سعید سے روایت کیا کہ ربیح جذامی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب لوگ محصول مملکت کو اپنی دولت بنالیں گے اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے اور غیر دین کے لیے علم پڑھیں گے اور آدمی اپنی بی بی کا کہنا مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا۔ اپنے دوست کو آرام پہنچائے گا اور باپ کو ستائے گا اور مسجدوں میں شور مچائیں گے اور خاندان کا سردار فاسق شخص ہوگا اور قوم کا رئیس ایک رذیل آدمی ہوگا اور انسان کے شر وفساد سے ڈر کر لوگ

[1] ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت، رقم ۱۰۰۵۔ مسند الطیالسی: ۲۶۲/۳، رقم ۱۷۸۸۔ شعب الایمان: ۲۴۲/۷، رقم ۱۰۱۶۴۔ مستدرک الحاکم: ۴۳/۴، کتاب معرفۃ الصحابۃ، رقم ۶۸۲۵۔

[2] اس میں عبد الرحمٰن بن ثابت راوی ضعیف ہے۔ فردوس الاخبار للدیلمی: ۴۸۳/۱، رقم ۱۶۱۲۔ کنز العمال: ۲۱۶/۱۵، باب اللہو المحظور، رقم ۴۰۶۴۰، ۴۰۶۸۹۔

[3] اس میں محمد بن الفرات الکوفی اور موسیٰ بن عمر القرشی دونوں ضعیف راوی ہیں، کتاب ذم الملاہی لابن ابی الدنیا: ۵۶/۱، رقم ۹۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۲۱۴۹/۶ فی ترجمۃ محمد بن الفرات الکوفی۔ کنز العمال: ۲۲۶/۱۵، رقم ۴۰۶۸۹۔

[4] اس میں فرج بن فضالۃ راوی ضعیف ہے۔ ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجاء فی علامات حلول المسخ رقم ۲۲۱۰۔ تاریخ بغداد ۱۵۸/۳ رقم ۱۱۹۶۔ ضعیف الجامع الصغیر ۲۱۰/۱ رقم ۷۰۷۔

اس کی تعظیم کریں گے اور گانے والیاں اور گانے بجانے کی چیزیں عام طور پر ظاہر ہوں گی اور شرابیں پی جائیں گی، اور اس امت کے پیچھے لوگ اپنے پہلے والوں کو لعنت کریں گے اس حالت میں لوگ منتظر رہیں کہ ایک سرخ آندھی اٹھے گی اور زلزلہ آئے گا اور خسف واقع ہوگا اور صورتیں مسخ ہو جائیں گی اور آسمان سے پتھر برسیں گے اور ان کے علاوہ اور آیتیں پے در پے ظہور کریں گے۔ جس طرح کسی موتی کی لڑی کا ڈورا توڑ دیا جائے اور موتی لگاتار گرتے چلے جائیں۔ 1 سہل بن سعد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا اور قذف یعنی آسمان سے پتھر برسنا اور مسخ یعنی صورتوں کا بدل جانا واقع ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے بجانے کی چیزیں اور گانے والیاں عام ہوں گی اور شراب حلال ہوگی۔ 2 صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ اتنے میں عمرو بن قرہ نے آ کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور بدبختی مقدر فرمائی ہے میں سمجھتا ہوں کہ مجھ کو بغیر دف بجانے کے رزق نہیں مل سکتا۔ آپ مجھ کو غنا کی اجازت دے دیجیے۔ میں فحش گانا نہیں گاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تجھ کو اجازت نہ دوں گا اور نہ تیری عزت کروں گا اور نہ تجھ کو چشم عطا سے دیکھوں گا۔ اے خدا کے دشمن! تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حلال اور پاک رزق عطا فرمایا ہے اور تو خدا کے رزق میں سے حرام اختیار کرتا ہے۔ اگر میں تجھ کو پیشتر ممانعت کر چکا ہوتا تو اس وقت تجھ سے بری طرح پیش آتا۔ چل میرے پاس سے اٹھ کھڑا ہو اور خدا کے سامنے توبہ کر، یاد رکھ اگر اب سمجھانے کے بعد تو نے ایسا کیا تو میں تجھ کو دردناک سزا دوں گا، تیرا منہ بگاڑ دوں گا، تجھ کو تیرے گھر بار سے نکال کر شہر بدر کروں گا اور تیرا رخت و اسباب مدینہ کے نوجوانوں میں لٹواؤں گا۔ یہ باتیں سن کر عمرو بن قرہ نہایت غمناک اور اندوہگین وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ جب وہ جا چکے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی لوگ عاصی و نافرمان ہیں جو کوئی ان میں سے بغیر توبہ مرے گا حشر میں اللہ تعالیٰ اس کو ننگا اٹھائے گا۔ ایک

1 اس میں ربیع جذامی مجہول ہے۔ ترمذی: کتاب الفتن، باب ما جاء فی علامة حلول المسخ والخسف رقم ۲۲۱۱، ضعیف سنن الترمذی ص ۲۴۰ رقم ۲۲۱۱۔ اور دیکھیے سلسلۂ ضعیفہ رقم ۱۷۲۷۔ 2 ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب الخسف رقم ۴۰۶۰۔ الطبرانی فی الکبیر ۶/ ۱۸۵ رقم ۵۸۱۰۔ مسند عبد بن حمید ص ۱۶۷ رقم ۴۵۲۔ سلسلۂ صحیحہ ۴/ ۳۹۲، رقم ۱۷۸۷۔

چھتڑا بھی بدن پر نہ ہوگا۔ جب کھڑا ہونے لگے گا لڑکھڑا کر گر پڑے گا۔'' [1]

آثار سے یوں استدلال لاتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: غنا دل میں نفاق اگا دیتا ہے۔ جس طرح سبزی کو اگاتا ہے اور کہا: جب آدمی چوپائے پر سوار ہوتا ہے اور بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان اس کے پیچھے بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے گانا گا۔ اگر اس کو گانا اچھی طرح نہیں آتا تو شیطان کہتا ہے آواز ہی بنا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار کچھ لوگوں پر گزرے جو احرام باندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک آدمی غنا کرتا تھا۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ تمہاری نہ سنے یعنی تم پر توجہ نہ کرے۔ قاسم بن محمد سے کسی نے غنا کے بارے میں پوچھا، جواب دیا کہ میں تم کو غنا سے منع کرتا ہوں اور تمہارے لیے برا جانتا ہوں۔ وہ بولا کہ بھلا کیا غنا حرام ہے؟ قاسم نے کہا: اے برادرزادے! جب اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل میں تمیز کر دی تو غنا کو کس میں داخل رکھو گے۔ شعبی نے کہا: گانے والے اور فرمائش کرنے والے پر لعنت ہے۔ ابو حفص عمر بن عبید اللہ ارموی نے کہا: عمر بن عبدالعزیز نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو تحریر کیا کہ تمہاری تعلیم میں سے پہلا عقیدہ ان لوگوں کا یہ ہونا چاہیے کہ لہو کی چیزوں سے سخت نفرت رکھیں۔ لہو کی چیزوں کا آغاز شیطان کی طرف سے ہے اور انجام اس کا خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ میں نے علمائے ثقات سے سنا ہے کہ باجوں کی محفل میں جانا اور راگ سننا اور ان کا دلدادہ رہنا دل میں نفاق اگاتا ہے۔ جس طرح گھاس کو پانی اگاتا ہے اور اپنی جان کی قسم کہ ایسے مقامات میں جانا چھوڑ کر اس بلا سے محفوظ رہنا صاحب عقل کے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ اپنے دل کے نفاق پر ثابت قدم رہے۔ فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ غنا زنا کا منتر ہے۔ ضحاک نے کہا: غنا دل کو خراب اور خدا کو ناراض کرتا ہے۔ یزید بن ولید نے کہا: اے بنی امیہ! تم غنا سے دور رہو کیوں کہ غنا شہوت کو بڑھاتا ہے، اور آدمیت کی بنیاد ڈھاتا ہے، شراب کا قائم مقام ہے، اور نشہ کا عمل کرتا ہے اور اچھا اگر تم ضرور ہی ایسا کرو تو عورتوں کو اس سے دور رکھو، کیوں کہ غنا حرام کاری کی طرف بلاتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: راگ کی آوازیں سن سن کر بہت سے عابد اور زاہد فتنہ میں پڑ گئے ہیں

---

[1] اس میں بشیر بن نمیر البصری ضعیف راوی ہے۔ ابن ماجہ: کتاب الحدود، باب المخنثین، رقم ۲۶۱۳۔ ضعیف سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸، رقم ۵۱۸، ۲۶۶۲۔ مصباح الزجاجۃ: ۲/ ۳۲۸، رقم ۹۲۶۔ الطبرانی فی الکبیر: ۸/ ۶۰، ۶۱، رقم ۷۳۴۲۔

جن کی کچھ حکایتیں ہم نے اپنی کتاب ''ذم الھویٰ'' میں نقل کی ہیں۔عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار سلیمان بن عبدالملک اپنے ڈیرے میں تھے۔ایک رات کوٹھے پر دیر سے جاگتے تھے۔جب ان کے اہل جلسہ چلے گئے تو وضو کے لیے پانی مانگا،ایک لونڈی لے کر آئی ، وہ وضو کرانے کے لیے پانی ڈال رہی تھی کہ اس اثنا میں سلیمان نے اپنے ہاتھ کے لیے اس لونڈی سے کچھ مدد چاہی اور اس کی طرف اشارہ کیا۔کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بالکل غافل ہو رہی ہے اور کان لگائے ہوئے اور اپنا تمام بدن جھکائے ہوئے ایک راگ کی آواز سن رہی ہے جو لشکر کی جانب سے آتی تھی۔سلیمان نے بھی آواز سنی۔اس لونڈی کو حکم دیا، وہ الگ ہوگئی اور خود کان لگا کر وہ آواز سننے لگے۔معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گا رہا ہے تو خاموش ہو کر سننے لگے حتیٰ کہ جو شعر وہ گا رہا تھا سمجھ گئے۔بعد ازاں اس لونڈی کے سوا دوسری کو بلایا اور وضو کیا جب صبح ہوئی لوگوں کو اِذن عام دیا کہ سب حاضر ہوں۔جس وقت سب لوگ آ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔سلیمان نے راگ کا اور ان بزرگوں کا جو راگ سنتے تھے، ذکر چھیڑا اور سب اس بارے میں ایسی نرم بیانی کی کہ لوگ سمجھے سلیمان غنا کی خواہش رکھتے ہیں لہٰذا سب کے سب غنا کے اصول تلیین وتحلیل وتسہیل وغیرہ کا ذکر کرنے لگے۔سلیمان نے کہا: بھلا کیا کوئی اور آدمی بھی تم میں ایسا باقی رہ گیا ہے جس سے کچھ سنا جائے۔ایک شخص بولا یا امیر المومنین !میرے یہاں ایلہ کے رہنے والے دو آدمی ہیں، جو اس فن میں حاذق (ماہر) ہیں۔سلیمان نے پوچھا لشکر میں تمہارا قیام کدھر ہے؟اس نے اس جانب اشارہ کیا جدھر سے راگ کی آواز آئی تھی۔حکم دیا کہ ان دونوں کو بلوایا جائے۔قاصد گیا تو ان میں سے ایک کو پایا اور اس کو سلیمان کے حضور میں پہنچایا۔سلیمان نے اس کا نام پوچھا، کہنے لگا میرا نام سمیر ہے۔پھر سوال کیا کہ تو گانا کیسا جانتا ہے؟ جواب دیا کہ اس فن میں بہت بڑا کامل ہوں۔پوچھا کہ تو نے کب سے نہیں گایا ہے؟اس نے کہا: حضور!میں نے آج ہی رات گایا تھا۔سلیمان نے پوچھا کہ لشکر کی کس جانب میں تھا؟ اس نے وہی جانب بتائی جس طرف سے آواز آئی تھی۔دریافت کیا کہ رات کو کون سا شعر گاتا تھا؟اس نے وہی شعر بتایا جو سلیمان نے سنا تھا۔اسی وقت سلیمان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ اونٹ بلبلاتا ہے تو اونٹنی بے خود ہو جاتی ہے۔بکرا جوش شہوت میں آ کر آواز نکالتا ہے تو

بکری مست ہو جاتی ہے، کبوتر غٹرغوں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آتی ہے اور مرد راگ گاتا ہے تو عورت طرب میں آتی ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا وہ آدمی خصی کر دیا گیا اور دریافت کیا کہ غنا کی اصل کہاں سے ہے؟ لوگوں نے کہا: مدینہ میں مخنث لوگ اس فن کے کامل اور پیشوا ہیں۔ سلیمان نے اپنے عامل ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم جو مدینہ پر حاکم تھے تحریر کیا کہ جس قدر تمہارے یہاں مخنث گانے والے ہیں سب کو خصی کر ڈالو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غنا کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ اعتدال سے خارج کر دیتا ہے اور عقل میں تغیر لاتا ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ انسان جب طرب ونشاط میں آتا ہے تو باوجود صحتِ ہوش وحواس کے ایسی حرکتیں کر گزرتا ہے جو بری معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سر ہلانا، تالی بجانا زمین پر پاؤں پٹکنا وغیرہ جو رکیک عقل والے کرتے ہیں اور راگ ایسی حرکتوں کا باعث ہوتا ہے اس میں قریب قریب شراب کا خاصہ ہے کہ عقل کو ڈھانک لیتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس سے منع کیا جائے۔

محمد بن منصور کے سامنے قصیدے سننے والوں کا تذکرہ آیا۔ کہنے لگے کہ یہ لوگ خدا کی طرف سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سے حسن معاملت اور صدق نیت رکھتے تو وہ ان کے دلوں میں ایسی باتیں القاء فرماتا کہ یہ لوگ بیہودہ باتوں میں پڑنے سے باز رہتے۔

ابوعبداللہ بن بطہ عکبری نے کہا: مجھ سے ایک شخص نے گانا سننے کی نسبت سوال کیا، میں نے اس کو منع کیا اور بتایا کہ غنا کو علما برا سمجھتے ہیں اور بیوقوف لوگ اچھا جانتے ہیں۔ ایک گروہ اس حرکت کے مرتکب ہیں جن کو صوفیہ کہتے ہیں اور اہل تحقیق نے ان کا نام احمق، برے لوگ، کم ہمت والے، بدعت کے طریقوں والے رکھا ہے۔ یہ لوگ زہد کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی سب باتیں تیرہ دلی کی ہیں۔ امید وبیم سے آزاد ہو کر شوق ومحبت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ نامردوں اور عورتوں سے گانا سن کر طرب میں آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شدتِ محبت اور کثرتِ شوق میں ان کا یہ حال ہو گیا ہے، نعوذ باللہ۔ یہ جاہل جو کچھ بکتے ہیں ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ نہایت پاک اور برتر ہے۔

ان شبہات کا بیان جن سے گانا سننے کو جائز بتانے والے دلیل لاتے ہیں

ان میں سے ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ''ان کے پاس دو لڑکیاں

دف بجا رہی تھیں۔'' (1) اور بعض الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ ہیں کہ میرے پاس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے۔ اس وقت انصار میں سے دو لڑکیاں میرے پاس وہ اشعار گا رہی تھیں جو جنگ بعاث کے روز انصار نے فخریہ پڑھے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی آواز کا کیا کام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو بکر! ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم میں عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے۔'' (2) اس حدیث کا ذکر پیشتر گزر چکا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک یہ حدیث ہے کہ ایک عورت ایک انصاری کے ساتھ بیاہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ لہو کی چیزوں میں سے کیا کیا تھا۔ کیوں کہ انصار لہو کو پسند کرتے ہیں۔'' (3) یہ حدیث بھی مذکور ہو چکی۔ ایک فضالہ بن عبید کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے والے کی طرف اس سے بھی زیادہ کان لگاتا ہے کہ کوئی اپنی گانے والی لونڈی کا گانا سنتا ہو۔'' (4) ابو طاہر نے کہا کہ اس حدیث سے دلیل لانے کی وجہ یہ ہے کہ گانا سننے کا جواز ثابت ہو گیا کیوں کہ جائز چیز کو حرام چیز پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی طرف ایسی توجہ نہیں فرمائی جیسے توجہ ایسے نبی کی طرف فرمائی جو قرآن کے ساتھ تغنی (یعنی خوش آوازی) کرتا ہے'' (5) اور ایک حدیث حاطب کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حلال اور حرام میں فرق دف بجانے سے ہوتا ہے۔'' (6)

---

(1) بخاری: رقم: ۹۸۷؛ مسلم: رقم: ۲۰۶۳۔ (2) ایضاً۔ (3) ایضاً۔ (4) [ضعیف] ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب فی حسن الصوت بالقرآن، رقم ۱۳۴۰۔ مسند احمد: ۶/ ۱۹، ۲۰۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۷۶۱، کتاب فضائل القرآن، رقم ۲۰۹۷۔ ضعیف سنن ابن ماجہ: ص ۱۰۱، رقم ۲۵۱، ۱۳۵۷۔ سلسلۂ ضعیفہ: رقم ۲۹۵۱۔

(5) بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن، رقم ۵۰۲۴۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، رقم ۱۸۴۵۔ ابوداؤد: کتاب الصلوٰۃ، باب کیف یستحب الترتیل فی القرآن، رقم ۱۴۷۳۔ نسائی: کتاب الافتتاح، باب تزیین القرآن بالصوت، رقم ۱۰۱۸، ۱۰۱۹۔ مسند احمد: ۲/ ۲۷۱، ۲۸۵، ۴۵۰۔ مسند داری: ۱/ ۳۷۲، کتاب الصلاۃ، باب التغنی بالقرآن، رقم ۱۴۶۲۔

(6) ترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح، رقم ۱۰۸۸۔ نسائی: کتاب النکاح، باب فی اعلان النکاح بالصوت وضرب الدف، رقم ۳۳۷۱۔ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، رقم ۱۸۹۶۔ مسند احمد: ۳/ ۴۱۸۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۲۰۱، کتاب النکاح، رقم ۲۷۵۰۔ ارواء الغلیل: ۷/ ۵۰، رقم ۱۹۹۴۔

جواب: ان شبہات کا یہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر گفتگو پیشتر ہو چکی ہے اور ہم بیان کر چکے کہ وہ لڑکیاں شعر پڑھتی تھیں اور اس کو غنا اس لیے فرمایا کہ اس میں ایک قسم کا ٹھہراؤ اور ترجیع بھرنا پایا جاتا تھا۔ اس قسم کے گانے سے طبیعتیں اعتدال سے باہر نہیں ہوتیں اور بھلا اس گانے سے جو شعر خوانی تھا جو ایسے زمانہ میں واقع ہوا جو فتنے سے محفوظ تھا اور صاف قلوب کے سامنے گایا گیا کیونکر حجت ہو گی ایسے راگ گانے پر جو آج کل کے کدورت آمیز زمانے کی طرب انگیز آوازوں پر گاتے ہیں جن کو ایسے لوگ سنتے ہیں جو ہوائے نفسانی کے بندے ہیں یہ صرف سمجھ کا مغالطہ ہے۔ بھلا کیا حدیث صحیح میں نہیں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے کہ عورتوں نے کیسی کیسی باتیں نکالی ہیں تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے۔ [1] فتویٰ دینے والے کو چاہیے کہ لوگوں کے احوال کا اندازہ کرے۔ جس طرح طبیب کو لازم ہے کہ وقت اور عمر اور شہر کا اندازہ کر کے اسی مقدار پر علاج کرے اور بھلا کجا ان اشعار کا گانا جو انصار نے جنگ بعاث کے روز باہم پڑھے تھے اور کہاں خوب صورت امرد کا راگ جس کو وہ خوش آئندہ آلات پر گاتا ہے اور اپنا ہنر دکھاتا ہے جس کی طرف نفس کھنچتا ہے اور وہ غزلیں گاتا ہے جن میں ہرن اور ہرنی کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسے مقام پر طبیعت کیونکر قائم رہ سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ شوق سے لذیذ چیز کی جانب بے تابانہ دوڑے گی اور اس امر کا دعویٰ کہ مجھ پر ایسی حالت نہیں گزرتی وہی شخص کرے گا جو جھوٹا یا حد آدمیت سے گزرا ہوا ہو گا اور جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ان غزلیات سے خالق کی طرف اشارہ لیتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ایسی چیز عمل میں لاتا ہے جو اس کی ذات کے شایاں نہیں۔ علاوہ ازیں طبیعت اسی طرف مشتاق ہو گی جو خواہش اس میں پائی جاتی ہے۔ ابو الطیب طبری نے اس حدیث سے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ حدیث ہمارے لیے حجت ہے کیوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس گانے کا نام شیطان رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں فرمایا فقط بوجہ خوش اخلاقی کے خاص کر عید کا لحاظ کر کے انکار میں تشدد کرنے سے منع فرمایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں اور بالغ ہونے کے بعد ان سے بجز راگ کی مذمت کے اور کچھ منقول نہیں۔ ان کے بھتیجے قاسم بن محمد غنا

---

[1] بخاری: کتاب الاذان، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، رقم ۸۶۹۔ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ، رقم ۹۹۹۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب التشدید فی ذلک، رقم ۵۶۹۔

کر برا کہتے تھے اور اس کے سننے سے منع کرتے تھے انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم حاصل کیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: دوسری حدیث میں جو لہو کا ذکر ہے یہ غنا کے بارے میں صراحت نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ شعر وغیرہ کا پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی وہ حدیث جس میں گانے والی لونڈی کی طرف کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے۔ تو اس میں کچھ قباحت نہیں کہ مشبہ حرام ہو۔ کیوں کہ انسان اگر یوں کہے کہ میں نے شہد میں شراب کا مزا پایا تو یہ کلام صحیح ہوگا۔ حدیث میں صرف دونوں حالت میں کان لگانے کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے۔ پھر ایک چیز کا حرام اور دوسری کا حلال ہونا تشبیہ کے لیے مانع نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ ''تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاند کو چودھویں تاریخ میں دیکھتے ہو۔'' [1] یہاں بھی صاف طور پر دیکھنے میں تشبیہ دی گئی ہے۔ گو کہ باہم فرق واقع ہے۔ کیوں کہ چاند ایسی چیز ہے جس کو دیکھنے والے کی نگاہ احاطہ کر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ و پاک ہے۔

فقہا وضو کے پانی کی نسبت کہتے ہیں کہ اعضاء پر سے خشک نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ عبادت کا اثر ہے۔ اس کا پونچھنا مسنون نہیں۔ جس طرح شہید کا خون نہیں پونچھا جاتا ہے یہاں خون اور پانی کو اس لیے جمع کر دیا کہ عبادت ہونے کی رو سے دونوں متفق ہیں۔ گو کہ طہارت اور نجاست کے حکم میں جدا جدا ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ ابن طاہر کا یہ استدلال کہ قیاس ہمیشہ مباح چیز پر ہوا کرتا ہے صوفیہ کی فقہ دانی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قرآن شریف پڑھنے میں غنا کرے۔ اس کے معنی سفیان بن عیینہ نے یہی لیے ہیں کہ خوش آوازی سے پڑھے۔ شافعی رحمہ اللہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ غمناک آواز میں ترنم کے ساتھ پڑھے۔ ان دونوں کے سوا دوسرے علما اس غنا کو ایسے گردانتے ہیں جیسے اونٹوں پر چلنے والے رات کو گاتے چلتے ہیں۔

---

[1] بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ رقم ۷۴۳۴۔ مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاتي الصبح والعصر...... ۱۴۳۴۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ باب فی الرؤیۃ، رقم ۴۷۲۹۔ ترمذی: کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک وتعالیٰ، رقم ۲۵۵۱۔ ابن ماجۃ: المقدمۃ، باب فیما انکرت الجہمیۃ، رقم ۱۷۷۔ مسند احمد: ۴/ ۳۶۰، ۳/ ۱۶، ۲/ ۲۹۳، ۵۳۴۔

باقی رہا دف کا بجانا، تابعین کی ایک جماعت دفوں کو توڑ ڈالا کرتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ایسے دف نہ تھے جیسے آج کل ہیں۔ اگر ان دفوں کو دیکھتے تو خدا جانے کیا کرتے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی سنت میں سے دف کسی چیز میں داخل نہیں۔ ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا: صوفیہ میں سے جو دف کو جائز رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حجت لاتے ہیں وہ خطا پر ہیں۔ کیوں کہ ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح کا اعلان ہو، سب میں اس کا شور مچ جائے اور لوگوں میں چرچا ہونے لگے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر دف کو حقیقی معنوں پر بھی محمول کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ بنابر آں کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امید ہے کہ دف میں بیاہ شادی کے دن کوئی ڈر نہ ہو اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے۔ عامر بن سعد بجلی نے کہا: میں نے ثابت بن سعد کو ایک بار تلاش کیا وہ اہل بدر میں سے تھے۔ مجھ کو ایک شادی کی محفل میں ملے۔ وہاں کچھ لڑکیاں گاتی تھیں اور دف بجاتی تھیں۔ میں نے کہا: آپ اس سے منع نہیں کرتے۔ وہ بولے کہ نہیں منع کرتا۔ کیوں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر اس کی اجازت فرمائی ہے۔ [1] قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کا اظہار کرو اور اس کے لیے غربال یعنی دف بجاؤ۔ [2] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جن حدیثوں سے ان لوگوں نے حجت پکڑی ہے ان سے اس مشہور غنا کے جواز پر جو طبیعتوں پر اثر کرتا ہے استدلال نہیں لا سکتے۔

صوفیہ کے لیے کچھ لوگوں نے جو تصوف کی محبت میں مفتون ہو گئے ایسے اقوال سے حجت پکڑی ہے جن سے حجت نہیں نکلتی۔ ابونعیم اصفہانی نے کہا: براء بن مالک سماع کی طرف مائل اور ترنم کو لذیذ سمجھتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابونعیم نے براء سے صرف یہی روایت کی ہے کہ وہ ایک روز لیٹے اور ترنم کیا۔ اس کٹ حجتی پر غور کرنا چاہیے۔ کوئی ایسا نہیں جو ترنم نہ کرے

---

[1] نسائی: کتاب النکاح، باب اللھو والغناء عند العرس، رقم ۳۳۸۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/ ۲۸۹، کتاب الصداق باب ما یستحب من اظہار النکاح واباحۃ الضرب بالدف علیہ۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۲۰۱، کتاب النکاح، رقم ۲۷۵۲۔ مسند ابی داؤد طیالسی: ۲/ ۵۴۸، رقم ۱۳۱۷۔ [2] اس میں خالد بن الیاس راوی ضعیف ہے۔ ابن ماجۃ: کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، رقم ۱۸۹۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/ ۲۹۰، کتاب الصداق، باب یستحب من اظہار النکاح...... سنن سعید بن منصور: ۱/ ۳/ ۲۰۳۔ کتاب النکاح: باب ما جاء فی نکاح السر، رقم ۶۳۵۔

بھلا کہاں ترنم اور کجا طرب انگیز راگ سننا۔

محمد بن طاہر نے صوفیہ کے لیے ایسی چیزوں سے دلیل پکڑی ہے کہ اگر ان اشیاء پر جاہلوں کے پھسل پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو ذکر کرنے کے قابل نہ تھیں۔ کیوں کہ محض مہملات ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ ابو طاہر نے اپنی کتاب میں باب باندھا ہے۔ جس میں قوال سے فرمائش کرنا سنت قرار دیا ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عمرو بن شرید نے اپنے باپ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے امیہ کے اشعار پڑھنے کو فرمایا۔ آپ ہر شعر پڑھی ھی یعنی اور پڑھو فرمانے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے سو۱۰۰ شعر پڑھے۔ ابو طاہر نے ایک باب اور باندھا ہے۔ جس میں غزل سننے کی دلیل یہ لکھی ہے کہ عجاج نے کہا: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کے اشعار کی نسبت دریافت کیا مصرع (طَافَ الْخَيَالَاتُ فَهَا جَاسُقْماً) یعنی دو صورتیں خواب میں نظر آئیں اور مرض کو برانگیختہ کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ایسے اشعار رسول اللہ ﷺ کے حضور میں پڑھے جایا کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابو طاہر کے حجت لانے پر غور کرنا چاہیے کہ کس قدر تعجب خیز ہے یہ شخص شعر پڑھنے کے جواز سے اس کے گانے پر کیونکر استدلال لاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے چونکہ عود کی پشت پر ہاتھ مارنا جائز ہے لہٰذا اس کے تاروں پر بھی ہاتھ مارنا (بجانا) جائز ہوا۔ یا یوں کہے انگور کو نچوڑ کر اسی روز پی لینا جائز ہے لہٰذا کئی دن کے بعد پینا بھی جائز ہوا۔ ابو طاہر کو یہ نہیں یاد رہا کہ شعر پڑھنا ایسا طرب انگیز نہیں جیسا غنا نشاط لاتا ہے۔

ابو محمد تمیمی نے کہا: میں نے ابو علی بن موسیٰ ہاشمی سے سماع کے بارے میں پوچھا۔ جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اس بارے میں کیا حکم دوں بجز اس کے کہ ایک روز ۳۷۰ھ میں شیخ ابو الحسن عبدالعزیز بن حارث کے یہاں میں ایک دعوت میں گیا۔ جس میں انہوں نے اپنے اصحاب کو مدعو کیا تھا۔ اس دعوت میں ابو بکر ابہری شیخ مالکیہ، ابو القاسم دارکی شیخ شافعیہ، ابو الحسن طاہر ابن حسین شیخ اہل حدیث، ابو الحسن بن سمعون شیخ واعظین وزہاد اور ابو عبداللہ بن مجاہد شیخ متکلمین، ابو بکر باقلانی اور یہ ہمارے شیخ ابو الحسن تمیمی شیخ حنابلہ موجود تھے۔ ابو علی نے کہا اگر ان سب بزرگواروں پر چھت ٹوٹ پڑے تو عراق میں کوئی ایسا عالم نہ رہے جو حادثہ میں سنت کے مطابق فتویٰ دے۔ اس دعوت میں ان کے ساتھ ابو عبداللہ بھی تھا۔ وہ بڑی خوش الحانی سے قرآن شریف

پڑھا کرتا تھا۔ اس محفل میں کسی نے اس سے کہا: کوئی چیز اس وقت گاؤ۔ اس نے چند اشعار گائے۔ یہ جتنے بزرگ جمع تھے سب سن رہے تھے۔ ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

''معشوقہ کی انگلیوں نے کاغذ پر مجھ کو ایک خط لکھا اور یہ رسالہ معتبر بانفاس تھا (یا وہ خط بے خودی میں نہیں بلکہ ہوش کی حالت میں تحریر کیا تھا) اس میں لکھا کہ میں تجھ پر قربان جاؤں میرے پاس آ اور غرور کا برتاؤ میرے ساتھ نہ کر کیوں کہ میرا تجھ سے عشق رکھنا تمام لوگوں پر ظاہر ہو گیا۔ جس نامہ بر نے معشوقہ کا خط مجھ کو لا کر دیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا ٹھہرو میں سر آنکھوں سے وہاں چلنے کو تیار ہوں۔''

ابوعلی نے کہا: جب سے میں نے یہ واقعہ دیکھا ہے غنا کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حکایت کے روایت کرنے میں اگر محمد بن طاہر سچے بھی ہوں کیوں کہ حافظ بن ناصر کہتے ہیں کہ محمد بن طاہر ثقہ نہیں تو یہ اشعار اس امر پر محمول ہوں گے کہ اس لڑکے نے پڑھے تھے نہ یہ کہ عود و چنگ بجا کر گائے تھے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ابوعلی ضرور ذکر کرتے۔ علاوہ بریں یہ جملہ عجیب خلل آمیز ہے کہ ''میں غنا کے ممنوع یا مباح ہونے کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتا'' اگر ابوعلی ان بزرگوں کے مقلد تھے تو مباح ہونے کا فتویٰ دینا چاہیے اور اگر دلیل پر غور کرتے تھے تو اس محفل میں ان علما کی موجودگی سے اس پر کیا لازم آیا۔ کیا برعکس اجتہاد و مذاہب کے صحیح ہو گیا، بلکہ اہل مذہب کے لیے اپنے مذہب کا اتباع کرنا بہتر ہے۔ ہم ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمۃ اللہ علیہم سے کافی بیان اس امر میں کر چکے اور اس کی تائید میں بھی بہت کچھ لکھ چکے۔

ابن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس میں قوال کی عزت کرنا اور اس کے لیے محفلیں خاص جگہ مقرر کرنا بیان کیا اور اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے کعب بن مالک کی طرف پھینک دی، جب انہوں نے آپ کے سامنے قصیدہ بَانَتْ سُعَاد پڑھا تھا۔ [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابن

---

[1] مستدرک الحاکم: ۳/ ۶۷۰، ۶۷۳۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ، رقم ۶۴۷۷، ۶۴۷۸۔ اسد الغابۃ: ۳/ ۵۲۸، ۵۳۰ فی ترجمہ (۴۴۶۵) کعب بن زہیر۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۵/ ۴۴۴ فی ترجمۃ (۷۴۲۶) کعب بن زہیر۔

طاہر کے یہ اقوال ہم نے اس لیے ذکر کر دیئے ہیں تا کہ اس شخص کی فقہ دانی کا اندازہ معلوم ہو جائے۔ ورنہ وقت اس سے زیادہ قیمتی ہے کہ ایسی تخلیط کی طرف توجہ کی جائے۔

ابراہیم بن عبداللہ جن کو لوگ متبرک جانتے تھے، کہتے ہیں کہ مجھ سے مزنی نے بیان کیا کہ ہم ایک بار شافعی اور ابراہیم بن اسماعیل کے ہمراہ ایک جماعت کے مکان کی طرف گزرے۔ ان لوگوں کو ایک لونڈی شعر سنا رہی تھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

''میرے دوستو! معشوقہ سے بچھڑتے وقت سواریوں کو کیا ہو گیا میں دیکھتا ہوں کہ وہ پیچھے کی طرف مڑے جاتی ہیں۔''

شافعی کہنے لگے آؤ اس طرف چل کر سنیں۔ جب وہ لونڈی گا چکی۔ شافعی نے ابراہیم سے کہا: تم کو اس سے طرب آتا ہے؟ جواب دیا نہیں۔ بولے تم کو حس نہیں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا: شافعی سے ایسی روایت محال ہے کیوں کہ اس کے راوی سب مجہول ہیں اور ابو طاہر ثقہ نہیں اور شافعی کا رتبہ اس سے بہتر تھا۔ ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ کہ ابو القاسم حریری نے کہا کہ ابو طیب طبری کہتے ہیں غیر محرم عورت سے گانا سننے کی نسبت اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ جائز نہیں۔ خواہ وہ عورت آزاد ہو یا مملوکہ۔ طبری نے کہا: شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جس لونڈی کا مالک لوگوں کو جمع کر کے ان کو لونڈی کا گانا سنائے تو بیوقوف ہے۔ اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ پھر شافعی نے اس بارے میں تشدد سے گفتگو کی اور دیانت کا حق ادا کیا۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا: شافعی رحمہ اللہ نے اس لونڈی کے مالک کو بیوقوف (سفیہ) بمعنی فاسق قرار دیا ہے۔

محمد بن قاسم بغدادی نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کیا کہ سعد بن عبداللہ دمشقی نے فقرا کے لیے ایک گانے والی لونڈی خریدی وہ ان کو قصیدے سنایا کرتی تھی۔ ابو طالب مکی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ہم نے مروان قاضی کو دیکھا ہے ان کے یہاں الحان سے گانا سنانے والی لونڈیاں تھیں۔ عطاء کے اصحاب ان کا گانا سنا کرتے تھے۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا: سعد دمشقی تو ایک جاہل آدمی ہے لیکن عطاء کی نسبت ایسی حکایت کرنا محال اور دروغ ہے اور مروان کی حکایت اگر صحیح ہے تو وہ فاسق ہے۔ جو کچھ ہم نے شافعی سے نقل کیا ہے اس قوم کا یہ حال ہے کہ علم سے نادان ہے اور خواہش نفسانی میں پڑ گئے۔

زاہر بن طاہر نے ابو عثمان صابونی اور ابو بکر بیہقی سے روایت کیا کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے کہا: میں اور صوفی فارس بن عیسیٰ اکثر ابو بکر ابریسمی کے مکان میں یک جا ہو کر مسماۃ ہزارہ کا گانا سنا کرتے تھے، خدا اس پر رحم کرے وہ پردہ نشین گانے والیوں میں سے تھی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حاکم ایسے شیخ سے ایسی حرکت صادر ہونا نہایت قبیح ہے۔ حاکم سے یہ بات کیونکر مخفی رہی کہ غیر محرم عورت کی آواز سننا جائز نہیں۔ پھر حاکم سے اور زیادہ تعجب یہ کہ بیباک ہو کر اس واقعہ کا بیان کتاب تاریخ نیشاپور میں لکھا۔ وہ ایک علمی کتاب ہے جس میں ایسے واقعہ کے ذکر کرنے سے کنارہ کشی لازم تھی۔ حاکم کی عدالت (قابل اعتبار ہونے) میں فرق آنے کے لیے یہ قصہ کافی ہے۔

اسماعیل سمرقندی نے مرفوعاً بیان کیا کہ عون بن عبداللہ وعظ کہا کرتے تھے۔ جب فارغ ہوتے تو اپنی لونڈی کو حکم دیتے، وہ قصے سناتی اور طرب میں لاتی۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے عون کے پاس کسی کو بھیجا یا بھیجنا چاہا اور کہا کہ تم خاندان صدق وصفا سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حماقت سکھلانے کے واسطے مبعوث نہیں فرمایا اور تمہاری یہ حرکت احمقوں کی حرکت ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم عون کی نسبت گمان نہیں کر سکتے کہ انہوں نے اپنی لونڈی کو آدمیوں کے سامنے وعظ کہنے کا حکم دیا بلکہ یہ چاہا ہوگا کہ تنہائی میں خود اس کا وعظ سنیں اور وہ لونڈی ان کی مملوکہ تھی۔ مغیرہ نے ان سے کہا: اس بات سے درگزر کرو گویا اس کو بھی روا نہ رکھا کہ خود عون اس لونڈی کے گانے سے طرب حاصل کریں۔ چہ جائے کہ غیر لوگ عورتوں کی آواز سنیں۔

ابو طالب مکی نے کہا عبداللہ بن جعفر غنا سنا کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صرف اپنی لونڈیوں سے اشعار پڑھوا کر سنتے تھے۔ ابن طاہر نے اس حکایت کے بعد جو شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے، ایک حکایت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے جس کو ہم نے بھی ذکر کیا ہے۔ ابو طاہر نے وہ حکایت اس طریق سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن سلمی نے ابوالعباس فرغانی سے ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں میں نے صالح ابن احمد بن حنبل سے سنا بیان کرتے تھے کہ مجھ کو سماع کا شوق تھا اور میرے باپ احمد بن حنبل اس سے نفرت رکھتے تھے۔ میں نے ابن خبازہ سے ایک رات وعدہ لیا وہ میرے پاس ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ جب میں نے جانا میرے باپ

کی آنکھ لگ گئی۔ ابن خبازہ گانے لگا۔ میں نے کوٹھے کی چھت پر اپنے باپ کی آہٹ محسوس کی۔ میں اوپر چڑھا اور اپنے باپ کو دیکھا کہ گانا سن رہے ہیں اور اپنا دامن بغل میں دبائے ہوئے ٹہل رہے ہیں۔ گویا ان پر رقص کی حالت طاری ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم کو یہ قصہ کئی طریقوں سے پہنچا ہے۔ ایک طریق یہ کہ ابوبکر بن مالک قطیعی نے کہا کہ عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں ابن خبازہ کو بلایا کرتا تھا اور میرے باپ ہم لوگوں کو تغییر سے منع کیا کرتے تھے۔ میرا یہ قاعدہ تھا کہ جب ابن خبازہ میرے پاس ہوتا تو اس کو اپنے باپ سے چھپا دیتا تاکہ کہیں وہ اس کا گانا نہ سن لیں۔ ایک رات وہ میرے پاس تھا اور کچھ گا رہا تھا۔ میرے باپ کو ہمارے پاس آنے کی کچھ ضرورت پیش آئی۔ ہم اس وقت بالاخانے میں تھے۔ میں دیکھنے کے لیے باہر نکلا دیکھتا کیا ہوں کہ میرے باپ اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں، اُدھر سے اِدھر آتے ہیں۔ میں نے دروازہ بند کر لیا اور اندر ہو گیا۔ جب صبح ہوئی مجھ سے بولے کہ بیٹا اگر تم ایسا گانا سنتے ہو تو یہ کلام خوب ہے یا کوئی ایسا ہی تعریفی جملہ زبان پر لائے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ ابن خبازہ زہدیہ قصیدے پڑھا کرتا تھا۔ اسی لیے احمد نے اس طرف کان لگائے اور یہ جو روایت کیا گیا کہ ادھر اُدھر ٹہلتے تھے تو انسان کو طرب بے قرار کر ہی دیتا ہے۔ لہٰذا دائیں جانب اور بائیں جانب جھکنے لگتا ہے اور ہم نے سُلمی اور ابن طاہر کا حال تو بیان کر دیا ہے یعنی قابل اعتبار نہیں ہے۔ جنہوں نے ان دونوں روایتوں سے غل مچایا۔

ابوطالب مکی نے صوفیہ کے لیے جواز سماع پر منامات یعنی خواب کے وقوعات سے حجت پکڑی ہے اور سماع کی کئی قسمیں نکالی ہیں۔ یہ تقسیم ایک صوفی کی ہے جس کی کوئی اصل نہیں اور ہم بیان کر چکے کہ جو شخص اس بات کا دعویٰ کرے کہ وہ راگ سنتا ہے لیکن اس پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور اس کے نفس کو ہوا (خواہشات) کی طرف حرکت نہیں ہوتی یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔

ابوعلی طبری نے کہا: بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم راگ کو اس طبیعت سے نہیں سنتے جس میں خاص وعام مشترک ہیں۔ ابوعلی طبری کہتے ہیں کہ اس دعوے میں دو وجہ سے ان لوگوں کو بہت بڑا تجاہل ہے۔ ایک تو اس بنا پر ان کو یہ لازم ہے کہ عود اور طنبور اور تمام ملاہی کو مباح کر لیں کیوں کہ یہ لوگ ایسی طبیعت سے سنتے ہیں جس میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں۔ اب اگر یہ لوگ تمام

ملاہی کو مباح نہ کریں تو ان کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر مباح بتائیں تو فاسق ہیں۔ دوسرے یہ دعویٰ کرنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس امر کا دعویٰ کریں کہ وہ بشری طبیعت سے علیحدہ ہو کر بمنزلۂ فرشتوں کے ہوگئے۔ اگر یہ دعویٰ ہے تو ان لوگوں نے اپنی طبیعتوں کو معرض اعتراض بنایا اور ہر اہل عقل کو ان کے نفسوں پر خیال کرنے سے ان کا کذب و دروغ معلوم ہوگیا اور یہ بات بھی لازم آئی کہ ان لوگوں کو لذات و شہوات کے ترک کرنے پر کچھ ثواب نہ ہو، عقلمند آدمی کبھی ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یا یہ لوگ کہنے لگیں کہ ہم میں وہی بشری طبیعت موجود ہے جس کی سرشت وخمیر میں ہوا و شہوت داخل ہے۔ ہم کہیں گے کہ پھر تم بغیر طبیعت کے کیونکر راگ سنتے ہو یا بغیر کسی قسم کی نفسانی خواہش کے گانا سن کر طرب میں آتے ہو۔ ابو علی رودباری سے کسی نے ملاہی سننے والوں کی نسبت سوال کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہم ایسے درجے پر پہنچ گئے کہ حالتوں کے مختلف ہونے سے ہم میں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ابو علی نے جواب دیا، ہاں قسم ہے کہ یہ لوگ ضرور پہنچ گئے ہیں مگر جہنم میں پہنچے ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے کہا: اگر کوئی کہے کہ ہم نے سنا ہے کچھ لوگوں نے کوئی شعر سنا اور اس کو اپنے قصے کے موافق اخذ کر کے اس سے نفع حاصل کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ انسان کوئی شعر یا کلمہ سن کر اس سے اشارہ اخذ کرے اور اس کے معنی پر غور کر کے بے قرار ہو جائے۔ کیوں کہ آواز میں طرب انگیزی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کسی مرید نے ایک گانے والی عورت کو یہ شعر گاتے ہوئے سنا کہ:

كُلَّ يَوْمٍ تَتَلَوَّنُ غَيْرُ هَذَا بِكَ اَجْمَلُ

یہ شعر سنتے ہی نعرہ مارا اور مر گیا۔ اس مرید نے عورت کا گانا سننے کو قصد نہ کیا تھا اور نہ الحان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ بلکہ صرف معنی نے اس کو مار ڈالا علاوہ ازیں ایک شعر یا کلمہ کا سننا ایسا نہیں جیسا بہت سے طرب انگیز اشعار سننے کے لیے تیاری کرنا اور اس گانے کے ساتھ باجے اور تالیاں بجانا۔ پھر اس مرنے والے مرید نے قصداً وہ شعر نہ سنا تھا۔ اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ میرے لیے قصد کر کے شعر کا سننا جائز ہے۔ ہم اس کو منع کریں گے۔

ابو حامد طوسی نے صوفیہ کے لیے بہت سی حجت پکڑی ہے جن میں وہ عقل وفہم کے رتبہ سے اتر آئے ہیں۔ ماحصل ان کے تمام کلام کا یہ ہے کہ سماع کے حرام ہونے پر کوئی نص اور

قیاس دلالت نہیں کرتا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جواب اس کا وہی ہے جو ہم پیشتر بیان کر چکے۔ ابو حامد کہتے ہیں، عمدہ آواز کی کوئی وجہ نہیں۔ کیوں کہ مباحات کے افراد جب مجتمع ہوں تو وہ مجموعہ مباح ہی ہوگا۔ مگر ہاں اس کے مفہوم پر غور کیا جائے گا۔ اگر اس میں کوئی امر ممنوع ہے تو اس کا نثر اور نظم سب حرام ہوگا اور آواز سے اس کا گانا بھی حرام ہوگا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ کو اس کلام پر تعجب آتا ہے کہ تار منفرد طور پر یا صرف عود بغیر تار کے اگر بجایا جائے تو نہ حرام ہوگا اور نہ طرب پیدا کرے گا جب دونوں یک جا ہوئے اور خاص طور پر بجائے گئے۔ حرمت آگئی اور طرب پیدا ہوا۔ علی ہذا القیاس! انگور کے عرق کا پینا جائز ہے مگر جب اس میں سرور پیدا ہوا تو حرام ہو گیا۔ لہٰذا اسی طرح سماع مجموعی طور پر طرب خارج از اعتدال کا باعث ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ممنوع ہے۔ ابن عقیل نے کہا: آوازیں تین قسم کی ہیں۔ حرام، مکروہ اور مباح۔ حرام تو بانسری اور نئے، شہنائی، طنبور، چنگ و رباب اور اس قسم کے سب باجے ہیں۔ احمد نے قطعی طور پر ان سب باجوں کو صریح حرام کہا ہے اور چنگ و جرافہ (ایک آلہ) کو بھی انہیں میں شامل کیا ہے کیوں کہ یہ باجے طرب لاتے ہیں اور اعتدال سے خارج کر دیتے ہیں اور اکثر لوگوں کی طبیعت میں نشہ کا عمل کرتے ہیں ان باجوں کا استعمال غم و مصیبت میں ہو یا عیش و خوشی میں یکساں ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حماقت آمیز آوازوں سے منع فرمایا ہے۔ ایک نغمہ کی آواز، دوسرے غم کا نوحہ اور مکروہ لکڑیوں کا بجانا ہے۔ کیوں کہ یہ فی نفسہ طرب انگیز نہیں بلکہ طرب لانے والی چیز ہے جو اس کے تابع ہے۔ یعنی جب گانے کے ساتھ بجائیں اور گانے کی آواز مکروہ ہے اور ہمارے بعض اصحاب اس کو بھی دیگر آلات لہو کی طرح حرام کہتے ہیں تو اس میں قوالی کی طرح دو وجہیں ہیں۔ مباح دف ہے۔ احمد سے ہم روایت کر چکے کہ انہوں نے کہا: میں امید کرتا ہوں کہ بیاہ شادی میں دف بجانے میں کوئی ڈر نہ ہو، اور طبل میرے نزدیک مکروہ ہے۔

ابو حامد نے کہا: جو خدا سے محبت رکھے۔ اور اس کا عاشق اور اس کی ملاقات کا مشتاق ہو تو اس کے حق میں سماع اس کے عشق کا تاکید کرنے والا ہوگا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یوں کہنا بہت ہی قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے۔ علاوہ ازیں اس شعر میں کون سی اس کے عشق کی تاکید پائی

جاتی ہے۔

ذَهَبِيُّ اللَّوْنِ تَحْسَبُ مِنْ وَجْنَتِهِ النَّارُ تَقْتَدِحُ

''طلائی رنگ معشوق گویا اس کے رخساروں سے شعلہ برستا ہے۔''

ابن عقیل نے کسی صوفی کو سنا، کہتا تھا کہ گروہ صوفیہ کے مشائخ کی طبیعتیں جب ٹھہر جاتی ہیں اسی وقت غزل خواں اشعار سنا کر ان کو اللہ کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ ابن عقیل بولے کہ اس صوفی کا قول قابل وقعت نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف قرآن کے وعد و وعید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے قلوب متوجہ ہوتے ہیں اور خوش آوازی سے طبیعتوں کا حرکت میں آنا اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور شعر تو مخلوق اور معشوق کی تعریف کو شامل ہوتا ہے جس سے نیا فتنہ اٹھتا ہے۔ جس شخص کو اس کے نفس نے یہ بات اچھی کر دکھائی کہ بشری خوبیوں اور اچھی صورتوں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہے بلکہ ہم کو وہ چیزیں عبرت کی نگاہ سے دیکھنی چاہیے جن کی طرف ہم کو توجہ دلائی گئی ہے وہ اونٹ، گھوڑے، ہوائیں اور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ کیوں کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے طبیعت میں ہیجان نہیں پیدا ہوتا بلکہ فاعل کی عظمت یاد دلانے کا باعث ہوتی ہیں۔ تم لوگوں کو فقط شیطان نے بہکا دیا ہے۔ لہٰذا تم اپنی نفسانی خواہشوں کے بندے ہو گئے۔ تم لوگ عبادت کرنے والوں کے لباس میں زندیق ہو اور اس سے بدتر زاہدوں کی صورت میں شریر ہو بلکہ فرقہ مشبہہ ومجسمہ سے ہو۔ تمہارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ معشوق ہے اور اس کے والہ وشیدا ہو سکتے ہیں اور اس سے الفت اور انس ہوتا ہے۔ یہ بڑا برا توہم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوات واجناس کو باہم ہم شکل پیدا فرمایا ہے۔ اس لیے ان میں باہم انس ہوا کرتا ہے۔ وہ آپس میں بلحاظ اپنے عنصری اصول اور اشکال حادثہ کی مثلی ترکیب کے متحد ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے سے موافقت، رغبت اور عشق ہے۔ اور جس قدر صورت میں تقارب ہوگا۔ اسی قدر انس زیادہ ہوگا۔ انسان کو پانی سے اس لیے عشق ہے کہ اس میں پانی کا جز موجود ہے اور سبزہ سے اس لیے رغبت ہے کہ اس میں حیوانی قوتوں میں سے نشوونما کی قوت پائی جاتی ہے اور حیوان سے اس لیے انس ہے کہ وہ اخص اور اقرب نوع میں انسان کا شریک ہے۔ مگر خالق اور مخلوق میں کہاں سے مشارکت آ گئی کہ خالق کی طرف رغبت، شوق اور عشق پیدا

ہو۔ بھلا آب وخاک اور خالق افلاک میں باہم کون سی مناسبت ہے۔ یہ لوگ صرف ایک صورت اللہ تعالیٰ کی قرار دے لیتے ہیں۔ وہ ان کے دلوں میں قرار پکڑ لیتی ہے۔ وہ ہرگز خدا نہیں بلکہ ایک بت ہے، جس کو طبیعت اور شیطان نے تراشا ہے۔ اللہ تعالیٰ میں ایسا وصف نہیں جس کی طرف یہ طبائع مائل اور یہ نفوس مشتاق ہوں۔ بلکہ شان الوہیت چونکہ بالکل مخلوق کے خلاف ہے اس لیے نفوس میں اس کی ہیبت اور عظمت کا باعث ہوئی۔ صوفیہ میں سے عاشقانِ خدا بن کر جو چیز کا دعویٰ محبت الٰہی میں کرتے ہیں وہ ایک وہم ہے جس اس کو پیش آیا، اور ایک صورت ہے جو ذہن میں جم گئی۔ اس کے لیے یہ لوگ مشتاق و بے قرار ہیں اور ویسے ہی شوق وجوش طبیعت کے سرگشتگی ان میں آگئی جس طرح عاشق سرگشتہ کا حال ہوتا ہے، ہم اس قسم کے خراب وسوسوں اور طبیعت کے عوارض سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ جن کا بحکم شریعت دلوں سے محو کردینا ایسا واجب ہے جیسے بتوں کا توڑنا۔

فصل

مصنف نے کہا متقدمین صوفیہ میں سے ایک جماعت مبتدی کے لیے سماع کا انکار کرتی تھی۔ کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ مبتدی کے دل میں کس چیز کا جوش پیدا ہوگا۔ عبداللہ ابن صالح کہتے ہیں۔ مجھ سے جنید نے کہا: جب تم مرید کو دیکھو کہ سماع سنتا ہے تو جان لو کہ ابھی اس میں کچھ لہو ولعب کا مادہ باقی ہے۔ مرتعش نے کہا: میں نے ابوالحسن ثوری سے سنا، وہ اپنے ایک ہم نشین سے کہتے تھے جب تم مرید کو دیکھو کہ قصائد سنتا ہے، خوش حالی وراحت کا راغب ہے تو اس سے خیر وفلاح کی امید نہ کرو۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ کے مشائخ کا تو یہ قول ہے لیکن متاخرین نے لہو ولعب کی محبت کے سبب سے اس کی اجازت دی ہے۔ اس میں دو قباحتیں پیدا ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ عوام لوگ متقدمین صوفیہ کے ساتھ سوظن رکھیں گے۔ کیوں کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔ دوسرے عوام کو لہو ولعب پر دلیر کردیا۔ کیوں کہ عامی کے لیے لہو ولعب میں یہی حجت ہے کہ فلاں ایسا کرتا ہے اور فلاں ایسا کرتا ہے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: صوفیہ کی جماعت کثیر کے دلوں میں سماع محبت کی قرار پکڑ گئی

ہے۔ حتیٰ کہ قرآن چھوڑ کر اس کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں اسی وجہ سے ہیں کہ یہ لوگ ہوائے نفسانی اور غلبہ طبیعت سے مجبور ہیں اور اپنے خیال میں کچھ اور سمجھے ہوئے ہیں۔ ابو حاتم بجستانی نے کہا کہ میں نے ابونصر سراج سے سنا کہتے تھے مجھ سے میرے ایک دوست نے بیان کہ ابوالحسین دراج کہتے ہیں میں بغداد سے یوسف بن حسین رازی کی ملاقات کو چلا۔ جب رے میں پہنچا ان کا مکان دریافت کیا۔ جس شخص سے ان کا پتہ پوچھتا تھا وہ یہی جواب دیتا تھا کہ اس زندیق کو کیا پوچھتے ہو۔ یہ سن کر میں بہت تنگ دل ہوا۔ حتیٰ کہ واپس لوٹ جانے کا ارادہ۔ اس رات ایک مسجد میں شب باشی کا اتفاق ہوا۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں اس شہر میں آیا ہوں کم از کم ان سے مل کر ضرور جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں ان کا پتہ دریافت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جس مسجد میں رہا کرتے تھے اس میں پہنچا دیکھا کہ محراب میں بیٹھے ہوئے ہیں سامنے ایک رحل ہے اور ہاتھ میں قرآن شریف لیے ہوئے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے جا کر سلام علیک کیا۔ سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ میں نے کہا: بغداد سے آپ کی زیارت کا ارادہ کر کے چلا آتا ہوں۔ کہنے لگے کہ تم کوئی چیز خوش الحانی سے پڑھنا جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اور یہ شعر پڑھا:

رَأَیْتُکَ تَبْنِیْ دَائِمًا فِیْ قَطِیْعَتِیْ وَلَوْ کُنْتَ ذَا حَزْمٍ لَهَدَّمْتَ مَاتَبْنِیْ

''اے محبوب! میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھ سے قطع تعلق کرنے کی بنیاد ڈالتا ہے اگر تو دور اندیش ہوتا تو اس بنیاد کو منہدم کر دیتا۔''

یہ شعر سن کر انہوں نے قرآن شریف بند کر دیا، اور اس قدر روتے رہے کہ ان کی داڑھی تر ہوگئی اور کپڑے بھیگ گئے۔ مجھ کو ان کے اس قدر رونے پر رحم آیا۔ پھر مجھ سے بولے کہ بیٹا رے کے رہنے والے مجھ کو یوں کہہ کر ملامت کرتے ہیں کہ یوسف بن حسین زندیق ہے اور نماز کے وقت سے یہ حالت ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا ہوں اور ایک قطرہ آنسو کا میری آنکھ سے نہیں ٹپکا اور تمہارا یہ شعر سن کر مجھ پر قیامت نازل ہوگئی۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں میں استاد ابو سہل صعلوکی کی حیات میں مرو کی طرف چلا گیا تھا۔ میرے وہاں جانے سے پہلے استاد نے یہاں کچھ دن مقرر کیے تھے۔ جن میں ہر صبح

لوگ جمع ہوتے تھے اور قرآن خوانی اور ختم کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جب میں چلنے لگا تو دیکھا کہ وہ مجلس اٹھادی گئی اور اس کی جگہ اسی وقت میں ابن فرغانی کے نام سے قوالی اور راگ کی محفل قائم کی گئی ہے۔ ایک روز استاد پوچھنے لگے کہ لوگ آپس میں کیا چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ میں نے کہا: یوں کہتے ہیں کہ قرآن کی مجلس اٹھالی گئی اور راگ کی محفل جمالی گئی۔ استاد یہ سن کر بولے کہ جو کوئی اپنے استاد سے یوں کہے گا کہ ایسا کیوں کیا وہ فلاح نہ پائے گا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ صوفیہ کی عادت ہے کہ کہتے ہیں اپنے آپ کو بالکل پیر کے حوالے کر دیا جائے حالانکہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے سپرد ہم اپنے آپ کو کر دیں۔ کیوں کہ آدمی شریعت اور عقل کے زور سے اپنی آفت کو دور کرتا ہے اور چوپائے چیخ چلا کر اپنا کام نکالتے ہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غنا جس کے بارے ہم بیان کر چکے ہیں کہ کچھ علما کے نزدیک حرام ہے اور کچھ مکروہ بتاتے ہیں۔ صوفیہ میں سے ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ یہی غنا ایک قوم کے حق میں مستحب ہے۔ ابو علی دقاق کہتے ہیں کہ عوام کے لیے سماع حرام ہے۔ کیوں کہ ان کے نفوس زندہ ہیں اور زاہدوں کے لیے مباح ہے کیوں کہ وہ مجاہدے اور نفس کشی کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب کے حق میں مستحب ہے کیوں کہ ان کے دل زندہ ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ قول پانچ وجہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ ابو حامد غزالی سے ہم روایت کر چکے کہ سماع ہر ایک کے لیے مباح ہے اور ان ابو علی سے ابو حامد زیادہ عارف تھے۔ دوسرے نفوس کی طبائع میں اختلاف نہیں ہے۔ مجاہدہ کا صرف یہ فائدہ ہے کہ طبائع کے عمل کو روکتا ہے۔ جو شخص طبائع کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ ایک امر محال کا مدعی ہے اور جب طبیعت کو حرکت میں لانے والی ایک چیز موجود ہوئی اور اس کے روکنے والی چیز جاتی رہی تو عادت پھر عود کر آئے گی۔ تیسرے سماع کی حرمت اور اباحت میں علما کا اختلاف ہے کسی عالم نے سننے والے کی حاجت پر نظر نہیں کی کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ سب طبیعتیں یکساں ہیں۔ اب جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس کی طبیعت آدمیوں کی طبیعت سے خارج ہے تو امر محال کا دعویٰ کرتا ہے۔ چوتھے اس بات پر علما کا اجماع منعقد ہے کہ سماع مستحب ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے

کہ مباح ہو۔اب استحباب کا دعویٰ کرنا اجماع سے خارج ہوتا ہے۔ پانچویں لازم آتا ہے جس شخص کی طبیعت میں تغیر آ گیا ہو اس کے لیے عود کا سننا مباح یا مستحب ہو۔ کیوں کہ عود اس لیے حرام ہے کہ طبیعتوں میں اثر کرتا ہے اور ان کو ہوائے نفسانی کی طرف بلاتا ہے جب یہ خوف نہ رہا تو مباح ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس کی نسبت ہم ابوالطیب طبری سے نقل کر چکے ہیں۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان میں سے ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ سماع سے قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ابو طالب مکی نے کہا کہ ہم سے ہمارے بعض شیوخ نے بیان کیا کہ جنید کہتے ہیں کہ اس گروہ پر تین وقت میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک کھانا کھانے کے وقت، کیوں کہ یہ لوگ بغیر فاقہ کے نہیں کھاتے، دوسرے جب باہم مل کر ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ کیوں کہ اس حالت میں وہ صدیقوں کے مقامات اور انبیا کے احوال طے کرتے ہیں۔ تیسرے سماع کے وقت کیوں کہ وہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور ان کو شہود حق حاصل ہوتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ یہ نقل اگر جنید سے صحیح ہے اور اس کو ہم اچھا جانیں تو قصائد زہدیہ کے سماع پر محمول ہے کیوں کہ وہی باعث رقت وزاری ہیں۔ لیکن یہ بات کہ سعدیٰ اور لیلیٰ کی تعریف کے وقت نزول رحمت ہو اور اس کو صفات الٰہی پر محمول کریں تو یہ اعتقاد جائز نہیں اور اگر اس سے اشارہ لے لینا صحیح خیال کریں تو یہ اشارہ غلبہ طبیعت کے پہلو میں مستغرق ہوگا۔ ہم نے اس امر کو جس بات پر محمول کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جنید کے زمانے میں ایسے اشعار نہ پڑھے جاتے تھے جیسے آج کل گائے جاتے ہیں۔ مگر بعض متاخرین نے جنید کے قول کو ہر قوالی پر محمول کیا ہے۔ اسی وجہ سے کہ وہ اپنے عقیدہ میں اس کو قربت سمجھتے ہیں جس سے تقرب الٰہی ہوتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ کفر ہے کیوں کہ جو شخص حرام یا مکروہ کو قربت الٰہی خیال کرے اس اعتقاد سے کافر ہو جائے گا اور کہا کہ علما سماع کو حرام بتاتے ہیں یا مکروہ کہتے ہیں۔

صالح المری نے کہا کہ گر پڑنے والوں میں زیادہ دیر کر کے وہ شخص اٹھے گا جس کو ہوائے نفسانی نے پچھاڑا ہے اور وہ اس کو قربت الٰہی سمجھتا ہے اور زیادہ ثابت قدم قیامت کے دن وہ شخص ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو لیے ہوئے ہے اور میں نے علی سائح سے

سنا، کہتے تھے کہ میں نے ابوالحارث اولاسی سے سنا بیان کرتے تھے کہ میں نے شیطان کو خواب میں اولاس کی کسی ایک چھت پر دیکھا۔ میں بھی ایک چھت پر تھا۔ ایک جماعت اس کے داہنی طرف تھی اور ایک بائیں جانب اور عمدہ عمدہ لباس پہنے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ کچھ بولو اور گاؤ۔ میں اس راگ کی خوش آئندگی اور ذوق سے ایسا بے خود ہو گیا کہ ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو چھت سے نیچے گرا دوں۔ پھر شیطان نے کہا کہ ناچو، وہ نہایت ہی عمدہ ناچ ناچے۔ پھر شیطان مجھ سے بولا کہ اے ابوالحارث! میں نے اس رقص وغنا کے سوا تم لوگوں سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی وجہ سے تم پر دخل پاسکوں۔

وجد میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ لوگ جب راگ سنتے ہیں تو وجد کرتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کو ابلیس نے فریب دیا ہے اور اپنا حیلہ کمال کو پہنچا دیا ہے اور حجت اس قوم کی وہ حدیث ہے جو ہم کو ابونصر عبداللہ بن ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی سے پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [1]

''یعنی ان سب کفار کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔''

تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے زور سے ایک نعرہ مارا اور سر کے بل گر پڑے پھر بھاگ کھڑے ہوئے اور تین دن تک غائب رہے اور نیز وہ قول حجت ہے جو انہیں سے ہم کو پہنچا ہے کہ ابووائل نے کہا کہ ہم عبداللہ کے ساتھ جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ ربیع بن خیثم تھے۔ ہمارا گزر ایک لوہار کے پاس ہوا۔ عبداللہ کھڑے ہو کر اس کے لوہے کو دیکھنے لگے جو آگ میں تھا۔ ربیع نے بھی لوہا دیکھا اور لڑکھڑا کر گرنے لگے۔ پھر عبداللہ آگے بڑھے یہاں تک کہ فرات کے کنارے ایک لوہار کی بھٹی پر آئے۔ اس میں آگ کو شعلہ مارتے ہوئے دیکھ کر عبداللہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا اِلٰى قَوْلِهٖ ثُبُوْرًا كَثِيْرًا﴾ [2]

---

[1] ۱۵/ الحجر: ۴۳۔ [2] ۲۵/ الفرقان: ۱۲۔

''یعنی جب آتش دوزخ دور سے اہل دوزخ کو دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش وخروش کی آواز سنائی دے گی۔اور جب اس کے کسی مقام تنگ میں کئی کئی ایک زنجیر میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو اس وقت واویلا پکاریں گے۔آج ایک واویلا کیا پکارتے ہو بہت کچھ واویلا پکارو۔''

یہ آیت سن کر ربیع غش کھا کر گرے ہم لوگ ان کے گھر تک اٹھا لائے۔عبداللہ بھی ان کے پاس رہے یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ان کو ہوش نہ آیا۔پھر عصر کی نماز ادا کی جب بھی افاقہ نہ ہوا۔بعد مغرب وہ سنبھلے تو عبداللہ اپنے گھر واپس آئے۔صوفیہ کہتے ہیں کہ کثرت سے بندگان خدا کی نسبت مشہور ہے کہ جب انہوں نے قرآن شریف سنا تو کوئی مرگیا۔کوئی پچھاڑ کھا کر گرا۔کوئی بے ہوش ہوگیا اور کوئی نعرہ زن ہوا۔اس قسم کی باتیں کتب زہد میں بہت سی ہیں۔

الجواب : سلمان رضی اللہ عنہ کی نسبت جو کچھ ذکر کیا ہے غلط ہے اور محض دروغ ہے۔پھر اس حدیث کی کوئی اسناد بھی نہیں۔آیت مذکورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے،اور سلمان مدینہ میں اسلام لائے اور کسی صحابی نے ایسا قصہ ہرگز نقل نہیں کیا۔باقی رہی ربیع بن خثیم کی حکایت تو اس کا راوی عیسیٰ بن سلیم ہے جس میں ضعف ہے اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن سلیم کا ابووائل سے روایت کرنا مجھے معلوم نہیں اور ہم سے ابن آدم نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ زیات سے سنا کہ انہوں نے سفیان سے کہا کہ لوگ ربیع بن خثیم کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ وہ بے خود ہو کر گر پڑے۔سفیان نے جواب دیا کہ جو شخص یہ بیان کرتا ہے تو اس قصہ کو یعنی عیسیٰ بن سلیم ہی نے اپنی آنکھوں دیکھا ہوگا۔حمزہ کہتے ہیں پھر میں عیسیٰ بن سلیم سے ملا اور ان سے کہا کہ تم یہ بات کس سے روایت کرتے ہو تو انہوں نے نہ پہچانا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ سفیان ثوری ایسا امام انکار کرتا ہے کہ ربیع بن خثیم پر یہ حالت گزری ہو کیوں کہ وہ شخص سلف کے طریقہ پر تھا اور صحابہ میں کوئی ایسا نہیں ہوا جس پر ایسا واقعہ گزرا ہو اور نہ کوئی تابعین میں تھا۔پھر ہم کہتے ہیں کہ بر تقدیر صحت کے بھی یہ بات ہے کہ انسان کو کبھی خوف سے غش آجاتا ہے تو خوف اس کو ساکن اور ساکت کر دیتا ہے پس وہ مردہ جیسا رہ جاتا ہے اور صادق کی علامت یہ ہے کہ اگر دیوار پر ہو تو نیچے گر پڑے کیوں کہ وہ اپنے

آپ میں نہیں۔ مگر جو شخص کہ وجد کا مدعی ہے اور اپنے قدم کو لغزش سے محفوظ رکھتا ہے اس پر بھی حوصلہ کے ساتھ کپڑے پھاڑتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے جس سے شریعت میں انکار ہے تو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ احمد بن عطاء کہتے ہیں کہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے روز ایک تیز نگاہ ڈالا کرتے تھے اور اس کے بعد ایک چیخ مارتے تھے تو ایک روز نعرہ مارا اور اپنے گرد کی مخلوق کو تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان کے حلقہ کے پہلو میں ابوعمران الاشیب کا حلقہ تھا۔ انہوں نے اپنے حلقہ والوں کو وہاں سے علیحدہ کر لیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ خدا سب کو توفیق دے، جان لینا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب نہایت ہی مصفا تھے اور یہ حضرات وجد میں زاری اور تضرع سے زیادہ اور کچھ نہ کرتے تھے۔ ان میں سے بعض اعراب صحرانشینوں پر ایسا بھی گزرا جس کا ہم نے انکار کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کے انکار میں تاکید فرمائی۔ ثابت نے ہم کو انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون ہے جو ہمارے دین کو مشتبہ کرتا ہے۔ اگر صادق ہے تو اپنے آپ کو شہرت دی اور اگر کاذب ہے تو خدا اس کو غارت کرے۔'' [1] انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں وعظ سنایا۔ یہاں تک کہ میں نے لوگوں کے رونے کی آواز سنی جس وقت کہ وعظ نے ان پر اثر کیا اور ان میں سے کوئی گرا پڑا نہیں۔ [2]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ یہ حدیث عرباض بن ساریہ کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو وعظ سنایا جس سے دل خوف کھا گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ [3] ابوبکر الآجری کہتے ہیں کہ راوی نے یوں تو نہیں بیان کیا کہ ہم نے شور مچایا اور اپنی چھاتیاں کوٹیں جس طرح اکثر وہ جہال کرتے ہیں جن کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قرآن

---

[1] اس میں احمد بن محمد الجبلی اور یوسف بن عطیہ دونوں ضعیف راوی ہیں۔ کنز العمال: ۳/۸۱۴، کتاب الاخلاق باب فی الاخلاق المذمومۃ، رقم ۸۸۴۳۔ تنزیہ الشریعۃ: ۲/۳۴۳، کتاب المواعظ والوصایا، الفصل الثالث، رقم ۱۱۔ میزان الاعتدال: ۱/۱۴۳، فی ترجمۃ (۵۶۰) احمد بن محمد الجبلی الکوفی۔ [2] اس کی سند میں روح بن عطاء ضعیف راوی ہے۔ [3] ابوداؤد: رقم ۴۶۰۷۔ ترمذی: رقم ۲۶۷۶۔ ابن ماجہ: رقم ۴۲۔

شریف پڑھتے وقت کیا ہوتی تھی؟ جواب دیا کہ ان کا حال وہی ہوتا تھا جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا۔ یا یوں کہا کہ جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کی توصیف کی ہے (یعنی یہ کہ) ان کی آنکھیں اشک آلودہ ہو جاتیں۔ ان کے جسم پر روئیں کھڑے ہوتے تھے۔ میں نے کہا کہ یہاں پر اکثر ایسے آدمی ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آ جاتا ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ ''اللہ کی پناہ''

ابو حازم سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک عراقی آدمی پر ہوا جو گرا ہوا پڑا تھا۔ دریافت کیا کہ اس کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جب اس کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ بولے کہ ہم لوگ ضرور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں مگر گرتے پڑتے نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہ عبید اللہ بن ابی بردہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے خوارج کا تذکرہ کیا اور تلاوت قرآن کے وقت جوان پر گزرتا تھا بیان کیا پھر کہا کہ وہ لوگ نماز ادا کرتے وقت محنت کشی میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر نہیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ خوارج کا فعل ہے۔

عبداللہ بن زبیر کو خبر ملی کہ ان کے بیٹے عامر ایک قوم میں جا کر بیٹھے ہیں جو قرآن پڑھتے وقت گر پڑتے ہیں۔ اس سے کہا: اے عامر خبردار! آئندہ میں نہ سنوں کہ تم ایسے لوگوں میں گئے تھے جو قرآن پڑھتے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں ورنہ میں کوڑے سے تمہاری خبر لوں گا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ عامر بن زبیر نے کہا کہ میں اپنے باپ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے جواب دیا کہ ایسے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ ان سے بہتر کسی کو نہیں پایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ ہر ایک ان میں سے کانپتا تھا یہاں تک کہ اس کو خدا کے خوف سے غش آ جاتا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میرے باپ نے کہا کہ اب کبھی ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ اتنا کہہ کر انہوں نے معلوم کیا کہ مجھ پر اس قول کا اثر نہیں ہوا تو کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو تلاوت قرآن کرتے دیکھا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن پڑھتے دیکھا ان پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تھی۔ کیا یہ لوگ ابوبکر سے زیادہ خوف رکھتے ہیں؟ پس میں نے جان لیا کہ ٹھیک بات یہی ہے اور ان لوگوں کے پاس جانا ترک کر دیا۔

بلکہ خدا تعالیٰ نے تو یوں فرمایا:

﴿تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ [1]

''یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ﴾ [2]

''یعنی ان کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

جریر بن حازم نے ہم کو خبر دی کہ وہ محمد بن سیرین کے پاس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہاں پر کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کو غش آ جاتا ہے محمد بن سیرین نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی دیوار پر بیٹھ جائے پھر تم اس کے سامنے قرآن اول سے آخر تک پڑھو اگر زمین پر گر پڑے تو صادق ہے۔ ابو عمرو نے کہا کہ محمد بن سیرین کا یہ مذہب تھا کہ یہ سب بناوٹ ہے اور حق نہیں کہ ان کے دلوں میں اثر ہو۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک روز وعظ بیان کیا۔ ایک شخص نے مجلس وعظ میں سانس بھرا۔ حسن بصری نے کہا کہ اگر خدا کے لیے ہے تو تُو نے اپنے آپ کو مشہور کیا اور اگر غیر خدا کے لیے ہے تو تو ہلاک ہو گیا۔ فضیل بن عیاض نے اپنے بیٹے سے کہا: جو اسی طرح گر پڑے تھے کہ اے بیٹا اگر تم سچے ہو تو تم نے اپنے آپ کو رسوا کیا اور جھوٹے ہو تو اپنی جان کو ہلاک کیا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا کہ انہوں نے کہا کہ بیٹا اگر صادق ہو تو تم نے جو کچھ تمہارے پاس تھا اسے ظاہر کر دیا اور اگر کاذب ہو تو تم نے خدا کے ساتھ شرک کیا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کوئی کہے کہ کلام صادقین میں کیا جاتا ہے ریا کاروں کا ذکر

[1] ۵/المائدۃ:۸۳۔ [2] ۳۹/الزمر:۲۳۔

نہیں اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس پر وجد طاری ہوا اور وہ اس کے دفعیہ پر قادر نہیں۔
تو جواب یہ ہے کہ شروع وجد میں ایک اندرونی حرکت اور جوش ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو باز رکھے اور روکے رہے تا کہ کسی کو اس کے حال کی خبر نہ ہو تو شیطان اس سے ناامید ہو کر دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی جب حدیث بیان کرتے تھے اور ان کے دل کو رقت ہوتی تھی تو اپنی ناک پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ زکام کس قدر سخت ہے اور اگر انسان اپنے آپ کو بے قابو چھوڑ دے تو شیطان اس میں اپنا سانس بھر دیتا ہے۔ بقدر اس کے پھونکنے کے انسان بے قرار ہوتا ہے۔ چنانچہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھتیجے سے روایت ہے کہ زینب حضرت عبداللہ کی بی بی کہتی ہیں کہ ایک روز عبداللہ باہر سے آئے، میرے پاس ایک بڑھیا بیٹھی تھی جو میرا سرخ بادہ جھاڑتی تھی۔ میں نے اس کو چارپائی کے نیچے چھپالیا۔ عبداللہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے تو میری گردن میں ایک ڈورا (دھاگہ) دیکھا۔ پوچھا کہ یہ ڈورا کیسا ہے؟ میں نے کہا یہ میرے واسطے پڑھ کر پھونکا گیا ہے۔ عبداللہ نے وہ ڈورا لیا اور توڑ ڈالا اور بولے کہ آل عبداللہ شرک سے مستغنیٰ ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ منتر تعویذ اور تولہ (جادو) شرک ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا: تم کیوں کہہ رہے ہو؟ حالانکہ ایک دفعہ میری آنکھ میں درد ہوتا تھا اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، وہ جھاڑ دیا کرتا تھا تو درد رک جاتا تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ صرف شیطان کی کارروائی تھی وہ آنکھ میں کچھ اپنے ہاتھ سے چونک دیتا تھا (مارتا تھا) پھر جب یہودی جھاڑتا تھا تو رک جاتا تھا۔ تمہارے لیے یہی کافی تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسی طرح کہتیں:

((اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) [1]

مصنف نے کہا کہ تولہ جادو کی ایک قسم جس سے شوہر کو بی بی کی محبت ہو جاتی ہے۔

---

[1] ابوداود: کتاب الطب، باب فی تعلیق التمائم، رقم ۳۸۸۳۔ ابن ماجہ: کتاب الطب، باب تعلیق التمائم، رقم ۳۵۳۰۔ مسند احمد: ۱/ ۳۸۱۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۲۴۱، کتاب الطب، رقم ۷۵۰۴۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۲۳، کتاب الطب باب فیمن تعلق عھنا، رقم ۱۳۱۲/۱۱۸۴۔

فصل

اگر کوئی کہے کہ ہم اس شخص کے بارے میں کلام کرتے ہیں جو وجد کے دفعیہ کی کوشش بہت کرتا ہے مگر قدرت نہیں رکھتا اور مغلوب ہو جاتا ہے۔ پھر کہاں سے شیطان آ گھسا تو جواب یہ ہے کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے کہ بعض طبیعتیں دفعیہ میں کمزور ہیں لیکن صادق کی پہچان یہ ہے کہ دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزری۔ پس وہ اس قبیل سے ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا﴾ [1]

فصل

عبداللہ بن وہب کے روبرو احوال قیامت کی کتاب پڑھی گئی وہ غش کھا کر گر پڑے اور کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ اس کے بعد چند روز میں انتقال کر گئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگ وعظ سن کر مر گئے اور بے ہوش ہو گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وجد کرنا جو مکاروں کی حرکتوں کو شامل ہے اور زور سے چیخنا اور کج مج چلنا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بناوٹ ہے اور شیطان ان لوگوں کا یار و یاور ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر کہا جائے کہ کیا صاحب اخلاص کا حق اس پر یہ حالت طاری ہونے سے کم ہو جائے گا تو جواب دیا جائے گا کہ ہاں دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ اگر اس کے علم قوی ہوتا تو ضبط کرتا دوسرے یہ کہ صحابہ و تابعین کے طریقہ کے خلاف کیا گیا اور یہی نقص اور کمی کافی ہے۔

سفیان بن عیینہ سے ہم کو حدیث پہنچی۔ انہوں نے کہا: میں نے خلف بن حوشب سے سنا ہے کہ خوات رحمہ اللہ وعظ کے وقت کانپتے تھے۔ ان سے ابراہیم نے کہا کہ اگر تم اس حالت پر قابو رکھتے ہو تو میں اس میں کچھ حرج نہیں سمجھتا کہ تم کو حقیر سمجھوں اور اگر اختیار نہیں رکھتے تو اپنے سے پہلے والوں کے خلاف کرتے ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: تم ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہو جو تم سے بہتر تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ یہ ابراہیم وہی نخعی فقیہ ہیں۔ بڑے سنت کے پابند اور نہایت اثر کے متبع تھے اور خوات رحمۃ اللہ علیہ نیک لوگوں میں سے اور بناوٹ سے دور تھے۔ ابراہیم کا یہ خطاب ایسے شخص سے ہے پھر وہ انسان کس شمار میں ہے جس کی تصنع اور بناوٹ کا حال پوشیدہ نہیں۔

---

[1] ۷/ الاعراف: ۱۴۳۔

فصل

پھر جب اہل تصوف راگ سن کر سرور میں آتے ہیں تو تالیاں بجاتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت ابن بنان وجد کرتے تھے اور حضرت ابوسعید خزاز تالیاں بجاتے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تالیاں بجانا بُرا اور منکر ہے۔ جو طرب میں لاتا ہے اور اعتدال سے باہر کر دیتا ہے اہل عقل ایسی باتوں سے دور رہتے ہیں اور ایسا کرنے والا مشرکین کے مشابہ ہے جیسا کہ ان کا فعل بیت اللہ کے پاس آ کر تالیاں بجانا تھا۔ اسی کی مذمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً﴾ [1]

''یعنی مشرکین کی نماز بیت اللہ کے پاس آ کر یہی ہے کہ فریاد کرتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نیز اس میں عورت سے مشابہت ہے اور عاقل آدمی اس بات سے پرہیز کرتا ہے کہ وقار کو چھوڑ کر مشرکین اور عورتوں کی حرکتیں اختیار کرے۔

پھر جب ان کو کامل سرور ہوتا ہے تو رقص کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے یوں حجت پیش کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ﴾ [2] یعنی اے ایوب! اپنا پاؤں زمین پر مارو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ یہ حجت لانا بارد ہے۔ کیوں کہ اگر یہ فرمان خوشی کے مارے زمین پر پاؤں مارنے کو ہوتا تو اس کے لیے شبہ ہو سکتا تھا پاؤں مارنے کا حکم تو فقط اس لیے تھا کہ پانی نکل آئے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ ایک مریض آدمی کا قصہ جس کو مصیبت دور کرنے کے وقت حکم دیا گیا کہ اپنا پاؤں زمین پر مارے تا کہ معجزہ سے پانی نکل آئے، رقص کی دلیل کہاں سے ہو گیا اور اگر ایسا جائز ہو کہ اس پاؤں کا ہلانا جس کو کیڑوں نے کھا کھا کر لاغر کر دیا تھا اسلام میں رقص کے جواز پر دلالت کرے تو جائز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کو یہ فرمان ﴿اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ [3] یعنی اپنی لاٹھی پتھر پر مارو لکڑیوں سے تاشے بجانے پر دلالت کرے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ التَّلَاعُبِ بِالشَّرْعِ.

---

[1] ۸/الانفال:۳۵۔ [2] ۳۸/ص:۴۲۔ [3] ۲/البقرۃ:۶۰۔

بعض کم عقلوں نے اس حدیث سے حجت نکالی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رفتار حجل چلے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور آزاد کردہ ہو۔ زید سن کر حجل چال چلے۔'' [1]

بعض صوفیہ نے یوں حجت پکڑی ہے کہ حبشیوں نے رقص کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان کی طرف دیکھتے تھے۔ [2] جواب یہ کہ حجل ایک قسم کی رفتار ہے کہ آدمی خوشی کی حالت میں جھومتا ہوا ایک ٹانگ اٹھا کر چلتا ہے، تو کہاں وہ چال اور کجا یہ رقص۔ اور علیٰ ہذا القیاس۔ حبشیوں کا رقص کرنا ایک قسم کی چال تھی جس کی جنگ میں مقابلہ کے لیے مشق کرتے ہیں۔

صوفیہ کے لیے جواز رقص پر ابوعبدالرحمٰن السلمی یہ دلیل لائے ہیں کہ ابراہیم بن محمد شافعی سے روایت ہے کہ سعید بن المسیب مکہ کی کسی گلی میں گزرے تو اخصر گویے کو سنا کہ عاص بن وائل کے گھر میں یہ شعر گا رہا تھا جن کا ترجمہ یہ ہے:

> ''بطن نعمان مشک سے مہک اٹھے اگر وہاں زینب عطر میں بسی ہوئی عورتوں کے ہمراہ گزرے۔ پھر جب نمیری کی سواریاں دیکھے تو منہ پھیر لے اور وہ عورتیں نمیری کی ملاقات سے پرہیز کرنے والی ہوں۔''

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر سعید بن میسب نے تھوڑی دیر اپنا پاؤں زمین پر مارا اور کہا: یہ وہ چیز ہے جس کو سننا لذت بخش ہے۔ لوگ یہ شعر سعید بن میسب کے بیان کرتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں یہ اسناد مقطوع اور مظلم ہے۔ ابن میسب سے صحیح نہیں اور نہ یہ ان کے شعر ہیں۔ ایسی باتوں سے ابن میسب زیادہ عالی وقار تھے۔ یہ اشعار محمد بن عبداللہ بن نمیر نمیری شاعر کے مشہور ہیں، وہ نمیری نہیں تھا۔ اپنے دادا کی طرف منسوب ہے اور ثقفی ہے اور زینب جس کا ذکر ان اشعار میں تشبیہا کیا گیا ہے۔ وہ یوسف کی بیٹی حجاج کی بہن ہے۔

اس سے عبدالملک بن مروان نے پوچھا تھا کہ تیرے شعر میں یہ سواریاں کیا چیز ہیں؟

---

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۲۲۶، کتاب الشہادات، باب من رخص فی الرقص اذا لم یکن فیہ تکسر وتخنث وطبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۶ فی ترجمۃ (۴۱۵۰) امامۃ بنت حمزۃؓ۔ [2] مسلم: کتاب صلاۃ العیدین: باب الرخصۃ فی اللعب الذی لا معصیۃ فیہ ایام العید، رقم ۲۰۶۶۔ مسند احمد: ۳/ ۱۵۲، ۶/ ۱۱۶۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱۳/ ۱۷۹ کتاب الحظر والاباحۃ، باب اللعب واللہو، رقم ۵۸۷۰۔ الطبرانی فی الکبیر ۲۳/ ۱۵۱، رقم ۲۸۴۔

جواب دیا کہ میرے پاس کچھ لاغر گدھے تھے۔ جن پر طائف سے رال لاد کر لایا کرتا تھا۔ عبدالملک ہنس پڑا اور حجاج کو حکم دیا کہ اسے ایذا نہ دے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پھر اگر ہم مان بھی لیں کہ ابن المسیب نے اپنے پاؤں زمین پر مارے تو یہ جواز رقص پر حجت نہیں کیوں کہ اکثر اوقات آدمی اپنا پاؤں زمین پر مارتا ہے، یا کوئی چیز سن کر زمین کو ٹھوکتا ہے اور اس کو رقص نہیں کہتے۔ پس یہ تعلق کس قدر اقبح ہے۔ کجا پاؤں کا ایک یا دوبار زمین پر مارنا اور کجا ان لوگوں کا وہ رقص کہ اہل عقل کے طریقہ سے باہر چلے جاتے ہیں۔ پھر ہم احتجاج سے درگزر کر کے بلاتے ہیں کہ آؤ ہم تم عقل کے پاس چل کر فیصلہ کریں۔ رقص میں کون سی بات ہے بجز اس کے کہ کھیل ہے جو لڑکیوں کے لائق ہے اور یہ جو دعویٰ ہے کہ اس میں قلوب کو آخرت کی طرف تحریک ہوتی ہے۔ تو یہ بات بخدا زبردستی ہے۔

بعض مشائخ نے مجھ کو غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے خبر پہنچائی کہ انہوں نے کہا: رقص ایک حماقت ہے دونوں شانوں میں بغیر تھکن کے زائل نہیں ہوتی۔ ابن عقیل نے کہا کہ قرآن میں قطعی طور پر رقص سے ممانعت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ [1] "یعنی زمین پر خوش ہوتا ہوا (اکڑ کر) نہ چل"۔ اللہ تعالیٰ نے مختال یعنی اترا کر چلنے والے کی مذمت فرمائی جیسے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [2] اور رقص نہایت ہی خوشی اور اترانا ہے۔ بھلا کیا ہم وہی لوگ نہیں کہ ہم نے نبیذ کو شراب پر قیاس کیا ہے بوجہ اس کے کہ سرور لانے اور نشہ پیدا کرنے میں دونوں متفق ہیں۔ پھر ہمیں کیا ہو گیا کہ لکڑی بجانا اور اس کے ساتھ اشعار گانا طنبور اور مزمار اور طبل پر قیاس نہ کریں۔ کیوں کہ دونوں طرب و سرور لانے میں متحد ہیں اور کیا داڑھی والے آدمی سے کوئی شے جو عقل و وقار کو عیب لگائے اور حلم و ادب کے طریقہ سے نکال دے قبیح تر ہو گی، پھر کیا کہا جائے جب کہ بڈھے الحان اور لکڑیوں کے بجنے پر رقص کریں اور تالیاں بجائیں، خاص کر اگر عورتوں اور مردوں کی آوازیں ہوں اور کیا تم پسند کرتے ہو کہ جس شخص کے سامنے موت اور سوال (قبر) اور حشر اور صراط ہوں۔ پھر اس کا ٹھکانا بہشت و دوزخ میں سے کوئی ایک جگہ ہو وہ رقص سے یوں اچھلے کودے، جیسے چوپائے اچھلتے ہیں اور اس طرح تالیاں بجائے جس طرح عورتیں بجاتی ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے اپنے زمانے میں

[1] ١٧/الاسراء:٣٧ و ٣١/لقمان:١٨۔ [2] ٣١/لقمان:١٨۔

وہ مشائخ دیکھے ہیں جن کا مسکرانے میں بھی کوئی دانت ظاہر نہیں ہوا چہ جائیکہ ان کو ہنسی آئے باوجودیکہ ہمیشہ ان کی صحبت میں رہا جیسے شیخ ابوالقاسم بن زیدان اور عبدالملک بن بشران اور ابو طاہر بن علاف اور جنید اور دینوری۔

فصل

جب کہ صوفیہ میں بحالت رقص خوب طرب قرار پکڑتا ہے ان میں سے ایک کسی بیٹھے ہوئے کو کھینچ لیتا ہے کہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو، اور ان کے مذہب میں یہ بات جائز نہیں کہ جس کو کھینچا جائے وہ بیٹھا رہے۔ جب وہ کھڑا ہوتا ہے تو اس کی پیروی کی وجہ سے باقی لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر اگر کوئی ان میں سے اپنا سر کھول لیتا ہے تو باقی بھی اس کی موافقت میں اپنے سروں کو ننگا کر لیتے ہیں اور عاقل آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ سر کھولنا قبیح ہے کہ اس میں آدمیت سے دوری اور ترک ادب ہے۔ یہ صرف مناسک حج میں اللہ تعالیٰ کے آگے اظہار عبودیت اور عاجزی کے لیے واقع ہوتا ہے۔

فصل

جب ان کا سرور زیادہ ہوتا ہے تو کپڑے اتار کر گانے والے پر پھینک دیتے ہیں بعض تو اسی طرح سالم ودرست پھینک دیتے ہیں اور بعض ان کو پھاڑ ڈالتے ہیں پھر پھینکتے ہیں اور ان کے لیے بعض جہال نے یہ حجت پکڑی ہے کہ وہ اپنے آپ سے گزر جاتے ہیں۔ (بے خود ہو جاتے ہیں) لہٰذا ملامت نہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی گوسالہ پرستی کا غم ہوا تو توریت کے تختے پھینک دیئے اور ان کو توڑ ڈالا اور انکو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا کیا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت اس امر کی تصریح کس نے کی کہ انہوں نے تختے اس طرح پھینکے جیسے کوئی توڑ ڈالنا چاہتا ہے اور قرآن شریف میں جو مذکور ہے تو ان کا ڈال دینا ہے۔ بس یہی کافی ہے۔ یہ بات کہاں سے نکلی کہ وہ ٹوٹ گئے۔ ہم یہ کیونکر کہہ دیں کہ انہوں نے توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر اگر موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس کو صحیح بھی مان لیں تو ہم کہیں گے کہ وہ اس وقت بے خود تھے کہ اگر اس گھڑی ان کے سامنے آگ کا دریا بھی ہوتا تو اس میں داخل ہو جاتے۔ اس گروہ کی نسبت بے خودی کون صحیح بتاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ گانے والے کو غیروں

سے تمیز کر لیتے ہیں اوران کے پاس کنواں ہوتو اس سے بچتے ہیں پھر انبیا علیہم السلام کے احوال ان احمقوں پر کیونکر قیاس کیے جاسکتے ہیں۔

صوفیہ میں سے میں نے ایک جوان کو بازار میں دیکھا کہ شور مچاتا تھا اورعوام لوگ اس کے پیچھے جاتے تھے۔ وہ غصہ میں بڑابڑاتا تھا۔اورنماز جمعہ کے لیے کئی نعرے مارتا تھا اور پھر جمعہ کی نماز پڑھتا تھا تو نماز سے خاموش ہو جاتا تھا۔ اب اگر یہ شخص نماز پڑھنے کی حالت میں غائب و بےخود تھا تواس کا وضو باطل ہوگیا اوراگر ہوش تھا تو وہ محض بنا ہوا ہے۔ یہ شخص تن وتوش والا تھا۔کوئی کام نہ کرتا تھا۔ ہر روز اس کے واسطے ایک زنبیل گھر گھر پھیری جاتی تھی تو اس قدر کھانا جمع ہو جاتا تھا کہ وہ اوراس کے ساتھی کھاتے تھے پس یہ حالت کھانے والوں کی ہے توکل کرنے والوں کی نہیں۔ پھر اگر ہم مان لیں کہ یہ لوگ بےخودی کی وجہ سے شور کرتے ہیں تو ان کا ایسی طرب انگیز چیز سننے کو جانا جو عقل پر پردہ ڈالتی ہے ممنوع اور منہی ہے جیسا کہ ہر اس چیز کے پاس جانا جس میں آزار غالب ہو۔

ابن عقیل سے ان لوگوں کے وجد کرنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں پوچھا گیا۔جواب دیا کہ خطا ہے حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے اور گریبان پھاڑنے سے منع فرمایا۔ [1] پوچھنے والے نے ابن عقیل سے پوچھا کہ وہ لوگ بالکل نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ اگر باوجود اس علم کے طرب ان پر غالب ہوگا اوران کی عقل زائل کردے گا۔ وہ ان مقاموں میں حاضر ہوں گے تو گنہگار ہوں گے بوجہ اس حالت کے جوان پر گزرتی ہے۔ کپڑے پھاڑنا وغیرہ جس میں شے کا فاسد کرنا ہے اوران سے خطاب شرعی ساقط نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے مخاطب ہیں کہ ان مقامات سے باز رہیں جہاں ایسی حالت کو پہنچیں جس طرح ان کو نشہ کی چیز پینے سے منع کیا گیا ہے۔اب اگر وہ نشہ میں سرشار ہو جائیں اوراس حالت میں ان سے مال ضائع کرنا سرزد ہوتو خطاب الٰہی بوجہ

[1] بخاری: کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، رقم ۱۲۹۴۔ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب رقم ۲۸۵۔ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ضرب الخدود وشق الجیوب عند المصیبۃ، رقم ۹۹۹۔نسائی: کتاب الجنائز، باب شق الجیوب، رقم ۱۸۶۵۔ مسند احمد: ۱/ ۳۸۶۔

ان کے مست و بے خود ہونے کے ساقط نہ ہوگا۔ یہ طرب اور سرور جس کو اہل تصوف وجد کہتے ہیں اگر اس میں صادق ہیں تو طبیعت پر نشہ غالب ہو گیا اور اگر کاذب ہیں تو باوجود ہوش میں ہونے کے مال ضائع کرتے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سلامتی نہیں اور شک وشبہ کے مقامات سے بچنا واجب ہے۔

ابن طاہر نے اس قوم کے لیے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں نے اپنے لیے ایک پردہ نصب کیا جس میں نقش اور بیل بوٹے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھینچا اور چاک کر دیا۔'' [1] مصنف رحمہ اللہ نے کہا: اس بیچارے غریب آدمی کی سمجھ پر غور کرنا چاہیے کہ جو شخص اپنے کپڑے پھاڑتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے اس کو حالت کی اس پر قیاس کرتا ہے کہ گھیرنے کے لیے پردہ کھینچا جائے اور بلا قصد پھٹ جائے۔ اگر یہ بھی مان لیں کہ آپ نے اس کے چاک کر دینے کا قصد کیا تھا تو بوجہ تنبیہ جائز ہے جیسا کہ ممنوعات میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے شراب کے بارے میں اس کے مٹکے توڑ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ اب اگر کپڑے پھاڑنے والا آدمی یہ دعویٰ کرے کہ وہ بے خود ہے تو ہم جواب دیں گے کہ تجھ کو شیطان نے بے خود بنا دیا۔ اگر تو حق کے ساتھ ہوتا تو محفوظ رہتا کیوں کہ حق فاسد نہیں ہوتا۔ ابو عمران الجونی نے کہا کہ ایک روز موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے وعظ بیان کیا۔ سامعین میں سے ایک شخص نے اپنا کرتا پھاڑ ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اس کرتے والے سے کہہ دو کہ کرتا نہ پھاڑے بلکہ میرے لیے قلب صاف کرے۔

فصل

مشائخ صوفیہ نے پھینکے ہوئے خرقوں کے بارے میں کلام کیا ہے۔ محمد بن طاہر نے کہا کہ اس بات کی دلیل کہ خرقہ جب پھینکا جاتا ہے اس شخص کی ملک ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے

[1] یہ مفہوم درج ذیل کتب میں موجود حدیث سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ بخاری: کتاب اللباس، باب ماوطی من التصاویر، رقم ۵۹۵۴۔ مسلم کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان...... رقم ۵۵۲۱۔ مسند احمد: ۶/۱۷۳۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب ذکر اشد الناس عذابا، رقم ۵۳۵۹۔ ابن ماجۃ: کتاب اللباس، باب الصور فیما یوطی، رقم ۳۶۵۳۔

پھینکا گیا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ ''کچھ لوگ پوستین پہنے ہوئے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔ ایک انصاری ایک تھیلی لائے ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی پے در پے لانے لگے۔ حتیٰ کہ میں نے دو ڈھیر غلہ اور کپڑوں کے دیکھے۔'' [1] ابن طاہر نے کہا کہ اس امر کی دلیل کہ جب لوگ خرقوں کے تقسیم ہونے کے وقت آئیں تو ان کا حصہ لگایا جائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ ''ہم لوگ خیبر کے بعد تیسرے دن آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا حصہ لگایا۔'' [2]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ شخص شریعت کے ساتھ کھیل کرتا ہے اور کج فہمی سے جو باتیں متاخرین صوفیہ کے مذہب کے موافق پاتا ہے نکالتا ہے۔ کیوں کہ ہم نے متقدمین صوفیہ میں یہ باتیں نہیں دیکھیں اور اس شخص کے استخراج کی قباحت کا بیان یہ ہے کہ وہ شخص جس نے چاک شدہ خرقہ پھینکا ہے اگر ہوش میں تھا تو اس کو اس کا چاک کرنا جائز نہ تھا اور اگر ان کے خیال کے مطابق خودی سے گزرا ہوا (بے خود) تھا تو اس کا کپڑا اس چیز کے مانند ہوگا جو بے خبری میں انسان سے گر پڑے کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس کا مالک بنے اور اگر اس شخص نے بحالت ہوش اپنا کپڑا پھینکا مگر کسی آدمی پر نہیں ڈالا تو اس کے مالک بن جانے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیوں کہ بغیر عقد شرعی کے کسی کو مالک نہیں بنا سکتے اور پھینک دینا عقد نہیں ہے۔ پھر ہم مانتے ہیں کہ وہ کپڑا اگانے والے کی ملکیت ہے تو اور لوگوں کے اس میں تصرف کرنے کی کیا وجہ ہے۔ پھر جب اس میں تصرف کرتے ہیں تو اس کے کئی ٹکڑے کر دیتے ہیں اور یہ دو وجہوں سے جائز نہیں۔ اول یہ کہ وہ ایسی چیز میں تصرف کرتے ہیں جس کے مالک نہیں۔ اور دوم یہ کہ مال ضائع کرنا ہے۔ پھر جو شخص موجود نہیں اس کا حصہ لگانے کی کیا وجہ ہے۔ اگر حضرت ابو موسیٰ کی حدیث کو کہا جائے تو خطابی وغیرہ علما نے کہا ہے کہ یہاں احتمال ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

---

[1] مسلم: کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ، رقم ۲۳۵۱۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقۃ، رقم ۲۵۵۵۔ مسند احمد: ۴/ ۳۵۹۔ [2] بخاری: کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس علی نوائب المسلمین رقم ۳۱۳۶۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل جعفر بن ابی طالب، رقم ۶۴۱۰۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فیمن جاء بعد الغنیمۃ لا سہم لہ، رقم ۲۷۲۵۔ ترمذی: کتاب السیر، باب ماجاء فی اھل الذمۃ یغزون مع المسلمین ھل یسہم لہم، رقم ۱۵۵۹۔ مسند احمد: ۴/ ۴۰۶۔

حاضرین جنگ کی خوشی سے دیا ہوں۔ اس پانچویں حصہ میں سے عطا کیا ہو جو آپ کا حق تھا۔ اور بنا بر مذہب صوفیہ یہ کپڑے کے ٹکڑے ہر ایک آنے والے کو ملتے ہیں اور یہ مذہب اجماع مسلمین سے خارج ہے۔ اگر سچ پوچھیے تو یہ لوگ جو کچھ اپنی بیہودہ راؤں سے مقرر کر رہے ہیں کس قدر اس حالت سے ملتی جلتی ہے۔ جو زمانہ جاہلیت کے بارے میں بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام کے احکام کی قسم سے بیان کی گئی ہے۔

ابن طاہر نے کہا کہ ہمارے مشائخ نے اجماع کیا ہے کہ چاک شدہ خرقے اور جو کچھ ان کے ساتھ درست خرقے ان کے موافق ہوں وہ سب کے سب مجمع کے حکم پر ہیں مشائخ اس میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اور ان کی حجت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ غنیمت اس کے لیے جو جنگ میں حاضر تھا۔ اس مذہب میں ہمارے شیخ ابو اسمٰعیل انصاری ان کے خلاف ہیں۔ وہ خرقوں کے دو حصے کرتے ہیں جو چاک شدہ ہیں سب کو تقسیم کیے جائیں اور جو سالم و درست ہیں قوال کو دیئے جائیں اور حضرت سلمہ کی حدیث سے حجت لی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''فلاں شخص کو کس نے قتل کیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ سلمہ نے مارا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سلمہ ہی کو اس کا سارا رخت (مال) ملے گا۔'' [1] پس یہاں پر قتل فقط قوال ہی کی طرف سے پایا گیا ہے لہٰذا رخت اس کو ملے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرے بھائیو! خدا ہمیں تمہیں ابلیس سے محفوظ رکھے۔ ذرا ان نادانوں کے شریعت کے ساتھ کھیل کرنے کو غور کرو اور ان کے مشائخ کا اجماع دیکھو جو اونٹ کی مینگنی کے برابر نہیں۔ کیوں کہ مشائخ فقہا اس پر اجماع کرتے ہیں کہ ہبہ کردہ چیز اس شخص کی ہے جسے ہبہ کی گئی خواہ ٹوٹی پھوٹی ہو یا صحیح و درست ہو اور غیر موہوب لہ (جس کو ہبہ نہیں کی گئی) کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ پھر یہ سمجھو کہ مقتول کا رخت تو وہ سب ہے جو اس کے جسم پر ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ رخت اسی کو کہتے ہیں جو پھینک دیا گیا۔ پھر زیبا تو یوں ہے کہ

---

[1] مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، رقم ۴۵۷۲۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی الجاسوس المستأمن، رقم ۲۶۵۴۔ مسند احمد: ۴/ ۵۰۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱۱/ ۱۷۷، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتہا، رقم ۴۸۴۳۔ الطبرانی فی الکبیر: ۷/ ۱۶، رقم ۶۲۴۱۔

انصاری کے قول کے برعکس عمل درآمد ہو کر کیوں کہ کپڑوں میں جو پھٹے ہوئے ہیں وہ بسبب وجد کے ہیں۔ لہٰذا یوں چاہیے کہ قوال کو چاک شدہ دیں اور درست نہ دیں۔ غرض کہ اس بارے میں اس فرق کے تمام اقوال بیہودہ اور خرافات ہیں۔

ابو عبداللہ تکریتی صوفی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے صغرسنی میں ابوالفتوح اسفرائنی کو دیکھا۔ وہ ایک مجلس صوفیہ میں بہت بڑی جماعت میں موجود تھے۔ جہاں ڈھول، باجہ، دف اور گھنگرو بجتے تھے۔ ابوالفتوح اٹھ کر رقص کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کا عمامہ گر پڑا۔ وہ اسی طرح کھلے سر رہے۔ تکریتی نے کہا کہ ابوالفتوح نے ایک روز رقص کیا اور موزہ پہنے ہوئے تھے۔ پھر ذکر آیا کہ موزہ سمیت رقص کرنا صوفیہ کے نزدیک خطا ہے تو انہوں نے موزہ اتار ڈالا پھر ایک پیراہن جو پہنے ہوئے تھے اتارا اور اس گناہ کے کفارہ میں جماعت کے سامنے رکھ دیا۔ لوگوں نے اسے پارہ پارہ کر کے باہم تقسیم کر لیا۔ ابن طاہر نے کہا کہ جو خرقہ پھینکا جائے تو لوگوں سے اس کا خرید کرنا جائز نہیں۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ ”صدقہ کر کے واپس نہ لو۔“ [1] مصنف رحمہ اللہ نے کہا: دیکھنا چاہیے کہ یہ شخص حدیث کے معنی سمجھنے سے کس قدر دور ہے۔ کیوں کہ خرقہ تو ہنوز اپنے مالک کی ملک میں باقی ہے اس کو خرید نے کی حاجت نہیں۔

فصل

باقی رہا یہ کہ صوفیہ پھینکے ہوئے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اور باہم بانٹتے ہیں تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگرچہ مالک لباس نے اس کو قوال کی طرف پھینکا ہے۔ لیکن فقط پھینک دینے سے اس کو دے نہیں دیا کہ وہ اس کا مالک بن بیٹھا۔ پھر جب وہ قوال اس کا مالک بن گیا تو غیر کے تصرف کی اس میں کیا وجہ ہے۔ بعض فقہائے صوفیہ کے پاس میں گیا جو خرقہ پھاڑتے تھے اور تقسیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان خرقوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور یہ کوئی تفریط نہیں۔ میں نے کہا کہ اس کے سوا اور تفریط کسے کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور شیخ کو میں نے دیکھا جو

---

[1] بخاری: کتاب الزکاۃ باب هل یشتری صدقتہ؟...... رقم ۱۴۹۰، ۲۶۳۶۔ مسلم: کتاب الهبات، باب کراهیة شراء الانسان ما تصدق بہ ممن تصدق علیہ، رقم ۴۱۶۹۔ مسند احمد: ۱/ ۲۵، ۲۷ (واللفظ لہ)۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب شراء الصدقۃ، رقم ۲۶۱۸۔ ابن ماجہ: کتاب الصدقات، باب الرجوع فی الصدقۃ، رقم ۲۳۹۰۔ مسند الحمیدی: ۱/ ۱۰، رقم ۱۵۔

کہتے تھے کہ میں نے اپنے شہر میں خرقے پھاڑ کر تقسیم کیے۔ ایک خرقہ ایک آدمی کو ملا۔ اس نے اس کا ایک دوسرا لباس بنا کر پانچ دینار میں فروخت کر دیا۔ میں نے ان سے کہا: ان باتوں کے لیے شریعت یہ رعونتیں جائز نہیں رکھتی۔ پھر ان دونوں شیخوں سے زیادہ تعجب ابو حامد طوسی پر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کو کپڑوں کا پارہ پارہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ مربع ٹکڑے پھاڑے جائیں جو کہ کپڑوں اور جانمازوں میں پیوند لگانے کے کام آ سکیں۔ کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ کپڑا پھاڑ ڈالا جاتا ہے اور اس کا کرتا بنا لیا جاتا ہے اور اس کو تضییع نہیں کہتے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں کہ مذہب تصوف کی محبت نے اس کو اصول فقہ اور مذہب شافعی سے کیسا مسلوب الحواس کر دیا کہ خاص انتفاع پر نظر رکھتا ہے پھر اس کے کیا معنی کہ مربع ٹکڑے ہوں۔ طول میں پھاڑنے سے بھی نفع اٹھا سکتے ہیں اور تلوار کے اگر توڑ کر برابر دو ٹکڑے کر لیے جائیں تو ایک ٹکڑے سے نفع نہیں اٹھا سکتے۔ علاوہ ازیں شریعت عام فائدوں کو دیکھتی ہے اور جس چیز کے انتفاع میں نقصان آئے اس کو تلف کر دینا کہتے ہیں۔ اسی لیے ثابت درہم کو توڑنا ممنوع ہے۔ کیوں کہ ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے شیطان اگر جہال صوفیہ کو فریب میں لے آئے تو کچھ تعجب نہیں۔ تعجب تو ان عالموں پر ہے جنہوں نے ابو حنیفہ اور شافعی کے حکم کو چھوڑ کر صوفیہ کی بدعتیں اختیار ہیں۔

فصل

ان صوفیہ نے جو بدعتیں ایجاد کیں ہیں ان میں عجیب عجیب باتیں نکالی ہیں اور جو لوگ ان کی خواہش کی جانب مائل ہوئے ہیں انہوں نے ان کے لیے عذر ڈھونڈے ہیں۔ محمد بن طاہر نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے (باب، توبہ کرنے والے سے کچھ تاوان لینے کے بارے میں سنت کیا ہے) اور کعب بن مالک کی حدیث سے حجت لی ہے کہ ان کی توبہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے لیے تہائی مال صدقہ دینا کافی ہے۔" [1]

---

[1] ابوداؤد: کتاب الایمان والنذر، باب فیمن نذر ان یصدق بمالہ، رقم ۳۳۱۹۔ موطا امام مالک: ۲/۴۸۱، کتاب الایمان والنذور، باب جامع الایمان، رقم ۱۶۔ سنن الدارمی: ۱/۴۱۹، کتاب الزکاۃ، باب النہی عن الصدقۃ، بجمیع ماعند الرجل، رقم ۱۶۱۳۔ مسند احمد: ۳/۴۵۲، ۵۰۲۔ مصنف عبدالرزاق: ۹/۴۷، باب الرجل یعطی مالہ کلہ رقم ۱۶۳۹۷۔

پھر کہا (باب اس بات کی دلیل میں کہ جس شخص پر تاوان واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو تاوان سے زیادہ اس پر لازم کر دیں) اور معاویہ بن جعدہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کے حق میں فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کو روکے گا میں اس سے زکوٰۃ اور اس کا آدھا مال لوں گا۔'' [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے کھیل کرنے کو دیکھو اور اس صوفیہ کے لیے حجت لانے والے کی جہالت پر غور کرو کہ جو چیز انہوں نے ایک شخص پر خود دل کر لازم کر دی اس کا نام تاوان رکھا ہے، اور اس کو واجب بتاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے واسطے کسی شے کا تاوان ہونا اور واجب ہونا فقط شریعت کی طرف سے ہے اور جب کہ انسان غیر واجب کو واجب اعتقاد کرے گا تو یہ اعتقاد اس کو کافر بنا دے گا۔ صوفیہ کا مذہب ہے کہ استغفار و توبہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ نکالوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تہائی مال کافی ہے۔ یہ نا فرمانا کوئی لازم کر دینے کی راہ سے نہ تھا۔ صرف گناہ سے پاک کرنا تھا اور ان سے مال لے لیا گیا اور کجا شریعت کا یہ لازم کرنا کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے تو سزا کے طور پر اس سے اور زیادہ لیا جائے اور کہا: اس قوم کا یہ تاوان کے طور پر زیادتی کا لازم کرنا۔ پھر اگر وہ نہ دے تو اس کو دو چند کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو لازم کرنا ہی نہ چاہیے۔ لازم کر دینا فقط شریعت کے اختیار ہے اور یہ سب حرکتیں نادانی اور شریعت کے ساتھ کھیلنا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ شریعت پر حملہ کرنے والے ہیں۔

اکثر صوفیہ کو نوجوانوں کی صحبت کے بارہ میں تلبیس ابلیس کا بیان

جاننا چاہیے کہ اکثر صوفیہ نے اپنے اوپر نوجوان عورتوں کو دیکھنے کا دروازہ بند کر لیا ہے لہٰذا وہ ان کی مصاحبت سے دور رہتے ہیں اور ان کے ساتھ اختلاط رکھنے سے باز رہتے ہیں اور نکاح کو چھوڑ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ارادت کے طور پر اور تعلیم و زہد کی غرض سے ان کے ساتھ نوجوانوں کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے۔ ابلیس ان کو ان کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

[1] یہ حدیث معاویہ بن جعدۃ سے مجھے نہیں ملی البتہ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے مل گئی ہے دیکھئے۔ ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، رقم ۱۵۷۵۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب عقوبۃ مانع الزکاۃ، رقم ۲۴۴۶، ۲۴۵۱۔ سنن الدارمی: ۱/۴۲۴، کتاب الزکاۃ، باب لیس فی عوامل الابل صدقۃ، رقم ۱۶۲۹۔ مسند احمد: ۵/۲، ۴۔ حاکم: ۱/۵۵۵، رقم ۱۴۴۸۔

جاننا چاہیے کہ نوجوانوں کی صحبت کے بارے میں صوفیہ سات قسم کے ہیں۔ اول سب سے زیادہ خبیث ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے مانند بنتے ہیں اور حلول کے قائل ہیں۔ ابونصر عبداللہ ابن سراج کہتے ہیں۔ مجھے خبر ملی ہے کہ حلولیہ گروہ میں سے ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جسموں کو اپنے حلول کرنے کے لیے اختیار فرمایا ہے اور یہ ربوبیت کے معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حلول خوب صورت اشیاء میں ہے۔ ابوعبداللہ بن حامد نے ذکر کیا کہ صوفیہ کی ایک جماعت کا قول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھتے ہیں اور اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آدمی کی صفت میں ہو اور اچھی صورت میں اس کے حلول کرنے سے انکار نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات حبشی لڑکے کو دیکھتے ہیں اور مشاہدۂ خدا سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو صوفیہ کے ساتھ ان کے لباس میں تشبیہ اختیار کرتے ہیں اور تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو اچھی چیز کو دیکھنا مباح جانتے ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ایک کتاب موسوم بہ سنن الصوفیہ تصنیف کی ہے۔ آخر کتاب میں اس عنوان کا باب باندھا ہے (باب، ان چیزوں کے بیان میں جن کے لیے صوفیہ کے نزدیک رخصت ہے) اس باب میں رقص، غنا اور اچھی صورت کو دیکھنا بیان کیا ہے اور وہ حدیث لکھی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا: ''تم خیر کو اچھی صورتوں کے پاس طلب کرو'' [1] اور نیز فرمایا: ''تین چیزیں بینائی کو جلا بخشتی ہیں۔ سبزہ دیکھنا، پانی دیکھنا، اچھی صورت دیکھنا'' [2]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان دونوں حدیثوں کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں ہے۔ پہلی حدیث کی اسناد کا آخری حصہ یوں ہے۔

(عَنْ یَزِیْدَ بْنِ ھَارُوْنَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْمُجْبِرِ عَنْ نَافِعٍ)

---

[1] [ضعیف جداً کما قال المصنف] مسند عبد بن حمید: ص ۲۴۳، رقم ۷۵۱۔ تاریخ بغداد: ۳/ ۲۲۶، ترجمۃ ۱۲۸۷، ۴/ ۱۸۵، ترجمۃ ۱۸۷۱، ۱۱/ ۴۳، ترجمۃ ۵۷۲۲۔ کتاب الضعفاء الکبیر: ۲/ ۲۳۹، ترجمۃ (۶۲۸) سلیمان بن کرّاز لطفاوی۔ اللآلی المصنوعۃ: ۲/ ۷۹، کتاب الصلاۃ، باب الصدقات تنزیہ الشریعۃ: ۲/ ۱۳۳ کتاب الصدقات، الفصل الثانی، رقم ۲۱۔ وابن الجوزی فی الموضوعات: ۲/ ۱۶۰، باب طلب الخیر من حسان الوجوہ۔ [2] [موضوع] موضوعات ابن الجوزی: ۱/ ۱۶۳، باب النظر الی الوجہ الحسن (وقال: ھذا حدیث باطل......) فیض القدیر: ۳/ ۴۱۲، رقم ۳۴۸۶۔ اللآلی المصنوعۃ: ۱/ ۱۱۵، ۱۱۷۔ کتاب المبتداء۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۳/ ۶۲، رقم ۲۵۶۷۔ سلسلۃ ضعیفۃ: ۱/ ۱۶۶، رقم ۱۳۴۔

وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیر اچھی صورتوں کے پاس ڈھونڈو۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ رواۃ حدیث میں محمد بن عبدالرحمٰن کوئی چیز نہیں۔ مصنف نے کہا کہ یہ حدیث کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ عقیلی کہتے ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں اور باقی رہی دوسری حدیث اس کی اسناد یہ ہے کہ ہم سے ابومنصور بن خیرون نے بیان کیا۔ ان سے ابن عبید ریحانی نے کہا کہ میں نے ابوالبختری وہب بن وہب سے سنا کہتے تھے کہ میں ہارون رشید کے پاس جایا کرتا تھا، اور اس کے سامنے اس کا بیٹا قاسم ہوتا تھا۔ میں اس کی طرف ٹکٹکی لگائے رہتا تھا۔ ہارون رشید نے کہا کہ میں تجھ کو دیکھتا ہوں کہ تو قاسم ہی کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔ کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ قاسم تیرا ہی ہو رہے۔ میں نے کہا امیر المومنین! خدا کی پناہ! مجھ کو اس بات کی تہمت نہ لگایئے جو میرے جی میں نہیں اور میں جو قاسم کی طرف نظر جمائے رہتا ہوں تو مجھے امام جعفر صادق نے بیان کیا کہ ان کے باپ ان کے دادا علی بن حسین سے روایت کرتے تھے اور ان کے باپ نے ان کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ہیں جن کو دیکھنا بینائی کی قوت زیادہ کرتا ہے۔ سبزہ، بہتا ہوا پانی اور اچھی صورت، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اور ابوالبختری کے بارے میں علما کا کچھ اختلاف نہیں کہ وہ جھوٹا اور حدیثیں بنانے والا ہے۔ پھر ابوعبدالرحمٰن سلمی کو یوں چاہیے تھا کہ اچھی چیز کا دیکھنا ذکر کیا تھا تو اس کو بی بی اور مملوکہ لونڈی کا چہرہ دیکھنے پر موقوف رکھتا۔ لیکن بالکل مطلق رکھنا تو ظاہر کرتا ہے کہ ان کو بدی سے محبت ہے۔

محمد بن ناصر الحافظ ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ ابن طاہر مقدسی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں امردوں کو دیکھنے کا جواز لکھا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس شخص کی شہوت امرد کی طرف دیکھنے میں حرکت میں آئے اس کو دیکھنا حرام ہے اور جب انسان یہ دعویٰ کرے کہ خوبصورت امرد کے دیکھنے سے اس کی شہوت کو جوش نہیں آتا تو وہ جھوٹا ہے اور مطلق طور پر اس لیے مباح کر دیا کہ لامحالہ بچوں سے خلط ملط بکثرت ضرور ہوتا ہے۔ تو اس میں حرج و مشکل نہ پڑے اور جب دیکھنے میں مبالغہ واقع ہو تو یہ حرکت دلیل ہے کہ خواہش نفسانی کے جوش کا

تقاضا ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: جب تم کسی کو دیکھو کہ امرد لڑکے کو نظر جما کر دیکھ رہا ہے تو اس کو تہمت لگا دو۔

چھوتھی قسم وہ گروہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم شہوت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ عبرت حاصل کرنے کی غرض سے نظر کرتے ہیں اور ہم کو اس دیکھنے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ حالانکہ ان کا یہ سب قول غلط ہے کیوں کہ سب طبیعتیں مساوی ہیں۔ پھر جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ طبیعت میں اپنے ہم جنسوں سے جدا ہے تو ایک امر محال کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس بات کو ہم پہلے سماع کے بیان میں وضاحت کے کر ساتھ لکھ چکے ہیں۔

ابوحمزہ صوفی نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ میں ابونصر غنوی کے پاس بیٹھا تھا اور وہ ایک جفاکش عابد تھے۔ انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا ان کی دونوں آنکھیں اس لڑکے کی طرف گڑ کر رہ گئیں یہاں تک کہ اس کے قریب ہوگئے اور اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ خدا سمیع اور اس کی عزت رفیع اور سلطان منیع کے واسطے میرے آگے کھڑا رہ۔ میں جی بھر کر تجھے دیکھ لوں۔ لڑکا تھوڑی دیر کھڑا رہا پھر چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس حکیم و مجید اور کریم و مبدی و معید کے واسطے کھڑا رہ۔ وہ لڑکا گھڑی بھر پھر کھڑا رہا۔ وہ اس کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ پھر وہ چلنے لگا تو اس سے کہنے لگے کہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس واحد، احد، جبار اور صمد کے واسطے جو لم یلد ولم یولد ہے کھڑا رہ۔ لڑکا کچھ دیر کھڑا رہا۔ انہوں نے خوب دیکھا۔ پھر چلنے لگا تو بولے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس لطیف و خبیر اور سمیع و بصیر اور خدائے بے شبہ و نظیر کے واسطے ذرا کھڑا رہ۔ وہ لڑکا کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اپنا سر زمین کی طرف جھکایا اور لڑکا چلا گیا۔ بہت دیر کے بعد سر اوپر اٹھایا تو رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ اس لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنے سے مجھ کو وہ ذات یاد آ گئی جو تشبیہ سے عالی اور تمثیل سے پاک اور محدود ہونے سے مبرا ہے۔ خدا کی قسم! میں اس کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان کو اس کے دشمنوں سے جہاد کی مشقت میں ڈالوں گا اور اس کے دوستوں سے محبت رکھوں گا، یہاں تک کہ میری مراد حاصل ہو۔ یعنی اس کی اچھی صورت اور پاکیزہ طلعت دیکھنے پاؤں (یعنی قیامت میں) اور مجھے تمنا ہے کہ کاش! وہ مجھے

اپنا دیدار کرنے دے اور تا قیام زمین و آسمان مجھ کو آگ میں قید رکھے۔ یہ کہہ کر غش کھا کر گر پڑے۔

محمد بن عبداللہ فزاری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے خیر نساج سے سنا۔ کہتے تھے کہ میں مسجد خیف میں احرام باندھے ہوئے مخارق بن حسان صوفی کے ساتھ تھا کہ اہل مغرب میں سے ایک خوبصورت لڑکا ہمارے پاس آ بیٹھا تو میں نے مخارق کو دیکھا کہ اس کی طرف اس طور سے نظر کرتے تھے جس کو میں نے مکروہ جانا۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو میں نے ان سے کہا کہ تم حالت احرام میں ہو اور یہ مہینہ حرمت کا ہے اور یہ شہر مبارک حرمت والا ہے اور مشعر حرام میں موجود ہو اس حال میں میں نے تم کو دیکھا کہ اس لڑکے کو ایسی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ مفتونوں کے سوا اس طرح کوئی نہیں دیکھتا۔ مخارق نے جواب دیا کہ اے پر شہوت دل اور آنکھ والے! کیا تو مجھ سے یوں کہتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھ کو دام ابلیس میں پھنسنے سے تین چیزیں روکتی ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیزیں ہیں۔ کہا: ایمان کا پردہ اور اسلام کی عفت اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے شرمانا ہے کہ وہ اس امر پر مطلع نہ ہو کہ میں اس بری بات کی طرف راغب ہوں جس سے اس نے مجھ کو منع فرما دیا۔ یہ کہہ کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے یہاں تک کہ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مصنف نے کہا میں کہتا ہوں کہ مذکور الفبل احمق کی جہالت کو دیکھنا چاہیے اور اس کی تشبیہ کی رمز پر غور کرنا چاہیے اگر چہ تنزیہہ کا قائل ہے اور اس دوسرے کی حماقت پر نظر کرنا چاہیے کہ فقط فعل فاحش ہی کو گناہ خیال کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ صرف شہوت سے نگاہ ڈالنا حرام ہے اور اپنی ذات سے طبیعت کا اثر اس دعوے سے زائل کر دیا جس سے اس کی نظرِ شہوت کو لذت حاصل تھی۔

بعض علما نے مجھ سے کہا کہ ایک امرد لڑکے نے مجھ سے بیان کیا کہ فلاں صوفی جو مجھ سے محبت رکھتا تھا کہنے لگا اے بیٹا! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توجہ ہے کہ مجھ کو تیرا حاجت مند بنایا۔

نقل کرتے ہیں کہ صوفی کی ایک جماعت احمد غزالی کے پاس گئی تو ان کے پاس ایک امرد لڑکا دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے تھے اور دونوں کے بیچ میں ایک گلاب کا پھول

تھا۔ احمد کبھی گلاب کو دیکھتے تھے اور کبھی لڑکے کو۔ جب وہ صوفیہ آ کر بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا کہ غالبًا ہم لوگوں نے آ کر آپ کو مکدر کیا۔ جواب دیا کہ ہاں ہاں بیشک خدا کی قسم۔ پھر سب نے مل کر وجد و حال کے طور پر نعرہ مارا۔

ابوالحسین بن یوسف نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے احمد غزالی کو ایک رقعہ میں لکھا کہ تم اپنے ترکی غلام کو چاہتے ہو۔ انہوں نے رقعہ پڑھا اور غلام کو بلایا اور ساتھ لے کر منبر پر چڑھے اور اس کی دونوں آنکھوں کا بوسہ لے کر کہا کہ اس رقعہ کا جواب یہ ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص (احمد غزالی) کی یہ حرکت اور اپنے چہرہ سے پردہ شرم وحیا اٹھا دینا تو کوئی تعجب کی بات نہیں، تعجب تو ان گدھوں پر ہے جو وہاں حاضر تھے کہ انکار واعتراض کرنے سے کیونکر خاموش رہے۔ لیکن افسوس کہ شریعت کی گرمی اکثر لوگوں کے دلوں میں سرد ہو گئی۔

ابوالطیب طبری نے ہم سے بیان کیا کہ اس قوم کی نسبت جو راگ سنتی ہے مجھ کو خبر ملی ہے کہ یہ لوگ سماع کے ساتھ امرد کی طرف نظر کرنے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں اور بسا اوقات امرد کو زیورات، رنگین کپڑوں اور زریں لباس سے آراستہ کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ یہ حرکت عین ایمان ہے اور امرد کو دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور صنعت سے صانع پر استدلال لانا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں نہایت ہی خواہش نفسانی کا بندہ ہونا، عقل کو فریب دینا اور علم کے خلاف کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [1]

"یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتیں خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتا" اور فرمایا:

﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى ٱلْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ [2]

"کیا اونٹ کی طرف نظر نہیں کرتے کہ کس طور پر پیدا کیا گیا ہے اور فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَنظُرُوا۟ فِى مَلَكُوتِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾ [3]

"کیا زمین وآسمان کی کائنات پر غور نہیں کرتے۔"

[1] ۵۱/ الذاریات: ۲۱۔ [2] ۸۸/ الغاشیۃ: ۱۷۔ [3] ۷/ الاعراف: ۱۸۵۔

جس چیز سے عبرت حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس کو چھوڑ کر یہ لوگ اس میں پڑ گئے جس سے منع فرمایا اور اس گروہ کے لوگ فقط عمدہ عمدہ غذائیں اور لذیذ کھانے کھا کھا کر مذکورہ حرکتیں کرتے ہیں۔ جب غذاؤں سے ان کے جی خوب بھر جاتے ہیں تو ناچ، راگ اور خوب صورت امردوں کو دیکھنا اس قسم کی خواہشوں میں پڑ جاتے ہیں اور اگر کہیں کھانا کم کھائیں تو سماع اور نظر کے پاس نہ جائیں۔

ابو الطیب نے کہا کہ راگ سننے والوں کا حال اور جو کچھ سماع کی حالت میں ان پر کیفیت گزرتی ہے کسی صوفی نے چند اشعار میں صاف کھول دیا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

اَتَذْكُرُ وَقْتَنَا وَقَدْ اِجْتَمَعْنَا
عَلٰى طِيْبِ السَّمَاعِ اِلَى الصَّبَاحِ
وَدَارِتْ بَيْنَنَا كَاْسُ الْاَغَانِىْ،
فَاُسْكِرَتِ النُّفُوْسُ بِغَيْرِ رَاحِ
فَلَمْ نَرَ فِيْهِمْ اِلَّا نَشَاوِى
سُرُوْرًا وَالسُّرُوْرُ هُنَاكَ صَاحِى
اِذَا لَبَّىْ اَخُو اللَّذَّاتِ فِيْهِ
مُنَادِىْ اللَّهْوِ حَىَّ عَلَى الْفَلَاحِ
وَلَمْ نَمْلِكْ سِوَى الْمُهَجَاتِ شَيْئًا
اَرِقْنَاهَا لِاَلْحَاظٍ مَلَاحِ

”جس حال میں کہ ہم صبح تک دل پسند راگ سننے کو جمع ہوئے ہیں تو کیا اب بھی اپنے اپنے وقت کو یاد کریں؟۔ ہم میں راگوں کے پیالوں کا دور چل رہا ہے جن سے ہماری جانیں بغیر شراب کے نشہ میں سرشار ہو گئیں، محفل میں جو ہے سرور کے نشہ میں ہے اور مجلس میں فقط سرور ہی ہوشیار ہے۔ اس محفل میں جب لہو و لعب کا منادی پکارتا ہے کہ نمکین معشوقوں کی طرف چلو تو لذت و لطف اٹھانے والا جواب دیتا ہے کہ حاضر ہوا اور ہمارے پاس دل خوں شدہ کے سوا کچھ نہیں جس کو اچھی آنکھوں پر بہا دیں۔“

ابوالطیب کہتے ہیں کہ سماع کی تاثیر دلوں میں یہ ہے جو اس شاعر نے بیان کی تو پھر سماع کیونکر کوئی نفع پہنچا سکتا ہے یا کوئی فائدہ بخش سکتا ہے۔

ابن عقیل نے کہا: جو شخص یوں کہتا ہے کہ مجھ کو اچھی صورتوں کے دیکھنے سے کچھ خوف نہیں تو اس کا یہ قول بے بنیاد ہے۔ کیوں کہ شریعت کا خطاب ہر ایک کے لیے عام طور پر ہے۔ کسی کو ممتاز نہیں کیا جا سکتا اور قرآن شریف کی آیتیں ایسے دعوؤں کا انکار کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ [1]

''یعنی اے رسول اللہ ﷺ! ان اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں۔''

اور فرمایا: ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ الخ﴾ [2]

''یعنی کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس صورت پر مخلوق ہوا اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے کہ کس طرح بلند کیا گیا'' اور پہاڑوں پر نظر نہیں کرتے کہ کیونکر نصب کیے گئے۔

پس انہیں صورتوں کا دیکھنا جائز ہوا جن کی طرف نفس کو کچھ رغبت نہیں اور جن میں خواہش نفسانی کا کچھ حصہ نہیں۔ بلکہ یہ وہ عبرت ہے جس میں ذرا بھی شہوت کی آمیزش اور لذت کا ملاؤ نہیں۔ لیکن شہوت انگیز صورتوں کی تو یہی تعبیر کی جائے گی کہ شہوت کے ساتھ عبرت حاصل کی جاتی ہے اور ہر ایک صورت باعث گناہ ہے۔ اس قابل نہیں کہ اس پر نگاہ ڈالی جائے۔ کیوں کہ اکثر فتنہ کا سبب ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو پیغمبر بنا کر مبعوث نہیں فرمایا اور نہ اس کو قاضی یا امام یا موذن بنایا یہ سب کچھ اسی واسطے ہے کہ عورت آفت اور شہوت کا محل ہے اور اکثر اوقات عورت کو دیکھنے سے شریعت کا مقصود منقطع ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص یوں کہے کہ میں اچھی صورتوں سے عبرت لیتا ہوں تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے اور جو کوئی اپنے آپ کو طبیعت میں ہماری طبیعتوں سے ممتاز سمجھے ہم اس کے دعوے کو باطل قرار دیں گے۔ یہ باتیں صرف شیطان کا مکروفریب ہے کہ دعویٰ کرنے والوں کو دھوکا دے رکھا ہے۔

پانچویں قسم کے صوفیہ وہ ہیں جو امردوں سے صحبت رکھتے ہیں اور اپنے نفس کو فواحش سے روکتے ہیں اور اس کو مجاہدہ ونفس کشی اعتقاد کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ فقط امردوں سے

[1] ۲۴/النور: ۳۰۔ [2] ۸۸/الغاشیۃ: ۱۷۔

صحبت رکھنا اوران کی طرف شہوت سے دیکھنا ہی گناہ ہے اور یہ امور برے صوفیوں کی خصلتیں ہیں ان کے قدماء بھی اسی مذہب کے تھے۔ احمد علی بن ثابت نے ہم کو خبر دی کہ ابوعلی روذباری نے یہ شعر کہے ہیں:

اَنُــزِہُ فِــیُ رَوُضِ الْــمَـحَــاسَــنِ مُـقُـلَـتِـیُ
وَاَمُــنَــعُ نَــفُـسِــیُ اَنُ تَــنَــالَ مُــحَــرَّمَــا
وَاَحُــمِــلُ مِــنُ ثِــقُــلِ الْهَــوىٰ مَــا لَــوُ اَنَّــهُ
عَــلَــى الْــجَــبَــلِ الْــصَّــلُــدِ الْاَصَــمِ تَهَــدَّمَــا

''میں اپنی آنکھوں کو حسن وخوبی کے باغ میں سیر کراتا ہوں اور اپنے نفس کو حرام کے مرتکب ہونے سے باز رکھتا ہوں میں عشق ومحبت کا اتنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں کہ اگر مضبوط پہاڑ اٹھائے تو منہدم ہو جائے۔''

مصنف رحمۃ اللہ نے کہا کہ عنقریب یوسف بن الحسین کا واقعہ اوران کے اس قول کا بیان آئے گا کہ میں نے اپنے خدا سے سو بار معاہدہ کیا کہ کسی نوجوان حسین کے پاس نہ بیٹھوں گا پھر سہی قد اور غمزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد توڑ ڈالا۔

ابوالمختار الضبی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالکمیت اندلسی سے جو بڑے سیاح آدمی تھے کہا کہ صوفیوں کی کوئی عجیب بات بیان کیجیے۔ کہنے لگے کہ صوفیہ میں سے ایک شخص کی صحبت اٹھائی جس کا نام مہر جان تھا۔ وہ پہلے مجوسی تھا پھر مسلمان ہوگیا اور صوفی بن گیا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا دیکھا کہ اس کو اپنے سے جدا نہ کرتا تھا اور جب رات ہوتی تھی تو تہجد ادا کرتا۔ پھر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا۔ پھر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ پھر جس قدر ہوسکتا نماز پڑھتا تھا۔ پھر لوٹ کر اس کے پہلو میں لیٹ جاتا۔ حتیٰ کہ یہ حرکت رات میں بارہا کرتا تھا۔ پھر جب صبح روشن ہو جاتی یا قریب صبح ہونے کے ہوتی تو وتر پڑھتا تھا۔ پھر آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتا تھا کہ خداوندا! تو خوب جانتا ہے کہ آج کی رات مجھ پر سلامتی سے گزری۔ اس رات میں میں نے کوئی فعل بد کی خواہش نہیں کی اور کراماً کاتبین نے میرے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا۔ حالانکہ اس لڑکے کی محبت جو میرے دل میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کو پہاڑ بھی

اٹھائیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اگر زمین اٹھائے تو شق ہو جائے۔ پھر کہتا تھا کہ اے رات! تجھ میں جو کچھ مجھ سے ہوا اس کی گواہ رہنا۔ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے خوف نے حرام کی خواہش اور گناہ کے تعرض سے باز رکھا۔ پھر کہتا تھا کہ اے خدا! اے میرے مالک! تو ہم کو پرہیز گاری پر ساتھ رکھنا اور جس روز سب احباب اکٹھے ہوں ہم کو جدا نہ کرنا۔ راوی نے کہا کہ میں نے اس صوفی کے پاس عرصہ دراز تک قیام کیا۔ ہر رات اس کا یہی کام تھا اور میں اس کی یہی باتیں سنتا۔ پھر جب میں نے اس کے پاس سے واپس آنے کا ارادہ کیا تو اس سے کہا: یہ کیا بات ہے کہ جب رات گزر جاتی ہے تو میں تم کو اس طرح باتیں کرتا ہوا سنتا ہوں۔ کہنے لگا کہ کیا تم سنا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ جواب دیا کہ اے بھائی خدا کی قسم! میرے دل میں اس لڑکے کی اتنی محبت ہے کہ اگر اس قدر محبت بادشاہ کو اپنی رعایا سے ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا حق دار ہو جائے۔ میں نے کہا کہ پھر یہ تو بتاؤ کہ جس شخص کی طرف سے تم کو اپنے نفس پر فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خوف ہے تو اس کے ساتھ صحبت رکھنے کی ہی کیا ضرورت ہے۔ ابومحمد بن جعفر بن عبداللہ صوفی کہتے ہیں کہ ابوحمزہ صوفی نے بیان کیا کہ میں نے بیت المقدس میں ایک جوان صوفی کو دیکھا کہ ایک مدت دراز تک ایک لڑکے سے صحبت رکھتا رہا۔ پھر وہ صوفی مر گیا۔ اس لڑکے کو اس کے مرنے کا نہایت غم ہوا۔ یہاں تک کہ رنج میں لاغر ہو گیا کہ اس کے جسم پر فقط کھال اور ہڈی رہ گئی۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ تم کو اپنے دوست کا بڑا صدمہ ہوا۔ حتیٰ کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم کو اس کے بعد کبھی قرار نہ ہوگا۔ جواب دیا کہ بھلا ایسے شخص کے بعد مجھ کو کیا قرار آئے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا تھا کہ آن واحد کے لیے بھی میرے سے جدا نہ ہوا اور پھر باوجود اس قدر طول صحبت اور کثرت خلوت شب و روز کے مجھ کو فسق و فجور کی نجاست سے محفوظ رکھا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قوم کو جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ساتھ خواہش کی طرف نہیں جھکتے تو ان کی نظروں میں فواحش کے شروعات کو آرائش دی۔ لہٰذا انہوں نے نظر کرنے اور صحبت رکھنے اور ہم کلام ہونے سے لذت اٹھانا شروع کیا اور اس طرح فواحش سے بچنے میں نفس کی مخالفت کا عزم کیا۔ اب اگر وہ صادق اور پورے ہیں تو اتنا ضرور ہے کہ وہ دل جس کو بالکل خدا سے لگانا چاہیے غیر خدا کے ساتھ مشغول ہو گیا اور وہ وقت جس میں طبیعت کی

جفاکشی اور ریاضت سے دل کو ان باتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جو آخرت میں فائدہ بخشیں فقط فواحش سے باز رہنے میں صرف ہوا اور یہ سب نادانی اور آداب شریعت سے باہر آنا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں نیچی رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہی طریقہ ہے جس سے دل بلاخوف وخطرہ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص درندوں میں گزرا جو غافل اور اس سے بے خبر تھے اور اس کو نہ دیکھتے تھے۔ اس نے ان کا ہشکارا اور ان سے مقابلہ کرنے لگا۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک نہ ہوگا تو کم از کم مجروح ہونے سے تو ہرگز نہیں بچ سکتا۔

فصل

صوفیہ میں اکثر ایسے بھی ہیں جن کا مجاہدہ ایک مدت تک قوی رہا اور پھر کمزور ہو گیا اور ان کے نفس نے بدی کی خواہش کی تو اس وقت امردوں کی صحبت ترک کر دی۔ ابوحمزہ صوفی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علاء دمشقی سے پوچھا جو صوفیہ کے سرگروہ تھے اور میں ایک مدت تک ان کو ایک خوب صورت لڑکے کے ساتھ چلتا پھرتا دیکھتا تھا۔ پھر انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ نے اس نوجوان کو کیوں چھوڑ دیا جس کو میں آپ کے ہمراہ دیکھا کرتا تھا اور آپ اس سے بہت ملے جلے رہتے تھے اور اس کی طرف بڑے مائل تھے۔ جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں نے اس کو دشمنی اور ملال خاطر سے نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا۔ کہنے لگے کہ جب میں اس کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تھا اور وہ میرے پاس بیٹھتا تھا تو میں نے اپنے دل کو دیکھا کہ مجھ کو ایسے امر کی ترغیب دیتا تھا کہ اگر اس کا مرتکب ہو جاتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا۔ اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا تا کہ اللہ تعالیٰ عتاب نہ فرمائے اور میرا نفس فتنوں کے مقامات سے سلامت رہے۔

فصل

اکثر صوفیہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تائب ہو گئے اور نظر اٹھا کر دیکھنے پر بہت دیر تک روتے رہے۔ عبیداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے اپنے بھائی ابوعبداللہ محمد بن محمد سے سنا کہتے تھے کہ مجھ سے خیر نساج نے ذکر کیا کہ میں امیہ بن صامت صوفی کے ہمراہ تھا۔ اتفاقاً

انہوں نے ایک لڑکے کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی:

﴿هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [1]

''یعنی جہاں کہیں تم گئے ہو خدا تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب دیکھتا ہے۔''

پھر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے قید خانہ سے کون بھاگ سکتا ہے۔ حالانکہ اس نے اس قید خانے کو کرخت اور سخت فرشتوں سے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ اکبر! میرا اس لڑکے کی طرف دیکھنا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی آزمائش ہے۔ میرے اس طرف دیکھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی روز ہوا چل رہی ہو، اور نیستان (جنگل) میں آگ لگ جائے۔ ایسی حالت میں وہ آگ جو کچھ پائے گی باقی نہ چھوڑے گی۔ پھر کہنے لگے کہ میری آنکھوں نے میرے دل پر جو کچھ بلا ڈالی میں اس سے خدا کی بخشش کا درخواستگار ہوں اور مجھ کو اس امر کا خوف ہے کہ اس کے گناہ سے مخلصی نہ پاؤں اور اس کی معصیت سے نجات نہ ملے اگرچہ قیامت کے روز ستر صدیقوں کے عمل لے کر جاؤں۔ یہ کہہ کر روتے لگے حتیٰ کہ قریب مرنے کے ہو گئے۔ میں نے سنا کہ روتے وقت یہ شعر پڑھتے تھے:

يَا طَرْفِيْ لَاَشْغَلَنَّكَ بِالْبُكَاءِ
عَنِ النَّظَرِ اِلَى الْبَلَاءِ

''اے آنکھ میں تجھ کو اس بلا انگیز نگاہ سے ہٹا کر گریہ وزاری میں مشغول رکھوں گا۔''

فصل

اکثر صوفیہ ایسے ہیں کہ شدت محبت کی وجہ سے ان کو مرض نے آگھیرا۔ ابوحمزہ صوفی نے کہا: عبداللہ بن موسیٰ صوفیہ کے سردار اور سرگروہ تھے۔ انہوں نے کسی بازار میں ایک حسین لڑکے کی طرف دیکھا اور ایسے مبتلا ہو گئے کہ عشق و محبت کی وجہ سے قریب تھا کہ عقل زائل ہو جائے۔ ہر روز آ کر اس کے راستے میں کھڑے ہو جاتے تھے اور جب وہ آتا جاتا تھا تو اس کو دیکھتے تھے۔ اسی طرح ان کا عشق بڑھ گیا اور لاغری نے ان کو چلنے پھرنے سے بٹھا دیا۔ یہ حال ہو گیا کہ ایک قدم نہیں چل سکتے تھے۔ ایک روز میں ان کے ہاں عیادت کے لیے گیا اور پوچھا کہ اے ابو محمد! تمہارا

---

[1] ۵۷/ الحدید: ۴۔

کیا حال ہے اور یہ کیا آفت ہے جو میں دیکھتا ہوں کہ تم پر نازل ہوئی؟۔ جواب دیا کہ یہ وہ امور ہیں جن میں مبتلا کر کے اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان کیا۔ میں نے اس بلا پر صبر نہ کیا اور مجھ میں اس کے سہنے کی طاقت نہ تھی اور اکثر ایسا گناہ جس کو انسان حقیر سمجھتا ہے اور وہ خدا کے نزدیک گناہ کبیرہ سے بھی بڑا ہے اور جو شخص نظر حرام میں پڑ جائے وہ اس امر کا مستحق ہے کہ مدت دراز تک امراض میں گرفتار رہے۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا تم روتے کیوں ہو۔ کہنے لگے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بدنصیب مدت دراز تک دوزخ میں نہ پڑا رہوں۔ راوی نے کہا کہ یہ باتیں کر کے میں ان کے پاس سے چلا آیا اور ان کی بری حالت دیکھ کر مجھ کو رحم آتا تھا۔

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ بن اشعث دمشقی خدا کے نیک بندوں میں سے تھے۔ انہوں نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا اور غش آ گیا۔ لوگ ان کو ان کے مکان پر اٹھا کر لائے۔ پھر وہ بیمار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے پاؤں چلنے پھرنے سے رہ گئے اور ان سے پاؤں کے سہارے بالکل کھڑا نہ ہوا جاتا تھا۔ ایک زمانہ دراز تک یہی کیفیت رہی۔ ہم لوگ ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے اور ان کا حال دریافت کرتے تھے۔ وہ خود ہم کو اپنی کیفیت (واقعہ) نہیں بتاتے تھے اور نہ بیماری کا سبب بیان کرتے تھے۔ البتہ دوسرے لوگ ان کے اس لڑکے کی طرف دیکھنے کا قصہ بیان کرتے تھے یہ باتیں اس لڑکے کے کان تک پہنچیں وہ ان کی عیادت کو آیا اس کو دیکھ کر خوش ہو گئے اور حرکت کرنے لگے، اس کی صورت دیکھ کر ہنسے اور اس کے دیدار سے شاداں ہوئے۔ وہ لڑکا ہمیشہ ان کی عیادت کرتا رہا یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں کے سہارے کھڑے ہونے لگے اور اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ ایک روز اس لڑکے نے ان سے اپنے ہمراہ مکان پر چلنے کے لیے کہا انہوں نے انکار کیا۔ اس لڑکے نے مجھ سے درخواست کی کہ ان سے اس کے گھر پر نقل کرنے کو کہوں میں ان سے کہا وہ انکار کرنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ آخر آپ کے وہاں جانے میں کیا قباحت ہے۔ جواب دیا کہ میں بلا سے محفوظ اور فتنے سے مامون نہیں ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو شیطان مجھ پر محبت ڈال دے اور میرے اور اس کے درمیان کوئی گناہ واقع ہو اور میں اہل خسران (نقصان اٹھانے والوں) میں سے ہو جاؤں۔

فصل

بعض صوفیہ ایسے ہیں جن کو ان کے نفس نے فحش کی طرف بلایا انہوں نے اپنے آپ کو

ہلاک کر دیا۔ ابو عبداللہ حسین بن محمد دامغانی نقل کرتے ہیں کہ بلاد فارس کی طرف ایک بڑا نامی صوفی تھا۔ اتفاقاً ایک نوجوان کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اپنے نفس پر قابو نہ پا سکا۔ یہاں تک کہ فحش کا خواہش مند ہوا۔ پس مراقبہ میں گیا اور اپنے ارادہ پر پشیمان ہوا۔ اس کا مکان ایک اونچی جگہ پر واقع تھا اور اس کے عقب میں ایک دریا رواں تھا جب ندامت بڑھی تو مکان کی چھت پر گیا اور دریا میں کود پڑا اور یہ آیت پڑھی:

﴿فَتُوبُوٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [1]

''یعنی اے بنی اسرائیل! خدا کے آگے توبہ کرو اپنے آپ کو ہلاک کرو''۔

پھر پانی میں ڈوب مرا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابلیس کو دیکھو۔ اول تو اس بیچارے کو یہ سکھایا کہ امرد کو دیکھے۔ پھر یہاں سے چڑھا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ ہر وقت اسی کو دیکھتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں امرد کی محبت قائم کر دی حتیٰ کہ حرص دلائی۔ پھر جب اس کو محفوظ رہ جانا دیکھا تو جہالت سے یہ امر اس کو اچھا کر دکھایا کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے فحش کا فقط دل میں ارادہ کیا تھا اور قطعی قصد نہ کیا تھا اور محض نیت گناہ کی کرنا شریعت میں معاف ہے۔ بوجہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ''میری امت سے وہ گناہ معاف کر دیئے گئے جن کا صرف خیال دل میں آتا ہے۔'' [2] پھر وہ شخص اپنے اس ارادہ پر نادم بھی ہوا تھا اور ندامت خود توبہ ہے لیکن شیطان نے اس کو یوں سمجھایا کہ کمال توبہ خودکشی ہے جو بنی اسرائیل کا عمل تھا حالانکہ وہ خدا کی طرف سے مامور تھے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [3] ''یعنی اپنے آپ کو مار ڈالو۔''

اور ہم لوگ اس فعل سے منع کیے گئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [4] ''یعنی خودکشی مت کرو۔''

---

[1] ۲/البقرۃ:۵۴۔ [2] بخاری: کتاب العتق، باب الخطاء والنسیان فی العتاقۃ والطلاق ونحوہ، رقم ۲۵۲۸۔ مسلم: کتاب الایمان: باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس الخواطر بالقلب: رقم ۳۳۱، ۳۳۲۔ ابوداؤد: کتاب الطلاق، باب فی الوسوسۃ بالطلاق، رقم ۲۲۰۹۔ ترمذی: کتاب الطلاق، باب ماجاء فیمن یحدث بطلاق امرأتہ، رقم ۱۱۸۳۔ نسائی: کتاب الطلاق، باب من طلق فی نفسہ ولم یتکلم بہ، رقم ۳۴۶۳، ۳۴۶۴، ۳۴۶۵۔ ابن ماجۃ: رقم ۲۰۴۰۔

[3] ۲/البقرۃ:۵۴۔ [4] ۴/النساء:۲۹۔

غرض یہ کہ یہ صوفی بڑے گناہ کا مرتکب ہوا۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ ''جو شخص پہاڑ (اونچائی) سے نیچے گرے اور اپنے آپ کو ہلاک کرے تو وہ آتش دوزخ میں گرتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے وہیں رہے گا۔'' [1]

فصل

بہت سے صوفیہ ایسے ہیں کہ کسی صوفی کو اس کے حبیب سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے اپنے محبوب کو مار ڈالا۔ میں نے ایک صوفی کی نسبت سنا ہے کہ وہ بغداد میں ایک رباط میں رہا کرتا تھا اور جس گھر میں وہ رہتا تھا وہیں اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ لوگوں نے اس پر تشنیع کی، اور دونوں میں جدائی کر دی۔ وہ صوفی ایک چھری لے کر اس لڑکے کے پاس گیا اور اس کو مار ڈالا اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ رباط والے آئے اور یہ حال دیکھا۔ کیفیت پوچھی۔ اس نے لڑکے کے مار ڈالنے کا اقرار کیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر کوتوالی لے گئے وہاں بھی اقرار کیا۔ اس لڑکے کا باپ آیا صوفی رونے لگا اور کہنے لگا کہ تجھ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھ سے اپنے لڑکے کا بدلہ لے لے۔ اس نے کہا کہ اب میں نے معاف کیا۔ صوفی وہاں سے اٹھا اور لڑکے کی قبر پر آیا اور اس کے لیے روتا رہا۔ پھر عمر بھر اس لڑکے کی طرف سے حج کرتا رہا اور اس کو ثواب بخشتا رہا۔

فصل

صوفیہ میں ایسے بھی ہیں جو فتنے کے قریب ہوئے اور اس میں مبتلا ہو گئے اور صبر و مجاہدہ کے دعویٰ نے اس کو باز نہ رکھا۔ ادریس بن ادریس کہتے ہیں کہ میں مصر میں صوفیہ کی ایک جماعت پر گزرا ان کے پاس ایک امرد لڑکا تھا جوان کو گانا سناتا تھا۔ ان میں سے ایک شخص پر اس کا جوش غالب آیا اور اس کو کوئی تدبیر نہ سوجھی بولا کہ اے لڑکے کہو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ لڑکے نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وہ صوفی کہنے لگا کہ جس منہ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہے اس منہ کا بوسہ لے لوں۔

چھٹی قسم کے وہ صوفی ہیں کہ امردوں کی صحبت کا قصد نہیں کرتے بلکہ خود لڑکا توبہ کرتا ہے

---

[1] بخاری: کتاب الطب، باب شرب السم والدواء بہ وما یخاف منہ والخبیث، رقم ۵۷۷۸۔ مسلم: کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ، رقم ۳۰۰۔ ترمذی: کتاب الطب، باب فیمن قتل نفسہ بسم او غیرہ، رقم ۲۰۴۴۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب ترک الصلاۃ علی من قتل نفسہ، رقم ۱۹۶۷۔ مسند احمد: ۲/۲۵۴، ۳۸۸۔

اور دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے اور صوفیہ کے ساتھ بطور ارادت رہتا ہے۔ شیطان ان کو فریب دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس لڑکے کو خیر و نیکی سے باز نہ رکھو۔ پھر بلا قصد ان کی نگاہیں بار بار اس پر پڑتی ہیں لہٰذا دل میں فتنہ اثر کر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شیطان اپنی قدرت کے موافق ان سے مطلب نکال لیتا ہے اور بسا اوقات ان لوگوں کو اپنے دین پر وثوق ہوتا ہے اور شیطان ان پر دخل پا کر بڑے درجہ کے گناہ میں پھنسا دیتا ہے جیسا کہ برصیصا کے ساتھ کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ برصیصا کا قصہ ہم نے شروع کتاب میں ذکر کیا ہے۔ ان کی غلطی یہ ہے کہ سامنے ہو جاتے ہیں اور ایسے شخص سے صحبت رکھتے ہیں جس کی صحبت میں فتنہ کا خوف ہے۔

ساتویں قسم کے وہ صوفیہ ہیں جو جانتے ہیں کہ امردوں سے صحبت رکھنا اور ان پر نگاہ ڈالنا حرام ہے مگر وہ ضبط نہیں کر سکتے۔ ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین کہتے ہیں کہ تم مجھ کو جو بھی کام کرتے دیکھو وہ سب کرو۔ لیکن بس ایک نوجوان سے صحبت نہ رکھو۔ کیوں کہ یہ بڑا بھاری فتنہ ہے۔ میں نے اپنے پروردگار کے سامنے سو بار سے زیادہ عہد کیا کہ نوجوان سے صحبت نہ رکھوں گا۔ پھر گورے گورے رخسارے، سیدھی سیدھی قامت اور غمزہ بھری آنکھیں دیکھ کر وہ عہد و پیمان توڑ ڈالے۔ البتہ خدا حسینوں کے ساتھ مجھ کو کسی گناہ کے بارے میں نہیں پوچھے گا۔ (یعنی میں نے کوئی فحش فعل نہیں کیا) اور پھر صریع الغوانی کے چند شعر کہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"پھول ایسے رخسارے اور بڑی بڑی آنکھیں اور گل بابونہ ایسے دانت اور رخساروں پر خمدار زلفیں اور سینوں پر میوہائے انار ان سب چیزوں نے مجھ کو حسین عورتوں سے پچھاڑ گرایا۔ اسی لیے مجھ کو صریع الغونی (خوب صورت عورتوں کا پچھاڑا ہوا) کہتے ہیں۔"

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ ابو عبدالرحمٰن نے ایسے گناہ کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھا تھا اپنے آپ کو رسوا کیا اور لوگوں کو خبر دی کہ وہ جب کسی فتنے کو دیکھتا ہے تو توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ تصوف کی وہ اہم باتیں کہاں گئیں کہ نفس پر محنتیں اور جفائیں برداشت کرتے ہیں۔ پھر اگرچہ یہ شخص اپنی جہالت سے گمان کرتا ہے کہ معصیت لفظ فحش کو کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کو علم ہوتا تو جان لیتا کہ حسینوں کی صحبت اور ان کی طرف دیکھنا بھی

معصیت ہے۔ جہالت پر غور کرنا چاہیے کہ جاہلوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہے۔

ابو مسلم خشوعی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بہت دیر تک ایک خوب صورت لڑکے کو دیکھا پھر کہنے لگے کہ سبحان اللہ میں اپنی آنکھ کو مکروہ چیز پر ڈال رہا ہوں اور اپنے مالک کی نافرمانی کر رہا ہوں اور نگاہ کو ممنوع شے کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور جس امر سے پرہیز لازم ہے ادھر جھکا جاتا ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو ایسی نظر سے دیکھا جس میں بجز اس کے کچھ نہیں خیال کرتا کہ قیامت کے میدان میں مجھ کو میرے پہنچاننے والوں کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گی۔ مجھ کو اس نظر نے ایسی حالت میں کر دیا کہ گو اللہ تعالیٰ مجھ کو بخش دے مگر اس سے شرمندہ ہی رہوں گا۔ یہ کہہ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

فصل

جو شخص علم سے بے بہرہ رہے گا۔ وہ ضرور خبط میں پڑے گا اور جس کو علم ہوا اور اس پر عمل نہ کرے وہ نہایت ہی خبط کرے گا اور حسب فرمان باری تعالیٰ:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ [1]

''یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں''۔

جو شخص آداب شریعت پر عملدرآمد کرے گا وہ ابتدا ہی میں جان لے گا کہ اس کا معاملہ انتہا میں کیسا سخت ہوگا۔ اور شریعت میں امردوں کی ہم نشینی سے ممانعت آئی ہے اور علما نے اس سے احتراز رکھنے کے لیے وصیت فرمائی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم شہزادوں کے پاس نہ بیٹھو کیوں کہ ان کا فتنہ دوشیزہ لڑکیوں کے فتنے سے بھی سخت ہے۔'' [2] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی روایت ہے۔ [3]

---

[1] ۲۴/ النور: ۳۰۔ [2] [موضوع] تاریخ بغداد ۵/ ۱۹۸، ترجمۃ (۲۶۶۶) العلل المتناھیۃ: ۲/ ۲۸۲، کتاب ذم المعاصی، فی النھی عن مجالسۃ المردان، رقم ۱۲۸۵۔ تنزیہ الشریعہ: ۲/ ۲۱۴، کتاب النکاح الفصل الثالث، رقم ۵۰۔ شعب الایمان: ۴/ ۳۵۸، باب فی تحریم الفروج، رقم ۵۳۹۷۔ الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۲۰۶، کتاب الحدود، رقم ۲۳۔ [3] [موضوع] تنزیہ الشریعۃ: ۲/ ۲۱۴، کتاب النکاح الفصل الثالث، رقم ۵۰۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۵/ ۱۷۲۱، فی ترجمۃ عمر بن عمرو ابی حفص الطحان العسقلانی میزان الاعتدال: ۳/ ۲۱۵، فی ترجمۃ (۶۱۷۷) الفوائد المجموعۃ: ص ۲۰۶، کتاب الحدود، رقم ۲۳۔

وفد عبدالقیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ان میں ایک امرد لڑکا روشن چہرہ تھا۔ ''رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی پشت مبارک کے پیچھے بٹھایا اور فرمایا کہ حضرت داؤد کی خطا نگاہ تھی۔'' [1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ نظر جما کر دیکھے۔'' [2] عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی عالم پر ایذ ارساں درندے کا بھی اس قدر خوف نہیں جتنا امرد لڑکے کی طرف سے ڈر ہے۔ عبدالعزیز ابن ابی السائب نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک عابد شخص پر ایک امرد لڑکے کے بارے میں ستر باکرہ لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈرتا ہوں۔ ابوعلی روذ باری نے کہا کہ میں نے جنید سے سنا کہتے تھے کہ ابن حنبل کے پاس ایک شخص آیا اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ پوچھا یہ لڑکا کون ہے۔ جواب دیا میرا بیٹا ہے۔ کہنے لگے کہ اب دوبارہ اس کو اپنے ہمراہ نہ لانا۔ جب کھڑا ہوا تو محمد بن عبدالرحمٰن حافظ نے کہا اور خطیب کی روایت میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ شیخ کو توفیق دے۔ یہ شخص پرہیز گار ہے اور اس کا بیٹا اس سے بڑھ کر ہے تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم نے اس بارے میں جو کچھ چاہا ان دونوں کے پرہیز گار ہونے کے لیے مانع نہیں یونہی ہم کو اشیاخ نے اسلاف سے خبر دی۔ حسن بزاز کی نسبت سنا ہے کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ایک خوبصورت امرد لڑکا تھا اور ان سے باتیں کیں۔ جب اٹھ کر جانے لگے تو ان سے ابوعبداللہ نے کہا کہ اے ابوعلی! اس لڑکے کے ساتھ کسی رستہ میں نہ چلا کرو۔ کہنے لگے یہ تو میرا بھانجا ہے۔ جواب دیا کہ خواہ بھانجا ہی کیوں نہ ہو۔ لوگ تمہارے بارے میں ہلاک نہ ہوں (یعنی تم کو لوگ متہم کریں گے) شجاع بن مخلد سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن حارث کو کہتے ہوئے سنا کہ ان نوعمروں سے پرہیز کرو۔ فتح موصلی کہتے ہیں کہ میں تیس مشائخ سے ملا جو ابدال شمار کیے جاتے تھے۔ ہر ایک نے مجھ کو بروقت رخصت وصیت کی کہ نوجوانوں کی ہم نشینی سے بچتے رہنا۔ سلام الاسود کی نسبت کہتے ہیں کہ کسی آدمی کو دیکھا جو ایک نوجوان کو

---

[1] [موضوع] الفوائد المجموعۃ للشوکانی ص ۲۰۶ کتاب الحدود، رقم ۲۵۔ وتنزیہ الشریعۃ: ۲/ ۲۱۶، کتاب النکاح الفصل الثالث، رقم ۵۹۔ سلسلۃ ضعیفہ: ۱/ ۳۲۴، رقم ۳۱۳۔

[2] [ضعیف جدًا] الکامل فی ضعفاء الرجال: ۷/ ۲۵۵۸، فی ترجمہ وازع بن نافع العقیلی کتاب ذم الھویٰ لابن الجوزی ص ۱۰۶، الباب الرابع العشر فی النہی عن النظر الی المردان ومجالستھم۔

دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگے کہ اے فلاں! اپنے مرتبے کا خیال کر، کیوں کہ تو جب تک خدا کی تعظیم بجا لاتا رہے گا صاحب رتبہ و جاہ رہے گا۔ ابو منصور عبدالقادر بن طاہر کا قول ہے کہ جو شخص نوجوانوں سے صحبت رکھے گا مکروہات میں پڑ جائے گا۔ سلام نے کہا کہ ہم سے ابو عبدالرحمٰن سلمی نے بیان کیا کہ مظفر قرمیسینی نے کہا کہ جو کوئی بشرط سلامت و نصیحت نوجوانوں سے صحبت رکھے گا تو بلا میں گرفتار ہو جائے گا۔ پھر اس شخص کا کیا پوچھنا جو بغیر شرط سلامت ان سے صحبت رکھے۔

فصل

اگلے لوگ امردوں سے پرہیز رکھنے کے بارے میں تاکید کرتے تھے۔ ہم روایت کر چکے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب صورت نوجوان کو اپنے پس پشت بٹھایا۔'' سفیان (ثوری) کسی امرد کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ ابراہیم بن ہانی نے روایت کیا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک راستے میں کوئی امرد لڑکا میرے ساتھ رہنے کی طمع کرے اور وہاں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہوں ابو ایوب نے کہا کہ ہم ابو نصر بن حارث کے ساتھ تھے۔ ان کے سامنے ایک لڑکی جس سے زیادہ خوب صورت ہم نے نہیں دیکھی آ کر کھڑی ہوئی اور پوچھنے لگی اے شیخ باب حرب کس مقام پر ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہی سامنے پھاٹک ہے جس کو باب حرب کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک لڑکا کہ کبھی ایسا حسین دیکھنے میں نہیں آیا آ کر پوچھنے لگا کہ اے شیخ! باب حرب کدھر ہے۔ ابو نصر نے سر جھکا لیا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ہم نے لڑکے سے کہا کہ یہاں آؤ۔ کیا پوچھتے ہو۔ بولا کہ باب حرب کہاں ہے۔ ہم نے جواب دیا کہ تمہارے آگے ہے۔ جب وہ لڑکا چلا گیا تو ہم نے شیخ سے سوال کیا۔ اے ابو نصر! آپ کے روبرو لڑکی آئی تو آپ نے اس کو جواب دیا اور لڑکا آیا تو اس سے کلام نہ کیا۔ کہنے لگے کہ ہاں۔ سفیان ثوری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے اور امرد کے ساتھ دو شیطان، میں اپنے نفس پر اس کے دو شیطانوں سے ڈر گیا اور ایک روایت میں ہے کہ لڑکے کے ساتھ کچھ اوپر دس شیطان ہوتے ہیں۔

ابو القاسم نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن حسین کے پاس جو یحییٰ بن معین کے ساتھی تھے، گئے اور کہا جاتا تھا کہ انہوں نے چالیس برس ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب

ہلم ان کے پاس گئے تو ہمارے ساتھ ایک نوجوان لڑکا مجلس میں ان کے سامنے تھے۔اس سے کہا کہ میرے آگے سے اٹھ جا اور اس کو اپنے پیچھے بٹھایا اور ابو اسامہ نے بیان کیا کہ ہم ایک شیخ کے پاس تھے جو حدیث بیان کرتے تھے۔ان کے پاس ایک لڑکا رہ گیا کہ ان کو حدیث سناتا تھا۔ میں نے اٹھنا چاہا انہوں نے میرا دامن تھام لیا اور کہنے لگے کہ ٹھہرو اس لڑکے کو فارغ ہو جانے دو اس لڑکے کے ساتھ خلوت میں رہنا ناپسند کیا۔ابوعلی روذباری نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے ابوالعباس احمد المؤدب نے پوچھا کہ اے ابوعلی! ہمارے زمانہ کے صوفیوں نے نوجوانوں سے انس رکھنا کہاں سے نکالا۔ میں نے جواب دیا کہ اے صاحب! تم ان لوگوں کو خوب پہچانتے ہو اکثر امور میں ان کے ساتھ سلامتی رہتی ہے۔ کہنے لگے کہ ہیہات ہم نے ان بزرگوں کو دیکھا ہے جو ان لوگوں سے زیادہ قوی ایمان رکھتے تھے کہ جب کسی نوجوان کو دیکھا تو ایسے بھاگے جیسے کوئی جنگ وحرب سے بھاگتا ہے اور یہ سب باتیں صرف ان اوقات کے موافق ہیں کہ اکثر لوگوں پر احوال غالب ہو جاتے ہیں اور طبیعتوں کے تصرف حاوی ہوتے ہیں کمال خطرے کی بات اور نہایت ہی غلطی ہے۔

فصل

نوجوانوں کی صحبت ابلیس کا بڑا مضبوط جال ہے جس سے وہ صوفیوں کا شکار کرتا ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ہم سے نقل کیا کہ میں نے ابوبکر رازی سے سنا کہ یوسف بن حسین نے کہا میں نے خلقت کی آفات پر غور کیا تو معلوم ہو گیا کہ کہاں سے آئی ہیں اور صوفیہ کی آفتیں میں نے نوجوانوں کی صحبت اور ناجنس کی ہم نشینی اور عورتوں کی رفاقت میں پائیں۔ابن فرج رستمی صوفی کہتے ہیں کہ میں نے شیطان کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیوں تو نے ہم کو کیسا پایا۔ہم نے دنیا اور اس کی لذتوں سے اور دولتوں سے منہ پھیر لیا۔اب تجھ کو ہم پر قابو نہیں۔ کہنے لگا کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے تمہارے دل راگ سننے پر اور نوجوانوں کی صحبت پر کیسے مائل ہیں۔ابوسعید کہتے ہین کہ اس بلا سے صوفیہ بہت کم نجات پاتے ہیں۔

فصل خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے کی سزا کا بیان

ابوعبداللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا ایک خوبصورت نصرانی لڑکے کو دیکھتا تھا اتنے میں ابوعبداللہ بلخی میرے سامنے گزرے پوچھا کیسے کھڑے ہو۔ میں نے کہا: اے چچا! آپ اس صورت کو دیکھتے ہیں، کیونکر آتش دوزخ میں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں کے بیچ میں مارے اور کہا کہ اس کا نتیجہ تجھ کو ملے گا۔ اگرچہ کچھ مدت گزر جائے۔ میں نے چالیس برس کے بعد اس کا ثمرہ پایا کہ قرآن شریف مجھ کو یاد نہ رہا۔

ابوالادیان کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد ابوبکر دقاق کے ساتھ تھا ایک نوجوان لڑکا سامنے آیا میں اس کو دیکھنے لگا۔ استاد نے مجھ کو اس کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ لیا فرمایا: بیٹا! بعد چندے تم اس کا نتیجہ پاؤ گے میں بیس برس تک منتظر رہا وہ نتیجہ نہ دیکھا ایک رات اسی سوچ بچار میں سو رہا۔ جب صبح کو اٹھا تو تمام قرآن شریف بھول گیا۔

ابوبکر کتانی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے اپنے ایک رفیق کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ خدا نے کیا معاملہ کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر میری برائیاں پیش کیں اور کہا کہ تو نے ایسا ایسا کیا۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو نے ایسا ایسا بھی کیا۔ تو مجھ کو اس کے اقرار سے شرم آئی۔ میں نے جواب دیا کہ اس کے اقرار کرنے سے شرماتا ہوں فرمایا کہ جب ہم نے تیرے اقرار کردہ گناہ بخش دیئے تو جس پر تجھ کو شرم آئی۔ کیونکر نہ بخشیں میں نے ان سے پوچھا کہ وہ گناہ کیا تھا۔ بولے کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے گزرا تھا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جب میں شرمندہ ہوا تو پسینہ آ گیا یہاں تک کہ میرے چہرے کا گوشت گر پڑا۔

ابو یعقوب طبری سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا: میرے پاس ایک خوب صورت جوان رہا کرتا تھا جو میری خدمت کیا کرتا تھا ایک بار میرے پاس بغداد سے ایک صوفی آیا وہ اکثر نوجوانون کی طرف دیکھا کرتا تھا میں اس حرکت سے اس کی فہمائش کرتا تھا۔ ایک رات میں سویا اور اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس شخص یعنی بغدادی کو نوجوانوں کے دیکھنے سے منع کیوں نہیں کیا۔ مجھ کو اپنی عزت کی قسم ہے کہ اس شخص کو نوجوانوں کی جانب مشغول کرتا ہوں جس کو اپنے قرب سے دور رکھتا ہوں۔ ابو یعقوب کہتے ہیں کہ میں بیدار

ہوا اور نہایت بے قرار ہوا تھا۔ اس بغدادی سے خواب بیان کیا اس نے زور سے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔ ہم نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا اور میرا جی اسی میں لگا رہا۔ بعد ایک مہینہ کے میں نے اس کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔ جواب دیا کہ مجھ پر زجر و توبیخ فرمائی۔ یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہوا کہ نجات نہ ملے گی۔ پھر میرا قصور معاف کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے اس بارے میں قدرے طول بیانی اختیار کی۔ کیوں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک اس میں عام لوگ مبتلا ہیں اور جو شخص اس سے بھی زیادہ چاہے اس بارے میں اور نظر ڈالنے اور خواہش نفسانی کے تمام اسباب کے بارے میں تو چاہیے کہ ہماری کتاب ''ذم الہوی'' کو دیکھے کیوں کہ اس میں ان سب باتوں کے بارے میں پوری بحث ہے۔

توکل کا دعویٰ رکھنے اور مال واسباب فراہم نہ کرنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

احمد بن الحواری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوسلیمان دارانی سے سنا۔ کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے تو دیواریں نہ بناتے اور چوروں کے خوف سے گھر کے دروازے پر قفل نہ لگاتے۔ ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ میں نے برسوں سفر کیا۔ مگر میرا توکل درست نہیں رہا بجز ایک وقت کے کہ دریا کے سفر میں تھا، کشتی ٹوٹ گئی۔ میں نے اس کے تختوں میں سے ایک تختہ پکڑ لیا۔ میرے جی نے مجھ سے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ڈوب جانے کا حکم فرمایا دیا ہے تو یہ تختہ تجھ کو کچھ نفع نہ دے گا۔ میں نے وہ تختہ چھوڑ دیا اور پانی پر تیر کر کنارے آلگا۔ جنید سے میں نے سنا۔ کہتے تھے کہ میں نے ابو یعقوب زیات سے توکل کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے ایک درم جوان کے پاس تھا نکالا۔ پھر مجھ کو مسئلہ کا جواب کما حقہ دیا۔ پھر بولے کہ مجھ اس بات سے شرم آئی کہ میرے پاس کچھ مال موجود ہو اور میں تم کو توکل کے مسئلہ کا جواب دوں۔

ابونصر السراج نے کتاب اللمع میں بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جلاء کے پاس ایک آدمی توکل کا کوئی مسئلہ پوچھنے آیا ان کے پاس ان کے مرید بیٹھے تھے۔ اس کو کچھ جواب نہ دیا اور گھر

میں گئے۔ اس جماعت کے سامنے ایک تھیلی نکال لائے جس میں چار دانگ تھے اور بولے کہ ان کا کچھ خرید لاؤ بعد ازاں اس شخص کو مسئلہ کا جواب دیا۔ لوگوں نے اس بارے میں ان سے سوال کیا۔ کہنے لگے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ توکل میں کلام کروں اور میرے پاس چار دانگ ہوں۔ سہل بن عبداللہ نے کہا کہ جو شخص پیشہ پر طعن کرے تو اس نے گویا سنت پر طعن کیا اور جو توکل پر طعن کرے تو اس نے ایمان پر طعن کیا۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ کم علمی کی وجہ سے یہ تخلیط کی۔ اگر یہ لوگ توکل کی حقیقت پہچانتے تو جان لیتے کہ توکل اور اسباب میں باہم مخالفت نہیں۔ کیوں کہ توکل یہ ہے کہ دل فقط اللہ پر بھروسہ کرے اور یہ بات اس کے خلاف نہیں کہ بدن کو اسباب کے ساتھ تعلق رکھنے میں اور مال جمع کرنے میں جنبش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾ [1]

''یعنی تم احمقوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنالیا ہے۔''

قیاماً کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے ابدان ان کی وجہ سے قائم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کہ اچھا وہ نیک مال ہے جو آدمی کے کام آئے'' [2] اور فرمایا کہ ''اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو محتاج چھوڑ کر مرے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔'' [3] یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس نے توکل کا حکم دیا ہے اس نے ہتھیار باندھنے کو فرمایا: ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ [4] ''یعنی اپنے اسلحہ لے لو'' اور فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [5] ''یعنی کفار کے لیے جس قدر قوت ہو سکے بہم پہنچاؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے اوپر تلے دو زرہیں زیب بدن فرمائیں'' [6] اور دو طبیبوں سے مشورہ لیا اور اور ''غار میں پوشیدہ ہوئے'' [7] اور ایک مقام پر فرمایا تھا کہ

---

[1] ۴/النساء:۵۔ [2] بخاری: رقم (۴۶۷۶) ومسلم: رقم (۲۰۱۶) تقدم [3] بخاری: رقم (۶۷۳۳) مسلم: رقم (۴۲۰۹) تقدم [4] ۴/النساء:۷۱۔ [5] ۸/الانفال:۶۰۔

[6] ابوداؤد: کتاب الجہاد: باب لبس الدروع، رقم ۲۵۹۰۔ ابن ماجہ: کتاب الجہاد، باب السلاح، رقم ۲۸۰۶۔ مسند احمد: ۳/۴۴۹۔ مجمع الزوائد: ۶/۱۰۸۔ کتاب المغازی والسیر: باب منہ فی وقعۃ احد۔ نسائی: فی الکبریٰ: ۵/۱۷۱، کتاب السیر، باب التحصین من الناس، رقم ۸۵۸۳۔ مختصر الشمائل المحمدیہ: ص ۶۶، رقم ۹۹۰۔

[7] بخاری: رقم (۳۶۱۵) ومسلم: رقم (۷۵۲۱) تقدم۔

''آج کی رات میری نگہبانی کون کرے گا'' [1] اور دروازہ بند کر دینے کا حکم دیا۔

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنا دروازہ بند کر لیا کرو'' [2] اور آپ نے خبر دی کہ توکل احتراز کے منافی نہیں۔ ابوقرہ نے بیان کیا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا۔ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اونٹنی کو باندھوں اور توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں اور توکل کروں۔ فرمایا کہ ''ہاں باندھ رکھ اور توکل کر۔'' [3] سفیان بن عیینہ نے کہا: توکل کی تعریف یہ ہے کہ جو کچھ اس کے ساتھ کیا جائے اس پر راضی رہے۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ ایک قوم کا یہ گمان ہے کہ احتیاط اور احتراز توکل کے خلاف ہے اور توکل صرف اسی کا نام ہے کہ انجام بینی ترک کر دے اور اپنی حفاظت چھوڑ دے۔ علما کے نزدیک یہ عجز اور تفریط ہے جس کو اہل عقل لغو اور برا جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعد محافظت اور پوری کوشش صرف کرنے کے توکل کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [4]

''یعنی آپ صحابہ سے اپنے امور میں مشورہ کیجیے۔ پھر جب مستقل ارادہ کر لیں تو خدا پر توکل کیجیے۔

اگر احتیاط کا پابند ہونا توکل میں نقص ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خاص نہ کرتا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ مشورہ کرنا تو اسی کا نام ہے کہ جس شخص میں دشمن سے نگہداشت اور تحفظ کا مادہ ہو اس سے رائے لی جائے اور پھر احتیاط کے بارے میں اتنا ہی نہیں

---

[1] بخاری: کتاب الجہاد والسیر، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ، رقم ۲۸۸۵، ۷۲۳۱۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ: باب فی فضل سعد بن ابی وقاص، رقم ۶۲۳۰، ۶۲۳۱۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ عزوجل، رقم ۲۵۰۱۔ مسند احمد: ۱/ ۳۹۱، ۲۵۰، ۴/ ۳۴۔ [2] بخاری: کتاب الاستئذان، باب غلق الباب باللیل، رقم ۶۲۹۶۔ مسلم: کتاب الاشربۃ، باب استحباب تخمیر الاناء...... رقم ۵۲۳۶۔ ترمذی: کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی تخمیر الاناء...... رقم ۱۸۱۲۔ نسائی: فی کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۴۷، رقم ۷۴۶۔ ابن ماجہ: کتاب الاشربۃ، باب فی تخمیر الاناء، رقم ۳۴۱۰۔ [3] ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ: باب حدیث اعقلھا وتوکل...... رقم ۲۵۱۷۔ شعب الایمان: ۲/ ۸۰، باب التوکل والتسلیم، رقم ۱۲۱۰، ۱۲۱۲۔ حلیۃ الاولیاء: ۸/ ۳۳۸، رقم ۱۲۸۲۷، فی ترجمۃ (۴۴۰) عبدالرحمٰن بن محمد ویحییٰ بن سعید القطان۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۲/ ۵۱۰، کتاب الرقائق: باب الورع والتوکل، رقم ۷۳۱۔ صحیح موارد الظمآن: ۲/ ۴۹۸، کتاب الزھد، باب ماجاء فی التوکل، رقم ۲۱۶۲/ ۲۵۴۹۔ [4] ۳/ آل عمران: ۱۵۹۔

کہ اس کو صحابہ کی رائے اور اجتہاد پر چھوڑ دیا ہو بلکہ اس پر قطعی حکم لگا دیا اور نماز میں جو خاص ترین عبادت ہے اس کو رکن قرار دیا، ﴿فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ﴾ [1] یعنی چاہیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نماز میں آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ پھر اس کی علت بیان فرمائی: ﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ﴾ [2] یعنی کفار چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے اسلحہ اور سامان سے غافل پا کر ایک بارگی تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اب جو شخص احتیاط کو اس طور سے جان لے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ توکل کرنا اس چیز کو چھوڑ دینا ہے جس کو جانتے تھے بلکہ توکل یہ ہے کہ جس امر میں اپنی وسعت اور طاقت نہیں اس کو خدا پر چھوڑ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونٹنی باندھ رکھو اور توکل کرو۔ اور اگر توکل یہ ہوتا کہ اپنی نگہداشت ترک کرے تو بہترین خلائق ﷺ بہترین احوال یعنی حالت نماز میں اس صفت کے ساتھ مخصوص ہوتے۔ شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ اس وقت ہتھیار بند رہنا واجب ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾ [3] پس توکل احتراز اور احتیاط کا مانع نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا ﴿إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ﴾ [4] یعنی رئیس لوگ تمہارے گرفتار کرنے کا مشورہ کرتے ہیں تو آپ شہر سے نکل گئے اور ہمارے نبی ﷺ مکہ سے اپنے بارے میں تدبیر سوچنے والوں کے خوف سے باہر تشریف لے گئے اور غار میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس کے سوراخ بند کر کے بچایا اور صحابہ بھی احتیاط کا پورا حق بجالائے پھر توکل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے احتیاط کے باب میں فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ﴾ [5] یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا اور فرمایا: ﴿لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ﴾ [6] یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مصر میں جا کر سب کے سب ایک روزے سے داخل نہ ہونا اور فرمایا ﴿فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ [7] یعنی زمین کے اونچے مقاموں پر چلو اور یہ احتیاط اس لیے ہے کہ اپنی ذات سے ضرر دور کرنے کے واسطے حرکت کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا عمل میں

---

[1] ۴/ النساء: ۱۰۲۔ [2] ۴/ النساء: ۱۰۲۔ [3] ۴/ النساء: ۱۰۲۔ [4] ۲۸/ القصص: ۲۰۔
[5] ۱۲/ یوسف: ۵۔ [6] ۱۲/ یوسف: ۶۷۔ [7] ۶۷/ الملک: ۱۵۔

لاتا ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی عطا کی ہوئی نعمت کا اظہار چاہتا ہے اسی طرح اپنی ودیعتوں کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کی گنجائش نہیں کہ اس کی عنایت ہی پر بھروسہ کر کے اس کی ودیعت کو مہمل چھوڑ دے۔ ہاں پہلے جو تمہارے قبضہ میں ہے اس کو عمل میں لاؤ۔ پھر جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کو طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے پرندوں اور چوپاؤں کو وہ اوزار عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے شر کو دور کرتے ہیں مثلاً پنجے اور ناخن، دانت اور منقار، اور آدمی کے لیے عقل پیدا کی جو اس کو اسلحہ باندھنے کی ہدایت کرتی ہے اور مکان اور زرہ وغیرہ کے ذریعے سے محفوظ رہنے کی رہبر ہوتی ہے۔ پھر جو شخص احتیاط کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیکار کر دے تو گویا اس نے خدا کی حکمت کو معطل کیا جیسے کوئی شخص غذا اور دوا چھوڑ دے اور بھوک اور بیماری میں مر جائے اور اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو عقل و علم کا دعویٰ کرے اور بلا کے سامنے گردن جھکا دے بلکہ شایان یہ ہے کہ توکل کرنے والے کے اعضاء و جوارح کسب و پیشہ میں لگے رہیں اور دل اطمینان کے ساتھ خدا کے سپرد رکھے۔ اب چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے۔ کیوں کہ ایسا شخص یقیناً جانے گا کہ خدا کا تصرف مصلحت و حکمت سے ہوتا ہے اس کا عطا نہ کرنا بھی حقیقت میں عطا کرنا ہے۔ عاجز لوگوں کے لیے ان کے عجز اور ان کے نفسوں نے اس امر کو اچھا اور آراستہ کر دکھایا کہ تفریط کا نام توکل ہے۔ ان کا یہ دھوکا کھانا ایسا ہے کہ جیسے بیبا کی کو شجاعت اور سستی کو دور اندیشی خیال کرے اور جب کہ اسباب بنائے گئے ہوں اور بیکار چھوڑ دیئے جائیں تو یہ بنانے والے کی حکمت کا نہ جاننا ہے۔ جیسے کہ کھانا پیٹ بھرنے کا سبب، اور پانی پیاس بجھانے کا سبب اور دوا بیماری کے لیے بنائی گئی ہے۔ اب جس وقت آدمی سب کو حقیر سمجھ کر ان سے دست بردار ہو پھر دعا مانگے اور سوال کرے تو اس کو جواب ملے گا کہ ہم نے تیری عافیت کے لیے سبب بنا دیا تھا جب کہ تو نے اس کو نہ اختیار کیا تو ہماری بخشش کو مہمل جانا۔ اکثر اوقات تجھ کو بغیر کسی سبب کے عافیت نہ دیں گے۔ کیوں کہ تو سبب کو تو ذلیل گردانتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کے پختہ ہونے پر خوش ہوتا ہے اور اس کھیت میں ایک نہر سے پانی آتا ہے جو اس کے پاس جاری ہے۔ اب یہ شخص ٹیلے پر چڑھ کر بارش مانگنے کے لیے نماز استسقا پڑھنے لگے تو اس کی یہ حرکت نہ شریعت کی روح سے اچھی ہے اور نہ عقل کے

لحاظ ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر کوئی یوں کہے کہ جب ہر ایک امر مقدر ہے تو احتراز کیونکر ہو سکتا ہے؟ جواب دیا جائے گا حکم اور فرمان موجود ہیں تو کیونکر احتراز نہ کیا جائے اس لیے کہ جس نے مقدر کیا ہے اسی نے حکم دیا ہے اور فرمایا: ﴿خُذُوا حِذْرَكُمْ﴾ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی چوٹی پر نماز ادا کر رہے تھے۔ ان کے پاس شیطان آیا اور کہنے لگا کہ تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ ہر شے قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ بولا کہ اچھا تو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دو اور سمجھ لو کہ میرے لیے مقدر تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے لعین اللہ تعالیٰ بندوں کو آزماتا ہے بندے اللہ تعالیٰ کو نہیں آزماتے۔

فصل

اور اسی معنی میں کہ ترک اسباب کے بارے میں ابلیس نے لوگوں پر تلبیس کی ہے یہ ہے کہ بہتوں پر ابلیس نے یہ تلبیس کی کہ توکل کسب کے خلاف ہے۔ سہل بن عبداللہ التستری کا قول ہے۔ جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا اور جس نے کسب پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن کیا۔ محمد بن عبداللہ رازی نے ہم سے بیان کیا کہ میری موجودگی میں ایک آدمی نے ابو عبداللہ بن سالم سے سوال کیا کہ ہم کسب کو عبادت سمجھیں یا توکل کو؟ جواب دیا کہ توکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے اور کسب آپ کی سنت ہے اور کسب اسی شخص کے واسطے مسنون ہے جو توکل کرنے میں ضعیف ہے اور درجہ کمال یعنی حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ساقط ہے۔ لہٰذا جو کوئی توکل کی طاقت رکھے اس کو کسی حال میں مباح نہیں، مگر یہ کہ بطور مدد پہنچنے کے کسب کرے نہ یہ کہ کسب پر بھروسہ کرے اور جو شخص توکل کرنے میں جو کچھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے کمزور ہو اس کو بذریعہ کسب طلب معاش کرنا جائز ہے تاکہ درجہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ گر پڑے۔ یہاں تک کہ حالت نبوی کے درجہ سے ساقط ہو جائے۔ یوسف بن الحسین سے روایت ہے کہ کہتے تھے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ شرع میں جو چیزیں آسان کی گئی ہیں ان کو تلاش کرتا ہے اور کمائی کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اس سے کچھ نہ ہوگا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ یہ کلام اس قوم کا ہے جو توکل کے معنی نہیں سمجھے اور یہ گمان کیا

کہ کسب کا چھوڑنا اور عمل سے جوارح کا معطل کرنا توکل ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل دل کا فعل ہے۔ لہٰذا جوارح کی حرکت کے منافی نہیں اور اگر ایسا ہوتا کہ جو کسب کرے وہ توکل کرنے والا نہیں ہے تو انبیا علیہم السلام گویا توکل کرنے والے ہی نہ ٹھہرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کاشتکار تھے حضرت نوح اور زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔ حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کھیت بوتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام زرہیں اپنے ہاتھ سے بناتے تھے اور اس کی قیمت سے بسر کرتے تھے حضرت موسیٰ اور شعیب اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط پر چرایا کرتا تھا۔“ [1] پھر جب اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت سے غنی کر دیا تو آپ کو کسب کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق، عثمان، عبدالرحمٰن، طلحہ رضی اللہ عنہم کپڑے بیچا کرتے تھے اور یہی پیشہ محمد بن سیرین اور میمون بن مہران کا تھا۔ حضرت زبیر، عمرو بن عاص اور عامر بن کریز رضی اللہ عنہم پارچہ باف تھے اور یہی پیشہ ابوحنیفہ کا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر بناتے تھے۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما درزی کا کام کرتے تھے اور تمام تابعین اور ان کے بعد والے ہمیشہ کسب کرتے رہے اور کسب کرنے کا حکم دیتے رہے۔

عطاء بن السائب نے ہم سے بیان کیا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو دوسرے روز صبح کو بازار کی طرف چلے اور آپ کے سر پر کپڑوں کی گٹھڑی تھی جن کی آپ تجارت کرتے تھے۔ راہ میں حضرت عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما ملے۔ پوچھنے لگے کہ آپ کہاں تشریف لے جاتے ہیں؟ جواب دیا کہ بازار جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ آپ امور مسلمین کے والی اور مختار ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ آخر میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں۔ میمون کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو صحابہ نے مل کر حضرت ابوبکر کے لیے دو ہزار درہم سالانہ کر دیئے۔ آپ نے کہا کہ اس سے اور زیادہ کرو کیوں کہ میرا کنبہ بہت ہے اور تجارت

[1] بخاری: کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم علی قراریط، رقم ۲۲۶۲۔ ابن ماجہ: کتاب التجارات باب الصناعات، رقم ۲۱۴۹۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۶/ ۱۱۸، کتاب الاجارۃ، باب جواز الاجارۃ۔ طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۰۰ ذکر رعیۃ رسول اللہ الغنم بمکۃ۔

سے تم نے مجھے دوسری طرف لگا دیا ہے صحابہ نے پانچ سو اور بڑھا دیئے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص ان صوفیہ سے کہے کہ میں اپنے اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں تو جواب دیں گے کہ تو مشرک ہے اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ جو شخص سوداگری کے لیے جائے اس کا کیا حکم ہے تو کہیں گے کہ وہ توکل کرنے والا اور یقین کرنے والا نہیں۔ ان لوگوں کی یہ سب باتیں فقط اس وجہ سے ہیں کہ توکل اور یقین کے معنے نہیں جانتے اور اگر کوئی ان میں سے اپنے اوپر دروازہ بند کر لے اور توکل کرے تو ان کے دعوے کا حال کھل جائے۔ لیکن ان لوگوں کی حالت دو حال سے خالی نہیں یا لوگوں سے مانگنا تو بعض وہ لوگ ہیں جو دنیا کے لیے کوشش کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی خدمت لیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنے خادم کو بھیجتے ہیں وہ کشکول لے کر گھومتا ہے اور کھانا جمع کرتا ہے۔ یا رباط میں مسکینوں کی صورت بنا کر بیٹھنا اور یہ بات معلوم ہے کہ رباط فتوح سے خالی نہیں۔ جس طرف دکان اس امر سے خالی نہیں کہ خرید وفروخت کا قصد کیا جاتا ہے۔ سہل بن ہاشم نے ابراہیم بن ادہم سے روایت کیا کہ سعید بن مسیب نے کہا: جو شخص مسجد میں بیٹھ رہے اور کسب وحرفہ چھوڑ دے، اور پھر جو چیز اس کے پاس لائیں اس کو قبول کر لے تو گویا اس شخص نے گڑگڑا کر سوال کیا۔ ابوتراب اپنے مریدوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میں سے جس نے پیوند لگا لباس پہنا تو وہ ضرور سائل ہے اور جو خانقاہ یا مسجد میں بیٹھ رہا وہ بھی ضرور سائل ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کہتا ہوں اگلے بزرگ لوگ اس قسم کی باتوں میں پڑنے سے منع کرتے تھے اور کسب کا حکم دیتے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے قاریوں کی جماعت ذرا اپنے سر اٹھاؤ کیوں کہ راستہ بالکل روشن ہے۔ نیکیوں کے لیے سبقت کرو اور مسلمانوں کے محتاج بن کر نہ رہو۔ محمد بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جوان آدمی کو دیکھ کر اس کی حالت سے خوش ہوتے تو اس کا حال دریافت کرتے کہ آیا کوئی پیشہ کرتا ہے۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کا کچھ پیشہ نہیں ہے تو فرماتے کہ یہ شخص میری نظر سے گر گیا۔ قتادہ سے روایت ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم شام کی طرف تجارت کو جایا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔

ابوالقاسم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں کچھ پیشہ نہ کروں گا۔ میرا رزق خود میرے پاس آئے گا۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ شخص علم نہیں رکھتا۔ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا کہ ''میرا رزق میرے نیزہ کے سایہ تلے ہے'' ❶ ''اور ایک حدیث ہے جس میں آپ نے پرندوں کا ذکر کیا کہ وہ صبح کے وقت بھوکے ہوتے ہیں اور علی الصباح تلاش رزق میں جاتے ہیں۔'' ❷ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ ❸

''یعنی دوسرے وہ لوگ ہیں جو زمین پر سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی جستجو کرتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ❹

''یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم تری و خشکی میں تجارت کے لیے پھرتے تھے اور اپنے باغوں میں کام کرتے تھے۔ ہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی پیروی کرنی چاہیے اور ہم سابق میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھ چکے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے کہا میں توکل پر حج کو جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ پھر قافلہ کو چھوڑ کر جاؤ، اس نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا جواب دیا کہ پھر کیا لوگوں کے تھیلوں پر توکل کر کے چلا ہے۔ ابوبکر مروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوعبداللہ سے کہا کہ آج کل توکل کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارا روزی رساں خدا ہے۔ جواب دیا کہ یہ قول لچر پوچ ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

---

❶ مسند احمد: ۲/ ۵۰، ۹۲۔ بخاری: معلقا، کتاب الجهاد: باب ما قيل فی الرماح: مسند عبد بن حمید ص ۲۶۷، رقم ۸۴۸۔ مسند الشامیین للطبرانی: ۱/ ۱۳۶، فی ذکر ابن ثوبان عن حسان بن عطیہ، رقم ۲۱۶۔ شعب الایمان: ۲/ ۸۵، رقم ۱۱۹۹ باب التوکل والتسلیم۔ ❷ مسند احمد: ۱/ ۳۰، ۵۲۔ ترمذی: کتاب الزہد: باب فی التوکل اللہ، رقم ۲۳۴۴۔ ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب التوکل والتسلیم، رقم ۴۱۶۴۔ شعب الایمان: ۲/ ۶۶، باب التوکل والتسلیم، رقم ۱۱۸۳، ۱۱۸۴۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۳۵۴، کتاب الرقاق، رقم ۷۸۹۴۔ ❸ ۸۳/ المزمل: ۲۰۔ ❹ ۲/ البقرۃ: ۱۹۸۔

﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ﴾ [1]

''یعنی جب جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کی عبادت کے لیے جلدی کرو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔''

پھر بولے کہ جب ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں کوئی پیشہ نہ کروں گا تو جب کوئی چیز کسب اور پیشہ کے ذریعہ سے حاصل کر کے اس کے پاس کوئی دوسرا آدمی لے جاتا ہے تو اس کو وہ قبول کیوں کرتا ہے۔ صالح سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ یعنی احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ توکل کیسا ہے؟ جواب دیا کہ توکل اچھا ہے۔ لیکن آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کے ذمہ نہ ہو جائے بلکہ چاہیے کہ کسب کرے تاکہ خود بھی اور اس کے اہل وعیال بھی خوش حال رہیں اور حرفہ کو نہ چھوڑیں۔ صالح کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں میرے باپ سے اس قوم کی نسبت سوال کیا گیا جو پیشہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم اہل توکل ہیں۔ جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اہل بدعت ہیں۔ ابن عیینہ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ بدعتی ہیں۔ ابو عبداللہ سے میں نے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہے کہ میں گوشہ گزین ہوتا ہوں اور صبر کر کے بیٹھ رہتا ہوں اور کہے کہ اس امر کی کسی کو خبر نہ دوں گا۔ ابو عبداللہ نے جواب دیا کہ اگر یہ آدمی گھر سے نکلتا اور حرفہ کرتا مجھ کو اچھا معلوم ہوتا اور جب کہ ایک جگہ بیٹھ رہا تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ بیٹھ رہنا اس کو کسی دوسری چیز کا مرتکب نہ بنا دے میں نے کہا: وہ دوسری کیا چیز ہے۔ کہنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو اس بات کی توقع کرے کہ لوگ اس کے پاس کچھ لے کر آئیں۔ ابو بکر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے سنا کہ ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے کہہ رہا تھا کہ میں خوش حالی میں ہوں۔ فرمایا کہ بازار کو اختیار کر تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنے اقارب پر احسان اور اہل وعیال کو خوش حال کرے گا۔ اور ایک دوسرے شخص سے کہا کہ کام کر اور حاجت سے زائد کو اپنے اہل قرابت پر صدقہ کر۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنی اولاد کو حکم دیا ہے کہ بازار میں آئیں جائیں اور تجارت میں لگے رہیں۔ فضل بن محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ کو بازار کو اختیار کرنے کا حکم کرتے ہوئے سنا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ لوگوں سے بے نیاز ہو کر رہنا کیا اچھی بات ہے۔

[1] ٦٢/الجمعۃ:٩۔

یہ بھی کہتے تھے کہ میرے نزدیک درموں میں سے وہ درم اچھا ہے جو تجارت سے حاصل ہوا اور برادرم وہ ہے جو احباب کے احسان سے ملا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابراہیم بن ادہم کھیتی کاٹا کرتے تھے۔ اور سلیمان خواص خوشہ چین تھے اور حذیفہ مرعشی اینٹیں بناتے تھے۔ ابن عقیل نے کہا: کسی سبب پر عمل کرنے سے توکل نہیں ٹوٹتا کیوں کہ انبیا کے مرتبہ سے اپنی ترقی چاہنا دین کی بربادی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب کہا گیا کہ:

﴿إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ﴾ [1]

"یعنی رئیس لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کرتے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کے بعد جب بھوک لگی اور اپنے نفس کے پاک رکھنے کی ضرورت پڑی۔ تو آٹھ برس کے لیے اپنے آپ کو اجرت میں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا﴾ [2] "یعنی زمین کی بلندیوں میں سفر کرو"۔ یہ ارشاد اس لیے ہے کہ جنبش کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو عمل میں لانا ہے اور اس کی نعمت قوائے انسانی ہیں۔ لہٰذا جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کا استعمال کرو پھر جو خدا کے پاس ہے اس کو ڈھونڈو۔ بسا اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے طلب فضل کرتا ہے اور جس قدر ذخیرہ مال اس کے پاس ہے اس کو بھول جاتا ہے۔ پھر جب کہ مطلب برآنے میں تاخیر ہوتی ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ تم بعض لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان کے پاس زمین اور جائیداد ہوتی ہے پھر جب اس پر روزی تنگ ہوتی ہے اور قرض بہت ہو جاتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کاش تم اپنی زمین بیچ ڈالتے۔ تو کہتا ہے کہ میں اپنی جائیداد میں کیونکر کمی کروں اور لوگوں کے سامنے اپنا مرتبہ کیوں گھٹاؤں اور اس قسم کی حماقتیں صرف عادات سے ہوتی ہیں اور بعض لوگ جو کسب سے دست بردار ہو گئے ہیں یا حرفہ کو ایک گراں باری سمجھ کر ایسا کر بیٹھے تو وہ دو بری باتوں میں پڑ گئے یا تو اپنے اہل وعیال کو ضائع کیا اور فرائض کو چھوڑ دیا اور یا اس لیے ایسا کیا کہ صاحب توکل کے نام سے زینت حاصل کرے۔ لہٰذا کسب کرنے والے اس کے اہل وعیال پر ترس کھاتے ہیں اور ان کی دعوتیں کرتے ہیں اور ان کو کچھ دیتے ہیں اور یہ رذیل عادت بجز دنی الطبع کے کسی میں نہیں

---

[1] ۲۸/القصص:۲۰۔ [2] ۶۷/الملک:۱۵۔

ہوگی۔ ورنہ انسان کامل وہ آدمی ہے جو اپنے جوہر کو جو اللہ نے اس کو بخشا ہے ہر ایک پر احسان کرنے کے لیے صرف کرے۔ نہ یہ کہ لوگوں میں ایک نام پیدا کرے جس سے جاہلوں میں زینت پکڑے۔ کیوں کہ کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو مال سے محروم کر دیتا ہے اور ایک ایسا جوہر عطا فرماتا ہے جس سے وہ ایسا سبب نکالتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک مقبول ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے۔

فصل

جو لوگ کسب کرنے سے بیٹھ رہے ہیں وہ دلائل قبیحہ سے حجت پکڑتے ہیں ان میں ایک دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جو ہمارا رزق ہے وہ ہم کو ضرور ملے گا۔ حالانکہ یہ بات نہایت قبیح ہے۔ کیوں کہ انسان اگر عبادت چھوڑ دے اور کہنے لگے کہ میں عبادت سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں بدل سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اہل جنت سے لکھ دیا ہے تو اہل جنت سے ہوں گا اور اگر اہل دوزخ سے لکھ دیا ہے تو دوزخ میں جاؤں گا۔ ہم اس شخص کو جواب دیں گے کہ تمہارا یہ قول تو تمام احکام الٰہی کو رد کرتا ہے اور اگر کسی کے لیے ایسا کہنا جائز ہوتا تو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے۔ کیوں کہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے وہی کام کیا جو میرے لیے مقدر تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے جو باز پرس ہوگی وہ امر کی وجہ سے ہوگی نہ بوجہ تقدیر کے۔ یہ لوگ ایک دلیل یوں لاتے ہیں کہ روزی حلال کہاں ہے ہم جو طلب کریں اور یہ قول کسی جاہل کا ہے کیوں کہ رزق حلال کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے" [1] اور یہ سب جانتے ہیں کہ حلال وہ روزی ہے جس کے لینے کی اجازت شریعت نے دے دی اور ان کا یہ قول فقط سست آدمی کی حجت ہے۔ ایک اور دلیل ان کی یہ ہے کہ جب ہم کسب کریں گے تو ظالموں اور گنہگاروں کی مدد کریں گے۔ ابو عثمان بن الآدمی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم خواص سے سنا کہتے تھے کہ میں حلال روزی کی غرض سے طلب معاش کے لیے نکلا اور مچھلی کے شکار کا ارادہ کیا۔ جال میں ایک مچھلی آئی میں نے اس کو نکال لیا پھر جال ڈالا۔ دوسری مچھلی پکڑی، میں نے اس کو بھی نکال لیا۔ پھر واپس لوٹا تو مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے فلاں! کیا تیرے لیے فقط یہی معاش رہ گیا ہے کہ ان جان داروں کو

[1] بخاری: رقم (۲۰۵۱) مسلم: رقم (۴۰۹۴)

پکڑے جو ہمارا ذکر کرتے ہیں اور تو ان کو مار ڈالتا ہے۔ یہ آواز سن کر میں نے جال پھینک دیا اور شکار چھوڑ دیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ قصہ اگر سچ ہے تو یہ ہاتف شیطان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شکار کو مباح کر دیا ہے۔ لہٰذا مباح کی ہوئی چیز پر عذاب نہ فرمائے گا اور کیونکر کسی سے کہا جاسکتا ہے کہ تم ایسی چیز کو کیونکر ستاتے ہو جو ہمارا ذکر کرتی ہے۔ حالانکہ خود اسی نے اس چیز کا قتل کرنا جائز کر دیا ہے اور کسب حلال عمدہ چیز ہے۔ اب اگر ہم شکار کرنا اور چوپاؤں کا ذبح کرنا اس وجہ سے چھوڑ دیں کہ وہ ذکر خدا کرتے ہیں تو ہمارے لیے تو وہ شے نہیں رہتی جو قوائے بدن کو قائم رکھے کیوں کہ ان کا قائم رکھنے والا صرف گوشت ہے۔ پس مچھلی پکڑنے اور حیوان کے ذبح کرنے سے پرہیز رکھنا برہمنوں کا مذہب ہے۔ لہٰذا جہالت کو دیکھنا چاہیے کیا کرتی ہے اور شیطان کیسا دھوکا دیتا ہے۔

فتح موصلی سے کسی نے کہا کہ تم ماہی گیری کرتے ہو پھر اپنے بال بچوں کے لیے شکار کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ پانی میں خدا کی عبادت کرنے والوں کو شکار کر کے لاؤں اور پھر زمین پر خدا کے نافرمان بندوں کو کھلاؤں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فتح موصلی کی یہ حکایت اگر درست ہے تو یہ عذر بارد ہے شرع اور عقل کے خلاف ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کسب کو مباح فرمایا ہے اور لوگوں کو کسب کی طرف بلایا۔ اب اگر کوئی کہنے والا کہے کہ بسا اوقات میں روٹی پکاتا ہوں اور اس کو ایک گنہگار کھا جاتا ہے تو یہ بات لغو ہوگی۔ کیوں کہ ہمارے لیے جائز ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ فروخت کریں۔ الٰہی اپنی رحمت سے ہم کو اس چیز کی توفیق دے جس سے تو راضی ہے۔

علاج کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علما کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معالجہ کرنا جائز ہے۔ فقط بعض کی رائے یہ ہے کہ ترک علاج عمدہ ہے۔ ہم نے اس بارے میں لوگوں کا کلام اور جو کچھ ہم کو خبر ملی ہے اپنی کتاب ''لقط المنافع'' میں جو فن طب میں ہے، بیان کیا ہے۔ اس مقام پر صرف اس قدر مقصود ہے کہ ہم یہ بیان کریں کہ جب علاج کرنے کی اباحت بالا جماع ثابت ہوگئی،

اور بعض علما کے نزدیک مستحسن ٹھہرا تو ہم ان لوگوں کے قول کی طرف توجہ نہ کریں گے جو کہتے ہیں کہ علاج کرنا توکل سے خارج ہے۔ کیوں کہ اتفاق اس امر پر ہے کہ یہ بات توکل سے خارج ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ ''آپ نے علاج کیا اور علاج کرنے کا حکم فرمایا'' [1] اور اس کی وجہ سے توکل سے نہیں نکلے اور نہ اس کو توکل سے نکالا جس نے ان کو دوا کرنے کا حکم دیا۔ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''اجازت دی کہ حالت احرام میں اگر آشوب چشم کی شکایت ہو تو ایلوے کا لیپ کرے۔'' [2]
طبری نے کہا کہ اس حدیث میں توکل کرنے والوں اور عبادت کرنے والوں کے اس قول کے فاسد ہونے پر دلیل ہے جو شخص کسی مرض کی وجہ سے اپنے جسم کا کسی دوا سے علاج کرے تو اس کا توکل صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان کے نزدیک جس ذات پاک کے قبضہ میں عافیت ہے اور نفع ونقصان ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے سے عافیت طلب کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو رفع تکلیف کے لیے احرام باندھنے والے کے حق میں آنکھوں کا علاج ایلوے کے ساتھ مطلق فرمایا تو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ توکل کے معنی وہ نہیں جو ان لوگوں نے بیان کیے ہیں جن کا قول ہم نے نقل کیا ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ علاج کرنے والا رضا بقضائے الٰہی سے خارج نہیں ہوتا جیسے کسی شخص کو جوع القلب کا عارضہ ہو تو اس کا غذا کے لیے بے قرار ہونا اس کو رضا بالقضا اور توکل سے خارج نہ کرے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے سوا جو بیماری پیدا کی ہے اس کی دوا بھی ضرور اتاری ہے [3] اور مرض دور کرنے کے اسباب بنائے ہیں۔ جس طرح

---

[1] بخاری: کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء، رقم ۵۶۷۸۔ مسلم: کتاب السلام باب لکل داء دواء واستحباب التداوی، رقم ۵۷۴۱۔ ابوداؤد: کتاب الطب، باب الرجل یتداوی، رقم ۳۸۵۵۔ ترمذی: کتاب الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث علیہ، رقم ۲۰۳۸۔ ابن ماجہ: کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء، رقم ۳۴۳۶۔ مسند احمد: ۱۵۶/۳، ۲۷۸/۴، ۳۷۱/۵۔ [2] مسلم: کتاب الحج، باب جواز مداواۃ المحرم عینیہ، رقم ۲۸۸۷، ۲۸۸۸۔ ابوداؤد: کتاب المناسک، باب یکتحل المحرم، رقم ۱۸۳۸۔ ترمذی: کتاب الحج، باب ماجاء فی المحرم یشتکی عینہ فیضمدھا بالصبر، رقم ۹۵۲۔ نسائی: کتاب مناسک الحج، باب الکحل للمحرم، رقم ۲۷۱۲۔ مسند احمد: ۱/۶۰، ۶۵، ۶۹۔

[3] مصنف نے کی یہ بات اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ((ان اللہ لم ینزل داءً الا انزل لہ دواءً)). حوالہ کے لیے دیکھیے۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۴۴۵، کتاب الطب، رقم ۸۲۲۰۔ سلسلۂ صحیحہ امام البانی: ۲۰۷/۴، رقم ۱۶۵۰ اور غایۃ المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام للالبانی ص ۱۴۴، رقم ۲۹۲۔

کھانے کو بھوک کے زائل کرنے کا سبب قرار دیا۔ حالانکہ وہ قادر تھا کہ مخلوق کو بغیر اس کے بھی زندہ رکھے۔ لیکن اس نے مخلوق کو اہل حاجت بنا کر پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ان سے بھوک کی تکلیف اسی چیز سے دور ہوگی جس کو اس کے زائل کرنے کا سبب بنایا یہی حالت مرض لاحق کی ہے۔

تنہائی اور گوشہ نشینی اور جمعہ ترک کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اگلے نیک لوگ جو تنہائی اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرتے تھے وہ محض اس لیے کہ علم حاصل کرنے میں اور خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ مگر ان لوگوں کی گوشہ نشینی میں یہ بات نہ تھی کہ جمعہ و جماعت میں شامل نہ ہوں، مریض کی عیادت نہ کریں، جنازہ کے ساتھ نہ جائیں، کسی کو حق بات نہ بتائیں۔ یہ گوشہ نشینی محض اس لیے ہوتی کہ شر سے بچیں، فسادیوں سے محفوظ رہیں، برے لوگوں سے اختلاط نہ کریں۔ صوفیہ کی ایک جماعت کو شیطان نے دھوکا دیا۔ لہٰذا ان میں سے بعض تو کسی پہاڑ پر راہبوں کی طرح سے الگ جا رہے۔ رات دن اکیلے رہتے ہیں۔ جمعہ اور نماز با جماعت کو چھوڑتے ہیں۔ اہل علم سے نہیں ملتے جلتے۔ عموماً صوفیہ رباطوں میں رہتے ہیں۔ مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے، بستر راحت پر پڑے ہوتے ہیں اور کسب کو چھوڑ رکھا ہے۔ ابو حامد غزالی نے کتاب ''احیاء العلوم'' میں بیان کیا ہے کہ ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ دل یک سو ہو جائے اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی کہ آدمی ایک تاریک مکان میں تنہا رہے اور اگر مکان تاریک نہ ہو تو اپنا سر گریبان میں ڈالے یا کسی چادر وغیرہ سے لپیٹے۔ اس حالت میں وہ آوازِ حق سنے گا اور حضرت ربوبیت کے جلال کو مشاہدہ کرے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان ترتیبوں پر غور کرنا چاہیے اور تعجب یہ ہے کہ ایک فقیہ شخص سے یہ امر کیونکر صادر ہوتا ہے اور اس کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو وہ سنتا ہے وہ آواز خدا ہے اور جس کا وہ مشاہدہ کر رہا ہے جلال ربوبیت ہی ہے۔ حالانکہ جو شخص ضرورت سے کم کھانا کھائے اس کے حق میں یہ بات ظاہر ہے کیوں کہ اس پر مالیخولیا غالب ہوتا ہے اور بعض اوقات ایسی حالت میں آدمی وساوس سے محفوظ بھی رہتا ہے۔ مگر جب کہ وہ چادر اوڑھ لے اور آنکھیں بند کر لے تو

اکثر چیزیں خیال میں آتی ہیں کیوں کہ دماغ میں تین قوتیں ہیں۔ایک خیال کی قوت ہے، دوسری فکر کی قوت اور تیسری ذکر کی۔خیال کا مقام دماغ کے پردوں میں سے آگے کے دو پردے ہیں اور فکر کا مقام درمیانی پردہ ہے اور ذکر وحفظ کا مقام پیچھے کا پردہ ہے۔جب آدمی اپنا سر جھکا تا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے تو فکر اور خیال کا جولان ہوتا ہے۔

ابوعثمان بن الآدمی نے کہا کہ ابوعبید بسری کا قاعدہ تھا کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی تو گھر میں جا کر اپنی بی بی سے کہتے تھے کہ میرے حجرے کے دروازے کو مٹی سے بند کر دو، اور ہر رات روزن کی راہ سے مجھ کو ایک روٹی دے دیا کرنا۔پھر جب عید کا دن آتا تو ان کی بی بی اس گھر میں جا کر دیکھتی تو گوشہ میں تیس روٹیاں پاتی تھیں۔وہ کھاتے تھے نہ پیتے تھیں اور آخر ماہ مبارک تک ایک وضو سے رہتے تھے۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ قصہ میرے نزدیک دو وجہ سے صحیح نہیں ہے۔اول یہ کہ ایک مہینہ تک انسان کیونکر رہ سکتا ہے کہ نہ محدث ہو نہ وضو کرے۔ دوسرے مسلمان ہو کر جمعہ اور جماعت کی نماز چھوڑ دینا۔حالانکہ یہ واجب ہیں، اور ان کا ترک کرنا جائز نہیں، پھر اگر یہ حکایت درست بھی ہو تو اس شخص کے حق میں شیطان نے دھوکا دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ابوعبداللہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے بارہا ابوالحسن صوفی کو سنا کہ جمعہ اور جماعت سے پیچھے رہ جانے اور ترک کرنے پر ان کو عتاب کیا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ اگر فضیلت جماعت میں ہے تو سلامتی تنہائی میں ہے۔

فصل

ایسی علیحدگی کے بارے میں جس کی وجہ سے تحصیل علم اور جہاد کفار سے محروم رہ جائے ممانعت وارد ہوئی ہے۔قاسم نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک لشکر میں جاتے تھے، ہم میں سے ایک آدمی کا گزر ایک غار پر ہوا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اس شخص نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس غار میں مقام کروں اور جو کچھ اس میں ہے اس کو قوت مقرر کروں اور اس کے گرد جو سبزی پتے ہیں اس پر بسر کروں گا اور دنیا سے الگ رہوں گا۔پھر کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کروں۔اگر آپ اجازت دیں گے تو میں ایسا کروں گا، ورنہ نہیں کروں گا۔غرض وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

یارسول اللہ ﷺ! میں ایک غار پر گزرا، وہاں پر پانی اور سبزی اس قدر موجود ہے جس سے میں بسر کر سکتا ہوں۔ میرے جی میں آتا ہے کہ وہاں قیام کروں اور دنیا سے علیحدہ ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نصرانیت اور یہودیت کے لیے مبعوث نہیں ہوا بلکہ شریعت خالص اور آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، خدا کی راہ میں صبح وشام ایک بار قدم اٹھانا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور تمہارے لیے جماعت کی صف میں کھڑا ہونا ساٹھ برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔'' [1]

صوفیہ پر خشوع اور سر جھکانے اور ناموس قائم رکھنے کے بارے میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: جب خوف الٰہی دل میں قرار پکڑ جاتا ہے تو ظاہر میں خشوع اور عجز ونیاز کا باعث ہوتا ہے کہ انسان اس کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اس لیے سر جھکائے اور باادب اور منکسر رہتا ہے۔ سلف صالحین ایسی باتوں کے چھپانے میں کوشش کرتے تھے۔ محمد بن سیرین دن میں ہنسا کرتے تھے اور رات کو رویا کرتے تھے۔ ہمارا مقصود یہ نہیں کہ عالم کو عوام میں بیٹھ کر بے تکلفی کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو ان کو تکلیف ہوگی۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا: جب تم علم کا ذکر کیا کرو تو وقار قائم رکھو اور علم کو ہنسی کے ساتھ مخلوط نہ کرو۔ تاکہ اس کو لوگ دلوں سے نکال نہ پھینکیں۔ اس قسم کی حالت کو ریا نہیں کہتے۔ کیوں کہ عوام کے قلوب عالم کو کسی فعل مباح میں مبتلا دیکھ کر تاویل کرنے سے عاجز ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ خاموشی اور ادب کے ساتھ ان کے سامنے رہے۔ مذموم تو یہ ہے کہ بناوٹ سے خشوع ظاہر کرے اور رونی صورت بنائے اور سر کو جھکائے تاکہ لوگ اس کو بڑا زاہد سمجھیں اور مصافحہ اور ہاتھ پر بوسہ دینے کے لیے دوڑیں اور بسا اوقات جب اس سے کہا جائے کہ ہمارے لیے دعا کیجیے تو دعا مانگنے کے لیے تیار ہو جائے گویا وہ اجابت کو نازل کرتا ہے۔ ابراہیم نخعی کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ ان سے کہا گیا ہمارے لیے دعا کی جائے تو ان کو بہت برا معلوم ہوا اور سخت ناگوار گزرا۔ بہت سے خوف کرنے والے ایسے

---

[1] [ضعیف] اس روایت میں علی بن یزید الالھانی راوی ہے۔ مسند احمد: ۵/ ۲۶۶۔ الفقیہ والمتفقہ للخطیب: ۲/ ۲۰۴، باب التوثق فی استفتاء الجماعۃ۔ مجمع الزوائد: ۵/ ۲۷۹، کتاب الجھاد، باب فضل الجھاد۔

ہیں جو خوف کے مارے نہایت ذلت اور شرم سے بسر کرتے ہیں اور آسمان کی طرف سر نہیں اٹھاتے حالانکہ یہ کوئی فضیلت میں داخل نہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے خشوع سے بڑھ کر کوئی خشوع نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ اکثر سر مبارک آسمان کی جانب اٹھاتے تھے۔'' [1] اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ آیت آسمانی سے عبرت حاصل کرنے کے لیے آسمان کی طرف نظر کرنا مستحب ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنَاهَا﴾ [2]

''یعنی اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس کو کس طرح بنایا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [3]

''یعنی دیکھو زمین اور آسمان میں کیا کیا خدا کی نشانیاں ہیں۔''

ان آیتوں میں صوفیہ پر رد ہے اس دعویٰ کا کہ فلاں صوفی نے کئی سال تک آسمان کی طرف نظر نہ اٹھائی۔

اس قوم نے اپنی بدعتوں کے ساتھ تشبیہ کی رمز کو بھی ملایا ہے اور اگر یہ علم رکھتے کہ خدا سے شرمانے کے بارے میں ان کا سر جھکانا اٹھانے کے برابر ہے تو ایسا نہ کرتے لیکن ابلیس کا شغل تو یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ کھیل کرتا ہے، باقی رہے علما تو ان سے ابلیس دور رہتا ہے اور بہت ڈرتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس کی تمام کیفیت سے واقف ہیں اور اس کے مکروفن سے احتراز کرتے ہیں۔ ابومسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ منحرف اور شرمیلے نہ تھے اور اپنی مجلسوں میں شعر و اشعار پڑھا کرتے تھے اور اپنی جاہلیت کی حالت بیان کرتے تھے۔ پھر جب کسی کے سامنے اس کے امر دین کا ذکر آتا تھا تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے ایسے پھرتے تھے گویا کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو دیکھا سر جھکائے ہوئے تھا۔ فرمایا: اے فلاں سر اٹھا۔ کیوں کہ جس قدر خشوع دل میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتا اور جس شخص نے اپنے دلی خشوع سے زیادہ لوگوں کے سامنے خشوع ظاہر کیا تو

---

[1] مسلم: کتاب فضائل الصحابة، باب بیان ان بقاء النبیؐ امان لاصحابه، رقم ٦٤٦٦۔ مسند احمد: ۴/ ۳۹۹۔ مسند عبد بن حمید ص ۱۹۱، رقم ۵۳۹۔ کتاب السنة لابن الخلال: ۳/ ۴۸۴ فی ذکر اصحاب رسول اللهؐ اجمعین، رقم ۷۷۲۔

[2] ۵۰/ ق: ٦۔ [3] ۱۰/ یونس: ۱۰۱۔

اس نے نفاق ظاہر کیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص نے سانس بھرا گویا کہ وہ غمگین بنا تو آپ نے اس کو گھونسا مارا یا لات ماری۔ ابن ابی خیثمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ شفاء بنت عبداللہ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو آہستہ چلتے تھے اور نرم آواز سے گفتگو کرتے تھے۔ پوچھنے لگیں کہ یہ کیا بات ہے؟ حاضرین بولے کہ عابد لوگ ہیں۔ کہنے لگیں کہ واللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب گفتگو کرتے تھے تو سب کو سناتے تھے اور جب چلتے تھے تو تیز قدم اٹھاتے تھے اور جب کسی کو مارتے تھے تو درد میں مبتلا کر دیتے تھے۔ حالانکہ آپ سچے عابد تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سلف اپنا احوال چھپاتے تھے اور ترک تصنع میں تصنع کرتے تھے۔ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ ان کے لباس میں کسی قدر طول تھا تا کہ حال پوشیدہ رہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کرتے تھے کہ میرے جو اعمال ظاہر ہو گئے ان کو شمار نہیں کرتا۔ سفیان نے کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور کہا کہ اس نماز کا تجھ کو کیا اجر ملے گا جسے آدمی دیکھ رہے ہیں۔ ابوامامہ نے کسی شخص کو سجدہ میں دیکھ کر کہا کہ یہ سجدہ کیا خوب ہوتا اگر تیرے گھر میں ہوتا۔ حسین بن عمارہ کی مجلس میں کسی نے آہ کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ حسین اس کو دیکھنے لگے اور پوچھنے لگے کہ یہ کون ہے حتیٰ کہ خیال کیا کہ اگر اس کو پہچان جائیں گے تو اس بارے میں کچھ حکم لگائیں گے۔ حرملہ سے روایت ہے کہ شافعی کو میں نے سنا کہ یہ شعر پڑھتے تھے:

وَدَعِ الَّذِيْنَ إِذَا اَتَوْكَ تَنَسَّكُوا
وَإِذَا خَلَوْا فَهُمْ ذِئَابٌ خُرَافُ

"ایسے لوگوں کو ترک کرو جو کہ جس وقت تمہارے پاس آئیں تو سر جھکا لیں اور جب علیحدہ ہوں تو خطرناک بھیڑیئے بن جائیں۔"

ابراہیم بن سعید نے کہا: میں خلیفہ مامون رشید کی خدمت میں کھڑا تھا۔ مجھے آواز دی کہ اے ابراہیم! میں نے جواب دیا ہاں حضور! کہا کہ دس اعمال نیک ایسے ہیں کہ خدا کے پاس نہیں پہنچتے ہیں اور ان میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں مقبول نہیں۔ میں نے پوچھا امیر المومنین وہ کیا ہیں؟ جواب دیا کہ ابراہیم بن بریہہ کا منبر پر چڑھ کر رونا، عبدالرحمٰن بن اسحٰق کا خشوع، ابن سماعہ کے چہرہ کا درویشی سے متغیر ہونا، ابن جیعو یہ کو رات کا نماز پڑھنا، عیاش کا چاشت کی نماز ادا کرنا، ابن سندی کا پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھنا، ابورجاء کا حدیث بیان کرنا، حاجبی کی

قصہ گوئی، حفصویہ کا صدقہ اور یعلیٰ بن قریش کی کتاب التیامی۔

صوفیہ پر ترک نکاح کے بارے میں تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خوف زنا کی حالت میں نکاح کرنا واجب ہے اور اگر زنا کا خوف نہ ہو تو سنت موکدہ ہے۔ یہی جمہور فقہا کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں نکاح تمام نوافل سے افضل ہے۔ کیوں کہ وجود اولاد کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ'' [1] اور فرمایا کہ ''نکاح میری سنت ہے اب جو شخص میری سنت سے منہ موڑے گا مجھ سے نہیں۔'' [2] سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حضرت عثمان بن مظعون کو ترک نکاح سے منع فرمایا اور اگر آپ ان کو اجازت دے دیتے تو ہم لوگ خصی ہو جاتے۔'' [3] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک جماعت نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیونکر عمل فرماتے ہیں؟ ازواج مطہرات نے بیان کیا، تو صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے نکاح نہ کروں گا۔ بعض بولے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا، بعض کہنے لگے کہ میں رات کو بچھونے پر نہ سوؤں گا۔ بعض نے عہد کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سن کر خطبہ پڑھا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ ''یہ لوگ کس قسم کے ہیں جو ایسا ایسا ارادہ کرتے ہیں۔ میں تو رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی

---

[1] [ضعیف] المقاصد الحسنۃ: ص ۱۶۵، رقم ۳۵۰۔ کشف الخفاء: ۱/ ۳۸۰، رقم ۱۰۲۱۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۳۰، باب فضل السعی فی الاولاد۔ مناھل الصفا ص ۱۳۔ الشفاء للقاضی عیاض: ۱/ ۱۹۰، ۱۹۱، الفصل الثامن: ازواجہ وما یتعلق بہ۔

[2] ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب فی فضل النکاح، رقم ۱۸۴۶۔ فردوس الاخبار للدیلمی: ۵/ ۵۸، رقم ۷۱۷۴۔ صحیح الجامع الصغیر: ۲/ ۳۹، رقم ۶۶۸۳۔ تلخیص الحبیر: ۲/ ۱۱۶، کتاب النکاح، رقم ۱۴۳۵۔ ولہ شاھد عند البخاری، رقم (۵۰۶۳) ومسلم: رقم (۳۴۰۳)۔

[3] بخاری: کتاب النکاح، باب ما یکرہ من التبتل والخصاء، رقم ۵۰۷۳۔ مسلم: کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، لمن تاقت نفسہ الیہ، رقم ۳۴۰۴، ۳۴۰۵۔ ترمذی: کتاب النکاح، باب ما جاء فی النھی عن التبتل، رقم ۱۰۸۳۔ نسائی: کتاب النکاح، باب النھی عن التبتل، رقم ۳۲۱۴۔ مسند احمد: ۱/ ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۵۔

کرتا ہوں۔ جو شخص میری سنت سے برگشتہ ہوگا وہ مجھ سے نہیں۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس امت میں سب سے افضل ترین وہ تھے جن کی بیبیاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] شداد بن اوس نے کہا کہ میری شادی کر دو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بن بیاہا نہ جاؤں۔ [3] محمد بن راشد نے ہم سے بیان کیا کہ مکحول نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص آیا جس کا نام عکاف بن بشر تمیمی ہلالی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عکاف! تمہاری کوئی بی بی ہے؟ عرض کیا نہیں، دریافت فرمایا کہ کوئی لونڈی ہے؟ جواب دیا نہیں۔ استفسار فرمایا کہ تم فارغ البال ہو؟ کہا ہاں میں خوشحال ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ تو اس وقت شیطان کا بھائی ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو کوئی راہب ہوتا۔ ہماری سنت نکاح ہے۔ تم لوگوں میں برے لوگ بن بیاہے ہیں اور مرنے والوں میں رذیل تر وہ ہیں جو بن بیاہے مرتے ہیں۔ صالحین کے لیے شیاطین کے پاس ترک نکاح سے بڑھ کر اور کوئی ہتھیار زیادہ کارگر نہیں ہے۔ [4] ابوبکر المروزی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کہتے تھے کہ بن بیاہا رہنا امور اسلام سے کسی میں داخل نہیں۔ کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ نکاح کیے اور نو بیبیاں چھوڑ کر وفات پائی۔ پھر کہا کہ اگر بشر بن الحارث شادی کر لیتے تو ان کے سب کام پورے ہو جاتے اور اگر آدمی نکاح کرنا چھوڑ دیتے تو نہ جہاد کرتے اور نہ حج کرتے، اور نہ یہ ہوتا اور نہ وہ ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ اکثر اوقات آپ کے گھر میں کچھ

---

[1] بخاری: کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح رقم: ۵۰۶۳۔ مسلم: کتاب النکاح: باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ رقم ۳۴۰۳۔ نسائی: کتاب النکاح: باب النہی عن التبتل رقم ۳۲۱۹۔ سنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۷۷۔ کتاب النکاح باب الرغبۃ فی النکاح۔ مسند احمد ۳/ ۲۴۱۔ ۲۵۹۔ ۲۸۵۔ مسند عبد بن حمید ص ۳۹۲ رقم ۱۳۱۸۔ [2] بخاری: کتاب النکاح: باب کثرت النساء رقم ۵۰۶۹۔ کتاب سنن سعید بن منصور ۱/۳/ ۱۶۵۔ کتاب النکاح: باب الترغیب فی النکاح رقم ۴۹۴۔ [3] مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۴۳۹۔ کتاب النکاح: باب فی تزویج من کان یأمر رقم ۱۵۹۰۲۔ یہ روایت منکر ہے اس میں مندل بن علی الغزی وابورجاء وعثمان بن خالد ضعیف ہیں۔

[4] اس میں خالد راوی ہے جو کہ موضوع حدیثیں بناتا تھا، مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۱۷۱، باب وجوب النکاح وفضلہ، رقم ۱۰۳۸۷۔ مسند احمد: ۵/ ۱۶۳۔ مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۰، کتاب النکاح، باب الحث علی النکاح وما جاء فی ذلک۔ کنز العمال ۱۶/ ۴۹۲، کتاب النکاح، الترغیب فیہ، رقم ۴۵۶۰۹۔ ضعیف الجامع الصغیر: رقم ۳۳۸۸۔

کھانے پکانے کو نہ ہوتا تھا اس پر بھی نکاح کو پسند فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے، اور ترک نکاح سے منع فرماتے تھے۔ اب جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فعل مبارک سے پھر جائے وہ کبھی حق پر نہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے غم وملال کی حالت میں بھی نکاح کیا اور آپ کی اولاد ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو عورتوں کی محبت دی گئی ہے۔ [1] ابراہیم بن ادہم سے نقل ہے کہ ایک نے ان سے شکایت کی کہ میں نے بیاہ کیا تو عیال کی وجہ سے بلا میں پڑ گیا۔ ہنوز اس نے کلام پورا نہ کیا تھا کہ ابراہیم نے اس کو بلند آواز سے ڈانٹا اور کہا کہ ہم نے راہ دیکھ لی ہے خدا تجھے عافیت میں رکھے۔ تو اس طریقہ پر نظر کر جس پر حضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔ پھر کہا کہ بچے کا اپنے باپ سے رو کر روٹی مانگنا ایسی اور ایسی فضیلت رکھتا ہے۔ یہ باتیں بن بیاہے عابد کو کب حاصل ہیں۔

فصل

ابلیس نے اکثر صوفیہ کو دھوکا دیا اور ان کو نکاح سے باز رکھا۔ لہٰذا قدمائے صوفیہ نے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کو ترک کیا، اور سمجھے کہ نکاح عبادت الٰہی سے پھیر دیتا ہے۔ یہ لوگ اگر نکاح کی حاجت رکھتے تھے یا کسی قسم کا رجحان اس طرف تھا تو ضرور اپنے جسم اور دین کو خطرے میں ڈالا اور اگر ان کو نکاح کی ضرورت نہ تھی تو فضیلت سے محروم رہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا کہ ''تمہارے عضو مخصوص میں بھی صدقہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے؟ فرمایا: بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر اس خواہش کو حرام جگہ پوری کرتا تو گنہگار ہوتا؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا کہ پھر تم لوگ برائی کو شمار کرتے ہو اور خیر کا خیال نہیں رکھتے۔'' [2]

---

[1] مسند احمد: ۳/ ۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵۔ نسائی: کتاب عشرة النساء، باب حب النساء، رقم ۳۳۹۱، ۳۳۹۲۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۱۷۴، کتاب النکاح، رقم ۲۶۷۶۔ کتاب الضعفاء الکبیر: ۲/ ۱۶۰، فی ترجمۃ (۶۶۲) سلام بن سلیمان ابی المنذر القاری اور دیکھیے صحیح الجامع الصغیر: ۳/ ۸۷، رقم ۳۱۱۹۔ [2] مسلم: کتاب الزکاۃ، باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی نوع من المعروف، رقم ۲۳۲۹۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحیٰ، رقم ۱۲۸۵۔ مسند احمد: ۵/ ۱۵۴، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۸۔ ۱۷۸۔ اور الادب المفرد للبخاری: ص ۶۷، باب کل معروف صدقۃ، رقم ۲۲۷۔

صوفیہ میں سے بعض کا قول ہے کہ نکاح کی وجہ سے نان ونفقہ لازم آتا ہے اور کسب کرنا دشوار ہے۔ یہ حجت فقط کسب کی محنت سے جان چرانے کے لیے ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دینار وہ ہے کہ تم خدا کی راہ میں صرف کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو غلام و بردہ کے لیے خرچ کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو صدقہ کر دیتے ہو، ایک دینار وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر صرف کرتے ہو، سب سے افضل وہی دینار ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو۔'' [1]

صوفیہ میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ نکاح دنیا کی رغبت کا باعث ہوتا ہے۔ ابوسلیمان دارانی سے ہم روایت کرتے ہیں کہ جس وقت آدمی حدیث طلب کرے یا طلب معاش میں سفر کرے تو وہ دنیا کی طرف جھکتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ سب شریعت کے مخالف ہے۔ بھلا حدیث کیونکر نہ طلب کی جائے، حالانکہ طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور طلب معاش کیوں نہ کی جائے، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ایسی حالت میں مروں کہ اپنی محنت سے اپنی روزی تلاش کرتا ہوں تو مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ خدا کی راہ میں غازی ہو کر مروں اور بھلا شادی کس طرح نہ کی جائے، حالانکہ صاحب شرع نے فرمایا کہ ''تم نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ۔'' [2] میرے نزدیک یہ سب اوضاع خلاف شریعت ہیں۔

ابو حامد نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک جماعت نے نکاح ترک کر دیا ہے تاکہ زاہد مشہور ہوں اور عوام لوگ صوفی کی بہت تعظیم کرتے ہیں جب کہ اس کی کوئی بی بی نہ ہو اور کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے کبھی عورت کی شکل بھی نہیں دیکھی حالانکہ یہ رہبانیت اور ہماری شریعت کے خلاف ہے۔

تکریتی نے کہا: مرید کو چاہیے کہ اپنے آپ کو شادی کی طرف مشغول نہ کرے۔ کیوں کہ

---

[1] مسلم: کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک، رقم ۲۳۱۱۔ مسند احمد: ۲/۴۷۳، ۴۷۶۔ شرح السنہ: ۶/۱۸۴، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی الاھل، رقم ۱۶۷۸۔ الادب المفرد للبخاری ص ۱۹۶۔ باب نفقۃ الرجل علی اھلہ، رقم ۷۵۱۔ [2] [ضعیف] المقاصد الحسنہ: ص ۱۶۵، رقم ۳۵۰۔ کشف الخفاء: ۱/۳۸۰، رقم ۱۰۲۱۔ تذکرۃ الموضوعات للفتنی: ص ۱۳۰، باب فضل السعی فی الاولاد، مناھل الصفاء: ص ۱۳۔ الشفاء للقاضی عیاض: ۱/۱۹۰، ۱۹۱، الفصل الثامن زوایۃ وما یتعلق بہ۔

نکاح اس کو سلوک سے باز رکھے گا اور جورو سے مانوس رکھے گا اور جو شخص غیر خدا سے مانوس ہوا وہ خدا تعالیٰ سے پھر گیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ کو اس شخص کے کلام پر سخت تعجب ہے۔ اس کو اتنی خبر نہیں کہ جو انسان اپنے نفس کی عفت اور اولاد ہونا چاہے گا اور اپنی بی بی کی عصمت قائم رکھنے کی کوشش کرے گا تو وہ راہ سلوک سے خارج نہ ہوگا۔ بھلا کیا جورو سے طبعی انس ہونا عبادت خدا کی طرف انس دلی ہونے کے منافی ہے۔ حالانکہ خود اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر احسان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ [1]

"یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہارے لیے جوڑ پیدا کیے تا کہ تم کو ان سے آرام ملے اور تم میں باہم محبت اور رحمت پیدا کر دی۔"

حدیث صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے جابر! "تم نے باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی تا کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے وہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔" [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایسی چیز کی ہدایت نہ کرتے جو ان کو انس الٰہی سے جدا کر دیتی۔ "خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ خوش طبعی فرماتے تھے" [3] اور "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے۔" [4] بھلا کیا یہ امور انس الٰہی سے خارج تھے، بلکہ یہ سب

---

[1] ۳۰/ الروم: ۲۱۔ [2] بخاری: کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات، رقم ۵۰۷۹۔ مسلم: کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح البکر، رقم ۳۶۴۲۔ ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی تزویج الابکار، رقم ۲۰۴۸۔ ترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء فی تزویج الابکار، رقم ۱۱۰۰۔ نسائی: کتاب النکاح، باب نکاح الابکار، رقم ۳۲۲۱، ۳۲۲۲۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب تزویج الابکار، رقم ۱۸۶۰۔ مسند احمد: ۳/ ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۷۴۔

[3] مصنف کا اشارہ اگر حدیث ام زرع کی طرف ہے۔ تو وہ صحیح حدیث ہے جسے بخاری مسلم نے روایت کیا ہے اور اگر حدیث خرافہ کی طرف اشارہ ہے تو وہ ضعیف ہے: دیکھیے۔ مسند احمد: ۶/ ۱۵۷۔ مجمع الزوائد: ۴/ ۳۱۵، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء، کشف الاستار: ۳/ ۱۵۹۔ کتاب علامات النبوۃ، باب فی حسن خلقہ، رقم ۲۴۷۵۔ مختصر الشمائل المحمدیہ، باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر، رقم ۲۱۴ وقال فیہ الامام الالبانی: ضعیف)۔

[4] ابوداؤد: کتاب الجھاد، باب فی السبق علی الرجل، رقم ۲۵۷۸۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۵/ ۳۰۴، کتاب عشرۃ النساء، باب مسابقۃ الرجل زوجتہ، رقم ۸۹۴۳، ۸۹۴۴، ۸۹۴۵۔ ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، رقم ۱۹۷۹۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/ ۱۷، ۱۸۔ کتاب السبق والرمی، باب ماجاء فی المسابقۃ بالعدو مسند الحمیدی: ۱/ ۱۲۸، رقم ۲۶۱۔

جہالت کی باتیں ہیں۔

فصل

جاننا چاہیے کہ جوان جوان صوفیہ جب کہ ترک نکاح پر مداومت کرتے ہیں تو ان کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

قسم اول یہ ہے کہ حبس منی کے مرض میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ منی جب مدت دراز تک بند رہتی ہے تو اس کا زہریلا اثر دماغ کو چڑھ جاتا ہے۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی کہتے ہیں کہ ایک قوم کو پہچانتا ہوں کہ ان میں منی بہت تھی۔ پھر جب انہوں نے فلسفیت کی وجہ سے اپنے آپ کو روکا تو ان کی شہوتیں کم ہوگئیں اور ان کے جسموں میں برودت آگئی اور ان کی حرکات اور ہضم میں دشواری پڑ گئی، اور کہا میں نے ایک شخص تارک جماع کو دیکھا کہ اس کی خواہش طعام زایل ہو گئی تھی اور یہ حالت ہو گئی کہ اگر تھوڑا سا کھاتا تھا تو اس کو ہضم نہیں ہوتا تھا۔ پھر جب اپنی جماع کی عادت کی طرف رجوع کیا تو یہ بیماریاں فوراً زائل ہوگئیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جس چیز کو وہ ترک کرتے ہیں آخر میں اس پر تل جاتے ہیں۔ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں کہ ترک نکاح پر صبر کیا اور منی جمع رہی پھر حرکت میں آئی تو وہ لوگ مبتلا ہو گئے اور دنیا سے جس قدر بھاگتے تھے اس سے کئی حصہ زیادہ میں گرفتار ہو گئے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بہت دیر تک بھوکا رہا پھر جس قدر بھوک کی مدت میں چھوڑا تھا سب کھایا۔

تیسری قسم یہ کہ لڑکوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ اکثر صوفیہ میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نکاح سے ناامید کر دیا اور منی نے مجتمع ہو کر ان کو مضطرب کیا تو ان کی یہ حالت ہو گئی کہ امردوں کی صحبت سے راحت حاصل کرنے لگے۔

فصل

صوفیہ میں سے ایک جماعت کو شیطان نے فریب دیا کہ انہوں نے نکاح کیا اور کہنے لگے ہم شہوت کے خیال سے نکاح نہیں کرتے۔ اگر اس قول سے ان کی یہ مراد ہے کہ طلب نکاح سے زیادہ تر ہمارا مقصود ادائے سنت ہے تو جائز ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ نفس نکاح کی

ان کی خواہش نہیں تو دروغ ظاہر ہے۔

فصل

بعض لوگوں کو جہل نے اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے عضو تناسل کو کاٹ ڈالا اور مجبوب ہو گئے اور خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے شرمانے کی وجہ سے ایسی حرکت ظاہر کی، حالانکہ یہ نہایت حماقت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جنس ذکور کو جنس اناث پر اسی عضو کے سبب سے شرف بخشا ہے اور یہ عضو اس لیے پیدا کیا کہ نسل قائم رہے اور جو شخص اپنے آپ کو مجبوب بناتا ہے گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ راہ صواب اس کے خلاف ہے۔ پھر اس کے اس عضو کے کاٹ ڈالنے سے نفس سے شہوت نکاح زائل نہیں ہوتی لہٰذا ان کا مطلب حاصل نہ ہوا۔

طلب اولاد ترک کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

ابو الحواری نے کہا کہ میں نے ابو سلیمان دارانی سے سنا، کہتے تھے کہ جو شخص فرزند کی خواہش رکھتا ہے وہ احمق ہے نہ دنیاوی نفع ہے نہ دینی فائدہ ہے۔ کیوں کہ اگر کھانا، سونا اور جماع کرنا چاہے گا تو اس لڑکے کی وجہ سے عیش میں خلل آئے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ ایجاد دنیا سے اللہ تعالیٰ کی مراد چونکہ یہ تھی کہ میعاد مقررہ تک مداومت پائی جائے، اور انسان کے قیام کا زمانہ دنیا میں بہت کم مدت تک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آدمی میں سے اسی کی مثل پیدا کرنا چاہا پس اس کو اس کے سبب پر برانگیختہ کیا طبعی طور پر آتش شہوت بھڑکا دی، اور کبھی از روئے شرع حکم فرمایا: ﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ﴾ [1] "یعنی بن بیاہوں کی شادی کر دو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نکاح کرو اور نسلیں بڑھاؤ کیوں کہ قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے اور امتوں پر فخر کروں گا خواہ حمل کا گرا ہوا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔" [2] خود انبیاء علیہم السلام نے اولاد طلب کی ہے اور صالحین نے وجود اولاد کے لیے اسباب پیدا کیے ہیں۔ بسا اوقات مباشرت و جماع کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایسا لڑکا پیدا ہوتا ہے جیسے امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، شافعی،

---

[1] ۲۴/النور: ۳۲۔ [2] [ضعیف] احیاء العلوم للغزالی: ۲/۲۲، کتاب آداب النکاح، باب الترغیب فی النکاح۔ جمع الجوامع رقم ۱۲۸۶۴۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۳/۳۵۴، رقم ۳۳۶۶۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۳/۶۱، رقم ۲۴۸۳۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ۔ ایسا جماع ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہو جاتا ہے۔ خود حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ''جورو سے جماع کرنے والا اور اولاد کو نفقہ دینے والا اور جس شخص کا لڑکا مر جائے اور جو شخص اولاد چھوڑ کر مرے ثواب پاتے ہیں'' 1 اور اب جو شخص طلب اولاد سے روگردانی کرے تو سنت اور افضل کے خلاف کرتا ہے اور صرف آرام کا طریقہ چاہتا ہے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اولاد شہوت حلال کا عذاب ہے پھر شہوت حرام کے عذاب کو تم کیا کچھ خیال کرتے ہو۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ غلط ہے کیوں کہ مباح کا نام عذاب رکھنا برا ہے۔ اس لیے کہ جو چیز مباح ہے اس سے جو نتیجہ نکلے تو عذاب کیونکر ہوگا۔ شریعت جس امر کی طرف پکارتی ہے اس کا حاصل تو ثواب ہوا کرتا ہے۔

سفر و سیاحت کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

اکثر صوفیہ کو شیطان نے فریب دیا تو ان کو سیاحت کے لیے نکالا۔ نہ تو کسی خاص مقام کا ارادہ ہوتا ہے نہ طلب علم کی غرض ہوتی ہے۔ بہت سے تنہا نکلتے ہیں اور اپنے ساتھ زاد سفر نہیں لیتے اور اس حرکت سے توکل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اکثر فرائض اور فضائل ان سے فوت ہو جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اس سیاحت میں عبادت پر قائم ہیں اور اس کی بدولت ولایت کے قریب ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ لوگ نافرمان اور مخالف ہیں۔ سفر و سیاحت اور کسی خاص مقام پر جانا رسول اللہ ﷺ نے بغیر حاجت کے دوڑ دھوپ سے منع فرمایا۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ ''زمام اور خزام، رہبانیت اور تبتل اور سیاحت یہ چیزیں اسلام میں نہیں۔'' 2 ابن قتیبہ نے کہا کہ زمام نکیل ڈالنے کو کہتے ہیں اور خزام بالوں کا حلقہ ہوتا ہے جو اونٹ کے نتھنوں کی ایک طرف ڈالا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مراد اس سے وہ ہے جو کہ بنی

---

2 مسند احمد: ۵/ ۱۶۸، ۱۶۹۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۵/ ۳۲۵، ۳۲۶، کتاب عشرۃ النساء، باب الترغیب فی المباضعۃ، رقم ۹۰۲۷، ۹۰۲۸۔ شعب الایمان: ۷/ ۵۱۴، باب فی ان یحب المسلم لاخیہ ما یحب لنفسہ، رقم ۱۱۱۷۱۔ مسند الشامیین للطبرانی: ۱/ ۴۵۹، رقم ۸۱۰۔

1 [ضعیف] ابوداؤد فی مراسیلہ: ص ۱۷۹، باب فی النکاح، رقم ۲۰۰ تحقیق شعیب الارناؤوط، غریب الحدیث لابن قتیبہ: ۱/ ۱۷۹، رقم ۱۰۶۔ مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۴۴۸، کتاب الایمان والنذور، باب الخزامۃ، رقم ۱۵۸۶۰۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۶/ ۷۹، رقم ۶۳۰۱۔

اسرائیل میں عبادت کرنے والے کیا کرتے تھے کہ گلے کی ہنسلی میں حلقہ ڈالتے تھے اور ناک میں نکیل ڈالتے تھے اور تبتل کے معنی ترک نکاح ہیں اور سیاحت یہ ہے کہ شہر کو چھوڑ دے اور روئے زمین میں گھومتا پھرے۔ ابوداؤد نے سنن میں حدیث ابوامامہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھ کو سیاحت کی اجازت دیجیے آپ نے فرمایا کہ ''میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔'' ❶ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت عثمان بن مظعون کی حدیث ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میرا جی چاہتا ہے کہ میں زمین میں سیاحت کروں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اے عثمان ٹھہرو، کیوں کہ میری امت کی سیاحت جہاد، حج اور عمرہ ہے۔'' ❷ اسحٰق بن ابراہیم نے احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ جو شخص سیاحت کے ساتھ عبادت کرے آپ اس کو پسند کرتے ہیں یا جو شخص شہر میں مقیم ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ سیاحت نہ اسلام میں سے کوئی چیز ہے اور نہ انبیا و صالحین کا فعل ہے۔

فصل

باقی رہا تنہا سفر کرنا تو ''رسول اللہ ﷺ نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا۔'' ❸ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تنہا جنگل میں چلنے والے پر لعنت کی۔ ❹

فصل

صوفیہ رات کو چلتے ہیں حالانکہ یہ ممنوع ہے۔ کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول

---

❶ ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی النهی عن السیاحة، رقم ۲۴۸۶۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۸۳، کتاب الجهاد، رقم ۲۳۹۸۔ شرح السنة: ۱۰/ ۳۵۸، کتاب السیر والجهاد، باب فضل الجهاد۔ صحیح الجامع الصغیر: ۳/ ۲۱۱، رقم ۲۰۸۹۔

❷ اس میں رشدین بن سعد اور ابن انعم الافریقی دونوں ضعیف راوی ہیں۔ شرح السنة: ۲/ ۳۷۰، ۳۷۱، کتاب الصلاة، باب فضل القعود فی المسجد لانتظار الصلاة، رقم ۴۸۴۔ مشکوٰۃ الالبانی: ۱/ ۲۲۵، کتاب الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة، رقم ۸۲۴۔ ❸ مسند احمد: ۲/ ۹۱۔ مجمع الزوائد: ۸/ ۱۰۴، کتاب الادب، ماجاء فی الوحدة۔

❹ اس میں طیب بن محمد اور ایوب بن النجار دونوں ضعیف راوی ہیں۔ مسند احمد: ۲/ ۲۸۷، ۲۸۹۔ شعب الایمان: ۴/ ۱۷۹، باب فی تعدید نعم اللہ عزوجل وشکرها، رقم ۴۷۲۸۔ مجمع الزوائد: ۴/ ۲۵۱، کتاب النکاح، باب الحث علی النکاح وماجاء فی ذلک۔ التاریخ الکبیر: ۴/ ۳۱۳، فی ترجمة (۳۱۵۱، ۲۰۴۵) طیب بن محمد وقال فیه: لا یصح حدیث ابی ہریرۃ۔

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر لوگ تنہائی کا نقصان جانتے تو کبھی کوئی شخص رات کو تنہا نہ نکلتا“ [1] اور فرمایا کہ ”جب رات قرار پکڑے تو تم نہ نکلا کرو کیوں کہ رات میں اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے اپنی مخلوق میں پھیلاتا ہے۔“ [2]

فصل

مصنف نے کہا کہ اکثر صوفیہ وہ ہیں جنہوں نے سفر اپنا شیوہ بنا رکھا ہے حالانکہ سفر فی نفسہ مقصود نہیں ہوا کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”سفر ایک عذاب کا ٹکڑا ہے۔ جب تم سفر میں اپنی حاجت پوری کر چکو تو اپنے گھر جلدی آؤ۔“ [3] اب جو شخص سفر کو اپنا شیوہ بنا لے تو وہ اپنی جان کو بھی عذاب میں ڈالتا ہے اور اپنی عمر بھی ضائع کرتا ہے اور یہ دونوں مقصود فاسد ہیں۔ کہتے ہیں ابوحمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ میں احرام کی حالت میں رنج و مشقت اٹھاتا رہا۔ ہر برس ہزار فرسخ سفر کرتا تھا آفتاب مجھ پر طلوع کرتا تھا اور غروب ہوتا تھا تو پھر احرام باندھ لیتا تھا۔ الٰہی! ہم تجھ سے اس چیز کی توفیق چاہتے ہیں جو ہم سے تجھ کو راضی کرے۔

بغیر زادِ سفر کے ویرانوں میں جانے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابلیس نے صوفیہ کی جماعت کثیر کو دھوکا دیا اور ان کو شبہ میں ڈالا کہ ترکِ زادِ سفر کو توکل کہتے ہیں۔ ہم پیشتر اس کا فساد بیان کر چکے، لیکن یہ بات جہلائے قوم میں پھیلی ہوئی ہے اور احمق قصہ گو بطور مدح کے صوفیہ کی حکایتیں ایسے توکل کی نسبت بیان

---

[1] بخاری: کتاب الجهاد، باب السیر وحده، رقم ۲۹۹۸۔ ترمذی: کتاب الجهاد، باب ماجاء فی کراهیة ان یسافر الرجل وحده، رقم ۱۶۷۳۔ ابن ماجۃ: کتاب الادب، باب کراهیة الوحدة، رقم ۳۷۶۸۔ مسند احمد: ۲/ ۲۳، ۲۴۔ سنن الکبریٰ للبیهقی: ۵/ ۲۵۷، کتاب الحج، باب کراهیة السفر وحده۔

[2] ابوداؤد: کتاب الادب، باب نهیق الحمیر نباح الکلاب، رقم ۵۱۰۴۔ صحیح سنن ابی داؤد: ۳/ ۲۵۴، رقم ۵۱۰۴۔ مسند احمد: ۳/ ۳۰۶، ۳۵۵۔ صحیح ابن خزیمہ: ۴/ ۱۴۸، کتاب المناسک، باب کراهیة سیر اول اللیل، رقم ۲۵۵۹۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۶۱۴، کتاب المناسک، رقم ۱۶۳۲۔ [3] بخاری: کتاب العمرة، باب السفر قطعة من العذاب، رقم ۱۸۰۴۔ مسلم: کتاب الامارة، باب السفر قطعة من العذاب، رقم ۲۸۸۲۔ مؤطا امام مالک: ۲/ ۹۸۰، کتاب الاستئذان، باب مایؤمر به من العمل فی السفر رقم ۳۹۔ مسند احمد: ۲/ ۲۳۶، ۴۴۵، ۴۹۶۔

کرتے ہیں گویا اس حرکت پر مبتدیوں کو ترغیب دیتے ہیں۔اس قوم کی ایسی حرکتوں سے ان جاہلوں کی تعریف سے حالات خراب ہو گئے اور صحیح راہ عوام سے پوشیدہ ہوگئی۔اس بارے میں ان سے بہت کچھ منقول ہے،ہم ان میں سے کچھ بیان کرتے ہیں۔

علی بن سہل بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ فتح موصلی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں حج کو چلا جب ٹھیک میدان میں پہنچا تو ناگاہ ایک چھوٹا لڑکا دیکھا۔میں نے جی میں کہا کہ اللہ اکبر یہ جنگل میدان اور یہ ویران زمین اور یہاں یہ چھوٹا بچہ۔میں قدم بڑھا کر اس کے پاس گیا اور اس کو سلام کیا۔پھر اس سے کہا کہ بیٹا تم چھوٹے بچے ہو احکام شریعت تم پر جاری نہیں ہوئے۔ کہنے لگا اے بزرگو! مجھ سے بھی چھوٹی عمر کے بچے مر چکے ہیں۔میں نے کہا کہ قدم بڑھا کر چلو کیوں کہ راستہ دور ہے تاکہ تم منزل تک پہنچ جاؤ۔وہ بولا کہ چچا جان! میرے اختیار میں چلنا ہے اور خدا کے اختیار میں پہنچا دینا ہے۔کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں پڑھا کہ

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [1]

''یعنی جو لوگ ہمارے لیے محنت اٹھاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں بتاتے ہیں۔''

میں نے پوچھا، یہ کیا وجہ کہ میں تمہارے پاس توشہ اور سواری نہیں دیکھتا۔جواب دیا کہ اے چچا! توشہ میرا یقین ہے اور سواری میری امید ہے۔میں نے کہا کہ میں تم سے روٹی اور پانی کے بارے میں پوچھتا ہوں کہنے لگا کہ اے چچا! یہ تو بتائیے کہ اگر آپ کو کوئی آپ کا بھائی یا دوست اپنے مکان پر بلائے تو آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ اپنے ساتھ اپنے گھر سے کھانا لے جائیے اور اس کے مکان پر جا کر کھائیے۔میں نے اس سے کہا کہ میں تم کو توشہ دے دوں۔کہنے لگا کہ اے جھوٹے! میرے پاس سے دور رہو۔اللہ تعالیٰ ہم کو کھلاتا ہے پلاتا ہے۔فتح موصلی کہتے ہیں کہ اس لڑکے سے زیادہ میں نے کوئی چھوٹا بچہ صاحب توکل اور کوئی بڑا آدمی اس سے بڑھ کر زاہد نہیں دیکھا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایسی ہی حکایتیں امور کو فاسد کرتی ہیں، اور خیال ہوتا ہے کہ یہی راہ صواب ہے اور بڑا آدمی کہنے لگتا ہے کہ جب چھوٹے بچے نے ایسا کیا تو میں اس سے زیادہ مستحق ہوں کہ ایسا کروں۔اس لڑکے پر تو کچھ تعجب نہیں بلکہ تعجب تو اس شخص پر ہے جو اس

[1] ۲۹/ العنکبوت: ۶۹۔

سے ملا اس کو کیوں نہ بتایا کہ یہ جو حرکت وہ کر رہا ہے خلاف شرع ہے اور کیوں نہ کہا کہ جس نے تجھ کو بلایا ہے اسی نے توشہ لینے کا حکم دیا ہے اور اسی کے مال میں سے توشہ لیا جاتا ہے۔ لیکن قباحت تو یہ ہے کہ بڑوں کا خود یہی طریقہ ہے چھوٹوں کا کیا ذکر۔

ابو عبداللہ الجلاء سے کسی نے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جو بغیر توشہ اور اسباب کے جنگل میں جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اہل توکل ہیں اور وہیں جنگلوں میں مر جاتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ کام اہل حق کا ہے۔ اگر وہ مر جائیں تو خوں بہا قاتل پر ہوگا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ فتویٰ ایسے شخص کا ہے جو شریعت سے ناواقف ہے کیوں کہ متفقہ طور پر فقہائے اسلام کے نزدیک جنگل میں بغیر توشہ کے جانا جائز نہیں اور جس شخص نے ایسا کیا اور مر گیا تو وہ اللہ کا نافرمان ہے اور دوزخ میں پڑنے کا مستحق ہے۔ اسی طرح جب کہ ایسی چیز کا سامنا کرے جس کا گمان غالب ہلاکت کا ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کو ہمارے پاس امانت رکھا ہے اور فرمایا ہے: ﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [1] ''یعنی اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔'' ہم اس بارے میں پہلے ہی کلام کر چکے ہیں کہ آزار دینے والی چیز سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ اگرچہ یہ حکم اس مسافر کے لیے نہیں جو بغیر توشہ سفر کرے لیکن اس فرمان باری تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے کہ ﴿تَزَوَّدُوْا﴾ [2] یعنی ''تم توشہ لے کر سفر کیا کرو۔''

عبداللہ بن خفیف نے کہا کہ میں اپنے تیسرے سفر میں شیراز سے چلا اور جنگل میں تنہا سویا بھوک اور پیاس کی تکلیف مجھ کو اس قدر پہنچی کہ میرے آٹھ دانت گر پڑے اور سارے بال جھڑ گئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص نے اپنا قصہ ایسا بیان کیا جس سے بظاہر اپنے فعل پر مدح چاہتا ہے حالانکہ مذمت کا زیادہ سزاوار ہے۔

ابو حمزہ صوفی نے کہا کہ مجھ کو خدا سے حیا آتی ہے کہ آسودہ شکم ہو کر جنگل کو جاؤں اور توکل کا دعویٰ کروں۔ ایسا نہ ہو کہ میری شکم سیری ایک توشہ ہو جائے جو مکان سے لے کر چلا تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قسم کے بارے میں پیشتر کلام ہو چکا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ توکل ترک اسباب کا نام ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب توشہ باندھ کر غار کو تشریف لے گئے تھے توکل سے نکل جاتے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کی تلاش

[1] ۴/ النساء: ۲۹۔ [2] ۲/ البقرۃ: ۱۹۷۔

کو نکلے اور مچھلی ساتھ لے گئے اور اصحاب کہف جب چلے تو کچھ درم پاس رکھتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس قوم کی سمجھ میں توکل کے معنی ہی نہیں آئے لہٰذا جاہل رہے۔ ابو حامد نے لوگوں کے لیے عذر نکالا ہے کہ جنگل میں بغیر توشہ کے جانا دو شرط سے جائز ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو اپنے نفس پر اس قدر اعتماد ہو کہ کھانے سے کم و پیش ایک ہفتہ تک صبر کر سکے۔ دوسرے یہ کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ گھاس پتے کھا سکے۔ جنگل اس بات سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو بعد ایک ہفتہ کے اس کو کوئی آدمی مل جائے یا جنگل میں اترے ہوئے لوگوں یا گھاس کے پاس پہنچ جائے جس سے اپنا وقت کاٹ لے۔

میں کہتا ہوں بہت بری بات اس قول میں یہ ہے کہ ایک سمجھدار عالم سے صادر ہوا ہے کیوں کہ کبھی کسی سے ملاقات نہیں ہوتی ہے اور کبھی راستہ بھول جاتا ہے اور کبھی بیمار پڑ جاتا ہے تو اس کے لیے گھاس موافق نہیں ہوتی ہے اور کبھی ایسے شخص سے ملاقات ہوتی ہے جو اس کو کھانا نہیں دیتا اور اس شخص کے پاس جاتا ہے جو اس کی مہمانداری نہیں کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ شخص مر جائے اور کوئی آدمی اس کے پاس نہ آئے۔ علاوہ ازیں ہم ذکر کر چکے کہ تنہا سفر کرنا کیا حکم رکھتا ہے اور کیا حاجت ہے ان مصیبتوں کے برداشت کرنے کی کہ بھروسہ کرے عادت پر یا کسی شخص کی ملاقات پر یا گھاس کی روٹی پر اور کون سی فضیلت ہے اس حالت میں کہ انسان اپنے آپ کو ہلاکی میں ڈالے اور کہاں انسان کو حکم ہے وہ گھاس کو کھانا مقرر کرے اور سلف میں سے کس شخص نے ایسا کیا ہے اور گویا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کرتے ہیں کہ آیا ان کو جنگل میں روزی دیتا ہے یا نہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ) اور جو شخص جنگل میں کھانا طلب کرتا ہے وہ غیر عادی چیز کو تلاش کرتا ہے۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب ساگ اور ککڑی کی درخواست کی تو ان کو حکم ہوا ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ [1] یعنی شہر میں اترو"۔ اور یہ ارشاد اسی لیے ہوا تھا کہ جو چیزیں انہوں نے طلب کی تھیں وہ شہروں ہی میں ہوتی ہیں لہٰذا یہ لوگ نہایت خطا پر ہیں اور شرع اور عقل کے مخالف ہیں اور موافق نفس کے عمل کرتے ہیں۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اہل یمن حج کو آتے تھے اور توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے کہ ہم اہل توکل ہیں۔ وہ لوگ حج کرتے تھے اور مکہ میں آتے تھے اور لوگوں

[1] ۲/البقرۃ:۶۱۔

کے آگے دست سوال دراز کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ [1]

''یعنی اپنے ساتھ توشہ لایا کرو کیوں کہ بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔''

محمد بن موسیٰ جرجانی نے کہا: میں نے محمد بن کثیر صنعانی سے ان زاہدوں کے بارے میں سوال کیا، جو نہ سفر میں توشہ لے جاتے ہیں اور نہ جوتا اور موزہ پہنتے ہیں۔ جواب دیا کہ تم نے مجھ سے اولاد شیاطین کی نسبت سوال کیا ہے، زاہدوں کے بارے میں نہیں پوچھا۔ میں نے کہا پھر زہد کیا چیز ہے۔ بولے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشابہت کرنا۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو بغیر توشہ کے جنگل میں جاتا ہے۔ امام نے سخت انکار کیا اور کہا اف، اف، نہیں نہیں، بغیر توشہ اور قافلہ اور ساتھیوں کے ہرگز نہ جانا چاہیے۔ یہ جملہ بلند آواز سے کہا۔ ابو عبداللہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ ایک شخص سفر کرنا چاہتا ہے۔ آپ کیا پسند کرتے ہیں توشہ ساتھ لے جائے یا توکل کرے جواب دیا کہ توشہ ساتھ لے جائے یا ایسا توکل کرے کہ گردن نہ اٹھائے تا کہ اسے کچھ دیں۔ خلال نے کہا کہ مجھ سے ابراہیم بن خلیل نے بیان کیا کہ احمد بن نصر نے لوگوں سے بیان کیا کہ ایک شخص نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ توکل پر مکے کو جائے اور اور اپنے ساتھ کچھ نہ لے جائے۔ فرمایا کہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کھائے گا کہاں سے۔ تو اس نے کہا کہ توکل کرے گا تو لوگ اسے دیں گے۔ فرمایا: جب لوگ اسے نہ دیں گے تو کیا لوگوں کی طرف نظر نہ اٹھائے گا تا کہ لوگ اسے دیں۔ یہ مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مجھے کوئی ایسی حدیث نہیں پہنچی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ یا تابعین نے ایسا کیا ہو۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک خراسانی آیا اور کہنے لگا کہ اے ابو عبداللہ! میرے پاس ایک درم ہے اس کو لے کر حج کو جاؤں۔ امام نے اس سے کہا کہ تم باب الکرخ کی طرف جاؤ اور اس درم کی بوری خریدو اور سر پر رکھ کر بیچتے پھرو اسی طرح جب تمہارے پاس تین سو درم ہو جائیں تو حج کو جاؤ۔ وہ بولا اے عبداللہ! آپ لوگوں کے لیے پیشہ وکسب کا خیال کرتے ہیں۔ امام نے کہا: دیکھ یہ خبیث کیا کہتا ہے۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے لیے ان کے معاش فاسد کر دے۔ وہ کہنے لگا اے

[1] ۲/البقرۃ:۱۹۷۔

ابوعبداللہ! ہم توکل کرتے ہیں۔ امام نے پوچھا تو جنگل کو اکیلا جائے گا یا لوگوں کے ہمراہ۔ جواب دیا کہ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا امام نے کہا کہ تو جھوٹا ہے تو توکل کرنے والا نہیں، اکیلا جا ورنہ تو صرف لوگوں کے تھیلوں پر توکل کرتا ہے۔

ان امور کا بیان جو صوفیہ سے سفر و سیاحت میں خلاف شریعت سرزد ہوئے

ابوحمزہ صوفی نے کہا کہ میں نے ایک سفر توکل پر کیا۔ ایک رات میں چلا جا رہا تھا اور میری آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی، یکا یک ایک کنویں میں گر پڑا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ کنویں میں موجود ہوں اور اس میں سے نکل نہ سکا۔ کیوں کہ اس کا کنارہ بہت اونچا تھا۔ لہٰذا میں اس میں بیٹھ گیا۔ وہیں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کنویں پر دو آدمی آ کھڑے ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو ہم چلیں اور کنویں کو مسلمانوں کے رستے میں چھوڑ دیں، دوسرے نے کہا پھر اور کیا کرو گے۔ میرے جی میں آیا کہ پکار اٹھوں کہ میں کنویں میں ہوں۔ آواز آئی تو ہم پر توکل کرتا ہے اور ہماری دی ہوئی بلا کی فریاد غیر کے پاس لے جاتا ہے۔ لہٰذا میں خاموش رہا وہ دونوں آدمی چلے گئے۔ اس کے بعد پھر واپس آئے اور کوئی چیز اپنے ساتھ لائے اور اس چیز کو کنویں کے منہ پر رکھ کر ڈھانک دیا۔ مجھ سے میرے نفس نے کہا کہ کنویں کا منہ تو محفوظ ہو گیا لیکن اب تو اس کنویں میں قید رہ گیا۔ میں دن رات برابر وہاں رہا جب اگلا روز ہوا تو کسی نے مجھ کو آواز دی اور وہ نظر نہ آتی تھی کہ مجھ کو زور سے پکڑ۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک سخت چیز پر پڑا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا۔ تو اس نے اوپر اٹھایا اور مجھ کو زمین پر پھینک دیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ ایک درندہ تھا۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر وہی کیفیت گزری جو ایسی حالت میں گزرتی ہے۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے ابوحمزہ! ہم نے تجھ کو بلا کے ذریعہ بلا کے ہاتھوں نجات دی اور بذریعہ خوفناک چیز کے خوفناک امر سے کفایت کی۔

یہی واقعہ ابن مالکی بیان کرتے ہیں کہ ابوحمزہ خراسانی نے کہا: میں نے ایک سال حج کیا۔ میں راستے میں جا رہا تھا کہ یکا یک ایک کنویں میں گر پڑا تو میرے نفس نے مجھ سے مخالفت کی کہ میں فریاد کروں تو میں نے کہا واللہ! ہرگز فریاد نہیں کروں گا۔ میں نے اپنے ارادے کو پورا

نہیں کیا تھا کہ کنویں کے سرے پر دو شخص گزرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ آؤ اس راستے میں کنویں کا سرا بند کریں تو وہ نرسل اور ستون لائے۔ میں نے بولنے کا ارادہ کیا تو دل نے کہا: تو اس سے کہہ جو بہ نسبت ان دونوں کے تجھ سے زیادہ قریب ہے (توکل کر) اور چپکا رہا یہاں تک کہ انہوں نے کنویں کا سرا بند کر دیا۔ پھر یکایک ایک چیز آئی اور اس نے کنویں کا سرا کھولا اور اپنے دونوں پیر لٹکائے اور گویا کہ وہ اپنی بولی میں کہتا تھا کہ (پکڑ کر) لٹک جاؤ، میں اس کے ساتھ لٹک گیا اور مجھ کو اس نے نکال لیا۔ میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ اس وقت مجھ کو ایک شخص نے پکارا جو کہہ رہا تھا کہ اے ابوحمزہ! کیا یہ بہتر نہیں ہے، ہم نے تلف سے بواسطۂ تلف کے رہائی بخشی اور ابوعبداللہ محمد بن نعیم ابوحمزہ صوفی دمشقی کی حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب وہ کنویں سے نکلے تو چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

> ''مجھ کو حیا مانع آئی کہ عشق کا اظہار کروں اور تیرے قرب کی وجہ سے مجھ کو اظہارِ عشق کی ضرورت نہ رہی۔ تو مجھ کو غیب میں ایسا معلوم ہوا کہ گویا باوجود غیب کے مجھ کو بشارت ملتی تھی کہ تو سامنے ہے۔ میں تجھ کو دیکھتا ہوں اور تیری ہیبت کے مارے مجھ کو وحشت ہوتی ہے اور تو لطف وعنایت سے مجھ کو مانوس کرتا ہے تو اس عاشق کو زندہ کرتا ہے جس کو عشق میں ہلاک کرتا ہے اور یہ تعجب کی بات ہے۔ ہلاکت کے ساتھ زندگی ہے۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان ابوحمزہ کی نسبت جو کنوئیں میں گر پڑے تھے اختلاف ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا: ابوحمزہ خراسانی ہیں جو جنید کے ہم عصر تھے اور دوسری روایت میں ہم ذکر کر چکے کہ وہ دمشقی ہیں۔ ابونعیم حافظ نے کہا کہ ابوحمزہ بغدادی ہیں اور ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے اور ان کو خطیب نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور ان کی اس حرکت کو بھی بیان کیا ہے۔ بہرحال کوئی بھی ہوں انہوں نے اس خلاف شرع حرکت میں خطا کی کہ کنویں میں خاموش رہے حالانکہ پکارنا اور کنویں کی آفت سے چھوٹنا واجب تھا۔ جس طرح اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہے تو اس کا روکنا واجب ہے اور یوں کہنا کہ میں فریاد نہ کروں گا ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا اور پانی نہ پیوں گا۔ حالانکہ جو ایسا کرے وہ جاہل ہے اور یہ حرکت باعتبار وضع عالم کے خلاف حکمت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو حکمت پر وضع کیا ہے۔ آدمی کو ہاتھ

دیئے ہیں تا کہ ان سے روکے، اور زبان دی تا کہ گفتگو کرے، اور عقل بخشی جو اس کی رہبری کرتی ہے تا کہ نقصان کو اپنے سے دور کرے اور منفعتوں کو حاصل کرے، اور غذائیں اور دوائیں آدمیوں کی مصلحت کے لیے مخلوق فرمائی ہیں۔اب جو شخص ان چیزوں کے استعمال سے روگردانی کرے جو اس کے لیے پیدا کی گئیں اور اس کو اس کی طرف ہدایت کی گئی تو وہ امر شریعت کو چھوڑتا ہے اور صانع کی حکمت کو بیکار کرتا ہے۔اگر کوئی جاہل کہے کہ قضا وقدر سے کیونکر احتراز کریں ہم جواب دیں گے کہ کیوں احتراز نہ کریں کہ جب کہ خود مقدر فرمانے والا حکم دیتا ہے ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ [1] یعنی ''اپنا بچاؤ کرو'' رسول اللہ ﷺ غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے اور آپ نے سراقہ سے فرمایا تھا کہ ہمارا حال چھپانا اور مدینہ لے جانے کے لیے آپ نے ایک راہبر کو اجرت پر لیا'' [2] اور یوں نہ فرمایا کہ ہم توکل پر چلے چلیں۔ہمیشہ ظاہر میں اسباب پر نظر فرمائی اور باطن میں مسبب پر بھروسہ کیا۔اس کا بیان ہم پیشتر واضح طور پر کر چکے ہیں۔ ابوحمزہ کا یہ قول کہ مجھ کو میرے باطن سے آواز آئی اس نفس نادان کی گفتگو ہے جس کے نزدیک جہالت سے یہ بات قرار پائی گئی کہ توکل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا چھوڑ دے کیوں کہ شریعت اس امر کی درخواست نہیں کرتی جس سے منع کر چکی۔ابوحمزہ کے باطن نے اس وقت کیوں نہ روکا جب ہاتھ بڑھایا اور اس چیز کو پکڑا اور اس کے ساتھ لٹک کر باہر آ گئے کیوں کہ یہ بھی تو اس ترک اسباب کے دعویٰ کے خلاف ہے جو انہوں نے کیا تھا۔اور (کنویں کے اندر سے پکارنے اور) یوں کہنے میں کہ میں کنویں میں ہوں اور اس چیز کے پکڑنے میں جس سے لٹکے کیا فرق ہے۔بلکہ یہ پکڑنا اس کہنے سے بڑھ کر ہے کیوں کہ فعل میں بہ نسبت قول کے زیادہ تاکید ہوتی ہے۔ابوحمزہ ٹھہرے کیوں نہ رہے تا کہ بلاسبب اوپر آ جاتے اور اگر یوں کہا جائے کہ اس چیز کو خدا نے میرے لیے بھیجا تھا تو ہم کہیں گے کہ جو آدمی کنویں پر گزرے تھے ان کو کس نے بھیجا تھا اور زبان کو جو پکارتی ہے کس نے پیدا کیا۔اگر پکارتے تو گویا ان اسباب استعمال میں لائے جن کو اللہ تعالیٰ نے دفع ضرر کے لیے پیدا کیا۔لہٰذا پکارنا قابل ملامت نہیں۔اور خاموش رہ کر تو اسباب کو بیکار کر دیا

---

[1] ۴/النساء:۷۱۔ [2] بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب ھجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ (مطولاً) رقم ۳۹۰۶۔مسند احمد: ۴/۱۷۶۔مستدرک الحاکم: ۳/۸، کتاب الھجرۃ، رقم ۴۲۶۹۔دلائل النبوۃ للبیھقی: ۲/۴۸۷، باب اتباع سراقۃ بن مالک بن جعشم اثر رسول اللہ۔

اور حکمتوں کو دور کیا۔ لہٰذا وہ قابل ملامت ہے اور شیر یا درندے کے ذریعے سے رہائی پانا اگر صحیح ہے تو ایسا اکثر اتفاق ہوتا ہے پھر ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے۔ ہم تو فعلِ مخالف شرع کا انکار (رد) کرتے ہیں۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھ سے محمد بن سمین نے بیان کیا کہ میں کوفے کے راستے میں اس میدان کے قریب تھا جو ہمارے راستے میں پڑتا ہے اور راستہ میں کوئی آتا جاتا نہیں۔ میں نے سر راہ ایک اونٹ مرا ہوا پڑا پایا اور دیکھا کہ اس کو آٹھ نو درندے نوچ نوچ کر کھاتے تھے اور ہر درندہ باہم ایک دوسرے پر حملہ بھی کرتا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا تو میرا نفس مضطرب ہوا۔ کیوں کہ وہ سب بالکل سر راہ تھے۔ میرے نفس نے مجھ سے کہا کہ دائیں بائیں مڑ کر نکل جا۔ میں نے نفس کی بات نہ سنی اور کہا کہ درندوں میں ہو کر نکلوں گا پھر نفس کو ابھارا اور چل کر درندوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اتنا قریب ہو گیا کہ گویا ان میں مل گیا۔ پھر اپنے نفس کی طرف رجوع کیا کہ دیکھوں اب اس کی کیا کیفیت ہے تو خوف و ہراس موجود تھا۔ میں نے وہاں سے ہٹ جانے سے انکار کیا اور درندوں میں بیٹھ گیا۔ پھر بیٹھ کر بھی اپنے نفس کو خائف اور ہراساں پایا۔ میں نے اٹھنے سے انکار کیا اور وہیں لیٹ رہا۔ اسی حالت میں مجھ کو نیند آ گئی تو میں اسی طرح سو گیا اور درندے جہاں تھے وہیں تھے۔ مجھ پر سونے کی حالت میں کچھ وقت گزرا۔ سونے کے بعد میری آنکھ کھلی تو درندے چلے گئے تھے اور کوئی باقی نہ رہا تھا اور میرا خوف بھی زائل ہو گیا تھا اسی ہیئت سے میں اٹھا اور اپنا راستہ لیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص نے جو درندوں سے تعرض نہ کیا (اور ان میں جا گھسا) تو یہ خلاف شریعت ہے۔ کسی شخص کے لیے درندے یا سانپ کے سامنے ہو جانا جائز نہیں بلکہ اس کے آگے سے بھاگنا واجب ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی شہر میں طاعون پھیلا ہو تم وہاں نہ جاؤ'' [1] اور نیز آپ نے فرمایا کہ ''مجذوم آدمی سے ایسا دور

---

[1] بخاری: کتاب الحیل، باب ما یکرہ من الاحتیال فی الفرار من الطاعون، رقم ۶۹۷۳۔ مسلم: کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ، رقم ۵۷۷۲۔ ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب الخروج من الطاعون، رقم ۳۱۰۳۔ ترمذی: کتاب الجنائز، باب ما جاء فی کراھیۃ الفرار من الطاعون، رقم ۱۰۶۵، مؤطا امام مالک: ۲/ ۸۹۶، ۸۹۷، کتاب الجامع باب ما جاء فی الطاعون، رقم ۲۲،۲۴۔

بھا گو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔" [1] اور نیز آپ ایک دیوار کے تلے سے گزرے جو جھک پڑی تھی۔" آپ نے تیزی سے قدم اٹھائے۔" [2] اور اس شخص نے یہاں پر اپنی طبیعت سے اس امر کی درخواست کی کہ مضطرب نہ ہو حالانکہ یہ ایسی شے ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی سلامت نہ رہے کیوں کہ جب عصا کو سانپ دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے۔ اگر اس شخص کا بیان درست ہے تو صحت سے دور ہے۔ کیوں کہ آدمیوں کی طبیعتیں برابر ہیں۔ جو شخص یوں کہے کہ میں اپنی طبیعت سے درندے سے نہیں ڈرتا تو ہم اس کو جھوٹا کہیں گے۔ جیسے کوئی کہے کہ میں اچھی چیز کو خواہش سے نہیں دیکھتا۔ گویا کہ اس شخص نے اپنے نفس پر قہر کیا۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ہلاکت کے سپرد کر کے درندوں میں سورہا اس خیال سے کہ یہی توکل ہے۔ حالانکہ یہ خام خیالی ہے اگر یہ توکل ہوتا تو جس چیز کے شر سے خوف ہو اس کے پاس جانے سے منع کیا جاتا اور عجب نہیں کہ درندے اس مردار اونٹ کے کھانے میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس شخص سے غافل رہے ہوں کیوں کہ کبار صوفیہ میں سے ابوتراب نخشبی گزرے ہیں ان کو جنگل میں درندے ملے اور پھاڑ ڈالا۔ چنانچہ مر گئے۔

البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی کی اور اس کے حسن ظن کی وجہ سے اس کو نجات دی۔ ہم تو صرف اس کے فعل کی خطا بیان کرتے ہیں۔ عامی آدمی کے لیے کہ جب وہ اس حکایت کو سنے گا تو خیال کرے گا کہ بڑی عزیمت اور قوی یقین ہے اور بسا اوقات اس شخص کی حالت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت پر فضیلت دے گا کہ سانپ کو دیکھ کر بھاگے اور رسول اللہ ﷺ کی حالت سے بڑھائے گا کہ جب جھکی ہوئی دیوار سے ہو کر گزرے تو تیزی سے قدم اٹھائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت سے افضل جانے گا کہ غار کے سوراخوں کو اذیت کے خوف سے بند کیا تھا۔ حالانکہ اس مخالف شرع کا مرتبہ جو اپنے ظن فاسد سے خیال کرتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا وہی توکل ہے انبیا اور صدیقین کے مرتبہ سے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

---

[1] بخاری معلقاً: کتاب الطب، باب الجذام، رقم ۵۷۰۷۔ مسند احمد: ۲/۴۴۳، سنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/۲۱۸، کتاب النکاح، باب لا یورد ممرض علی مصح...... سلسلۂ صحیحہ: ۲/۴۱۴، رقم ۷۸۳۔

[2] اس میں ابراہیم بن اسحاق راوی ضعیف ہے: مسند احمد: ۲/۳۵۶۔ شعب الایمان: ۲/۱۲۳، باب التوکل والتسلیم، رقم ۱۲۵۹، ۱۳۶۰۔ ضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱/۶۱ فی ترجمۃ (۵۶) ابراہیم بن الفضل المخزومی۔ الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۱/۲۳۲، فی ترجمۃ ابراہیم بن الفضل المدنی۔

محمد بن عبداللہ فرغانی نے کہا: میں نے مؤمل مغابلی سے سنا، بیان کرتے تھے کہ میں محمد بن سمین کے ہمراہیوں میں تھا، ان کے ساتھ تکریت اور موصل کے درمیان سفر کر رہا تھا۔ ایک بار جنگل میں چلے جارہے تھے کہ قریب آ کر ایک شیر دھاڑا میری حالت متغیر ہوگئی۔ میں ڈر گیا اور خوف کے آثار میرے چہرے پر نمایاں ہوئے اور میں نے آگے بڑھ چلنے کا قصد کیا۔ محمد بن سمین نے مجھ کو تھاما اور کہا کہ اے مؤمل توکل کا کام یہاں ہے جامع مسجد میں نہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بے شک توکل کا وجود متوکل پر مصائب کے وقت ہی ظاہر ہوتا ہے لیکن توکل کی شرطوں میں سے یہ نہیں کہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے کیوں کہ یہ ناجائز ہے۔

خواص نے کہا کہ مجھ سے بعض مشائخ نے بیان کیا کہ علی رازی سے کسی نے کہا: ہم آپ کو ابوطالب جرجانی کے ساتھ کیوں نہیں دیکھتے۔ جواب دیا کہ ایک بار ہم دونوں ایک مقام میں تھے جہاں درندے تھے۔ جب ابوطالب نے مجھ کو دیکھا کہ نیند نہیں آئی تو مجھے دھتکار دیا اور کہا آج کے بعد تو میرے پاس نہ آنا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس نے اپنے ہمراہی پر زیادتی کی کہ اس سے ایسی چیز کا بدلنا چاہا جو اس کی طبیعت میں داخل ہے اور اس کے اختیار میں نہیں اور شریعت بھی اس سے اس کے بارے میں باز پرس نہ کرے گی (کہ تجھے درندوں کے مقام پر نیند کیوں نہ آئی) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس حالت پر قادر نہ ہوئے جب ہی تو سانپ سے بھاگے۔ لہٰذا اس تمام امر کی بنیاد جہالت ہے۔

احمد بن علی وجدی نے کہا کہ دینوری نے بارہ حج پا برہنہ اور سر کھلے کیے جب ان کے پاؤں میں کوئی کانٹا لگتا تھا تو پاؤں کو زمین سے رگڑتے تھے اور چلے چلتے تھے۔ کانٹا نکالنے کے لیے زمین کی طرف نہ جھکتے تھے تاکہ توکل صحیح رہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ غور کرو۔ جاہلوں کے ساتھ جہل کیا کیا کرتا ہے۔ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہیں کہ انسان پابرہنہ جنگل کو طے کرے کیوں کہ اس سے جان کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور سر کشادہ جانا بھی عبادت میں داخل نہیں اور اس سے کوئی قربت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر احرام کی مدت میں سر کھلے رہنا واجب نہ ہوتا تو سر ننگا رکھنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اس شخص کو کس نے حکم دیا تھا کہ اپنے پاؤں سے کانٹا نہ نکالے اور اس سے کون سی طاعت واقع ہوتی ہے اور اگر پاؤں کانٹے کی وجہ سے ورم کر آتا اور ضائع ہو جاتا تو اس شخص نے اپنے نفس کو خود تکلیف میں ڈالا اور پاؤں کو زمین سے رگڑنا بھی

تو کانٹے کی کچھ تکلیف دفع کر ہی دیتا ہے۔ پھر باقی کانٹا خود کیوں نہ نکالا۔ توکل میں اور ان افعال مخالف عقل وشریعت میں بڑا فرق ہے۔ کیوں کہ عقل وشریعت کا حکم ہے کہ اپنے نفس کو نفع پہنچائے اور ضرر کو اس سے دور کرے۔ خود شرع نے اجازت دی ہے کہ جس شخص کو احرام میں کوئی ضرر پہنچے تو احرام کی حرمت توڑ ڈالے اور فدیہ دے۔ عباس بن محمد دوری کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبیدہ سے سنا، کہتے تھے کہ آدمی کی عقل میں یہی تو آتا ہے کہ دھوپ چھوڑ دے اور سایہ میں چلے۔

علی بن عبداللہ بن جہضم نے کہا کہ میں نے ابوبکر رقی سے سنا، کہتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر دقاق نے بیان کیا کہ میں سال کے وسط میں مکہ کی طرف چلا اور ان دنوں میں نوجوان تھا اور میرے پاس ایک جھول تھا۔ جس کو آدھا کمر سے باندھا تھا اور آدھا کندھوں پر ڈالا تھا۔ راستے میں میری آنکھیں دکھنے آ گئیں، میں اپنے آنسوؤں کو اس جھول سے پونچھتا رہا۔ جھول نے اس مقام کو زخمی کر دیا اور آنسوؤں کے ساتھ خون نکلنے لگا۔ میں غایت ارادت اور کمال سرور کی وجہ سے خون اور آنسوؤں کو علیحدہ کرتا تھا۔ اس حج میں میری آنکھ جاتی رہی۔ جب دھوپ کی شدت کی وجہ سے میرے جسم کو لو لگ جاتی تھی تو میں اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور اپنی آنکھ پر رکھ لیتا تھا۔ کیوں کہ میں بلا (مصیبت) سے بہت خوش تھا۔ ابوبکر رازی نے کہا: میں نے ابوبکر دقاق سے پوچھا وہ یک چشم تھے کہ تمہاری آنکھ جاتے رہنے کا کیا سبب ہے۔ جواب دیا کہ میں توکل پر جنگل کو جایا کرتا تھا، میں نے اپنے جی میں عہد کیا کہ قافلہ والوں سے مانگ کر کچھ نہ کھاؤں گا تا کہ تورع قائم رہے۔ بھوک کی تکلیف سے میری ایک آنکھ رخسارے پر بہہ آئی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مبتدی آدمی جب اس شخص کا قصہ سنے گا تو سمجھے گا کہ یہ مجاہدہ ہے حالانکہ یہ حرکت کئی قسم کے گناہوں اور شریعت کی خلاف ورزی کو جامع ہے۔ ایک یہ کہ یہ شخص نصف سال گزرنے پر تنہا چلا۔ پھر بغیر توشہ کے سفر کیا اور جھول کا لباس بنایا اور اس سے اپنی آنکھ پونچھی۔ پھر یہ خیال کیا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ قربت الٰہی امر مشروع میں امر ممنوع سے نہیں ہوتی۔ اگر آدمی کہے کہ میں اپنے نفس کو لکڑی سے ماروں گا کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے تو عاصی ہوگا۔ اور اس شخص کا اس حالت پر خوش ہونا

خطائے قبیح ہے۔ کیوں کہ بلا سے اس وقت خوش ہونا چاہیے کہ بغیر سبب کے نازل ہو۔ اگر کوئی آدمی خود اپنے پیر توڑ ڈالے اور پھر اس مصیبت سے خوش ہو تو نہایت احمق ہوگا پھر حالت اضطرار میں اس شخص کا سوال نہ کرنا اور اپنے نفس پر بھوک کی سختی برداشت کرنا حتیٰ کہ اس کی آنکھ بہہ گئی، اور اس کا نام تورّع رکھنا سب خلافِ شرع ہے (ظاہر پرست) زاہدوں کی حماقتیں ہیں۔ جن کو جہالت اور لاعلمی نے پیدا کیا۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جو بھوکا ہوا اور سوال نہ کرے یہاں تک کہ مر جائے تو دوزخ میں جائے گا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فقہا کے کلام کو دیکھنا چاہیے کہ کیسا اچھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھوکے کو سبب پیدا کرنے کی قوت دی ہے۔ جب اسباب ظاہری نہ رہیں تو اس کو سوال کرنے کی قدرت ہے جو اس حالت میں بمنزلہ مکسب کے ہو جائے گی۔ اب جو وہ اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے نفس کی محافظت میں کمی کی اور نفس اس کے پاس ایک امانت ہے لہٰذا عذاب کا مستحق ہوا۔

اس شخص کی آنکھ جانے کے بارے میں جو کچھ مذکور ہوا اس سے بھی بڑھ کر ایک اور واقعہ سنیے۔ ابو علی روذباری ابوبکر دقاق سے نقل کرتے ہیں کہ میں عرب کے ایک قبیلہ کا مہمان ہوا۔ وہاں میں نے ایک خوب صورت لڑکی دیکھی۔ میں نے اس کی طرف نظر کی تو میں نے اپنی آنکھ نکال ڈالی جس سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ تو اس نے کہا تم جیسا اللہ کے واسطے دیکھتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دیکھو اس شخص کی جہالت کو جو شریعت اور عبادت سے بعید ہے۔ کیوں کہ اگر اس نے اس کی طرف بلا قصد دیکھا تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر قصداً دیکھا تو صغیرہ گناہ کیا جس میں ندامت کافی تھی۔ لیکن اس نے اس کے ساتھ ایک کبیرہ گناہ ملا دیا اور وہ اپنی آنکھ نکال ڈالنا ہے اور اس سے توبہ نہیں کی کیوں کہ اس نے اعتقاد رکھا کہ اس کا نکال ڈالنا قرب الٰہی ہے اور جو شخص امر ممنوع کو قربت سمجھے تو اس کی خطا انتہا کو پہنچ گئی اور شاید اس نے یہ حکایت بعض بنی اسرائیل سے سنی کہ کسی اسرائیلی نے ایک عورت کو دیکھا تو اپنی آنکھ نکال ڈالی۔ یہ حکایت باوجود بُعدِ صحت کے ممکن ہے کہ ان کی شریعت میں جائز ہو لیکن ہماری شریعت نے اس کو حرام کر دیا اور اس قوم (صوفیہ) نے خود ایک شریعت ایجاد کر کے اس کا نام تصوف رکھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ دی۔

بعض صوفیہ عابدہ عورتوں سے بھی اس قسم کی حکایتیں نقل کی گئی ہیں۔ شعرانے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صالحہ عورت رہتی تھی۔ ایک روز بازار گئی۔ کسی آدمی نے اس کو دیکھا اور فریفتہ ہوگیا اور اس کے مکان تک اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ اس عورت نے اس سے کہا: اے شخص! تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ وہ بولا کہ میں تجھ پر مفتون ہوگیا ہوں۔ پوچھنے لگی کہ تجھ کو میری کون سی چیز پسند آئی۔ اس نے کہا: تیری آنکھیں اچھی ہیں۔ وہ عورت گھر میں گئی اور اپنی آنکھیں نکال ڈالیں، اور دروازے کے پاس آکر اس شخص کی طرف پھینکیں اور کہا: یہ آنکھیں لے جا خدا تجھ کو برکت نہ دے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرے بھائیو! دیکھو تو سہی کہ شیطان جاہلوں کے ساتھ کیسا کھیلتا ہے۔ یہ آدمی تو اس عورت کی وجہ سے گناہ صغیرہ ہی میں پڑا تھا۔ مگر وہ اس کی وجہ سے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوئی اور پھر یہ سمجھی کہ اس کی یہ حرکت گویا عبادت ہے۔ علاوہ ازیں اس کو یہ بھی تو چاہیے تھا کہ غیر آدمی سے بات نہ کرتی۔ مگر بعض صوفیہ سے اس کے خلاف بھی پایا گیا۔ چنانچہ ذوالنون کہتے ہیں کہ میں جنگل میں ایک عورت سے ملا۔ اس نے مجھ سے باتیں کیں اور میں نے اس سے گفتگو کی۔ انہیں بزرگ پر ایک بیدار دل عورت نے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن یعقوب عرجی کہتے ہیں میں نے ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ دریائی جیسی زمین میں میں نے ایک عورت دیکھی اور اس کو پکارا۔ وہ بولی کہ مردوں سے بات کرنے کا کیا کام۔ اگر تمہاری عقل میں فتور نہ ہوتا تو میں تم کو کچھ اٹھا کر مارتی۔

اسمٰعیل بن نجید نے کہا کہ ابراہیم ہروی ستیہ کے ہمراہ صحرا کو گئے۔ ستیہ نے ان سے کہا کہ علائق دنیاوی میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہو اسے پھینک دو۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے تمام چیزیں پھینک دیں اور ایک دینار رکھ لیا۔ چند قدم چل کر ستیہ نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو اور میرے باطن کو پراگندہ نہ کرو۔ میں نے دینار نکال کر ان کو دیا، انہوں نے پھینک دیا۔ پھر چند قدم چل کر کہا! جو کچھ تمہارے پاس ہو پھینک دو۔ میں نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا باطن اب تک پراگندہ ہے۔ پھر مجھے یاد آیا کہ میرے پاس ایک تسموں کا دستہ ہے، میں نے کہا: میرے پاس فقط یہ دستہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے دستہ لے کر

پھینک دیا اور کہا کہ اب چلو۔ ہم دونوں چلتے گئے۔ راہ میں مجھ کو جب کہیں تسمہ کی ضرورت ہوئی تو جنگل میں اپنے سامنے پڑا پایا۔ سبتیہ نے مجھ سے کہا کہ دیکھو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق معاملت سے پیش آتا ہے اس سے یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ سب حرکتیں خطا ہیں اور مال کا پھینک دینا حرام ہے اور تعجب اس شخص پر آتا ہے جو اپنی مملوک چیز کو پھینکتا ہے اور اس چیز کو لیتا ہے کہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آئی۔

علی بن محمد بن مصری سے میں نے سنا، کہتے تھے کہ مجھ سے ابوسعید خزاز نے بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ بغیر توشہ کے جنگل میں داخل ہوا، مجھ کو فاقہ گزرا۔ میں نے دور سے منزل کو دیکھا میں اپنے قریب پہنچنے پر خوش ہوا۔ پھر اپنے جی میں سوچا کہ میں نے برا کیا اور غیر خدا پر بھروسہ کیا۔ لہٰذا میں نے قسم کھائی کہ بغیر کسی کے لے جائے ہوئے منزل تک نہ جاؤں گا۔ میں نے وہیں ریت میں اپنے لیے ایک گڑھا کھودا اور اپنے بدن کو سینہ تک اس میں پوشیدہ کیا۔ آدھی رات گزرنے پر میں نے ایک بلند آواز سنی کہ اے اہل قریہ ایک اللہ کا ولی اپنے آپ کو اس ریگ بیابان میں چھپائے ہوئے ہے اس کی خبر لو۔ اس گاؤں سے کچھ لوگ آئے اور مجھ کو گاؤں میں اٹھا کر لے گئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس شخص نے اپنی طبیعت پر ظلم کیا۔ کیوں کہ اس سے وہ کام چاہا جس کے لیے وہ نہیں بنائی گئی۔ کیوں کہ آدمی کی طبیعت میں داخل ہے کہ جس چیز کو محبوب رکھتا ہے خوشی سے اس کی طرف جاتا ہے۔ اگر پیاسا پانی کی طرف اور بھوکا کھانے کی جانب شوق سے جائے تو قابل ملامت نہیں۔ علی ہذا القیاس ہر ایک شخص جو اپنی محبوب چیز کی طرف خوش ہو کر دوڑے۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تھے اور مدینہ ظاہر ہوتا تھا تو بوجہ محبت وطن کے چلنے میں تیزی فرماتے تھے'' [1] اور ''جب مکہ سے واپس ہوتے تھے تو کمال شوق کے سبب سے اس کو مڑ مڑ کر دیکھتے تھے۔'' [2] بلال رضی اللہ عنہ مدینہ میں فرمایا کرتے تھے کہ عتبہ اور شیبہ پر اللہ لعنت کرے۔ انہوں نے ہم کو مکہ سے نکال دیا اور یہ شعر پڑھتے تھے:

---

[1] بخاری: کتاب فضائل المدینۃ، باب المدینۃ تنفی الخبث، رقم ۱۸۸۶۔ مسلم: کتاب الحج، باب احد جبل یحبنا ونحبہ رقم ۳۳۷۱، ۵۹۴۸۔ ترمذی: کتاب الدعوات، باب الیضا عہ راحلتہ وتحریک دابتہ عند نظرہ الی جدران المدینۃ، رقم ۳۴۴۱۔

[2] ترمذی: کتاب المناقب، باب فی فضل مکۃ، رقم ۳۹۲۵۔ ابن ماجۃ: کتاب المناسک، باب فضل

اَلَا لَیْتَ شِعْرِی هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِی اِذْخِرٌ وَجَلِیْلٌ

''کاش یہ معلوم ہوتا کہ کوئی رات ایسی آئے گی کہ میں وادی مکہ میں شب باش ہوں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (یہ گھاس کے نام ہیں) ہوگی۔''

اب جو شخص مقتضائے علم وعقل پر عمل کرنے سے اعتراض کرے تو اس سے خدا بچائے۔ علاوہ ازیں اپنے آپ کو نماز باجماعت سے باز رکھنا بھی عین قبیح ہے۔اس بات میں کیا تقرب الٰہی ہے یہ تو محض جہالت ہے۔

بکر بن محمد کہتے ہیں کہ میں ابوالخیر نیشاپوری کے پاس تھا وہ بلا تکلف مجھ سے باتیں کرنے لگے تو اپنی ابتدا کا ذکر کیا یہاں تک کہ میں نے ان سے ان کے ہاتھ کٹ جانے کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ اس نے قصور کیا تو کاٹا گیا۔ پھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ ان کے پاس گیا تو لوگوں نے ان سے ہاتھ کٹ جانے کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ میں نے ایک سفر کیا تھا۔ یہاں تک کہ اسکندریہ پہنچا اور وہاں بارہ برس رہا۔ میں نے وہاں ایک جھونپڑی بنائی میں وہاں رات کی رات آیا کرتا تھا اور رباط والوں کے شکار پر افطار کرتا اور دستر خوان کا جھوٹا کتوں سے چھین لاتا اور جاڑوں میں جڑیں کھالیتا۔ تو میرے باطن میں مجھے آواز دی گئی کہ اے ابوالخیر! تیرا خیال یہ ہے کہ مخلوق کو ان کی روزی کے بارے میں زحمت نہیں دیتا، اور توکل پر سفر کرتا ہے حالانکہ تو قوم کے بیچ میں بیٹھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا تیری عزت کی قسم! میں اپنے ہاتھ اس چیز کی طرف نہیں بڑھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسی جگہ سے مجھ کو رزق پہنچے کہ میرا اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ تو بارہ روز تک فقط فرض وسنت ادا کرتا رہا پھر سنت بھی نہ پڑھ سکا تو بارہ روز تک فقط فرض ادا کرتا رہا۔ پھر قیام سے عاجز ہو گیا تو بارہ روز تک قیام کیا پھر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہا۔ پھر بیٹھنے کی طاقت نہ رہی۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے آپ کو گرا دیا ہے۔ پھر میں نے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور عرض کیا کہ اے میرے معبود اور آقا! تو نے مجھ پر فرض مقرر کیا جس کے بارے میں تو مجھ سے سوال کرے گا اور میرے لیے روزی مقدر کی جس کا تو ضامن ہوا ہے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو روزی پہنچا اور تیرے ساتھ جو میں نے

عقیدہ کیا ہے اسکے بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ کر۔ تیری عزت کی قسم ہے کہ میں کوشش کروں گا کہ تیرے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کو نہ توڑوں۔ یکایک میں نے دیکھا کہ میرے آگے دو روٹیاں اور ان میں کچھ سالن تھا، میں ہمیشہ وہ کھانا پاتا رہا اور ایک رات سے دوسری رات تک اس پر بسر کرتا رہا۔ پھر مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ قلعہ کی طرف جاؤں۔ میں چلا، شہر میں آیا تو مسجد میں ایک واعظ کو دیکھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا تھا کہ جب ان کے سر پر آرہ چلا تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ مجھ تک تیری آہ کی آواز آئی تو تیرا نام دفتر نبوت سے مٹا دوں گا۔ زکریا علیہ السلام نے صبر کیا حتیٰ کہ دو ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ میں نے کہا: فی الحقیقت زکریا علیہ السلام بڑے صابر تھے۔ اے میرے معبود اور میرے آقا! اگر تو میرا امتحان کرے گا تو میں صبر کروں گا۔ پھر میں وہاں سے چلا اور انطاکیہ میں داخل ہوا۔ میرے بعض احباب نے دیکھا اور جانا کہ میں حدود سرحد کا ارادہ رکھتا ہوں تو مجھ کو ایک تلوار، ایک ڈھال اور ایک کوڑا دیا تو میں سرحدی علاقہ میں داخل ہوا۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتا تھا کہ دشمن کے خوف سے دیوار کے پیچھے چھپ جاؤں۔ میں نے اپنا مقام ایک جنگل قرار دیا تھا کہ میں وہاں رہتا تھا اور رات کو دریا کے کنارے جاتا تھا اور ساحل پر اپنے ہتھیار گاڑتا تھا اور ڈھال کو محراب کی طرف ان کے سہارے کھڑے کرتا تھا اور تلوار کو حمائل کر کے صبح تک نماز پڑھتا تھا۔ بعد ادائے نماز صبح کو پھر اسی جنگل کی طرف چلا جاتا تھا اور دن بھر میں وہیں رہتا تھا۔ ایک روز میں نکلا اور مجھے ایک درخت ملا۔ اس کے پھل مجھ کو اچھے معلوم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ بھول گیا اور قسم کی یاد نہ رہی کہ کسی چیز کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا جو زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور کچھ پھل توڑے۔ پھل میرے منہ میں تھا اور اس کو کھا رہا تھا کہ وہ عہد وقسم یاد آئی۔ میں نے جو منہ میں تھا پھینک دیا اور وہیں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ میرے پاس کچھ سوار آئے اور بولے کہ کھڑا ہو۔ مجھ کو ساحل کی طرف لے گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سردار ہے اور اس کے گرد سوار اور پیادے ہیں اور اس کے سامنے ایک حبشیوں کی جماعت تھی جو رہزنی کرتے تھے اور سردار نے ان کو پکڑا تھا اور جو لوگ بھاگ گئے تھے ان کی تلاش میں سوار ادھر ادھر گئے تھے۔ انہوں نے مجھ کو بھی تلوار، ڈھال اور ہتھیار دیکھ کر حبشی جانا۔ جب میں سردار کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا کہ

تو کون ہے۔ میں نے کہا کہ بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔ پھر حبشیوں سے دریافت کیا کہ تم اس کو پہچانتے ہو، وہ بولے نہیں۔ سردار نے کہا کہ کیوں نہیں یہ تو تمہارا سردار ہے تم اپنی جانیں دے کر اس کو بچانا چاہتے ہو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا ڈاکو آگے بڑھائے گئے۔ ایک ایک آدمی آگے بڑھایا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے یہاں تک کہ میری نوبت آئی۔ مجھ سے کہا کہ آگے آکر اپنا ہاتھ بڑھا۔ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا اور وہ کاٹا گیا پھر کہا کہ پاؤں سامنے لا۔ میں نے پاؤں بڑھایا۔ اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے میرے معبود! میرے ہاتھ نے تو گناہ کیا تھا میرے پاؤں نے کیا خطا کی تھی۔ اتنے میں ایک سوار آیا اور حلقہ میں آکر کھڑا ہوا اور زمین میں اپنے آپ کو گرا کر چلایا کہ اے لوگو! یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ زمین آسمان مل کر ایک ہو جائیں۔ یہ شخص مرد صالح ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے۔ سردار یہ سن کر زمین پر گر پڑا اور میرے دست بریدہ زمین سے اٹھا کر بوسہ دینے لگا اور مجھ کو لپٹ کر میرے سینہ اور ہاتھوں کو چومنے لگا اور کہا کہ خدا کے لیے مجھ کو معاف فرمائیے۔ میں نے کہا کہ جب تم نے ہاتھ کاٹنا شروع کیا تھا میں جبھی معاف کر چکا تھا کیوں کہ اس ہاتھ نے گناہ کیا تھا اس لیے کاٹا گیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غور کرنا چاہیے کہ بے علمی نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ حالانکہ اہل خیر میں سے تھا۔ اگر یہ شخص علم رکھتا تو جانتا کہ جو کچھ اس نے کیا وہ اس پر حرام تھا۔ عابدوں اور زاہدوں کے حق میں ابلیس کا معاون جہل سے زیادہ کوئی نہیں۔

اسناداً روایت ہے کہ ابن حدیق نے کہا: ہم حاتم اصم کے ساتھ مصیصہ میں داخل ہوئے۔ حاتم نے عہد کیا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا جب تک خود میرا منہ نہ کھولا جائے اور کھانے کی چیز اس میں نہ رکھی جائے۔ اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم ادھر ادھر چلے جاؤ اور خود بیٹھ گئے۔ نو دن تک بیٹھے رہے اور کچھ نہ کھایا جب دسواں روز ہوا تو ان کے پاس ایک شخص آیا اور ان کے سامنے کھانے کی شے رکھی اور کہا کہ اسے کھاؤ۔ حاتم نے کچھ جواب نہ دیا تو اس نے تین مرتبہ کہا، اس نے جواب نہ دیا تو اس نے کہا کہ یہ دیوانہ آدمی ہے ایک لقمہ درست کر کے ان کے منہ کی طرف لے گیا۔ حاتم نے اپنا منہ نہ کھولا اور نہ اس سے کلام کیا اور اس شخص نے ایک کنجی نکالی جو اس کی

آستین میں تھی اس کنجی سے ان کا منہ کھول کر کہا کہ کھاؤ اور لقمہ ان کے منہ میں ٹھونس دیا۔ حاتم نے کھایا، پھر اس شخص سے بولے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ اس کھانے سے تم کو نفع پہنچائے تو ان لوگوں کو کھلا دو۔ اپنے ہمراہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

قاضی احمد بن سیار نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک سفر میں ایک شیخ کے ساتھ اور چند لوگ تھے۔ توکل کا کچھ ذکر آیا۔ رزق کا اور نفس کے ضعف وقوت کا دربارۂ توکل تذکرہ ہوا۔ شیخ نے کہا: میرے ساتھ آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ یہ کہہ کر بڑی سخت قسمیں کھائیں کہ میں کوئی کھانے کی چیز نہ چکھوں گا حتیٰ کہ گرم گرم فالودہ کا پیالہ میرے پاس بھیجا جائے تو بھی نہ کھاؤں گا۔ یہاں تک کہ مجھ کو قسم دی جائے۔ ہم لوگ صحرا کی طرف جا رہے تھے۔ شیخ کو ایک دوسری جماعت نے کہا کہ جاہل ہے۔ ہم چلتے چلتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ ایک دن اور دو راتیں گزر گئیں۔ شیخ نے کچھ نہ کھایا۔ جماعت نے ان کو چھوڑ دیا۔ فقط میں ان کے ساتھ رہا۔ اس گاؤں کی مسجد میں وہ لیٹ رہے اور ضعف کے مارے گویا اپنے آپ کو موت کے سپرد کر دیا۔ میں ان کے پاس رہا جب چوتھا دن ہوا اور آدھی رات گزری اور شیخ مرنے کے قریب ہوئے یکا یک مسجد کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام لڑکی ایک طبق سر پوش دار لیے ہوئے آئی۔ جب ہم کو اس نے دیکھا تو پوچھنے لگی کہ تم مسافر ہو یا گاؤں والے۔ ہم نے کہا کہ مسافر ہیں۔ اس نے وہ طبق کھولا اور ایک فالودہ کا پیالہ جو گرمی کی وجہ سے جوش مارتا تھا نکالا اور کہنے لگی کہ کھاؤ۔ میں نے شیخ سے کہا کہ اس کو کھائیے۔ جواب دیا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ لڑکی نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور زور سے طمانچہ مارا اور کہنے لگی کہ واللہ! اگر تو نہ کھائے گا تو ہم یوں ہی تجھے طمانچہ مارتے رہیں گے حتیٰ کہ تو کھائے۔ شیخ نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ کھا۔ ہم دونوں نے کھایا اور پیالہ خالی کر دیا۔ جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اس لڑکی سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ پیالہ کیسا ہے۔ وہ بولی کہ میں اس گاؤں کے رئیس کی لونڈی ہوں وہ ایک تند مزاج شخص ہے۔ ہم سے فالودہ کا پیالہ مانگا ہم اس کے لیے فالودہ تیار کرنے لگے تو اس میں دیر لگی۔ پھر اس نے جلدی کی تو ہم نے کہا بہت اچھا۔ پھر اس نے جلدی کی تو ہم نے کہا بہت اچھا، تو اس نے طلاق کی قسم کھائی کہ یہ پیالہ نہ میں کھاؤں گا اور نہ کوئی گھر کا اور نہ کوئی گاؤں کا اور فقط مسافر

آدمی کھائے ہم مسجدوں میں فقیروں کو تلاش کرنے لگے۔ تمہارے سوا کوئی نہ ملا اور اگر یہ شیخ نہ کھاتا تو اس کو برابر مارتی۔ حتیٰ کہ کھالیتا تا کہ میری مالکہ کو ان کے شوہر کی جانب سے طلاق نہ پڑتی۔ شیخ نے مجھ سے کہا کہ کیوں تم نے دیکھا، جب خدا رزق پہنچاتا ہے تو یوں دیتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بسا اوقات جاہل آدمی اس قصہ کو سن کر اعتقاد کرے گا کہ یہ کرامت ہے۔ حالانکہ اس شخص نے جو کچھ کیا برا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو آزماتا ہے اور اس پر قسم کھاتا ہے اور اپنے نفس پر حملہ کرتا ہے اور یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا۔ ہم اسکا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی فرمائی۔ مگر بات یہ ہے کہ اس نے خلاف صواب کیا اور بسا اوقات اس کا جاری کرنا ردی ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا اور اس کا کوئی رتبہ ہے۔ ایسی حکایت حاتم رازی کی ہے جو پہلے گزری کیوں کہ اگر وہ صحیح ہو تو بے علمی اور ناجائز کام کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ کیوں کہ انہوں نے گمان کیا کہ توکل اسباب کے ترک کر دینے کا نام ہے۔ اگر وہ اپنے واقع کے مقتضی پر عمل کرتے تو نہ کھانے کو چباتے اور نہ نگلتے۔ پھر اس بے فائدہ کام میں کون سے قربت الٰہی ہے اور میں ان میں سے اکثر باتوں کو مالیخولیا سمجھتا ہوں۔ یہ جاہلوں کے ساتھ شیطان کا کھیل ہے۔ ان میں علم شرع کی کمی کی وجہ سے (شیطان ان سے کھیلتا رہتا ہے)

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد طبری کہتے ہیں کہ مجھ سے جعفر خلدی نے ذکر کیا کہ میں نے عرفات پر چھپن (۵۶) بار وقوف کیا۔ جن میں اکیس مرتبہ موافق مذہب تھا۔ میں نے ابو اسحٰق سے دریافت کیا کہ موافق مذہب سے ان کی کیا مراد تھی۔ جواب دیا کہ ناشریہ کے پل پر چڑھتے تھے اور اپنی دونوں آستینیں پھاڑ دیتے تھے تا کہ سب جان جائیں کہ ان کے ساتھ توشہ اور پانی کچھ نہیں، پھر تلبیہ پکارتے تھے اور چلتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ مخالفِ شرع ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوْا﴾ [1] الخ یعنی ''اپنے ساتھ توشہ لو۔'' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توشہ ہمراہ لے گئے ہیں۔ یوں کہنا ممکن نہیں کہ یہ آدمی مہینوں کی مدت تک کسی چیز کی حاجت نہیں رکھتا۔ پھر اگر وہ حاجت مند ہوا اور ہلاک ہو گیا تو گنہگار ہو گیا اور اگر لوگوں سے تعرض کرے گا اور ان سے کچھ مانگے تو دعویٰ توکل کے لیے یہ بات کافی نہ ہوگی اور اگر یہ ادعا

[1] ۲/البقرۃ:۱۹۷۔

کرے کہ خدا تعالیٰ اس کا اکرام فرمائے گا اور بلا سبب اس کو رزق پہنچے گا تو اس کی نظر اس پر ہے کہ وہ اس اکرام کا خود کو حق دار سمجھتا ہے۔ بہر حال اگر وہ شریعت کی پیروی کرتا اور توشہ باندھتا تو اس کے لیے ہر حال میں بہتر تھا۔

ابو شعیب مقفع کی نسبت مجھ کو بہت تعجب انگیز واقعہ معلوم ہوا کہ انہوں نے پیادہ پا چل کر ستر حج کیے۔ ہر حج میں بیت المقدس کے ٹیلے سے احرام باندھا اور میدان تبوک میں توکل پر داخل ہوئے۔ جب آخری حج کو گئے تھے تو راہ میں ڈیکھا کہ جنگل میں ایک کتا پیاس کے مارے زبان نکال رہا ہے پکار کر بولے کہ کون ہے جو ایک گھونٹ پانی کے بدلے ستر حج خریدے۔ ایک شخص نے پیاس بجھانے بھر پانی ان کو دیا۔ انہوں نے کتے کو پلایا اور کہا کہ یہ عمل ستر حج سے بہتر ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر ذی روح کے ساتھ نیکی کرنے میں اجر ملتا ہے۔'' [1] میں کہتا ہوں کہ میں نے ان امور کا اس واسطے ذکر کیا ہے کہ دانا سیر کرے ان لوگوں کے مبلغ علم کی اور توکل وغیرہ کے بارے میں ان کے فہم کی، اور احکام شرع کے بارے میں ان کی مخالفت کی۔ اور میں نہیں جانتا کہ ان میں سے جو شخص خالی ہاتھ باہر نکلے تو وضو اور نماز کے بارے میں کیا کرے گا اور کپڑا پھٹ جائے اور اس کے پاس سوئی نہ ہو تو کیا کرے گا اور ان کے بعض مشائخ مسافر کو سفر سے پہلے سامان لے لینے کا حکم کرتے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابراہیم خواص توکل میں یکتا تھے۔ اس میں بال کی کھال نکالتے تھے مگر سوئی، ڈور، مشکیزہ اور قینچی کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ آپ یہ چیزیں کیوں جمع کرتے ہیں حالانکہ آپ ہر شے سے منع کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ ایسی چیزوں سے توکل میں نقصان نہیں آتا۔ کیوں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فرائض ہیں۔ فقیر کے جسم پر صرف ایک کپڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات اس کا کپڑا پھٹ جاتا ہے اگر اس کے پاس سوئی ڈورا نہ ہو تو اس کی شرمگاہ کھل جائے اور نماز فاسد ہو اور اگر اس کے ساتھ مشکیزہ یا لوٹا نہ ہو تو اس کی طہارت فاسد ہوگی۔ جب تم کسی فقیر کو بغیر سوئی اور ڈورے اور لوٹے کے دیکھو تو نماز کے

---

[1] مسند احمد: ۴/۱۷۵، ۲/۲۲۲، ۲۷۵، ۵۱۷۔ بخاری، رقم (۲۳۶۳) مسلم، رقم (۵۸۵۹) ابوداؤد رقم (۲۵۵۰)۔ اور ابن ماجہ، رقم (۳۶۸۶)

بارے میں اس کو متہم کرو (یعنی وہ نماز کے آداب بجا نہیں لاتا)

سفر سے واپسی کے وقت صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس قوم کا مذہب ہے کہ مسافر جب سفر سے آئے اور رباط میں داخل ہو اور وہاں پر لوگ ہوں تو ان کو سلام نہ کرے۔ بلکہ پہلے وضو کرنے کے مقام پر جائے وہاں وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر شیخ کو سلام کرے۔ بعد ازاں لوگوں کو سلام کرے۔ یہ بدعت خلاف شریعت متاخرین صوفیہ نے نکالی ہے۔ کیوں کہ فقہائے اسلام کا اجماع ہے کہ جو شخص جماعت پر داخل ہو سنت ہے کہ ان کو سلام کرے خواہ وضو ہو یا نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ نے یہ مذہب چھوٹے لڑکوں سے لیا ہے۔ کیوں کہ اکثر جب کسی بچے سے کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو سلام کیوں نہیں کیا تو جواب دیتا ہے کہ میں نے ابھی اپنا منہ نہیں دھویا۔ شاید یہ بات لڑکوں نے انہیں بدعتیوں سے سیکھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "چھوٹے کو چاہیے کہ بڑے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ جماعت کو سلام کریں۔" [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ نیز صوفیہ کا مذہب ہے کہ جب کوئی سفر سے آئے تو اس کو (جسم) دبوانا چاہیے۔ چنانچہ ابوزرعہ طاہر ابن محمد نے ہم کو خبر دی کہ ان کے باپ نے اپنی تصنیف میں ایک باب باندھا ہے کہ جو سفر سے آئے تو بوجہ ماندگی کے پہلی رات جسم دبوانے میں سنت طریقہ کیا ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک آپ کا غلام حبشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک دبا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حال ہے؟ فرمایا کہ "اونٹنی نے مجھ کو گرا دیا۔" [2]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میرے بھائیو! اس شخص کے حدیث مذکور سے سند پکڑنے پر غور

---

[1] بخاری: کتاب الاستئذان، باب تسلیم القلیل علی الکثیر، رقم ۶۲۳۱ واللفظ لہ۔ مسلم: کتاب السلام، باب یسلم الراکب علی الماشی...... رقم ۵۶۴۶۔ ابوداؤد: کتاب الادب، باب من اولی بالسلام، رقم ۵۱۹۸۔ ترمذی: کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی تسلیم الراکب علی الماشی، رقم ۲۷۰۴۔ مسند احمد: ۲/۳۱۴۔

[2] اس میں عبداللہ بن زید بن اسلم راوی ہے اسکو ابن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ کشف الاستار: ۳/۳۹۳، کتاب الطب، باب غمز الظہر، رقم ۳۰۳۳۔ مجمع الزوائد: ۵/۹۶، کتاب الطب باب غمز الظہر من الالم، المعجم الاوسط للطبرانی: ۸/۹۵، رقم ۸۰۷۷۔ کنز العمال: ۷/۲۱۲، فی شمائل متفرقۃ، رقم ۱۸۶۶۸۔

کرواس کواس مضمون کا باب باندھنا چاہیے تھا کہ جس شخص کو اونٹنی گرادے اس کا جسم دبانا کس طرح سنت ہے اور سنت دبانا پیٹھ کا ہوگا نہ کہ قدم کا۔ یہ کہاں سے ان کو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ سفر میں تھے اور دبائے گئے اول رات میں۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کا پیٹھ دبانا جیسا کہ اتفاق ہوا تھا بوجہ درد پشت کے سنت کرنا چاہیے۔ ایسے قصہ کے ذکر کرنے سے اس کے استخراج کا چھوڑ دینا بہتر ہے۔ صوفیہ کا مذہب یہ بھی ہے کہ جو سفر سے واپس آئے اس کی دعوت کی جائے۔

ابن طاہر نے ایک باب باندھا جس میں بیان کیا ہے کہ صوفیہ سفر سے آنے والے کے لیے عیش منائیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے حجت پکڑی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر کیا۔ ”قریش میں سے ایک لڑکی نے منت مانی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بخیر واپس لائے تو میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دف بجاؤں گی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں دف بجالے۔“ [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہم بیان کر چکے کہ دف مباح ہے چونکہ اس لڑکی نے ایک امر مباح کی نذر کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر۔ اس حدیث سے مسافر کے واپس آنے کے وقت ناچ اور گانے پر کیونکر حجت پکڑی جاسکتی ہے۔

صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان جب ان کے یہاں کوئی مرجائے

اس بارے میں شیطان کی بہت سی تلبیسات ہیں:

تلبیس اول: یہ کہ وہ کہتے ہیں ہم کو کسی مرنے والے پر رونا نہ چاہیے۔ جو شخص کسی مردہ کو رویا تو اہل عرفان کے طریقہ سے نکل گیا۔ ابن عقیل نے کہا کہ یہ دعویٰ شریعت پر زیادتی ہے اور یہ بات کم عقلی ہے۔ عادات اور طبائع سے خارج ہے اور مزاج متعدل سے پھر جانے کی باتیں ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ ایسے شخص کا علاج ان دواؤں سے کیا جائے جو مزاج کو اعتدال پر لائیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بزرگ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت خبر دی ہے۔

---

[1] ترمذی: کتاب المناقب، باب قولہ، ان الشیطان لیخاف منک یا عمر، رقم ۳۶۹۰۔ مسند احمد: ۵/۳۵۳۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/۷۷، کتاب النذور، باب مایوفی بہ من نذر ما یکون مباحا۔ تلخیص الحبیر: ۴/۲۰۲، کتاب الشہادات، رقم ۲۱۲۳۔ سلسلۂ صحیحہ: ۴/۱۴۲، رقم ۱۶۰۹۔

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ❶

''یعنی غم کے مارے روتے روتے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں۔''

اور کہتے تھے کہ ﴿يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ﴾ ❷ یعنی ''ہائے افسوس یوسف کیسا چلا گیا۔''

رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے کی موت پر روئے اور فرمایا کہ ((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ)) آنکھیں ضرور آنسو بہاتی ہیں ❸ اور فرمایا: ((وَاكَرْبَاهُ)) ❹ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی وفات پاتے وقت کہا تھا ((وَاكَرْبَ أَبَتَاهُ)) ❺ تو کسی نے برا نہ منایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متمم کو سنا کہ اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتا تھا جس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:

''ہم دونوں بھائی ایک مدت دراز تک ایسے ساتھ رہے جس طرح جذیمہ بادشاہ کے دو مصاحب تھے حتیٰ کہ لوگ خیال کرتے تھے اب کبھی جدا نہ ہوں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کاش میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا۔ متمم نے جواب دیا کہ اگر میرا بھائی اس طرح مرتا جس طرح آپ کے بھائی نے قضاء کی تو میں اس کا مرثیہ نہ کہتا۔ متمم کا بھائی مالک کفر پر مرا تھا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خوش ہوکر) فرمایا کہ اے متمم کسی نے میرے بھائی کی تعزیت ایسی نہیں کہ جیسی تو نے کی۔ علاوہ ازیں خیال کرنا چاہیے کہ اونٹ ایسا سخت کلیجے والا جانور اپنی جائے مالوفہ، اپنی آرامگاہ اور اپنے آدمیوں کے لیے زاری کرتا ہے اور اپنے بچے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور پرندے تک شور مچاتے ہیں۔ جو کوئی بلا میں مبتلا ہوگا وہ ضرور ہی تضرع

---

❶ ۱۲/ یوسف: ۸۴۔ ❷ ۱۲/ یوسف: ۸۴۔ ❸ بخاری: کتاب الجنائز، باب قول النبی انا بک لمحزونون، رقم ۱۳۰۳۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب رحمتہ الصبیان والعیال وتواضعہ، رقم ۶۰۲۵۔ ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت، رقم ۳۱۲۶۔ ❹ قال ابن الجوزی، ھذا حدیث موضوع محال ...... الموضوعات: ۱/ ۲۹۵، ۳۰۱، باب فی ذکر وفاتہ۔ المعجم الکبیر: ۳/ ۶۰، رقم ۲۶۷۶۔ مجمع الزوائد: ۹/ ۳۰، کتاب علامات النبوۃ۔ حلیہ الاولیاء: ۴/ ۷۶، ۸۱، رقم ۴۸۰۶، فی ترجمۃ (۲۵۰) وھب بن منبہ۔ تنزیہ الشریعۃ: ۱/ ۳۲۶، ۳۳۱، کتاب المناقب والمثالب، باب فیما یتعلق بالنبی، الفصل الاول، رقم ۱۲۔

❺ بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ، رقم ۴۴۶۲۔ ترمذی: فی مختصر الشمائل المحمدیہ ص ۲۰۲، باب ماجاء فی وفاۃ رسول اللہ رقم ۳۳۴۔ ابن ماجۃ: کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ، رقم ۱۶۲۹ (واللفظ لہ)۔ مسند احمد: ۳/ ۱۴۱، ۲۰۴۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱۴/ ۵۸۲، ۵۹۲، کتاب التاریخ، باب وفاتہ رقم ۶۶۱۳، ۶۶۲۲۔

وزاری کرے گا اور جس شخص کو خوشی اور خوش کن باتیں نہ ہلا دیں اور غم کی باتیں متغیر نہ کر دیں وہ گویا قریب جمادات کے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتضائے طبیعت سے خارج ہونے کا عیب ظاہر فرمایا۔ ''اس شخص سے فرمایا: جو کہتا تھا کہ میں نے آج تک اپنی اولاد میں سے کسی کو بوسہ نہیں لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت نکال لی'' [1] اور آپ جب مکہ سے نکلے تو اس کی طرف متوجہ ہوتے جاتے تھے تو جو شخص ایسی بات چاہتا ہے جو شریعت سے خارج اور طبیعت سے دور ہے وہ جاہل ہے۔ جہالت کو چاہتا ہے۔ شریعت نے ہم سے اسی قدر خواہش کی ہے کہ ہم منہ نہ پیٹیں اور گریبان نہ پھاڑیں۔ لیکن آنسو بہانا اور دل میں غم رکھنا کوئی عیب نہیں۔

تلبیس دوم: یہ کہ صوفیہ کسی کے مر جانے کے بعد ایک دعوت کرتے ہیں جس کا نام عرس رکھا ہے۔ اس میں راگ گاتے ہیں، رقص کرتے ہیں اور کھیلتے کودتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ میت اپنے پروردگار سے جا ملی۔ اس امر میں تین وجہ سے اس قوم کو شیطان نے فریب دیا ہے۔

ایک یہ کہ مسنون یوں ہے کہ اہل میت کے ہاں کھانا پکا کر پہنچایا جائے۔ کیوں کہ بوجہ مصیبت کے کھانا تیار کرنے سے معذور ہیں لیکن یہ کوئی سنت نہیں کہ خود اہل میت کھانا پکائیں اور غیروں کے پاس بھیجیں۔ اہل میت کو کھانا پہنچانے کے لیے وہ حدیث اصل ہے کہ سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ہم سے جعفر بن خالد نے روایت کیا کہ میرے باپ نے عبداللہ بن جعفر سے خبر دی کہ جب جعفر کی خبر موت آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جعفر کے اہل وعیال کو کھانا پکا کر پہنچاؤ کیوں کہ آج ان کو ایسا صدمہ ہے کہ وہ مجبور ہیں۔'' [2] ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دوسرے یہ کہ صوفیہ میت کے لیے خوشیاں مناتے ہیں اور وہ کہتے

---

[1] بخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ، رقم ۵۹۹۸۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب رحمتہ بالصبیان والعیال، رقم ۶۰۲۷۔ ابن ماجہ: کتاب الادب، باب بر الولد والاحسان الی البنات، رقم ۳۶۶۵۔ مسند احمد: ۵۶/۶، سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۰/۷ کتاب النکاح، باب ماجاء فی قبلۃ الرجل ولدہ۔

[2] ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب صنعۃ الطعام لاھل المیت، رقم ۳۱۳۲۔ ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یصنع لاھل المیت: ۹۹۸۔ ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یبعث الی اھل المیت، رقم ۱۶۱۰۔ مسند احمد: ۲۰۵/۱۔ مستدرک الحاکم: ۵۲۷/۱، کتاب الجنائز، رقم ۱۳۷۷۔

ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملا۔ حالانکہ خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیوں کہ ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ بخشا گیا یا نہیں اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں کہ ہم اس کے لیے خوشی کریں اور وہ عذاب میں گرفتار ہو۔ عمر بن زر نے جب ان کا بیٹا مر گیا کہا کہ میں تیرے انجام کے غم کی وجہ سے تیرے مرنے پر غم کرنے پر مجبور ہوں۔ خارجہ بن یزید انصاری نے ام علاء سے بیان کیا کہ جب عثمان ابن مظعون نے انتقال کیا تو ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے میں نے اس وقت عثمان کے بارے میں اتنا کہا کہ اے ابو السائب تجھ پر خدا کی رحمت ہو میں تیرے لیے شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا اکرام فرمایا۔" رسول اللہ ﷺ یہ سن کر فرمانے لگے کہ تم کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام فرمایا۔" [1]

تیسرے یہ کہ صوفیہ اس دعوت عرس میں رقص کرتے ہیں اور کھیلتے ہیں۔ اس حرکت سے گویا طبائع سلیمہ کی حد سے خارج ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ طبع سلیم پر فراق کا اثر ہوتا ہے۔ پھر اگر ان کا مردہ بخشا گیا ہے تو یہ رقص بازی کوئی شکریہ نہیں اور اگر گرفتار عذاب ہے تو غم وملال کے آثار کہاں ہیں۔

تحصیل علم کے شغل کو ترک کرنے کی نسبت صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ لوگوں کے لیے شیطان کا پہلا فریب یہ ہے کہ ان کو علم سے باز رکھا کیوں کہ علم ایک نور ہے۔ جب شیطان نے ان کے چراغ ہی بجھا دیئے تو اندھیرے میں جس طور سے چاہے ان کو ٹیڑھا ترچھا لے جائے۔ اس بارے میں صوفیہ پر شیطان نے کئی جہت سے دخل پایا۔ ایک یہ کہ ان کی جماعت کثیر کو کلی طور پر علم سے باز رکھا اور ان کو دکھلا دیا کہ علم میں مشقت ومحنت اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور آرام وتن آسانی کو ان کے لیے عمدہ کر دکھایا۔ لہٰذا انہوں نے مرقع (مخصوص لباس) پہن لیا اور فرش فاسد پر بیٹھ گئے۔ شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تصوف کی بنیاد سستی پر رکھی گئی ہے۔ شافعی رحمہ اللہ کے قول کی توضیح

[1] بخاری: کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت، رقم ۱۲۴۳۔ مسند احمد: ۶/ ۴۳۶۔ مصنف عبد الرزاق: ۱۱/ ۲۳۷، باب اصحاب النبی، رقم ۲۰۴۲۲۔ شرح السنۃ: ۱۲/ ۲۴۳، کتاب الرؤیا، باب رؤیۃ العیون والمیاہ، رقم ۳۲۹۵۔

یہ ہے کہ نفس کا مقصود یا ریاست ہے یا دنیا کو حاصل کرنا۔ ریاست اور مال کا سمیٹنا بوجہ علوم کے دیر میں حاصل ہوتا ہے اور بدن کو رنج و مشقت میں ڈالتا ہے، خواہ مقصود حاصل ہو یا نہ ہو۔ صوفیہ نے ریاست کو جلدی حاصل کیا۔ کیوں کہ وہ نگاہ زہد سے دیکھے جاتے ہیں اور دنیا کو حاصل کیا وہ ان کے پاس دوڑ کر آتی ہے۔

صوفیہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو علما کی مذمت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ علم میں مشغول ہونا بیکار اور بے سود ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں۔ جب انہوں نے طلب علم میں بُعد طریق دیکھا (یعنی یہ کہ اس کا حاصل کرنا آسان نہیں) تو کوتاہ کپڑے پہن لیے، پیوند لگے جبے سنبھالے، لوٹا ساتھ لیا اور زہد کا اظہار کیا۔

دوسری جہت یہ ہے کہ کچھ صوفیہ نے مختصر علم پر قناعت کی۔ لہٰذا فضلِ کثیر ان سے فوت ہو گیا۔ الفاظ حدیث پر قانع ہوئے اور وہم میں پڑ گئے کہ اسناد کا اعلیٰ ہونا، اور حدیث کے لیے درس و تدریس میں پڑنا سب ریاست اور دنیا طلبی ہے اور نفس کو اس میں مزہ ملتا ہے اس شیطانی فریب کا دور کرنا اس طور پر ہے کہ جو مرتبہ بلند ہو گا اس میں فضیلت بھی ہو گی اور خطرہ بھی ہو گا۔ امارت اور قضا اور فتوے سب خطرہ ہے لیکن بہت بڑی فضیلت بھی ہے۔ ہمیشہ کانٹا گلاب کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ فضائل کو طلب کرے اور ان کے ضمن میں جو آفتیں ہیں ان سے بچا رہے۔ یہ بات کہ طبعی طور پر ریاست کی محبت انسان میں رکھی گئی ہے۔ تو وہ اسی فضیلت کے حاصل کرنے کو عطا ہوئی ہے۔ جس طرح نکاح کی محبت طبعًا دی گئی ہے تا کہ اولاد حاصل ہو اور عالم کا قصد علم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یزید بن ہارون نے کہا کہ ہم نے علم کو غیر خدا کے لیے طلب کیا مگر علم ہمیشہ خدا ہی کا ہو کے رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم نے ہم کو اخلاص کی ہدایت کی اور جو شخص یہ چاہے کہ نفس سے اس کی طبعی خواہش زائل کر دے تو ممکن نہیں۔

تیسری جہت یہ ہے کہ شیطان نے صوفیہ میں سے ایک قوم کو اس وہم میں ڈالا کہ مقصود اصلی عمل ہے۔ یہ لوگ اتنا نہ سمجھے کہ علم میں مشغول ہونا پورا عمل ہے۔ پھر عالم اگر طریق عمل میں کوتاہی بھی کرے گا تو راہ راست پر ہو گا اور عابد بے علم غیر طریق پر ہو گا۔

چوتھی جہت یہ ہے کہ ابلیس نے ایک جماعت کثیر کو یہ پڑھا دیا کہ علم وہ ہے کہ بذریعہ

باطن حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک صوفی جس کے وسواس نے اس کے دل میں خیالات پراگندہ ڈال دیئے۔ کہتا کہ (حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ) یعنی مجھ سے میرے دل نے بیان کیا کہ خدا فرماتا ہے۔ شبلی یہ شعر پڑھتے تھے:

اِذَا طَالَبُوْنِیْ بِعِلْمِ الْوَرَقِ
بَرَزْتُ عَلَیْهِمْ بِعِلْمِ الْخِرَقِ

''جب لوگ مجھ سے کتابی علم کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو خرق وکرامت کا علم سکھاتا ہوں۔''

انہوں نے علوم شرعیہ کا نام ظاہر رکھا اور خطرات نفسانی کا علم باطن، اور اس پر حجت اس حدیث سے پکڑتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''باطن ایک راز ہے اسرار الٰہی سے اور ایک حکم ہے احکام خدا سے۔ اللہ تعالیٰ اس راز کو اپنے اولیا میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔'' [1] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حدیث کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں۔ اس کی اسناد نامعلوم غیر معتبر (مجہول) لوگ ہیں۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ابو یزید کے پڑوس میں ایک عالم فقیہ رہتے تھے۔ وہ ابو یزید کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میں نے بہت سی عجیب حکایتیں سنیں جو تم سے روایت کی گئیں، جواب دیا کہ میری عجیب روایتیں جو تم نے نہیں سنی ہیں وہ بھی زیادہ ہیں۔ عالم نے کہا کہ اے ابو یزید! تم نے یہ علم کس سے حاصل کیا اور کہاں سے لائے؟ کہنے لگے کہ میرا علم عطائے الٰہی ہے اور اس مقام سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص جس قدر جانتا ہے اس پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم بھی بخش دے گا جس کو وہ نہیں جانتا۔'' [2] نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم ظاہر، جو خلق کے لیے اللہ تعالیٰ

[1] [موضوع] مسند فردوس الاخبار: ۳/۷۰، رقم ۳۹۲۲۔ تنزیہ الشریعہ: ۱/۲۸۰، کتاب العلم، الفصل الثالث، رقم ۱۰۵۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۴/۳۴، رقم ۳۷۲۶۔ سلسلۂ ضعیفہ: ۳/۳۷۱، رقم ۱۲۲۷۔ العلل المتناھیۃ: ۱/۷۴، کتاب العلم: باب العلم علمان، رقم ۹۰۔

[2] [موضوع] حلیۃ الاولیاء: ۱۰/۱۳، رقم ۱۴۳۲۰، فی ترجمۃ (۴۵۵) احمد بن ابی الحواری، الاسرار المرفوعۃ: ص ۳۲۵، رقم ۴۵۰۔ الفوائد المجموعۃ: ص ۲۸۶، رقم ۴۳، کتاب الفضائل، باب فضائل العلم۔ سلسلۂ ضعیفہ: ۱/۴۲۳، رقم ۴۲۲۔

کی حجت ہے اور دوسرا علم باطن، یہی علم نافع ہے۔'' [1] اے بزرگ! تمہارا علم تو بذریعہ لسان تعلیم کے منقول ہے اور میرا علم خدا کی طرف سے الہام ہے۔ عالم نے جواب دیا کہ میرا علم ثقات سے ہے جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ جرائیل سے اور جرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں۔ ابو یزید بولے کہ اے شیخ! رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ایک اور علم پہنچا ئیں جس کو نہ جرائیل جانتے ہیں اور نہ میکائیل خبر رکھتے ہیں۔ عالم نے کہا! سچ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو صحیح طور پر تمہارا علم معلوم ہو جائے جس کو خدا کے یہاں سے بتاتے ہو۔ ابو یزید نے کہا کہ بہت اچھا میں تم سے اس قدر بیان کرتا ہوں جس قدر کی معرفت تمہارے دل میں قرار پکڑ سکے۔ پھر بولے کہ اے شیخ! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور انبیا علیہم السلام کا حکم وحی ہوتا ہے۔ عالم نے جواب دیا کہ سچ ہے۔ ابو یزید بولے تم جانتے ہو کہ صدیقین اور اولیا کا کلام الہام الٰہی ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں خدا کے فوائد ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو زبان حکمت عطا فرماتا ہے اور امت کو ان کی ذات سے نفع پہنچاتا ہے اور میرے اس دعویٰ کی تائید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں ڈال دے انہوں نے ویسا ہی کیا اور حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی، لڑکے اور دیوار کے بارے میں الہام فرمایا و نیز یہ قول الہام فرمایا کہ ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِیْ﴾ [2] یعنی یہ سب باتیں میں نے اپنے جی سے نہیں کیں اور جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ خارجہ کی لڑکی کو ایک لڑکی کا حمل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الہام فرمایا: آپ نے خطبہ میں کہا تھا کہ (يَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ) یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ میں ابو یزید کی مجلس میں حاضر ہوا۔ لوگ بیان کرنے لگے کہ فلاں

---

[1] [ضعیف الاسناد] سنن الدارمی: ۱/ ۱۰۸، المقدمۃ، باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ، رقم ۳۷۰۔ تاریخ بغداد: ۴/ ۳۴۶، فی ترجمۃ (۲۱۷۹) احمد بن الفضل ابی عمرو القاضی العلل المتناھیۃ: ۱/ ۷۳، کتاب العلم، باب العلم، رقم ۸۸، ۸۹۔ مسند فردوس الاخبار: ۳/ ۹۷، رقم ۴۰۱۸۔ الترغیب والترھیب: ۱/ ۱۰۳، کتاب العلم، الترغیب فی العلم وطلبہ، رقم ۴۰، ۴۱۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۴/ ۷۱، رقم ۳۸۸۲۔ [2] ۱۸/ الکھف: ۸۲۔

نے فلاں سے روایت کی اور اس سے علم حاصل کیا اور بہت سی حدیثیں نقل کیں اور فلاں نے ملاقات کی اور حدیث روایت کی۔ ابو یزید سن کر بولے اے مسکینو! تم نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا اور ہم نے حَیٌّ لَا یَمُوْتُ سے علم حاصل کیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پہلی حکایت میں جو ابو یزید نے استخراج فقہ کیا ہے بوجہ کم علمی کے ہے کیوں کہ اگر عالم ہوتے تو جان لیتے کہ کسی شے کا الہام ہونا علم کے منافی نہیں اور الہام کے سبب علم سے فراغت نہیں ہو سکتی اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو کسی چیز کا الہام ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اور امتوں میں محدثین ہوئے ہیں اور اگر میری امت میں کوئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ ہے۔''[1] محدث بنانے سے مراد الہام خیر ہے۔ لیکن صاحب الہام پر اگر علم کے خلاف الہام ہوا تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ نبی ہیں اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ انبیا علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ نتائج امور پر اطلاع ہو جاتی ہے اور الہام تو کچھ علم میں داخل بھی نہیں۔ فقط علم اور تقویٰ کا ثمرہ ہے۔ تو صاحب تقویٰ کو خیر کی توفیق دی جاتی ہے تو اس کو رشد کا الہام ہوتا ہے باقی رہا علم کا ترک کرنا، الہام اور خواطر پر بھروسہ کرنا یہ کوئی چیز نہیں کیوں کہ اگر علم نقلی نہ ہو تو ہم ہرگز نہ پہچانیں کہ نفس میں جو بات القا ہوئی الہام خیر ہے یا شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ علم الہامی میں جو قلوب میں القا ہوتا ہے علم منقول سے کفایت نہیں کرتا۔ جیسا کہ علم عقلی علم شرعی سے کافی نہیں۔ کیوں کہ علم عقلی بمنزلہ غذا کے ہے اور علم شرعی مثل دوا کے ہے۔ غذا اور دوا میں سے کوئی ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ صوفیہ کا یہ قول کہ علما نے مرے ہوؤں کا علم مرے ہوؤں سے لیا۔ اس قائل کو بہتر ہے کہ اس کی طرف نسبت کیا جائے کہ وہ نہیں جانتا اس قول کے ضمن میں کیا قباحتیں ہیں ورنہ یہ صریحاً شریعت پر طعن کرنا ہے۔ ابو حفص بن شاہین کہتے ہیں کہ کچھ ایسے صوفیہ ہیں جو علم میں مشغول ہونا بطالت (بیکار) خیال کرتے ہیں اور کہتے

---

[1] بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی: باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم ۳۶۸۹۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر، رقم ۶۲۰۴۔ ترمذی: کتاب المناقب، باب قد کان یکون فی الامم محدثون، رقم ۳۶۹۳۔ مسند احمد: ۲/۳۳۹، ۶/۵۵۔

ہیں کہ ہمارے علوم بلا واسطہ ہیں حالانکہ متقدمین جو اہل تصوف ہوئے ہیں وہ قرآن اور فقہ میں رئیس (ماہر) تھے۔ کیا انہوں نے بطالت کو پسند کیا۔

ابو حامد طوسی نے کہا: جاننا چاہیے کہ اہل تصوف کی رغبت علوم الہام کی طرف ہوتی ہے علوم تعلیمی کی جانب نہیں ہوتی ہے۔ اسی لیے صوفیہ علم کے درس لینے اور مصنفوں کی تصنیفات حاصل کرنے کے حریص نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں راہ راست یہ ہے کہ صفات مذمومہ کو مٹا کر اور تمام علائق سے قطع تعلق کر کے مجاہدات کو مقدم کرے اور کنہ ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور یہ اس طور پر ہے کہ اپنے قصد کو اہل وعیال، مال و اولاد اور علم سے علیحدہ کرے اور تن تنہا ایک گوشہ میں بیٹھے اور فرائض و واجبات کے ادا کرنے پر اکتفا کرے اور اپنے قصد کو تلاوت قرآن اور اس کی تفسیر کے سوچنے کے ساتھ پراگندہ نہ کرے اور حدیث وغیرہ نہ لکھے۔ ہمیشہ اللہ اللہ کہتا رہے۔ تا آنکہ ایسی حالت پر پہنچ جائے کہ زبان کو حرکت دینا بھی چھوٹ جائے۔ پھر قلب پر سے لفظ کی صورت بھی محو ہو جائے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ کو زیادہ اچنبھا اس بات کا ہے کہ یہ کلام ایک فقیہ سے صادر ہوا۔ کیوں کہ اس تقریر میں جو قباحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ گویا حقیقت میں بساط شریعت کو بالکل تہہ کر دیا ہے۔ وہ شریعت جو کہ تلاوت قرآن اور طلب علم پر برانگیختہ کرتی ہے اور طرز فکر کی بنا پر علمائے کرام کے سب فضائل فوت ہوئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے اس طریق کی پیروی نہیں کی۔ صرف علم میں مشغول رہے اور جس بنا پر ابو حامد نے ترتیب دی ہے تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس اپنے وسواس اور خیالات کا ہو رہے اور اس کے پاس وہ علم نہ ہو جو ان وساوس کو دور کرے لہٰذا شیطان اس کے ساتھ خوب کھیل کھیلے گا اور وسوسہ کو کلام اور مناجات بتائے گا اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ جب قلب پاک ہوتا ہے تو انوار ہدایت اس پر نزول کرتے ہیں اور وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ قلب کی پاکی حسب متقضائے علم ہو منافی علم نہ ہو۔ کیوں کہ سخت بھوک، بیداری اور خیالات میں وقت کا ضائع کرنا ایسے امور ہیں جن سے شریعت منع کرتی ہے۔ صاحب شرع سے کوئی چیز اس سبب کے ذریعہ سے نہیں مل سکتی جس سے اس نے منع فرما دیا جس طرح رخصت پر عمل کرنا اس سفر میں مباح نہیں جس سے ممانعت آئی

ہے۔ پھر علم اور ریاضت میں کوئی منافات نہیں بلکہ ریاضت کی کیفیت عالم خوب جانتا ہے اور اس کے صحیح رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ البتہ اس قوم کے ساتھ ضرور شیطان کھیلتا ہے جو علم سے دور ہیں اور ریاضت پر اس طریق سے متوجہ ہیں جس سے علم منع کرتا ہے اور اس قوم سے علم دور ہے۔ لہٰذا کبھی وہ کام کر بیٹھتے ہیں جو ممنوع ہے اور کبھی ایسی حرکت بجالاتے ہیں، جس کے خلاف کرنا بہتر ہے اور ان واقعات میں علم ہی فتویٰ دیتا ہے اور یہ لوگ علم سے برطرف ہیں۔ اس رسوائی سے خدا محفوظ رکھے۔

ابن ناصر نے ابوعلی بن البنا سے روایت کیا کہ بازار اسلحہ میں ہمارے پاس ایک شخص تھا، جو کہتا تھا کہ قرآن حجاب ہے اور رسول حجاب ہے بجز عبد اور رب کے کچھ نہیں۔ اس قول سے ایک جماعت فتنہ میں پڑ گئی اور عبادت کو بیکار کر دیا اور وہ شخص قتل کے خوف سے چھپ رہا۔ بکر بن حنش کہتے ہیں کہ ضرار بن عمرو نے کہا کہ ایک قوم نے علم اور اہل علم کی مجلسوں کو چھوڑ دیا اور محرابوں کو اختیار کر لیا، روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے لگے، حتیٰ کہ ہڈیوں سے کھال جدا ہو گئی اور سنت کے خلاف کیا۔ لہٰذا اہلاک ہو گئے۔ قسم اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جو عامل جہل پر عمل کرے گا وہ ضرور سنورنے سے زیادہ اپنے آپ کو بگاڑے گا۔

فصل

اکثر صوفیہ نے شریعت اور حقیقت میں فرق نکالا ہے۔ حالانکہ یہ قول فقط قائل کی نادانی ہے کیوں کہ شریعت سب کی سب حقائق ہے۔ پس اگر اس قول سے مراد عزیمت اور رخصت ہے تو وہ دونوں بھی شریعت ہیں۔ خود قدمائے صوفیہ کی ایک جماعت نے ان لوگوں کے ظواہر شرع سے اعراض کرنے پر انکار (ان سے اختلاف) کیا ہے۔ ابوالحسن جو بصرہ میں شعوانہ کے غلام تھے کہتے ہیں کہ ابوالحسن بن سالم نے بیان کیا کہ سہل بن عبداللہ کے پاس ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں دوات اور ایک بیاض تھی۔ سہل سے کہا کہ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ ایسی چیز لکھ کر لے جاؤں جس سے خدا مجھ کو نفع پہنچائے۔ سہل نے کہا: لکھو اگر ممکن ہو سکے کہ تم خدا سے ایسی حالت میں ملو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات اور بیاض ہو، تو ایسا ہی کرو۔ وہ بولا کہ اے ابو محمد! مجھے کوئی فائدے کی بات بتاؤ۔ جواب دیا کہ دنیا سراپا جہل ہے بجز علم کے

اور علم بالکل حجت ہے جس پر عمل ہو اور عمل سب کا سب موقوف ہے بجز اس کے جو مطابق سنت ہو اور سنت تقویٰ پر قائم ہے۔ سہل بن عبداللہ کہتے ہیں کہ سیاہی کو سفیدی پر نگاہ رکھو جو شخص ظاہر کو چھوڑ دے گا ضرور زندیق ہو جائے گا۔ سہل بن عبداللہ نے کہا کہ خدا سے ملنے کا طریق علم سے افضل کوئی نہیں۔ میں نے طریق علم سے ایک قدم تجاوز نہ کیا۔ ابوبکر دقاق نے کہا کہ میں اس میدان (تیہ) میں چلا جا رہا تھا جہاں بنی اسرائیل بھٹکتے پھرے تھے کہ میرے دل میں خدشہ گزرا کہ علم حقیقت شریعت کے خلاف ہے اتنے میں درخت کے تلے سے مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ جو حقیت تابع شریعت نہ ہو وہ کفر ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام ابوحامد غزالی نے کتاب ''احیاء العلوم'' میں اس کو بیان کیا ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ حقیقت خلاف شریعت ہے یا باطن خلاف ظاہر ہے تو وہ بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ صوفیہ نے شریعت ایک نام گردانا ہے اور کہتے ہیں کہ مراد اس سے حقیقت ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ یہ قول قبیح ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کو خلقت کی مصلحتوں اور عبادتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اب اس تحقیق کے بعد جس کو حقیقت کہتے ہیں وہ کچھ نہیں صرف ایک خیال ہے جو شیطان نے نفوس میں ڈال دیا ہے اور جو شخص شریعت چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ فریب کھایا ہوا اور دھوکا دیا ہوا ہے۔

علم کی کتابیں دفن کر دینے اور دریا میں بہا دینے کی نسبت صوفیہ کی ایک جماعت پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صوفیہ میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو ایک مدت کتابت علم میں مشغول رہے پھر ان کو شیطان نے فریب دیا اور یہ پٹی پڑھائی کہ مقصود اصلی عمل ہے۔ لہٰذا انہوں نے کتابیں دفن کر دیں۔ ابراہیم بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ احمد بن الحواری نے اپنی کتابیں دریا میں بہا دیں اور کہا کہ کتابیں عمدہ دلیل ہیں اور بعد وصول مطلب کے دلیل میں مشغول ہونا محال ہے۔ احمد بن ابی الحواری نے تیس برس تک تحصیل علم کی تھی، جب انتہا کو پہنچ گئے تو کتابیں لے کر دریا برد کر ڈالیں اور کہا کہ اے علم! میں نے تیرے ساتھ یہ معاملہ تجھ کو

ذلیل اور نا قابل سمجھ کر نہیں کیا بلکہ میں تجھ کو اس لیے حاصل کرتا تھا کہ تیری وجہ سے اپنے پروردگار کا راستہ پاؤں جب مجھ کو راہ مل گئی تو تیری حاجت نہ رہی۔ ابوالحسین بن الخلال کی نسبت ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ بڑے صاحب فہم تھے اور حدیث کے لیے محنت کرتے تھے اور تصوف سیکھتے تھے اور ایک مدت حدیث کو دریا برد کرتے تھے۔ پھر رجوع کر کے لکھتے تھے۔ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام قدیمی سنی ہوئی حدیثیں دجلہ میں پھینک دیں اور ان کا اول سماع ابو العباس اصم اور ان کے طبقہ سے ہے اور بہت سی حدیثیں ان سے لکھی تھیں۔ ابو طاہر جنابذی کہتے ہیں کہ موسیٰ بن ہارون ہم کو حدیث پڑھ کر سناتے تھے۔ جب جزو پورا ہوتا تو بجنسہ اس کو دجلہ میں بہا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اس کا حق ادا کر دیا۔ ابونصر طوسی کہتے ہیں کہ مشائخ سے میں نے سنا ہے کہ ابوعبداللہ مقری اپنے باپ کے ترکہ میں سے علاوہ اسباب اور زمین کے پچاس ہزار دینار کے وارث ہوئے تو تمام سے علیحدہ ہو گئے، اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ سے اس بارے میں سوال کیا، تو جواب دیا کہ ایک زمانے میں جب میں نوجوان لڑکا تھا تو میں نے احرام باندھا اور تنہا مکہ کی طرف نکلا۔ اس وقت کوئی ایسی چیز نہ رہی جس کے لیے میں پھر واپس آؤں اور میری کوشش یہ تھی کہ کتابوں سے برطرفی اختیار کروں اور میں نے جو حدیث اور علم جمع کیا تھا وہ میرے لیے اس سے بھی سخت تر تھا کہ مکہ کی طرف جاؤں اور سفر کروں اور اپنی جائداد سے علیحدہ ہوں۔ محمد بن الحسین البغدادی سے سنا گیا، بیان کرتے تھے کہ میں نے شبلی سے سنا، کہنے لگے کہ میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اس شان میں اس وقت داخل ہوا ہے کہ پہلے اپنا تمام مال خیرات کر چکا اور اس دجلہ میں ستر صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے بہا چکا جن کو اس نے اپنے قلم سے لکھا تھا اور موطا کو حفظ کیا تھا اور فلاں فلاں کتاب پڑھی تھی۔ شبلی کی مراد اس شخص سے خود اپنی ذات تھی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پیشتر بیان ہو چکا کہ علم ایک نور ہے اور ابلیس انسان کو سمجھاتا ہے، کہ نور کا بجھا دینا بہتر ہے تاکہ اس پر تاریکی میں قابو پائے اور جہل کی تاریکی سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں۔ جب ابلیس کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ پھر دوبارہ کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس کے مکائد پر آگاہ ہوں تو ان کو کتابوں کا دفن اور ضائع کر دینا عمدہ کر دکھایا حالانکہ یہ

حرکت قبیح اور ممنوع ہے اور کتابوں کے مقصود نہ جاننے کا نتیجہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علوم کی اصل قرآن اور سنت ہے۔ جب شرع نے یہ جانا کہ اس کی نگہداشت دشوار ہے تو قرآن اور حدیث کے لکھنے کا حکم دیا۔ قرآن کے بارے میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتب کو بلواتے تھے اور وہ آیت لکھواتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آیتوں کو لکڑیوں اور پتھروں پر لکھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو مصحف میں جمع کیا۔ بعد ازاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے نقلیں کیں۔ یہ سب کچھ اسی لیے تھا کہ قرآن شریف محفوظ رہے اور اس سے کوئی چیز جدا نہ ہو۔ باقی رہی سنت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں لوگوں کو صرف قرآن شریف ہی موقوف رکھا اور فرمایا کہ ''قرآن کے سوا کچھ مجھ سے سن کر مت لکھو'' [1] بعد ازاں جب حدیثیں بکثرت ہوئیں اور آپ نے قلت ضبط ملاحظہ فرمائی تو لکھ لینے کا حکم دے دیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کمی حفظ کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے حفظ پر ہاتھ سے مدد لو۔'' [2] یعنی لکھ لیا کرو۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''علم کو مقید کرلو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا قید کرنا کیونکر ہے؟ فرمایا کہ لکھ لو۔'' [3] رافع بن خدیج نے روایت کی کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ''ہم لوگ آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں آیا انھیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا کہ لکھا کرو کوئی حرج نہیں۔'' [4]

---

[1] مسلم: کتاب الزہد والرقائق، باب التثبت فی الحدیث وحکم کتابۃ العلم، رقم ۷۵۱۰۔ مسند احمد: ۳/۱۲، ۲۱۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱/ ۲۶۵، کتاب العلم، باب الزجر عن کتبۃ المرء السنن مخافۃ ان یتکل علیھا دون الحفظ، رقم ۶۴۔ سنن الدارمی: ۱/ ۱۳۶، المقدمۃ، باب من لم یر کتابۃ الحدیث، ۴۵۶۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۲۱۶، کتاب العلم، رقم ۴۳۷۔

[2] ترمذی: کتاب العلم، باب ما جاء فی الرخصۃ فیہ، رقم ۲۶۶۶۔ مجمع الزوائد: ۱/۱۵۲، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، مجمع البحرین: ۱/ ۲۴۷، باب کتابۃ العلم، رقم ۲۸۸۔ معجم الاوسط للطبرانی: ۱/ ۲۴۴، ۲۴۵، رقم ۸۰۱، ۳/ ۱۲۹، رقم ۲۸۲۵۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۱/ ۲۶۷، رقم ۹۱۳۔ [3] مستدرک الحاکم: ۱/ ۱۸۸، کتاب العلم، رقم ۳۶۲۔ معجم الاوسط: ۱/ ۲۵۹، رقم ۸۴۸۔ مجمع الزوائد: ۱/۱۵۲، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، مجمع البحرین: ۱/ ۱۴۷، باب کتابۃ العلم، رقم ۲۷۹۔ سلسلۃ صحیحۃ: ۵/ ۴۰، الامر بکتابۃ العلم، رقم ۲۰۲۶۔ [4] المعجم الکبیر للطبرانی: ۴/ ۳۲۹، رقم ۴۴۱۰۔ مجمع الزوائد: ۱/ ۱۵۱، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مصنف رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ جاننا چاہیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور حرکات اور افعال کو منضبط کیا ہے اور روایت درروایت پہنچ کر شریعت جمع ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مجھ سے سنو وہ دوسروں کو پہنچا'' [1] دوادر نیز یہ فرمایا کہ ''خدا اس شخص کو ہرا بھرا رکھے جو مجھ سے کوئی بات سنے اور اس کو خوب نگاہ رکھے پھر جس طرح سنا تھا اسی طرح دوسرے کو پہنچادے۔'' [2] حدیث کو سن کر لفظ بلفظ اسی طرح بیان کرنا بغیر لکھ لینے کے مشکل ہے۔ کیوں کہ یادداشت پر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کی نسبت کہتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کیا کرتے تھے، لوگ ان سے کہتے تھے کہ آپ زبانی سنا دیا کیجیے۔ جواب دیتے تھے کہ نہیں بغیر کتاب کے نہ بیان کروں گا۔ علی بن المدینی نے کہا کہ مجھ کو میرے آقا احمد بن حنبل نے حکم دیا کہ بغیر کتاب میں دیکھے حدیث نہ بیان کروں۔ اب جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنت کو روایت کیا ہو اور ان سے تابعین نے لیا ہو، اور محدثین نے سفر کیے ہوں، اور زمین کے مشرق ومغرب کو طے کیا ہوتا کہ ایک کلمہ یہاں سے حاصل کریں دوسرا لفظ وہاں سے لیں اور صحیح احادیث کی تصحیح کی اور غیر صحیح کو ناقص بتایا ہو، اور راویوں میں جرح وتعدیل کی ہو، سنن کو ترتیب دی ہو، اور تصنیفیں کی ہوں۔ پھر جو شخص اس کو ڈھوڈالے وہ اس جفاکشی کو اکارت کرتا ہے اور کسی واقعہ میں خدا کا حکم نہیں جانتا ہے کہ ایسی باتوں میں کیا شریعت کی مخالفت کی گئی ہے۔ کسی دوسری شریعت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ کیا ہم سے پہلی شریعتوں میں کسی شریعت کی اسناد اس کے نبی تک پہنچی ہے، ہرگز نہیں۔ یہ خصوصیت فقط اسی امت کے لیے ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کی نسبت ہم بیان کر چکے کہ باوجود یہ کہ وہ طلب حدیث میں مشرق ومغرب پھرے تھے، ایک

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) تقیید العلم للخطیب ص ۷۲،۷۳،۷۴، باب رخصۃ رسول اللہ بالکتابۃ۔

[1] بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم ۳۴۶۱۔ ترمذی: کتاب العلم، باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل، رقم ۲۶۶۹۔ سنن الدارمی: ۱/۱۴۳، المقدمۃ، باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل، رقم ۲۶۶۹۔ سنن الدارمی: ۱/۱۴۳، المقدمۃ، باب البلاغ عن رسول اللہ وتعلیم السنن، رقم ۵۴۸۔ مسند احمد: ۲/۱۵۹، ۲۰۲، ۲۱۴۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱۴/۱۴۹، کتاب التاریخ باب بدء الخلق، رقم ۶۲۵۶۔

[2] ترمذی: کتاب العلم، باب الحث علی تبلیغ السماع، رقم ۲۶۵۶، ۲۶۵۷، ۲۶۵۸۔ ابن ماجۃ: کتاب السنۃ، باب من بلغ علما، رقم ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۶۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۱/۲۶۸، کتاب العلم، رقم ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹ و ۲/۴۵۵۔ کتاب الرقائق: باب الفقر والزھد والقناعۃ، رقم ۶۸۰۔ مسند احمد: ۵/۱۸۳۔ سلسلۂ صحیحہ: ۱/۲/۷۶۰، رقم ۴۰۴۔

بار اپنے بیٹے سے پوچھا کہ تم نے فلاں شیخ سے کیا نقل کیا؟ ان کے بیٹے نے یہ حدیث سنائی کہ ''رسول اللہ ﷺ عید کے دن نماز کو ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تھے اور دوسری راہ سے واپس ہوتے تھے۔'' [1] امام بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ سنن رسول اللہ ﷺ سے ایک سنت مجھ کو نہیں پہنچی۔ امام کا یہ قول ہے باوجود اس کے کہ کثرت سے حدیثیں جمع کی تھیں۔ اب اس شخص کو کیا کہا جائے جو حدیث لکھتا ہی نہیں اور جب لکھتا ہے تو دھوڑ التا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ جب کتابیں دفن اور دریا برد کر دی جائیں تو فتاویٰ اور نئے واقعات ظاہر ہونے کی حالت میں کس چیز کا اعتماد کیا جائے گا۔ کیا فلاں زاہد اور فلاں صوفی سے فتویٰ لیا جائے گا یا نفس میں جو خطرات آتے ہیں ان پر بھروسہ کیا جائے گا۔ ہدایت کے بعد گمراہی سے خدا پناہ دے۔

فصل

اور یہ کتابیں جن کو ان لوگوں نے دفن کیا تین حال سے خالی نہیں یا ان میں حق ہو گا یا باطل یا حق باطل سے ملا ہوا ہو گا۔ اگر ان میں باطل تھا تو جس نے دفن کیا اس پر کچھ ملامت نہیں اور اگر حق باطل کے ساتھ ملا ہوا تھا اور اس کی تمیز ممکن نہ تھی تو ان کے ضائع کرنے کے لیے بھی عذر ہے۔ کیوں کہ بہت سے لوگوں نے معتبر اور جھوٹے دونوں قسم کے لوگوں سے حدیث لکھی تو اصل بات ان پر مختلط ہو گئی تو انہوں نے ان کتابوں کو دفن کر دیا۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے جو کتابوں کا دفن کرنا منقول ہے وہ اسی پر محمول ہے اور اگر ان میں حق اور شرع تھی تو ان کا ضائع کرنا بالکل جائز نہیں۔ کیوں کہ ضائع کرنا علم اور مال کے لیے قاعدہ نہیں اور جو شخص ان کے ضائع کرنے کا قصد کرتا ہے چاہیے کہ اس کی غرض پوچھی جائے۔ اگر یوں کہے کہ کتابیں مجھ کو عبادت سے دوسری جانب مشغول کر دیں گی تو اس کا جواب تین طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ اگر تم کو سمجھ ہوتی تو جان لیتے کہ علم کا شغل رکھنا پوری پوری عبادت ہے۔ دوسرے یہ کہ جو روشن ضمیری

---

[1] بخاری: کتاب العیدین، باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید، رقم ۹۸۶۔ ابوداود: کتاب الصلاۃ، باب الخروج الی العید فی طریق ویرجع فی طریق، رقم ۱۱۵۶۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی خروج النبی الی العید فی طریق ورجوعہ من طریق آخر، رقم ۵۴۱۔ ابن ماجۃ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی الخروج یوم العید من طریق والرجوع من غیرہ، رقم ۱۲۹۹۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۴۳۶، کتاب صلاۃ العیدین، رقم ۱۰۹۸۔۱۰۹۹۔

تم کو حاصل ہوئی ہے یہ ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں وقت گزر جانے کے بعد تم اپنی حرکت پر پشیمانی اٹھارہے ہواور واضح ہو کہ دل ہمیشہ صفائی پر نہیں رہتے بلکہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں تو ان کو جلا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے علمی کتابوں کا دیکھنا۔ یوسف بن اسباط نے اپنی کتابیں دفن کر دی تھیں لیکن حدیث بیان کیے بغیر صبر بھی نہ آتا تھا۔ لہٰذا یاداشت پر حدیث سنانے لگے اور خلط کر دیا۔ تیسرے یہ ہم مان لیتے ہیں کہ تمہاری روشن دلی کامل ہے اور ہمیشہ رہے گی اور تم کو کتابوں کی ضرورت بھی نہیں مگر اہل طلب میں سے کسی مبتدی کو جو تمہارے مقام تک نہیں پہنچا وہ کتابیں ہبہ کیوں نہیں کر دیں، یا ایسے لوگوں کو کیوں وقف نہ کیں جو ان سے نفع اٹھاتے۔ کتابوں کا ضائع کرنا کسی حال میں درست نہیں۔ مروزی نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ وصیت کرے کہ اس کی کتابیں دفن کر دی جائیں۔ جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ علم کو دفن کر دیا جائے۔ مروزی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، کہتے تھے کہ میں کتابیں دفن کرنے کی کوئی وجہ نہیں جانتا۔

علم میں مشغول رہنے والوں پر اعتراض کرنے کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب صوفیہ کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک تو وہ جو طلب علم میں کامل رہے۔ دوسرے وہ جنہوں نے یہ گمان کیا کہ علم وہی ہے جو عبادت کے نتائج سے نفس میں القا ہوتا ہے اور اس کا نام علم باطن رکھا ہے۔ لہٰذا اس قوم نے علم ظاہر میں مشغول ہونے سے منع کیا ہے۔ ابواسحٰق ابراہیم ابن احمد بن محمد بن طبری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے جعفر خلدی سے سنا، کہتے تھے کہ اگر مجھے صوفیہ چھوڑتے تو میں تم کو دنیا کی اسناد سناتا۔ میں جس زمانہ میں نوجوان تھا ایک بار عباس دوری کے پاس گیا اور ایک جلسہ میں جس قدر حدیثیں انہوں نے بیان کیں لکھ لایا جب ان کے پاس سے اٹھ کر آیا تو راستے میں میرے ایک دوست جو صوفی تھے ملے، پوچھنے لگے کہ تمہارے پاس یہ کیا ہے؟ میں نے وہ کتاب دکھائی۔ کہنے لگے، وائے ہو تجھ پر علم خرق کو چھوڑ کر

علم ورق کو اختیار کرتا ہے۔ یہ کہہ کر ان اوراق کو پھاڑ ڈالا۔ میرے دل میں ان کا کلام گھر کر گیا۔ پھر میں کبھی عباس کے پاس نہیں گیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابوسعید کندی کی نسبت میں نے سنا ہے، بیان کرتے تھے کہ میں صوفیہ کے رباط میں قیام کرتا تھا اور خفیہ طور پر حدیث طلب کرتا تھا کہ ان کو خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک روز میری جیب سے دوات گر پڑی تو ایک صوفی نے مجھ سے کہا کہ اپنی شرمگاہ چھپاؤ۔ ابوحسین ابن احمد صفار نے بیان کیا کہ میرے ہاتھ میں دوات تھی۔ شبلی نے دیکھ کر کہا: اپنی سیاہی مجھ سے پوشیدہ کرو۔ مجھ کو اپنے دل کی سیاہی کافی ہے۔ علی بن مہدی سے میں نے سنا کہ میں بغداد میں شبلی کے حلقہ میں جا کھڑا ہوا۔ شبلی نے میری طرف دیکھا اور میرے پاس دوات دیکھ کر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

> ''میں نے لڑائی کے واسطے خوف کا لباس پہنا اور اندوہ وقلق کے مارے شہروں میں سراسیمہ پھرا۔ تیرے لیے میں نے جہاد کا پردہ اٹھا دیا اور جس سے گفتگو کی تیری ہی باتیں کیں۔ جب لوگ مجھ سے علم ورق کے بارے میں درخواست کرتے ہیں تو میں ان کو علم خرق بتاتا ہوں۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی سخت مخالفت یہ ہے کہ اس کے راستے سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا بہت روشن راستہ علم ہے۔ کیوں کہ علم اللہ تعالیٰ کا دلیل اور احکام شریعت کا بیان اور اس امر کی توضیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو پسند فرماتا ہے اور کس بات سے ناراض ہے۔ اب علم سے منع کرنا خدا تعالیٰ اور اس کی شریعت سے عداوت رکھنا ہے۔ لیکن یہ منع کرنے والے لوگ نہیں سمجھتے کہ کیا غضب کر رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ طالب علموں کے ہاتھوں میں دواتیں دیکھ کر فرماتے تھے کہ یہ اسلام کی شرح ہیں اور باوجود بڑھاپے کے دوات لے کر بیٹھتے تھے۔ کسی نے پوچھا، اے ابوعبداللہ! یہ دوات کب تک ساتھ رہے گی۔ جواب دیا کہ قبر تک ساتھ جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ فتح مند رہے گا جو لوگ ان کو چھوڑ

دیں گے وہ ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔'' [1] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ گروہ اگر اہل حدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون ہیں۔ نیز امام نے کہا کہ ابدال اگر اہل حدیث نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔ [2] کسی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ فلاں شخص اصحاب حدیث کی نسبت کہتا ہے کہ برے لوگ تھے۔ جواب دیا کہ وہ شخص زندیق ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں جب اہل حدیث میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو گویا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک کو دیکھتا ہوں۔ یوسف بن اسباط نے کہا کہ طالبان حدیث کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین کی بلائیں دفع کرتا ہے۔

ابن مسروق نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہے اور لوگ جمع ہیں۔ اتنے میں منادی نے ندا کی کہ اے لوگو! نماز ہونے والی ہے۔ سب نے صفیں باندھیں میرے پاس ایک فرشتہ آیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا جبریل امین اللہ۔ میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ اپنے صوفیہ بھائیوں کے لیے دستر خوان تیار کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں بھی تو صوفیہ میں سے ہوں۔ کہنے لگے کہ ہاں تو بھی صوفی ہے مگر تجھ کو کثرت حدیث نے دوسری جانب مشغول کر دیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: معاذ اللہ کہ جبرئیل علیہ السلام علم میں مشغول ہونے سے انکار کریں اس حکایت کی اسناد میں ایک راوی ابن جہضم ہے جو کذاب تھا۔ عجب نہیں کہ اس کی من گھڑت ہو اور ابن مسروق کی نسبت علی بن محمد بن نصر نے بیان کیا کہ میں نے حمزہ بن یوسف سے سنا کہتے تھے کہ میں نے دارقطنی سنا بیان کرتے تھے کہ ابو العباس ابن مسروق قوی نہیں اور معضلات روایت کرتا ہے۔

---

[1] ترمذی: کتاب الفتن، باب ماجاء فی الشام، رقم ۲۱۹۲۔ ابن ماجہ: کتاب السنۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ، رقم ۶۔ ابن حبان مع الاحسان: ۱/ ۲۶۱، کتاب العلم، ذکر اثبات النصرۃ لاصحاب الحدیث الی قیام الساعۃ، رقم ۶۱۔ مسند احمد: ۳/ ۴۳۶۔ سلسلۂ صحیحہ: ۱/ ۲/ ۸۶۰، رقم ۴۰۳۔ [2] [ضعیف] مسند احمد: ۱/ ۱۱۲، ۵/ ۳۲۲۔ مسند فردوس الاخبار: ۲/ ۵۴، رقم ۲۰۴۵۔ ابو نعیم فی اخبار اصفہان: ۱/ ۱۸۰۔ موضوعات ابن الجوزی: ۳/ ۱۵۰، کتاب الزہد، باب عدد الاولیاء۔ اللآلی المصنوعۃ: ۲/ ۳۳۲۔ کتاب الادب والزہد: تنزیہ الشریعۃ: ۲/ ۳۰۷، کتاب الادب والزہد والرقائق، رقم ۷۴ تا ۷۸ اور دیکھیے سلسلۂ ضعیفہ: ۲/ ۳۳۹، رقم ۹۳۵، ۹۳۶، ۳/ ۶۶۶، ۶۷۱، رقم ۱۴۷۴ تا ۱۴۷۹۔

علمی مسائل میں کلام کرنے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ اس قوم نے جب علم کو چھوڑ دیا اور صرف اپنی رایوں کے مطابق ریاضت کے ہو رہے تو علوم کے بارے میں گفتگو کرنے سے نہ رہ سکے۔ لہٰذا اپنے واقعات بیان کیے اور قبیح غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں۔ کبھی تو تفسیر میں گفتگو کرتے ہیں اور کبھی حدیث میں اور کبھی فقہ میں اور کبھی علوم میں۔ تمام علوم کو اپنے اسی علم کے موافق لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمانے کو ان لوگوں سے خالی نہیں رکھتا جو اس کی حفاظت کریں اور جھوٹوں کا جواب دیں اور غلطی کرنے والوں کی غلطی ظاہر کریں جو فقط انہیں میں پایا جاتا ہے۔

قرآن میں جو صوفیہ نے کلام کیا اس کا تھوڑا سا بیان

جعفر بن محمد خلدی نے بیان کیا کہ میں اپنے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابن کیسان نے ان سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ﴾ [1] ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تم کو پڑھائیں گے اور تم نہ بھولو گے۔'' جنید نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو۔ جعفر نے کہا کہ کسی نے جنید سے اس آیت کے معنی پوچھے ﴿وَدَرَسُوا مَا فِيهِ﴾ [2] ''یعنی جو اس میں لکھا تھا پڑھا۔'' جنید نے کہا: معنی یہ ہیں کہ اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جنید کی یہ تفسیر کہ اس پر عمل کرنا مت بھولو بے وجہ ہے جس میں صریح غلطی ہے کیوں کہ یہ تفسیر اس بناء پر لا تنسیٰ صیغہ نہیں ہے حالانکہ یہ جملہ خبریہ ہے نہی نہیں اور ماتنسیٰ کے معنوں میں ہے۔ کیوں کہ اگر نہی ہوتا تو حالت جزمی میں واقع ہوتا۔ غرض یہ تفسیر اجماع علما کے خلاف ہے۔ اسی طرح اس کی تفسیر کہ ﴿وَدَرَسُوا مَا فِيهِ﴾ [3] یہ درس سے نکلا ہے جو بمعنی تلاوت ہے۔ جیسا دوسری جگہ فرمایا ﴿وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ [4] اس مقولہ سے نہیں نکلا کہ دروس الشئی جس دروس کے معنی ہلاکت کے ہیں۔

محمد بن جریر نے کہا: میں نے ابو العباس بن عطا سے سنا ان سے کسی نے اس آیت کے

[1] ۸۷/ الاعلیٰ: ۶۔ [2] ۷/ الاعراف: ۱۶۹۔ [3] ۷/ الاعراف: ۱۶۹۔ [4] ۳/ آل عمران: ۷۹۔

معنے پوچھے ﴿فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا﴾ [1] ''ہم نے تجھ کو غم سے نجات دی اور تجھ کو آزمایا۔'' ابوالعباس نے کہا: تمہاری قوم کے غم سے تم کو نجات دی اور اپنے ماسوا سے جدا کر کے تم کو اپنا مفتوں بنالیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر بڑی بھاری جرأت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہنا کہ عشق الٰہی کے فتنہ میں پڑ گئے اور خدا کی محبت کو فتنہ قرار دینا نہایت ہی قبیح بات ہے۔

ابن عطا سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے ﴿فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ﴾ [2] جواب دیا کہ روح کے معنی ہیں خدا کا دیکھنا، ریحان اس کا کلام سننا، جنت نعیم وہ مقام ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی چیز حجاب نہ ہو۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ کلام فی الواقع مفسرین کے خلاف ہے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی نے قرآن کی تفسیر میں صوفیہ کے بعض کلام دو جلد میں جمع کیے ہیں جن میں اکثر بیہودہ باتیں ہیں جو جائز نہیں ہیں ان کا نام رکھا ہے ''حقائق التفسیر'' صوفیہ کی تفاسیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہتے ہیں الحمد کو فاتحۃ الکتاب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شروعات ہیں جن سے ہم نے اپنے خطاب کو شروع کیا ہے۔ اگر تم نے اس کا ادب کیا تو خیر ورنہ مابعد کے لطائف سے محروم رہ جاؤ گے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ توجیہ قبیح ہے کیوں کہ مفسرین بلا اختلاف کہتے ہیں اوائل میں نازل نہیں ہوئی۔

صوفیہ میں سے کسی نے کہا ہے انسان جو کہتا ہے امین معنی یہ ہیں کہ ہم قصد کر کے تیری طرف آتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ معنی قبیح ہیں۔ کیوں کہ یہ لفظ امّ بہ تشدید میم سے نہیں اگر ایسا ہوتا تو میم کو مشدد ہونا چاہیے تھا۔

قَوْلُهُ تَعَالَىٰ ﴿وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ﴾ [3] ''یعنی اگر کفار تمہارے پاس قید ہو کر آئیں''۔ اس کے بارے میں ابوعثمان نے کہا کہ اساریٰ کے معنی ہیں گناہوں میں ڈوبے ہوئے۔ واسطی نے کہا: یہ مطلب ہے کہ اپنے افعال پر نظر کرنے میں غرق ہیں۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اسباب دنیا میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ قطع علائق کی ان کو ہدایت کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آیت تو انکار (مذمت) کے طور پر وارد ہوئی ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب تم

---

[1] ۲۰/طٰہٰ:۴۰۔ [2] ۵۶/الواقعۃ:۸۸، ۸۹۔ [3] ۲/البقرۃ:۸۵۔

کفار کو قید کرو (اور پھر ان کو چھوڑ نا ہو) تو ان سے فدیہ لے لو اور جب ان سے جہاد کرو تو ان کو قتل کرو اور ان لوگوں نے اس کی اس طرح پر تفسیر کی جس سے مدح ثابت ہوتی ہے۔

محمد بن علی نے ﴿يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ﴾ 1 کی تفسیر میں کہا کہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو اپنی توبہ سے توبہ کرتے ہیں اور نوری نے ﴿يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ﴾ 2 کی تشریح کرتے ہوئے کہا: تنگ اور کشادہ کرتا ہے اپنے واسطے۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا﴾ 3 ''جو حرم میں داخل ہو وہ امن میں ہے''۔ کے بارے میں کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نفسانی خیالات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ ہے۔ حالانکہ یہ معنی نہایت قبیح ہیں۔ کیوں لفظ آیت کے خبر کے ہیں اور معنی اس کے امر کے ہیں اور تقدیر اس کی یہ ہے (مَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ فَآمِنُوْا) یعنی جو حرم میں داخل ہو اس کو امن دو۔ ان لوگوں نے اس کی تفسیر اٰمِنًا بفتح الالف و کسر المیم بیان کیے۔ علاوہ ازیں ان کی تفسیر پر آیت درست نہیں رہتی۔ بہت سے لوگ حرم میں داخل ہوتے ہیں اور اوہام نفسانی اور وساوس شیطانی سے نہیں بچتے۔

قولہ تعالیٰ ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ 4 یعنی ''اگر تم ممنوعات کے کبائر سے اجتناب کرو گے۔'' ابو تراب نے تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کبائر سے مراد فاسد دعوے ہیں۔

سہل کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ 5 سے مراد قلب ہے اور ﴿اَلْجَارِ الْجُنُبِ﴾ نفس ہے اور ﴿اِبْنِ السَّبِيْلِ﴾ جوارح ہیں۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ 6 ''یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا قصد کیا'' ابو بکر وراق نے کہا کہ دونوں قصد زلیخا کے ہیں اور یوسف علیہ السلام نے اس کا قصد نہیں کیا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ نص قرآن کے خلاف ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ 7 ''یوسف آدمی نہیں'' محمد بن علی کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ یوسف اس قابل نہیں کہ مباشرت کی طرف بلایا جائے۔

---

1 ۲/ البقرۃ: ۲۲۲۔ 2 ۲/ البقرہ: ۲۴۵۔ 3 ۳/ آل عمران: ۹۷۔ 4 ۴/ النساء: ۳۱۔
5 ۴/ النساء: ۳۶۔ 6 ۱۲/ یوسف: ۲۴۔ 7 ۱۲/ یوسف: ۳۱۔

زنجانی نے کہا: رعد ملائکہ کی دست زنی کی آواز ہے اور برق ان کے دلوں کے شعلے ہیں اور مطر (بارش) ان کی اشکباری ہے۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا﴾ [1] اس کی تشریح کرتے ہوئے حسین نے کہا کہ خدا کے مکر سے بڑھ کر اس کے بندوں کے واسطے کوئی فریب نہیں کہ ان کو شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ایک حال میں وہ خدا کا راستہ پا سکتے ہیں یا حدوث کو قدم کے ساتھ مقارنت ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس تفسیر کے معنی جو شخص سمجھے گا جان لے گا کہ یہ کفر محض ہے کیوں کہ اس سے پایا جاتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ مذاق اور کھیل کرتا ہے۔ لیکن یہ مفسر حسین حلاج ہیں ان سے ایسا جملہ کچھ بعید نہیں اور آیت ﴿لَعَمْرُكَ﴾ [2] کی یوں تفسیر کی کہ تمہاری عمارت کی قسم ہے کہ تمہارا بھید میرے مشاہدے میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ساری کتاب اسی قسم کی ہے اور میں نے چاہا کہ ان میں سے بہت ساذکر کروں تو میں نے دیکھا کہ زمانہ ایک ایسی شے کے لکھنے میں برباد ہوتا ہے جس میں کچھ کفر ہے اور کچھ خطا اور کچھ بیہودہ باتیں اور وہ اس قسم کی باتیں ہیں جو ہم نے فرقہ باطنیہ سے نقل کیں۔ جو شخص اس کتاب کی حالت دیکھنا چاہے تو یہ اس کا نمونہ دیکھ لے اور جو شخص زیادہ چاہے تو وہی کتاب دیکھ لے۔

ابو حامد طوسی نے کتاب ''ذم مال'' میں اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے ﴿وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ [3] یعنی ''مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ۔'' سے مراد سیم وزر ہے کیوں کہ نبوت کا رتبہ اس سے اعلیٰ ہے کہ اس سے عبادت اصنام کا خوف ہو اور کہا کہ عبادت سے مراد مال و دولت کی محبت اور اس پر فریفتہ ہونا ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایسے معنے ہیں جو کسی مفسر نے بیان نہیں کیے۔ شعیب نے اس بارے میں کہا ﴿وَمَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ [4] یعنی ''ہم بغیر خدا کی مرضی کے کیوں شرک میں پڑنے لگے۔'' یہ امر معلوم ہے کہ انبیا کا شرک میں پڑنا غیر ممکن ہے۔ کیوں کہ وہ معصوم ہیں۔ لیکن امر مستحیل نہیں۔ علاوہ ازیں آیت مذکورہ میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے شرک سرزد ہو سکے۔ لہٰذا جائز ہے کہ ان کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا

[1] ۱۳/الرعد:۴۲۔ [2] ۱۵/الحجر:۷۲۔ [3] ۱۴/ابراہیم:۳۵۔ [4] ۷/الاعراف:۸۹۔

اور فرمایا ﴿وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ﴾ یعنی مجھے اور میری اولاد کو بچا۔ حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان میں سے بہتوں نے بت پرستی کی ہے۔

ابوحمزہ خراسانی نے کہا کہ قطعی طور پر بہت سے لوگوں کے ساتھ جنت میں فریب کیا جائے گا۔ چنانچہ کہا جائے گا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ [1]

''یعنی خوشی سے کھاؤ پیو یہ تمہارے گزشتہ زمانے کی خوش اعمالی کا نتیجہ ہے۔''

ابوحمزہ نے کہا کہ اہل بہشت کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں لگا کر اپنے سے دوسرے جانب مشغول کر دیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی مکروفریب اور اس سے بڑی کوئی حسرت نہ ہوگی۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بھائیو! خدا تم کو توفیق خیر دے۔ اس حماقت پر غور کرو کہ نعمت واحسان کا نام مکروفریب رکھتے ہیں اور اسی مکر کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ انبیا علیہم السلام نہ کھائیں نہ پئیں بلکہ خدا کی طرف ہی مشغول رہیں۔ یہ شخص کس طرح بے دھڑک ایسے الفاظ قبیح زبان پر لاتا ہے کیا یہ بات جائز ہے کہ ہم جو مکر کے معنی سمجھتے ہیں اس کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفت مکر قرار دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے مکروفریب کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ مکروفریب کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے۔ مجھ کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ ایک ایک لقمے اور ایک ایک کلمے میں تورع اور احتیاط کرتے تھے۔ تفسیر قرآن میں اس حد تک بے تکلف کیوں کر ہو گئے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص قرآن شریف میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو گو درست ہو مگر خطا پر ہے'' [2] اور فرمایا: ''جو کوئی قرآن شریف میں اپنی عقل سے گفتگو کرے تو دوزخ اپنا ٹھکانہ سمجھ لے۔'' [3]

---

[1] ۲۹/ الحاقۃ: ۲۴۔

[2] اس میں سہیل بن ابی حزم راوی متکلم فیہ ہے۔ ابوداؤد: کتاب العلم، باب الکلام من کتاب اللہ بلا علم، رقم ۳۶۵۲۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ، رقم ۲۹۵۲۔ تفسیر الطبری: ۱/ ۵۹، رقم ۸۰۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۵/ ۲۲۸، رقم ۵۷۴۸۔

[3] اس میں عبدالاعلیٰ بن عامر الثعلبی راوی متکلم فیہ ہے۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ، رقم ۲۹۵۱۔ مسند احمد: ۱/ ۲۳۳، ۲۶۹۔ نسائی (فی الکبریٰ): ۵/ ۳۰، کتاب فضائل القرآن، باب من قال فی القرآن بغیر علم، رقم ۸۰۸۴، ۸۰۸۵۔ تفسیر الطبری: ۱/ ۵۸، رقم ۷۳۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۵/ ۲۲۸، رقم ۵۷۴۹۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ مکر کے متعلق بعض صوفیہ سے مجھ کو عجیب حکایت پہنچی ہے جس کے بیان سے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ان جاہلوں کے خیالات کی قباحت پر تنبیہ کرتا ہوں۔ ابوعبداللہ بن حنیف نے کہا: میں نے رویم سے سنا، کہتے تھے کہ ایک رات مشائخ کی ایک جماعت شام میں جمع ہوئی۔ باہم کہنے لگے کہ آج کے مانند عمدہ رات ہم نے کبھی نہیں دیکھی، آؤ کسی مسئلہ کا چرچا کریں، تاکہ ہماری رات فضول نہ جائے۔ صلاح ہوئی کہ محبت کے بارے میں کلام کریں کیوں کہ یہ مسئلہ بالاتفاق عمدہ ہے۔ ہر ایک نے حسب حیثیت گفتگو کی۔ اس جماعت میں عمرو بن عثمان مکی بھی تھے ان کو خلاف عادت اس وقت پیشاب لگا وہ اٹھ کر باہر صحن میں آئے۔ چاندنی رات تھی، ایک ہرن کی کھال کا ٹکڑا پڑا ہوا ملا۔ اس کو اٹھا کر جماعت کے پاس لائے اور کہا: اے لوگو! خاموش رہو۔ یہ ٹکڑا تمہارا جواب ہے۔ دیکھو اس میں کیا ہے۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ تم لوگ مکار ہو حالانکہ تم سب کے سب خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہ پڑھ کر تمام متفرق ہو گئے، اور پھر ایام حج ہی میں ایک جگہ ہوئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور ابن خفیف غیر معتبر (راوی) ہیں اور اگر صحیح ہو تو وہ کھال کا ٹکڑا شیطان نے ڈالا تھا۔ اگر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی طرف سے کوئی تحریر تھی تو یہ خیال فاسد ہے۔ ہم بیان کر چکے کہ مکر کے معنی یہ ہیں کہ مکر کا بدلہ دیتا ہے اگر اس بنا پر اس کو مکار کہا جائے تو سخت جہالت اور نہایت حماقت ہے۔

خلدی نے کہا: میں نے رویم سے سنا، کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو کچھ چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اپنے مکر کو اپنے علم میں اور اپنے فریب کو اپنے لطف میں اور اپنے عذاب کو اپنے اکرام میں چھپایا ہے۔ ابو یزید کی نسبت کہتے ہیں کہ ایک بھائی کی ملاقات کو چلے۔ جب دریائے جیحون پر پہنچے تو کنارے پر ٹھہر کر بولے۔ اے میرے آقا! یہ کیسا مکر خفی ہے تیری عزت کی قسم! میں نے اس لیے تیری عبادت نہیں کی۔ بعد ازاں وہیں سے لوٹ آئے اور اس پار نہیں گئے۔ سہلکی نے کہا کہ میں نے محمد بن احمد واعظ سے سنا، ذکر کرتے تھے کہ ابو یزید نے کہا کہ جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ جنت کے لیے دربان ہو گا اور جنت اس کے لیے وبال ہو گی۔

میں کہتا ہوں یہ بڑی جرأت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے اور جنت جو

کہ اعلیٰ مقصد ہے اس کو وبال ٹھہرایا جائے۔ بھلا جب خداشناسوں کے لیے جنت وبال ہوئی تو دوسروں کے لیے کیا کہا جائے، یہ سب باتیں کم علمی اور ناسمجھی کی ہیں۔

احمد بن عباس مہلبی نے کہا میں نے طیفور سے جن کو ابو یزید کہتے ہیں سنا، بیان کرتے تھے کہ آخرت میں جو عارفوں کو دیدار الٰہی ہوگا ان کے دو طبقے ہوں گے۔ ایک تو وہ کہ جب چاہیں گے اور جس طور سے چاہیں گے دیدار کریں گے۔ دوسرے وہ کہ صرف ایک بار ان کو دیدار الٰہی ہوگا اس کے بعد کبھی زیارت خدا نہ کریں گے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ کیونکر ہوگا؟ جواب دیا کہ جب پہلی بار عارفین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ان کیلیے ایک بازار بنایا جائے گا جس میں خرید وفروخت کچھ نہیں صرف مردوں اور عورتوں کی صورتیں ہوں گی۔ عارفوں میں سے جو اس بازار میں داخل ہوجائے گا پھر کبھی دیدار الٰہی کی طرف نہ آئے گا۔ ابو یزید نے کہا: دیکھو خدا تم کو دنیا میں بھی بازار کا فریب دیتا ہے اور آخرت میں بھی بازار کا دھوکا دے گا۔ لہٰذا تم ہمیشہ بازار ہی کے بندے رہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ثواب جنت کا نام مکروفریب رکھنا اور اللہ تعالیٰ سے دور رہنے کا سبب بتانا جہل قبیح ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو بازار مقرر کیا جائے گا، وہ فریب نہ ہوگا بلکہ ثواب ہوگا۔ جب اس بازار کی چیزیں لینے کا ان کو حکم دیا جائے پھر دیدار سے محروم رکھنے کی سزا دی جائے، تو یہ ثواب گویا عذاب ہوا۔ اس شخص کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو کوئی اس بازار میں سے کچھ لے گا وہ زیارتِ الٰہی کی طرف نہ آئے گا اور اس کو کبھی نہ دیکھے گا۔ اس تخلیط اور علم میں تحکم سے خدا بچائے، یہ غیب کی باتیں جو نبی کے سوا کسی کو نہیں بتائی جاتیں، اس شخص کو کہاں سے معلوم ہوئیں اور کیونکر ایسا نہ ہوگا جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کثرت سے احادیث کے راوی ہیں، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہم تم کو اللہ تعالیٰ جنت کے بازار میں یکجا کرے۔ کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدا سے دور رہنے کا عذاب گوارا کیا۔ لیکن یہ لوگ علم سے دور رہے، اپنے واقعات فاسدہ پر قناعت کی جن سے حق وباطل خلط ملط ہوگیا۔ جاننا چاہیے کہ یہ واقعات اور خطرات نتیجے ہیں۔ لہٰذا جو شخص عالم ہوگا اس کے خطرات صحیح ہوں گے کیوں کہ اس کے علم کے نتائج ہیں اور جو جاہل ہوگا تو جہل کے نتیجے سب کے سب بودے ہوں گے۔

حدیث وغیرہ میں کسی قدر ان صوفیہ کا کلام یہ ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا کہ ابوتراب نخشبی میرے والد کے پاس آئے تو میرے والد کہنے لگے کہ فلاں راوی غیر معتبر ہے اور فلاں معتبر تو ابوتراب نے کہا: اے شیخ! علما کی غیبت نہ کرو۔ تو میرے والد ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم پر افسوس، یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد بخاری کہتے تھے کہ میں نے محمد بن الفضل عباسی سے سنا، کہتے تھے کہ ہم عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کے پاس تھے اور وہ ہم کو کتاب الجرح والتعدیل سنا رہے تھے۔ ان کے پاس یوسف بن حسین رازی آئے اور کہا اے ابومحمد یہ کیا ہے جو تم لوگوں کو سنا رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک کتاب ہے جو میں نے جرح اور تعدیل میں تصنیف کی ہے تو انہوں نے کہا جرح اور تعدیل کیا چیز ہے تو جواب دیا کہ اہل علم کے حالات ظاہر کرتا ہوں کہ کون ان میں سے معتبر تھا اور کون غیر معتبر تھا۔ تو ان سے یوسف بن حسین نے کہا کہ اے ابومحمد! تمہارے بارے میں مجھے شرم آتی ہے۔ یہ قوم ایک سو یا دو سو برس سے جنت میں داخل ہے اور تم دنیا میں ان کا ذکر غیبت کے ساتھ کرتے ہو تو عبدالرحمٰن روئے اور کہا: اے ابویعقوب! اگر اس کتاب کے تصنیف کرنے سے پہلے میں یہ بات سنتا تو اس کو تصنیف نہ کرتا۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ابوحاتم کے گناہ معاف کرے۔ اگر فقیہ ہوتے تو اس کو وہی جواب دیتے جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابوتراب کو دیا۔ اگر جرح وتعدیل نہ ہوتی تو کہاں سے صحیح اور غلط حدیثوں میں تمیز ہوتی۔ پھر کسی گروہ کا جنت میں ہونا اس بات سے منع نہیں کرتا ہے کہ وہ ان کے نقصانات بیان کریں۔ پھر اس کا نام غیبت رکھنا کس قدر برا ہے۔ جو شخص یہ جانے گا کہ جرح اور تعدیل کیا چیز ہے اس کا کلام کیونکر قابل ذکر ہوگا۔ یوسف کے لیے تو یہ لائق تھا کہ وہ ان ہی عجیب باتوں میں مشغول رہتے جو مثل اس کے ان سے منقول ہیں۔

ابوالعباس بن عطا کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا وہ اپنی حاجتوں کو اس کے پاس پیش کرنے سے رک جائے گا۔ کیوں کہ اس نے جان لیا کہ وہ اس کے حالات کو جانتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوال اور دعا کے دروازے کا بند کرنا ہے اور یہ بے علمی ہے۔

ابوبکر دیف صوفی نے کہا: میں نے شبلی سے سنا، کسی نے ان سے پوچھا کہ اے ابوبکر! تم

فقط اللہ کیوں کہتے ہو لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کیوں نہیں کہتے۔ جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اثبات کو بعد نفی کے لاؤں۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس سے بڑھ کر کوئی دلیل چاہتا ہوں۔ شبلی نے جواب دیا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو میں کلمۂ انکار میں مبتلا رہوں اور دراصل کلمۂ اقرار ہونا چاہیے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس نکتہ دانی پر غور کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کا حکم فرماتے تھے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ فرماتے تھے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ)) [1] اور جب نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تھے تو کہاتے تھے ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ)) [2] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بڑا ثواب اس شخص کے لیے فرمایا ہے جو کہے لا الـه الا الله۔ شریعت پر یہ زیادتی کرنا اور وہ امر اختیار کرنا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں فرمایا: غور کرنے کے قابل ہے۔

ابوالحسن نوری کی نسبت میں سنا ہے، لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے مؤذن کی اذان سنی تو طعن سے کہا: یہ موت کا زہر ہے۔ پھر کتے کو بھونکتے سنا تو کہا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ مؤذن کے بارے میں مجھ کو یہ خوف ہے کہ غفلت کے ساتھ ذکر الٰہی کرتا ہے اور اس کا کام پر اجرت لیتا ہے ورنہ اذان نہ دیتا لہٰذا میں نے طعن سے کہا اور کتا بلا ریا ذکر خدا کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ [3] یعنی ہر ایک چیز حمد الٰہی کی تسبیح پڑھتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بھائیو! خدا تم کو لغزشوں سے محفوظ رکھے اس فقہ دقیق اور اجتہاد ظریف پر غور کرو۔

منقول ہے کہ نوری نے ایک شخص کو اپنی واڑھی پکڑے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ خدا

---

[1] بخاری: کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاۃ، رقم ٦٣٣٠۔ مسلم: کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، رقم ١٣٣٨۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب مایقول الرجل اذا سلم، رقم ١٥٠٥، ١٥٠٦۔ نسائی: کتاب السهو باب عدد التهلیل والذکر بعد التسلیم، رقم ١٣٤١۔ مسند احمد: ٤/ ٢٥١۔ [2] بخاری: کتاب التهجد، باب التهجد باللیل، رقم ١١٢٠، ٦٣١٧، ٧٣٨٥۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامه، رقم ١٨٠٨۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب ما یستفتح به الصلاۃ من الدعاء، رقم ٧٧١۔ ترمذی: کتاب الدعوات، باب ماجاء فی مایقول اذا قام من اللیل الی الصلاۃ، رقم ٣٤١٨۔ ابن ماجہ: کتاب اقامة الصلوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا قام الرجل من اللیل، رقم ١٣٥٥۔ موطا امام مالک: ١/ ٢١٥، ٢١٦، کتاب القرآن، رقم ٣٤۔ [3] ١٧/ الاسراء: ٤٤۔

کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر۔ یہ بات خلیفہ تک پہنچی۔ جب ابوالحسن خلیفہ کے سامنے آئے خلیفہ نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تم نے کتے کو بھونکتے سن کر لبیک کہا اور موذن کی آواز سن کر طعن کیا۔ جواب دیا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ [1] میں نے لبیک اس لیے کہا کہ کتے نے خدا کا ذکر کیا اور موذن خدا کا ذکر کرتا ہے۔ حالانکہ گناہوں میں آلودہ اور خدا سے غافل ہے۔ کہا اور تمہارا یہ قول کہ خدا کی داڑھی سے اپنے ہاتھ کو دور کر۔ جواب دیا ہاں، کیا بندہ اور اس کی داڑھی اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے اور جو دنیا اور آخرت میں ہے سب اس کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بے علمی نے ان لوگوں کو خبط میں ڈالا اور ان کو اس کی کیا حاجت پڑی کہ ملکیت کی صفت ذات کی صفت ہے۔

شبلی کی نسبت سنا ہے کہ ان کا کوئی ہم نشین تھا۔ ایک روز اس نے شبلی سے کہا: میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ شبلی نے کہا کہ اپنا مال بیچ ڈال اور قرض ادا کر اور اپنی بی بی کو طلاق دے اور اپنی اولاد کو یتیم کر اور اپنے تعلق سے ان کو ناامید کرتا کہ تجھ کو مرے ہوؤں میں شمار کریں۔ اس نے یہ سب کچھ کیا۔ پھر وہ شخص کچھ ٹکڑے لایا جو اس نے جمع کیے تھے۔ شبلی نے کہا: یہ ٹکڑے فقیروں کے سامنے ڈال دے اور ان کے ساتھ کھا۔ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے بیس برس صوفیہ کی صحبت اختیار کی تو ان سے صرف یہی دو باتیں حاصل کیں کہ (اَلْوَقْتُ سَیْفٌ وَاَفْضَلُ الْعِصْمَةِ اَلَّا تَقْدِرَ) یعنی وقت تلوار ہے اور افضل عصمت یہ ہے کہ تجھ کو قدرت حاصل نہ ہو۔

شطحیات [2] اور دعوؤں کے بارے میں صوفیہ پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جاننا چاہیے کہ علم خوف اور کسر نفسی اور کثرت سکوت کا باعث ہوتا ہے۔ جب تم علمائے سلف کو آزماؤ گے تو ان پر خوف غالب پاؤ گے اور دعوؤں کو ان سے دور دیکھو گے۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کاش! میں مومن کے سینہ کا ایک بال ہوتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے نزع کی حالت میں کہا کہ اگر عمر بخشا نہ گیا تو اس پر افسوس ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! میں

---

[1] ١٧/ الاسراء: ٤٤۔

[2] صوفیانہ نعرے اور خلاف شریعت و ناحق اقوال۔

مر کر اٹھایا نہ جاتا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کاش! میں بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت حماد سے کہا کہ کیا تم امید کرتے ہو کہ مجھ جیسا شخص بخشا جائے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ان بزرگواروں سے ایسے کلمات اس لیے صادر ہوئے کہ خدا تعالیٰ کو خوب جانتے تھے اور خدا کو اچھی طرح جاننا خوف و دہشت کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [1] ''یعنی اللہ تعالیٰ سے فقط اہل علم ہی ڈرتے ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہوں اور تم سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں۔'' [2] صوفیہ کی جماعتیں چونکہ علم سے دور ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے اعمال کا لحاظ کیا اور بعض سے جو اتفاقیہ کرامات کے مشابہ کچھ لطیفہ سرزد ہوگئے تو بلا تکلف بڑے بڑے دعوے کر بیٹھے۔ چنانچہ ابو یزید کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ کہتے تھے میں چاہتا ہوں کہ قیامت قائم ہوتا کہ اپنا خیمہ دوزخ پر نصب کروں۔ تو ہم میں سے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ اے ابو یزید ایسا کیوں کرو گے۔ جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ دوزخ مجھ کو دیکھے گی تو سرد ہو جائے گی۔ لہٰذا میں مخلوق کے لیے رحمت ہو جاؤں گا۔ ابو موسیٰ دبیلی کہتے ہیں میں نے ابو یزید کو سنا، کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو میں خدا سے درخواست کروں گا کہ مجھ کو دوزخ میں داخل کرے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کیوں کرو گے۔ جواب دیا کہ اس لیے تا کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و لطف اپنے اولیا پر دوزخ میں بھی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ کلام قبیح تر اقوال میں سے ہے۔ کیوں کہ یہ قول اس چیز کے حقیر جاننے پر شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ امر عظیم قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی صفت میں مبالغہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [3]

---

[1] ۳۵/ فاطر: ۲۸۔ [2] بخاری: تعلیقا: کتاب الایمان، باب قول النبی انا اعلمکم باللہ، رقم ۲۰۔ مسلم: کتاب الصوم، باب بیان ان القبلة فی الصوم لیست محرمة، رقم ۲۵۹۳، ۲۵۸۸۔ ابوداؤد: کتاب الصوم، باب فیمن اصبح جنبا فی شهر رمضان، رقم ۲۳۸۹۔ مسند احمد: ۵/۴۳۴، ۶/ ۶۱، ۶۷، ۱۲۲، ۲۴۵۔ الادب المفرد: ص ۱۱۷، باب من لم یواجه الناس بکلامه، رقم ۴۳۶۔ [3] ۲/ البقرة: ۲۴۔

''اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾ ❶

''جب دوزخ اہل دوزخ کو دور سے دیکھے گی تو ان کو اس کے جوش و خروش کی آواز سنائی دے گی۔''

اسی طرح اکثر آیات آئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی اور فرمایا کہ یہ آگ جو بنی آدم جلاتے ہیں دوزخ کی حرارت کے ستر جزوں سے ایک جزو ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! عذاب کو تو یہی آگ کافی ہے۔'' فرمایا کہ وہ آگ اس آگ سے انہتر حصے زیادہ ہے۔ ہر حصہ اس آگ کی گرمی کے برابر ہے۔'' ❷ یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن دوزخ کو لائیں گے اس روز اس کی ستر ہزار مہاریں ہوں گی۔ مہار کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچتے ہوں گے۔'' ❸ کعب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے کعب! ہم کو خوف کی باتیں سناؤ۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! جس قدر ایک آدمی سے ہوسکتا ہے اسی قدر عمل کیجیے کیوں کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اگر آپ ستر نبیوں کے اعمال لے کر بھی اٹھیں گے تو آپ کے اعمال ناقص ہوں گے زیادہ کیا کہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیر تک سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا: اے کعب! اور زیادہ بیان کرو۔ کعب بولے اے امیر المومنین! اگر دوزخ میں سے بیل کے نتھنے کے برابر مشرق کی جانب کھل جائے اور ایک آدمی مغرب میں ہو تو اس کا دماغ پکنے لگے یہاں تک کہ اس کی گرمی سے بہہ نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک سر جھکائے رہے۔ پھر افاقہ میں آ کر فرمایا: کعب! اور زیادہ سناؤ۔ کعب نے کہا: یا امیر المومنین! قیامت کے دن دوزخ ایک سانس لے گی جس کی وجہ سے ہر ایک فرشتہ مقرب اور ہر ایک نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑے گا اور عرض کرے گا (رَبِّ نَفْسِيْ نَفْسِيْ) ''اے خدا مجھے بچا مجھے بچا''۔ آج اپنے

❶ ۲۵/ الفرقان: ۱۲۔ ❷ بخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفۃ النار وانھا مخلوقۃ، رقم ۳۲۶۵۔ مسلم: کتاب الجنۃ، باب فی شدۃ حر نار جہنم، رقم ۷۱۶۵۔ ترمذی: کتاب صفۃ جہنم، باب ماجاء فی ان نارکم ھذہ جزء من سبعین جزء، رقم ۲۵۸۹۔ مؤطا امام مالک: ۲/ ۹۹۴، کتاب جہنم، باب ماجاء فی صفۃ جہنم رقم ۱۔ مسند احمد: ۲/ ۲۴۴، ۲۷۸۔ ❸ مسلم: کتاب صفۃ الجنۃ، باب حر نار جہنم، رقم ۷۱۶۴۔ ترمذی: کتاب صفۃ جہنم، باب ماجاء فی صفۃ النار، رقم ۲۵۷۳۔

سوا کسی کے لیے تجھ سے درخواست نہیں کرتا۔'' [1] ابن السائب نے زاذان سے روایت کیا، انہوں نے کعب احبار سے سنا، کہتے تھے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا۔ فرشتے اتریں گے اور صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے جبریل! میرے سامنے دوزخ کو لاؤ۔ جبریل اس کو لینے جائیں گے اور ستر ہزار مہاروں سے کھینچتے ہوئے لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب مخلوق سے سو (۱۰۰) برس کی راہ کے فاصلہ پر ہوگی تو ایک سانس لے گی جس سے مخلوق کے دل اڑ جائیں گے، پھر دوسرا سانس لے گی جس سے تمام مقرب فرشتے اور نبی مرسل گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ پھر تیسرا سانس لے گی جس سے دل منہ کو آئیں گے اور عقلیں زائل ہو جائیں گی۔ ہر شخص گھبرا کر اپنے عمل کو دیکھے گا حتیٰ کہ ابراہیم خلیل اللہ کہیں گے اے خدا! بذریعہ اپنی خلت کے آج اپنے سوا کسی کی نسبت درخواست نہیں کرتا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کہیں گے بوسیلہ اپنے کلام کے آج اپنے سوا کچھ نہیں سوال کرتا، عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے ببرکت اس کے کہ تو نے میرا اکرام فرمایا ہے آج اپنے سوا کسی کی نسبت کسی کے لیے کچھ نہیں مانگتا حتیٰ کہ مریم جس میں پیدا ہوتا ہوا ہوں اس کی نسبت بھی سوال نہیں کرتا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم روایت کر چکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''اے جبریل! کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل کو ہنستے نہیں دیکھا؟ عرض کیا جب سے آگ پیدا کی گئی ہے میکائیل نہیں ہنسے اور جب سے دوزخ پیدا ہوئی ہے میرے آنسو نہیں تھمے اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھوں اور وہ مجھ کو اس میں جھونک دے۔'' [2]

عبداللہ بن رواحہ ایک روز رونے لگے۔ ان کی بی بی نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ جواب دیا کہ مجھ کو یہ تو خبر دی گئی ہے کہ دوزخ پر گزر ہوگا لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس سے نکل بھی جاؤں گا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب یہ حالت ملائکہ اور انبیا اور صحابہ کی ہو جو نجاستوں سے پاک

---

[1] اس میں علی بن زید بن جدعان ضعیف راوی ہے۔ حلیۃ الاولیاء: ۵/۴۰۴، رقم ۷۵۲۹، فی ترجمۃ (۲۲۵) کعب لأحبار۔ [2] مسند احمد: ۳/۲۲۴۔ مجمع الزوائد: ۱۰/۳۸۵، کتاب صفۃ النار، کتاب الشریعۃ للآجری: ۳/۱۳۶۲، کتاب الایمان والتصدیق بأنّ الجنۃ والنار مخلوقتان، رقم ۹۳۴۔ شعب الایمان: ۱/۵۲۱، باب الخوف من اللہ تعالیٰ، رقم ۹۱۳، ۹۱۵۔

تھے اور دوزخ سے اس قدر گھبرائیں تو پھر یہ دعویٰ کرنے والا دوزخ کو کیونکر سہل چیز سمجھتا ہے اور اپنی ذات پر ولایت اور نجات کا قطعی حکم لگاتا ہے۔ حالانکہ نجات کا قطعی حکم صرف صحابہ میں سے ایک جماعت کے لیے لگایا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص دعویٰ کرے کہ میں جنتی ہوں وہ دوزخی ہے۔'' [1] محمد بن واسع کو دیکھو کہ اپنی موت کے وقت کہتے تھے کہ بھائیو! تم جانتے ہو کہ مجھے کہاں لے جائیں گے۔ قسم اس ذات کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں، میں نہیں جانتا کہ دوزخ کی طرف لے جائیں گے یا دوسری طرف۔

اہل بسطام میں سے ایک شخص نے نقل کیا کہ اس نے ابو یزیدہ کو یوں دعا کرتے سنا کہ یا اللہ! اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو کہ تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عذاب کرے گا تو میری خلقت کو بڑھا دے حتیٰ کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا دوزخ میں نہ سما سکے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ابو یزید کا یہ قول تین وجہ سے خطا ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے یوں کہا اگر تیرے علم ازلی میں مقدر ہو حالانکہ ہم قطعی جانتے ہیں کہ ایک خاصی مخلوق کو دوزخ کا عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک جماعت کا نام خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ جیسے فرعون اور ابولہب، پھر کیونکر جائز ہے کہ قطعی یقین کے بعد یوں کیا جائے کہ اگر تیرے علم میں مقدر ہو۔ دوسرے یوں کہنا کہ میری خلقت کو بڑھا دے۔ اگر اس کے بعد یوں کہتے تاکہ میں مومنوں سے دوزخ کو دور رکھوں تو ایک بات تھی۔ مگر انہوں نے تو یوں کہا کہ میرے سوا اس میں دوسرا نہ سما سکے۔ لہٰذا کفار پر بھی شفقت کی۔ حالانکہ یہ خدا کی رحمت کو چھوڑ دینا ہے۔ تیسرے یہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس آگ کی حقیقت نہیں جانتے یا اپنے نفس پر صبر کا وثوق ہوتا۔ حالانکہ دونوں میں سے ان میں ایک بھی بات نہیں۔

سمنون کی نسبت میں نے سنا ہے کہ وہ اپنا نام کذاب رکھتے بوجہ چند اشعار کے جو انہوں نے کہے تھے:

وَلَیْسَ لِیْ فِیْ سِوَاکَ حَظٌّ
فَکَیْفَ مَا شِئْتَ فَامْتَحِنِیْ

---

[1] یہ مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے۔ اس میں محمد بن عطاء الثقفی راوی ضعیف ہے دیکھیے مجمع الزوائد: ۱/۱۸۶، کتاب العلم، باب کراھیۃ الدعویٰ۔ الطبرانی فی المعجم الصغیر: ۱/۱۲۰، رقم ۱۷۶، عن شیخہ احمد بن مجاہد الاصفہانی المقاصد الحسنۃ للسخاوی ص ۴۲۳، رقم ۱۱۶۰۔

''مجھے تیرے سوا کسی میں مزا نہیں ملتا تو جس طرح چاہے مجھ کو آزمائے۔''

تو اسی وقت ان کا پیشاب بند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مکتبوں میں پھرا کرتے تھے اور ہاتھ میں ایک شیشہ تھا جس میں ان کا پیشاب ٹپکتا تھا اور لڑکوں سے کہتے تھے اپنے کذاب چچا کے لیے دعا کرو۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس قصہ سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، دیکھو تو سہی یہ شخص کس کے سامنے دعویٰ کرتا ہے۔ یہ سب جہالت کا نتیجہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو بجز عافیت کے اس سے کسی چیز کا سوال نہ کرتا۔ صوفیہ خود ہی کہتے ہیں کہ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔

ابو یعقوب خراط نے بیان کیا کہ ابوالحسن نوری نے کہا: میرے دل میں ان کرامات کے بارے میں کچھ شبہ تھا۔ میں نے لڑکوں سے ایک نرسل لیا اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑا ہوا اور کہا: تیری عزت کی قسم! اگر اس وقت میرے لیے ایک مچھلی نہ نکل پڑے جو پورے تین رطل سے کم ہو نہ زیادہ تو میں اپنے آپ کو ڈبو دوں گا کہا کہ پھر ایک مچھلی نکلی جو تین رطل کی تھی۔ یہ خبر جنید کو ملی تو انہوں نے کہا: اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے لیے ایک سانپ نکلے اور اسے کاٹ کھائے۔ محمد بن ابان نے کہا: میں نے ابوسعید خزاز کو سنا، کہتے تھے کہ خدا کے یہاں میرا سب سے بڑا گناہ اس کی معرفت ہے۔ مصنف نے کہا: میں کہتا ہوں کہ اگر یہ قول اس معنی پر محمول ہو کہ جب مجھ کو اس معرفت حاصل ہوئی تو میں نے اس معرفت کے موافق عمل نہیں کیا لہٰذا مجھ سے بڑا گناہ ہوا۔ جیسے کوئی شخص جان بوجھ کو نافرمانی کرے اس کا گناہ بڑا ہوگا۔ یہ معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں ورنہ یہ قول قبیح ہے۔

شبلی کے مرض موت میں کچھ لوگ ان کے پاس گئے۔ پوچھنے لگے، اے ابوبکر! کیا کیفیت ہے۔ شبلی نے دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ''اس کا بادشاہ عشق کہتا ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا، میں اس کے قربان جاؤں اس سے کہو مجھ کو ویسے ہی قبول کرے۔'' ابن عقیل نے کہا: شبلی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ [1] یعنی اے محمد ﷺ تم کو خدا اس قدر دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم! محمد ﷺ راضی نہ ہوں گے۔ جب تک ایک بھی ان کی امت میں سے دوزخ میں ہوگا۔ پھر شبلی

[1] ۹۳/الضحیٰ:۵۔

بولے کہ محمد ﷺ اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور ان کے بعد میں شفاعت کروں گا یہاں تک کہ کوئی دوزخ میں باقی نہ رہے گا۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت پہلا دعویٰ کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ فاجروں کے عذاب پر راضی نہ ہوں گے غلط دعویٰ اور جہالت پر پیش قدمی ہے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے حالانکہ ''شراب کے بارے میں دس آدمی ملعون ہو چکے ہیں'' [1] پھر یہ دعویٰ کرنا کہ آپ فاجروں کے عذاب ہونے پر راضی نہ ہوں گے باطل ہے اور حکم شریعت کے نہ جاننے پر اقدام ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ خود بھی اہل شفاعت ہے سب کی شفاعت کریں گے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر زیادہ بڑھائیں گے کفر ہے۔ کیوں کہ انسان جب قطعی طور سے اپنے آپ کو اہل جنت سمجھے گا وہ اہل دوزخ سے ہوگا۔ پھر اس شخص کی نسبت بھلا کیا کہا جائے جو اپنے آپ کو یہ خیال کرتا ہے کہ مقام محمود سے بھی بڑھ کر اس کو مقام ملے گا اور وہ مقامِ شفاعت ہے۔

محمد بن حسین سلمی نے کہا: میں نے اپنے باپ کی کتاب میں خود انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ میں نے ابوالعباس دینوری سے سنا، کہتے تھے کہ ان لوگوں نے تصوّف کے ارکان توڑ ڈالے۔ اس کی راہ کو منہدم کر دیا۔ اس کے معنی کو بدل ڈالا۔ اپنی طرف سے نام تراش لیے کہ طمع کا نام زہد رکھا۔ بے ادبی کو اخلاص کہتے ہیں۔ راہ حق سے خارج ہونا شطح ہے۔ مذموم چیز سے لذت اٹھانا طیبہ ہے۔ بداخلاقی صولت ہے۔ بخل جواں مردی ہے۔ اتباعِ ہوا امتحان ہے۔ دنیا کی طرف رجوع کرنا وصول ہے۔ بھیک مانگنا عمل ہے اور بدزبانی ملامت ہے حالانکہ یہ طریقہ قوم کا نہیں۔ ابن عقیل نے کہا ہے صوفیہ نے حرام کو ایسی عبارتوں سے ادا کیا کہ ان کے نام تو بدل ڈالے اور معنی باقی رہے اس طرح کہ ظرافت اور گانے وغیرہ پر جمع ہونے کو اوقات کہا۔ ان لوگوں نے امرد کو شہود کہا۔ معشوقہ کو بہن، محبت رکھنے والی عورتوں کو مریدہ، رقص وطرب ووجد اور لعب وبطالت کے ٹھکانے کو رباط، حالانکہ ناموں کے بدلنے سے یہ چیزیں مباح نہیں ہوسکتیں۔

---

[1] ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب العنب یعصر خمرا، رقم ۳۶۷۴۔ ترمذی: کتاب البیوع، باب النہی ان یتخذ الخمر خلا، رقم ۱۲۹۵۔ ابن ماجہ: کتاب الاشربۃ، باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ، رقم ۳۳۸۰۔ مستدرک الحاکم: ۲/ ۳۷، کتاب البیوع، رقم ۲۲۳۵۔ مسند احمد: ۲/ ۲۵، ۷۱۔

بعض اور افعال منکرہ کا بیان جو صوفیہ سے نقل کیے جاتے ہیں

بہت سے افعال کا ذکر پہلے گزر چکا کہ وہ سب کے سب برے تھے اور یہاں پر ہم ان کے صرف بڑے بڑے اور عجیب فعل ذکر کرتے ہیں۔ ابوالکرینی کی نسبت جو جنید رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے بیان کرتے ہیں کہ ان کو احتلام ہوا وہ ایک موٹے کپڑے کا خرقہ پہنے ہوئے تھے، دجلہ کے کنارے آئے، سردی سخت تھی، ان کے نفس نے بوجہ سردی کے پانی میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ انہوں نے خرقہ سمیت اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا اور برابر غوطہ لگاتے رہے، پھر نکل کر بولے کہ میں عہد کرتا ہوں جب تک میرے جسم پر یہ خرقہ خشک نہ ہو جائے گا نہ اتاروں گا۔ ایک مہینہ بھر تک وہ خرقہ خشک نہ ہوا اس شخص نے اپنا یہ قصہ لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ اس کی بزرگی ظاہر ہو حالانکہ یہ جہل محض ہے۔ کیوں کہ اس شخص نے اپنی اس حرکت میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس فعل سے عوام نادان خوش ہوتے ہیں، علما پسند نہیں کرتے اور کسی شخص کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو عذاب کرے۔ اس شخص نے اپنی ذات کے لیے کئی قسم کے عذاب جمع کیے۔ اپنے آپ کو ٹھنڈے پانی میں ڈالنا، اور ایسے خرقہ میں ہونا کہ حسب خواہش حرکت نہ کر سکے اور عجب نہیں کہ اس کی کثافت کی وجہ سے نیچے کے کچھ حصہ میں پانی نہ پہنچا ہو۔ پھر اسی طرح بھیگا ہوا خرقہ مہینہ بھر تک جسم پر رہنا جس نے اس کو لذت خواب سے باز رکھا یہ سب حرکتیں خطا اور گناہ ہے۔

کہتے ہیں کہ احمد بن ابی الحواری اور ابوسلیمان میں باہم معاہدہ تھا کہ جو کچھ ابوسلیمان حکم کریں وہ اس کے خلاف نہ کریں۔ ایک روز ابوسلیمان مجلس میں بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ احمد آئے اور کہنے لگے کہ ہم تنور گرم کر چکے۔ آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ ابوسلیمان نے کچھ جواب نہ دیا۔ احمد نے پھر دو بار یا تین بار کہا۔ تیسری مرتبہ ابوسلیمان بولے۔ جاؤ اور تم تنور میں بیٹھ جاؤ۔ احمد نے ایسا ہی کیا۔ ابوسلیمان لوگوں سے بولے، چلو اس کو جا کر دیکھیں۔ کیوں کہ مجھ میں اس میں باہم معاہدہ ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا اس کے خلاف نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر خود اٹھے اور لوگ ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ تنور پر آ کر دیکھا تو اس کے بیچ میں احمد کو بیٹھا ہوا پایا۔ ابوسلیمان نے ہاتھ پکڑا اور تنور سے نکال کر کھڑا کیا۔ دیکھا تو کچھ آنچ نہ پہنچی تھی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حکایت صحت سے بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو اس شخص کا آگ میں،

داخل ہونا گناہ ہے۔ صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں ایک لشکر کا ٹکڑا (سریہ) بھیجا اور انصار میں سے ایک شخص کو سردار بنایا جب وہ چلے تو راستے میں وہ انصاری کسی بات سے ان پر غصے ہو گئے اور ان سے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں فرمایا کہ ہر بات میں میری اطاعت کرو سب بولے بے شک فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا اچھا لکڑیاں جمع کرو۔ لوگوں نے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ پھر آگ منگا کر سلگائی۔ پھر کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ لوگوں نے داخل ہونے کا قصد کیا۔ ایک نوجوان شخص نے ان سے کہا: تم لوگ فقط آتش دوزخ ہی کے مارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کفر سے نکل کر) بھاگ آئے ہو۔ جلدی نہ کرو۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لو۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیں تو داخل ہو جاؤ، سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس آگ کے اندر چلے جاتے تو پھر کبھی باہر نہ آتے۔ فرمانبرداری صرف حکم شرعی میں کی جاتی ہے۔ [1]

ابوالخیر الدیلمی نے بیان کیا کہ میں خیر نساج کے پاس بیٹھا تھا ان کے پاس ایک عورت آئی اور بولی کہ لاؤ مجھ کو وہ رومال دو جو میں نے کل تم کو دیا تھا۔ خیر نساج نے کہا: بہت اچھا، یہ کہہ کر وہ رومال اس کو دیا۔ وہ بولی کہ اس کی اجرت کیا ہے۔ کہا کہ دو درم۔ عورت نے کہا: اس وقت میرے پاس کچھ نہیں اور میں تمہارے پاس کئی مرتبہ آئی اور تم کو نہ دیکھا کل انشاء اللہ تم کو دے دوں گی۔ خیر نساج بولے کہ اگر تم میرے پاس اجرت لاؤ اور میں تم کو نہ ملوں تو دجلہ میں ڈال دینا۔ جب میں آؤں گا لے لوں گا۔ عورت بولی کہ دجلہ سے تم کیونکر لے لو گے۔ خیر نساج نے کہا: اس کی تحقیق کرنا تم کو فضول ہے۔ جس طرح میں کہتا ہوں وہ کرو۔ عورت ان شاء اللہ کہہ کر چلی گئی۔ ابوالخیر کہتے ہیں کہ میں دوسرے روز علی الصباح پھر خیر کے پاس گیا خیر وہاں موجود نہ تھے۔ وہ عورت آئی اور دو درم ایک کپڑے کے ٹکڑے میں باندھ کر لائی تھی جب خیر نہ ملے تو تھوڑی دیر بیٹھی پھر کھڑی ہوئی

---

[1] مسند احمد: ۱/۸۲، ۹۴، ۱۲۴ (واللفظ لہ) بخاری: کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ، رقم ۷۱۴۵۔ مسلم: کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ...... رقم ۴۷۶۵، ۴۷۶۶۔ ابوداؤد: کتاب الجہاد، باب فی الطاعۃ، رقم ۲۶۲۵۔ نسائی: کتاب البیعۃ، باب جزاء من امر بمعصیۃ فاطاع، رقم ۴۲۱۰۔

اور کپڑے کو دجلہ میں پھینک دیا۔ یکا یک ایک کیکڑا نکلا اور اس کپڑے کو لے کر پانی میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد خیر آئے اور اپنی دوکان کا دروازہ کھولا اور دجلہ کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنے لگے۔ ناگاہ وہی کیکڑا پانی سے نکل کر ان کی طرف دوڑتا آیا اس کی پشت پر وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا۔ جب ان کے پاس آیا انہوں نے وہ ٹکڑا لے لیا۔ ابوالخیر کہتے ہیں میں نے خیر نساج سے کہا کہ ایسا ایسا واقعہ میرے سامنے گزرا ہے۔ خیر بولے، میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں کسی پر یہ قصہ ظاہر نہ ہو۔ میں نے اس بات کو قبول کیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس حکایت کا صحیح ہونا بعید ہے اور اگر صحیح بھی ہو تو یہ حرکت شرع کی مخالفت سے خارج نہیں۔ کیوں کہ شرع نے مال کی نگہداشت کا حکم کیا ہے اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے (کہ درم دریا کے حوالے کر دیئے جائیں) صحیحین میں ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے تلف کرنے سے منع فرمایا۔'' [1] اس شخص کے قول کی طرف بالکل توجہ نہ کرو جو کہتا ہے کہ یہ کرامت ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا اکرام نہیں فرماتا جو اس کی شرع کے خلاف کرے۔

ابو حامد غزالی نے کتاب ''احیاء العلوم'' میں نقل کیا ہے کہ کوئی بزرگ آغاز ارادت میں قیام کرنے میں کسل کرتے تھے۔ تو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا کہ تمام رات سر کے بل کھڑا رہوں گا تا کہ پھر نفس خوشی سے قیام کو آسان سمجھے۔ ایک جگہ ابو حامد لکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے مال کی محبت کا علاج یوں کیا کہ اپنا تمام مال بیچ ڈالا اور اس کو دریا میں پھینک دیا اس لیے کہ اگر اس کو لوگوں پر تقسیم کریں تو خوف ہے کہ کہیں جود و سخاوت کی رعونت نہ آ جائے اور خیرات میں ریا نہ واقع ہو۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض بزرگ اجرت پر ایسے شخص کو لیتے تھے کہ ان کو بڑے آدمیوں کے سامنے گالیاں دے تا کہ ان کا نفس حلم و بردباری سیکھے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ جاڑے میں دریا کا سفر کرتے ہیں۔ جب موج زوروں پر ہوتی ہے تا کہ بہادر ہو جائیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سب سے زیادہ مجھ کو ابو حامد پر تعجب آتا ہے کہ ان باتوں کو کیونکر جائز رکھتے ہیں، اور ان پر رد و انکار نہیں کیا اور مقام تعلیم میں ان کا تذکرہ کیا۔ ایک اور جگہ کہتے

[1] بخاری، رقم (۲۴۰۸) مسلم: رقم (۴۴۸۳)۔

ہیں کہ شیخ مبتدی کی حالت دیکھنی چاہیے اگر اس کے پاس مال ضرورت سے زائد دیکھے تو اس کو لے کر کار خیر میں صرف کرے حتیٰ کہ اس کی طرف وہ مبتدی کچھ توجہ نہ کرے اور اگر شیخ دیکھے کہ اس پر کبر و غرور غالب ہے تو اس کو حکم دے کہ بازار جائے اور سوال کرنے کی تکلیف اٹھائے۔ پھر بھی اگر فساد دیکھے تو حمام اور باورچی خانہ اور بھاڑ وغیرہ جھونکنے کی خدمت اس سے لے اور اگر کھانے کی حرص اس پر غالب پائے تو روزہ اس پر لازم کر دے اور اگر دیکھے کہ وہ بن بیاہا ہے اور روزہ سے اس کی شہوت فرو نہیں ہوتی تو اس کو حکم کرے کہ ایک رات فقط پانی پر افطار کرے اور روٹی نہ کھائے اور دوسری رات صرف روٹی پر افطار کرے اور پانی نہ پیئے اور گوشت سے اس کو بالکل باز رکھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مجھے ابو حامد پر تعجب ہے کہ کیونکر ان باتوں کا حکم کرتے ہیں جو شرع کے خلاف ہیں کیونکر جائز ہے کہ آدمی تمام رات سر کے بل کھڑا رہے جس سے خون کا سیلان الٹا ہو جائے اور مرض شدید کا باعث ہو۔ اور کیونکر جائز ہے مال کو دریا میں پھینک دے اور کیونکر جائز ہے کہ بلا سبب مسلمان کو گالیاں دے اور بھلا مسلمان کے لیے کیا جائز ہے کہ جو شخص کسب کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ سوال کرے۔ غرض کہ ابو حامد نے تصوف کے بدلے میں فقہ کو کس قدر ارزاں فروخت کر ڈالا۔

حسن بن علی دامغانی سے منقول ہے کہ ایک شخص اہل بسطام میں سے تھا۔ جو ابو یزید کی مجلس سے نہ کبھی جدا ہوتا تھا اور نہ اس کو چھوڑتا تھا۔ ایک روز اس نے ان سے کہا کہ میں تیس برس سے دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہوں اور رات کو قیام کرتا ہوں اور نفس کی خواہشیں چھوڑ دیں۔ لیکن آپ جو ذکر کرتے ہیں اس میں سے کوئی بات اپنے دل میں نہیں پاتا ہوں۔ تو ابو یزید نے اس سے کہا کہ میرے خیال میں اگر تو تین سو برس روزے رکھے گا اور تین سو برس قیام کرے گا جب بھی تجھ کو ایک ذرہ اس سے حاصل نہ ہوگا۔ کہا استاد کیوں؟ کہا تو اپنے نفس کی وجہ سے حجاب میں ہے۔ کہا اس کے واسطے کوئی دوا بھی ہے جس سے یہ حجاب جاتا رہے۔ جواب دیا کہ ہاں ہے لیکن تو منظور نہ کرے گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں قبول کروں گا اور جو کچھ آپ حکم دیں گے اس پر عمل کروں گا۔ ابو یزید بولے کہ ابھی حجام کے پاس جا کر اپنا سر اور داڑھی منڈوا ڈال

اور یہ لباس اپنا اتار کر ایک چادر کا تہبند باندھ اور اپنے گلے میں ایک جھولی ڈال کر اس کو اخروٹوں سے بھر لے اور اپنے چاروں طرف لڑکوں کو جمع کر کے بلند آواز سے پکار کہ جو مجھ کو ایک تھپڑ مارے گا اس کو ایک اخروٹ دوں گا اور اس بازار میں جا جہاں تیری تعظیم ہوتی ہے۔ وہ شخص سن کر بولا کہ اے ابو یزید! سبحان اللہ۔ آپ مجھ جیسے شخص کو ایسی ہدایت کرتے ہیں۔ ابو یزید کہنے لگے کہ تیرا سبحان اللہ کہنا شرک ہے۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیونکر ہے۔ جواب دیا اس لیے کہ تو نے اپنے نفس کی تعظیم کی اور اس سے محبت رکھتا ہے۔ کہا اے ابو یزید اس پر میں قادر نہیں ہوں اور نہ کروں گا لیکن اور کوئی بات بتائیے تا کہ اس کو کروں۔ تو ابو یزید نے اس سے کہا کہ تمام باتوں سے پہلے یہ کرتا کہ تیری عزت جاتی رہے اور تیرا نفس ذلیل ہو جائے۔ پھر اس کے بعد جو تیرے لیے بہتر ہوگا بتاؤں گا۔ کہا: میں اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ کہا: میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ قبول نہ کرے گا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! ہماری شریعت میں ایسی خرافات باتیں نہیں۔ بلکہ ان کی حرمت اور ممانعت ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ ذلیل کرے۔'' [1] حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار جمعہ فوت ہو گیا۔ انہوں نے جب آدمیوں کو نماز سے لوٹتے ہوئے آتے دیکھا تو چھپ گئے تا کہ نماز کے حق میں نقص کی نگاہ سے نہ دیکھے جائیں۔ بھلا کیا شریعت کسی سے یہ چاہتی ہے کہ نفس کا اثر مٹا دے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو کوئی ان ناپاک امور میں سے کسی میں مبتلا ہو تو اس کو چھپانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی پردہ پوشی کرے گا۔'' [2] یہ سب اسی لیے فرمایا کہ نفس کا جاہ و مرتبہ قائم رکھا جائے۔ اگر بہلول لڑکوں کو حکم کرتے کہ وہ ان کو چانٹے لگائیں تو بری بات ہوتی۔ ایسی ناقص عقلوں سے خدا

---

[1] ترمذی: کتاب الفتن، باب لا یعرض البلاء لما لا یطیق، رقم ۲۲۵۴۔ ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب قولہ تعالیٰ، یایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم، رقم ۴۰۱۶۔ مسند احمد: ۵/ ۴۰۵۔ شعب الایمان: ۷/ ۴۱۸، ۴۱۹، باب فی الاعراض عن اللغو، رقم ۱۰۸۲۱، ۱۰۸۲۲، ۱۰۸۲۴۔ سلسلۂ صحیحہ: ۲/ ۱۷۰، رقم ۶۱۳۔ [2] مؤطا امام مالک: ۲/ ۸۲۵، کتاب الحدود، باب ماجاء فیمن اعترف علیٰ نفسہ بالزنا، برقم ۱۲۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۲۷۲، کتاب التوبۃ والانابۃ، رقم ۸۶۱۵، ۸۱۵۸۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/ ۳۳۰، کتاب الاشربۃ، والحد فیھا، باب ماجاء فی الاستتار بستر اللہ۔ سلسلۂ صحیحہ: ۲/ ۲۶۷، رقم ۶۶۳۔

پناہ دے جو مبتدی سے ان امور کی درخواست کرتے ہیں جن سے شریعت راضی نہیں۔

ابو حامد نے بیان کیا کہ ابن کرینی نے کہا: میں ایک بار ایک مقام پر اترا اور میرے خیر و صلاح کی وہاں شہرت ہوگئی۔ میں حمام گیا وہاں ایک لباس فاخرہ دیکھ کر اس کو چرالیا اور نیچے وہ لباس پہن کر اوپر سے اپنا خرقہ پہنا اور حمام سے نکل کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ لوگ میرے پاس آئے اور میرا خرقہ اتارا اور وہ لباس مجھ سے چھین کر مجھ کو پیٹا۔ اس کے بعد میں حمام کا چور مشہور ہوگیا اس وقت میرے نفس کو قرار آیا۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس شخص کی حالت سے کون سی حالت قبیح تر ہوگی جو شریعت کے خلاف کرے اور امر ممنوع میں مصلحت خیال کرے اور کیونکر جائز ہے کہ معاصی کا مرتکب ہو کر صلاح قلوب طلب کرے۔ کیا شرع میں وہ چیز نہیں ملتی جس سے صلاح قلب حاصل ہو کہ امر ناجائز کو عمل میں لایا جائے۔ یہ حرکت ایسی ہے جیسے بعض جاہل حکام کرتے ہیں کہ جس کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ جس کو قتل کرنا جائز نہیں اس کو مار ڈالا اور اس کو سیاست کہتے ہیں۔ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ شریعت سیاست کے لیے کافی نہیں ہے۔ مسلمان کو کیونکر جائز ہے کہ اپنے آپ کو چور مشہور کردے۔ بھلا کیا یہ جائز ہے کہ اس کے دین کو سست کہا جائے یا ایسی حرکتیں ان لوگوں کے سامنے کرے جو زمین پر خدا کی طرف سے شہادت دینے والے ہیں۔ اگر کوئی آدمی سر راہ کھڑے ہو کر اپنی بی بی سے باتیں کرے تا کہ ناواقف لوگ اسے فاسق کہیں تو اس حرکت سے گنہگار ہوگا۔ پھر کیونکر جائز ہے کہ غیر مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرے۔ امام احمد اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب میں نص ہے کہ جو شخص حمام سے وہ کپڑے چرائے جن پر نگہبان موجود ہو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا واجب ہے۔ کون سے لوگ صاحب احوال ہیں کہ لوگ ان کے واقعات پر عمل کریں۔ ہرگز نہیں، خدا کی قسم! ہماری شریعت وہ شریعت ہے کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی چاہیں کہ اس کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کریں تو ان کی بات نہ مانی جائے گی۔

کہتے ہیں کہ ابو جعفر حداد نے بیس برس اس طرح گزارے کہ ہر روز ایک دینار کماتے تھے اور اس کو فقیروں پر خیرات کر دیتے تھے اور خود روزہ رکھتے تھے اور مغرب و عشاء کے درمیان گھروں سے بھیک مانگ کر اس پر افطار کرتے تھے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر یہ شخص جانتا کہ

جو آدمی کسب کر سکتا ہے اس کو سوال کرنا اور صدقہ لینا جائز نہیں تو ایسا نہ کرتا اور اگر ہم اس کو جائز بھی مان لیں تو اس سوال کرنے سے نفسوں کی غیرت کہاں باقی رہی۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی ہمیشہ سوال کرتا رہے گا قیامت کے دن خدا کے سامنے جائے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔'' ❶ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''آدمی ایک رسی لے اور اس میں لکڑیاں باندھ کر لائے پھر ان کو بازار میں رکھ کر بیچے اور اس سے تونگری حاصل کر کے اپنا خرچ چلائے تو اس کے لیے یہ بہتر ہوگا اس سے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ وہ اس کو کچھ دیں یا نہ دیں۔'' ❷ یہ دوسری حدیث فقط بخاری میں ہے اور اس سے پہلے والی حدیث متفق علیہ ہے۔ عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَلَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ)) ❸ ''یعنی صدقہ لینا نہ تونگر کو جائز ہے اور نہ پوری طاقت والے کو''۔ یہاں ذی مرۃ کا لفظ آیا ہے۔ مرۃ کے معنے قوت کے ہیں اور اصل میں رسی کی مضبوطی کے لیے آتا ہے۔ بولا جاتا ہے مررت الحبل جب کہ رسی کو مضبوط بٹتے ہیں۔ پس حدیث میں مرۃ کے معنی یہ ہیں کہ جسم مضبوط ہو اور بدن تندرست ہو۔ جس تندرستی میں کوشش اور تعب کا برداشت کر سکے۔ شافعی رحمہ اللہ نے کہا: جو شخص ایسی قوت رکھتا ہے جس سے کسب پر قادر ہو اس کو صدقہ لینا جائز نہیں۔

یونس بن ابی بکر الشبلی نے اپنے باپ سے حکایت کی کہ وہ ایک رات تمام شب کوٹھے پر چھت کے کنارے کھڑے رہے اور بولے کہ اے آنکھ! اگر تو جھپکی تو میں تجھ کو صحن میں گرا دوں گا۔ غرض اسی طرح کھڑے رہے۔ صبح کو مجھ سے کہنے لگے: بیٹا! آج کی رات میں نے کسی کو ذکر

❶ بخاری: کتاب الزکاۃ، باب من سال الناس تکثرا، رقم ۱۴۷۴۔ مسلم: کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ المسئلۃ للناس، رقم ۲۳۹۶، ۲۳۹۸ (واللفظ لہ)۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب المسئلۃ، رقم ۲۵۸۶۔ مسند احمد: ۲/ ۱۵، ۸۸ (واللفظ لہ ایضا)۔ ❷ بخاری: کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسئلۃ، رقم ۱۴۷۱، ۱۴۷۳۔ ابن ماجہ: کتاب الزکاۃ، باب کراھیۃ المسئلۃ، رقم ۱۸۳۶۔ مسند احمد: ۱/ ۱۶۴، ۱۶۷ (واللفظ لہ)۔ کشف الاستار: ۱/ ۴۳۱، کتاب الزکاۃ، باب کراھیۃ المسئلۃ، برقم ۹۱۰۔ شعب الایمان: ۲/ ۸۴، باب التوکل والتسلیم، رقم ۱۲۲۳۔

❸ ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، رقم ۱۶۳۴۔ ترمذی: کتاب الزکاۃ: باب من لا تحل له الصدقۃ رقم ۶۵۲، مسند احمد: ۲/ ۱۶۴، ۱۹۲۔

الٰہی کرتے نہ سنا بجز ایک مرغ کے جو دو دانق (۳/اور ہم) کا تھا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس شخص نے دو ناجائز حرکتیں ایک ساتھ کیں۔ ایک تو اپنے نفس کو خطرے میں ڈالا، اگر اس پر نیند غالب آجاتی تو گر پڑتا اور نفس کے ہلاک کرنے میں کوشش کرتا اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ اپنے آپ کو نیچے گرا دیتا تو بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا۔ اس کا گر پڑنے پر آمادہ ہونا معصیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس شخص نے اپنی آنکھوں کو خواب کی راحت سے باز رکھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم پر تمہارے بدن کا حق ہے'' [1] اور فرمایا کہ ''جب کسی پر غنودگی غالب آجائے تو چاہیے کہ سو رہے'' [2] اور نیز ''آپ نے ایک رسی دیکھی جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے تان رکھی تھی اور جب تھک جاتی تھی تو اس رسی کو تھام لیتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسی کو کھول ڈالنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ جب تک دل خوش رہے اس وقت تک نماز پڑھا کرو۔ جب کسل ہو یا تھک جاؤ تو بیٹھ جایا کرو'' [3] اکثر احادیث ہم اس کتاب میں پیشتر بیان کر چکے۔

محمد بن ابی صابر دلال نے ہم سے بیان کیا کہ میں جامع منصور کے قبہ شعراء میں شبلی کے پاس کھڑا ہوا اور لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ اسی حلقہ میں ایک خوبصورت لڑکا آکر کھڑا ہو گیا جس سے زیادہ خوب صورت اس وقت تمام بغداد میں نہ تھا۔ اس کا نام ابن مسلم تھا۔ شبلی نے اس لڑکے سے کہا کہ الگ ہو جا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ پھر دوبارہ کہا کہ او شیطان الگ ہو جا۔ وہ لڑکا نہ ٹلا۔ تیسری بار کہا کہ چلا جا ورنہ جو کچھ تیرے جسم پر ہے سب جلا دوں گا۔ اس لڑکے کے بدن پر

---

[1] بخاری: کتاب النکاح، باب (لزوجک علیک حقا)، رقم ۵۱۹۹۔ مسلم: کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدہر لمن تضرر بہ، رقم ۲۷۳۰۔ ابوداؤد: کتاب الصیام، باب صوم شوال، رقم ۲۴۳۲۔ ترمذی: کتاب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الاربعاء والخمیس، رقم ۷۴۸۔ نسائی: کتاب الصیام، باب صوم یوم وافطار یوم، رقم ۲۳۹۳۔ مسند احمد: ۲/۱۹۸۔

[2] بخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء من النوم، رقم ۲۱۲۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب امر من نعس فی صلاتہ بان یرقد، رقم ۱۸۳۵۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب النعاس فی الصلاۃ، رقم ۱۳۱۰۔ ترمذی: کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃ عند النعاس، رقم ۳۵۵۔ نسائی: کتاب الطہارۃ، باب النعاس، رقم ۱۶۲۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی المصلی اذا نعس، رقم ۱۳۷۰۔

[3] بخاری: کتاب التہجد، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ، رقم ۱۱۵۰۔ مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب امر من نعس فی صلاتہ، رقم ۱۸۳۱۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب النعاس فی الصلاۃ، رقم ۱۳۱۲۔ نسائی: کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب احیاء اللیل، رقم ۱۶۴۳۔ ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب ماجاء فی المصلی اذا نعس، رقم ۱۳۷۱۔

بڑے اچھے قیمتی کپڑے تھے۔ یہ سن کر وہ چلا گیا۔ شبلی نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''کوہ عدن کی چوٹی پر بازوں کے لیے گوشت ڈال دیا پھر بازوں کو ملامت کرنے لگے اور ان کو گرفتار کیا۔ تیرے خوب صورت چہرہ کو بے پردہ کیا اور پھر جو مفتوں ہوا اس کو ملامت کرنے لگے اگر میرا محفوظ رکھنا چاہتے تو تیرے پیارے چہرے کو چھپا دیتے۔''

ابن عقیل نے کہا: جس شخص نے یہ شعر کہے اس نے طریق شرع سے خطا کی۔ کیوں کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ نے فتنہ میں ڈالنے کے لیے پیدا کی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عبرت حاصل کرنے کو اور امتحان کے واسطے خلق فرمایا ہے۔ آفتاب اس لیے پیدا ہوا ہے کہ روشنی پہنچائے اس واسطے نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے۔

ابو علی دقاق کہتے ہیں کہ شبلی کی نسبت ہم کو خبر ملی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں میں فلاں فلاں قسم کا نمک لگایا تھا کہ بیداری کی عادت پڑ جائے اور نیند نہ آئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حرکت قبیح ہے۔ مسلمانوں کو جائز نہیں کہ اپنے نفس کو تکلیف دیں، نابینائی کا یہی سبب ہے اور ہمیشہ بیدار رہنا جائز نہیں کیوں کہ اس میں نفس کی حق تلفی ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ بیدار رہنے اور کم کھانے کی وجہ سے یہ لوگ ایسے احوال و افعال میں پڑ گئے۔

حسین بن عبداللہ قزوینی کہتے ہیں کہ ایک روز مجھ کو میرا روزینہ نہ ملا اور مجھ کو ضرورت لاحق ہوئی۔ میں نے راستہ میں ایک سونے کا ٹکڑا پڑا ہوا دیکھا اس کو اٹھانا چاہا پھر خیال آیا کہ یہ لقطہ ہے تو میں نے چھوڑ دیا۔ بعد ازاں مجھ کو وہ حدیث یاد آئی کہ روایت کی جاتی ہے اگر تمام دنیا خون ہوتی تو اس سے بھی مسلمان کی روزی حلال ہوتی۔ [1] میں نے اس کو اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ ایک لڑکوں کا غول دیکھا۔ ان میں سے ایک لڑکا کلام کر رہا تھا۔ دوسرے نے اس سے پوچھا کہ آدمی صدق کی حقیقت کب پاتا ہے۔ اس لڑکے نے جواب دیا۔ جب کہ اپنے منہ سے روپیہ پھینک دے۔ یہ سن کر میں نے وہ ٹکڑا منہ سے نکال

---

[1] [موضوع] تنزیہ الشریعہ: ۲/ ۱۹۹، کتاب المعاملات، رقم ۴۹۔ الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۱۱۶۔ کتاب المعاملات، رقم ۲۲۔ الاسرار المرفوعۃ ص ۲۹۳، رقم ۳۸۲۔ کشف الخفاء: ۲/ ۲۲۶، رقم ۲۱۰۸۔

کر پھینک دیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فقہا کے نزدیک بلا اختلاف اس شخص کا وہ ٹکڑا پھینک دینا جائز نہیں اور تعجب تو یہ ہے کہ اس نے ایک لڑکے کے کہنے سے پھینک دیا، جس کو خبر بھی نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔

ابو حامد غزالی نے بیان کیا کہ ابو ہاشم زاہد کے پاس شقیق بلخی آئے ان کی چادر میں کچھ بندھا ہوا تھا۔ ابو ہاشم نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کیا چیز ہے۔ جواب دیا کہ چند بادام ہیں۔ میرے بھائی نے میرے پاس بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں تم ان سے روزہ افطار کرو۔ ابو ہاشم بولے! اے شقیق تم اپنے نفس سے گفتگو کرتے ہو کہ رات تک زندہ رہو گے۔ میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا اور اندر چلے گئے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس باریک بین فقیہ کو دیکھنا چاہیے کہ کیونکر ایک مسلمان کو ایسے فعل پر ترک کر دیا جو جائز بلکہ مستحب تھا۔ کیوں کہ انسان مامور ہے کہ اپنے لیے افطاری کا سامان تیار کرے وقت آنے سے پیشتر کسی چیز کا تیار کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ [1] یعنی کفار کے لیے جس قدر ہو سکے قوت تیار رکھو۔ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کا روزینہ ذخیرہ فرمایا تھا۔'' [2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ''نصف مال لائے اور نصف ذخیرہ رکھ آئے۔'' [3] آپ نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ پس جہالت نے ان زاہدوں کو فاسد کر دیا۔

احمد بن اسحاق عمانی کہتے ہیں کہ ہم کو خبر ملی ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص صابر کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے سو برس سے اپنی آنکھ بند کر رکھی تھی۔ اس سے پوچھا گیا کہ اے صابر!

---

[1] ۸/ الانفال: ۶۰۔ [2] بخاری: کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنۃ علی اھلہ، رقم ۵۳۵۷، ۵۳۵۸۔ مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب حکم الفیء، رقم ۴۵۷۵، ۴۵۷۸۔ ابوداؤد: کتاب الخراج ...... باب فی صفایا رسول اللہ من الاموال، رقم ۲۹۶۳، ۲۹۶۵۔ ترمذی: کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الفیء، رقم ۱۷۱۹۔ نسائی: کتاب قسم الفیء رقم ۴۱۴۵۔ [3] ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب الرجل، یخرج من مالہ، رقم ۱۶۷۸۔ ترمذی: کتاب المناقب، باب فی مناقب ابی بکر وعمر، رقم ۳۶۷۵۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/ ۱۸۱، کتاب الزکاۃ، باب مایستدل بہ علی قولہ خیرا لصدقۃ ...... سنن الدارمی: ۱/ ۴۲۰، کتاب الزکاۃ، باب الرجل یتصدق بجمیع ماعندہ، رقم ۱۶۱۵۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۷۴، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۵۱۰۔

تمہارے صبر کی انتہا کس قدر ہے۔ جواب دیا کہ میں نے زینت دنیا کی طرف دیکھنا چاہا اور اس سے راحت لینا پسند نہ کیا۔ لہٰذا اسی (۸۰) برس ہوئے کہ اپنی آنکھ بند کر لی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس شخص کا قصد یہ تھا کہ دنیا کو ایک آنکھ سے دیکھے۔

فصل

صوفیہ میں سے ایک فرقہ نکلا ہے جس کو ملامتیہ کہتے ہیں وہ گناہوں کی طرف جھک پڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں سے گر پڑیں۔ تاکہ جاہ ومرتبہ کی آفتوں سے سلامت رہیں۔ حالانکہ شریعت کی مخالفت کر کے ان لوگوں نے اپنا رتبہ خدا کے نزدیک بھی ساقط کر دیا۔ اس قوم میں ایک طبقہ ہے جو اپنی قبیح حالت مخلوق پر ظاہر کرتے ہیں اور اچھی کیفیت چھپاتے ہیں۔ گویا وہ خدا کے نزدیک اہل ولایت ہیں اور خلقت کے نزدیک اہل آفت ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ حالت تمام چیزوں سے قبیح تر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ان نجاستوں میں سے اگر کوئی شخص کسی میں مبتلا ہو جائے تو چاہیے کہ خدا کی پردہ پوشی سے چھپائے۔'' [1] ماعز اسلمی کے حق میں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال (بن یزید اسلمی) سے فرمایا تھا اے ہزال! تو نے اپنی چادر سے کیوں نہ پردہ کر لیا تھا۔'' [2] ایک بار'' آپ اپنی بی بی صفیہ سے کچھ گفتگو فرماتے تھے۔ بعض صحابہ کا ادھر گزر ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ عورت صفیہ ہے۔'' [3] اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تعلیم دی کہ جو چیز بدگمانی کا باعث ہو اس سے دور رہیں۔ کیونکہ اہل ایمان زمین پر خدا کی طرف سے شاہد ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز پڑھنے چلے۔ نماز آپ کو نہ ملی لوگوں کو دیکھا کہ نماز پڑھ کر چلے آرہے

---

[1] مؤطا امام مالک: کتاب الحدود، باب جاء فیمن اعترف نفسہ بالزنا، رقم ۱۵۸۸۔ مستدرک الحاکم: ۴/۲۷۲، کتاب التوبۃ والانابۃ، رقم ۷۶۱۵، ۸۱۵۸۔ [2] ابوداؤد: کتاب الحدود، باب الستر علی اھل الحدود، رقم: ۴۳۷۷، مؤطا امام مالک ۲/ ۸۲۱، کتاب الحدود سلسلہ صحیحہ ۲/ ۳۶۷ رقم ۶۶۳ باب ماجاء فی الرجم، رقم ۳۔ مسند احمد: ۵/ ۲۱۷۔ مستدرک الحاکم: ۴/ ۴۰۳، کتاب الحدود، رقم ۸۰۸۰۔ الطبرانی فی الکبیر: ۲۲/ ۱۶۷، رقم ۵۳۰، ۵۳۱۔

[3] بخاری: کتاب الاعتکاف، باب یخرج المعتکف لحوائجہ الی باب المسجد، رقم ۲۰۳۵ اور دیکھیے ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۳۲۸۱، ۶۲۱۹، ۷۱۷۱۔ مسلم: کتاب السلام، باب بیان انہ یستحب لمن رؤی خالیاً بامرأۃ یقول ھذہ فلانۃ، رقم ۵۶۷۹۔ ابوداؤد: کتاب الصیام، باب المعتکف، یدخل البیت لحاجتہ، رقم ۲۴۷۰۔ مسند احمد: ۶/ ۳۳۷۔

ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ چھپ رہے۔ تاکہ لوگ آپ کے ساتھ بدگمان نہ ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو ہاتھ لگایا اور بوسہ لیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ توبہ کر اور کسی سے یہ حال بیان نہ کر۔ بعض صحابہ سے کسی نے آکر بیان کیا کہ میں نے فلاں فلاں گناہ کیے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو خود چھپائے رکھتا تو اللہ تعالیٰ بھی تیری پردہ پوشی کرتا۔ اس قوم صوفیہ نے شریعت کے خلاف کیا اور یہ چاہا کہ نفوس میں جو بات فطری اور جبلی ہے اس کو دور کریں۔

فصل

صوفیہ میں اہل اباحت شامل ہو گئے اور اپنی جان بچانے کے لیے صوفیہ سے مشابہت کی۔ ان لوگوں کی دو جماعتیں ہیں، ایک تو کافر ہیں، جن میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ کا اقرار نہیں کرتا، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو خدا کا اقرار کرتا ہے مگر نبوت کا انکار کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ انبیا نے جو کچھ بیان کیا وہ محال ہے۔ ان لوگوں نے جب اپنے نفسوں کو شہوات سے خوش کرنا چاہا تو صوفیہ کے مذہب کے برابر کوئی چیز ان کو نہ ملی۔ جس سے اپنی جانیں بچائیں اور اغراض نفوس حاصل کریں۔ لہٰذا بظاہر صوفیہ کے مذہب میں داخل ہو گئے حالانکہ باطن میں کافر ہیں۔ ان کا علاج بجز تلوار کے کچھ نہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ دوسری جماعت وہ ہے جو اسلام کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کی دو قسمیں ہیں۔

قسم اول وہ ہیں کہ اپنے افعال میں اپنے شیوخ کی تقلید کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ دلیل کے پیچھے پڑیں اور کوئی شبہ لائیں۔ لہٰذا جو کچھ پیران کو حکم دیتے ہیں اور جو اپنے پیروں کو کرتے ہوئے دیکھتے وہ بھی وہی کرتے ہیں۔

قسم ثانی وہ ہیں کہ ان کو شبہات پیش آتے ہیں تو اس چیز کے مطابق عمل کرتے ہیں اور وہ بات جس سے ان کے شبہات پیدا ہوئے ہیں یہ ہے، جب انہوں نے لوگوں کے مذاہب پر غور کرنے کا قصد کیا تو شیطان نے ان کو فریب دیا اور دکھلایا کہ دلائل میں پڑ جانا یہی شبہ ہے اور تمیز کرنا دشوار ہے اور مقصود اصلی اس سے اعلیٰ و برتر ہے کہ علم سے مل جائے (یعنی یہ چیز علم سے حاصل نہیں ہوتی) اس کا حاصل ہونا صرف امر تقدیری ہے جو خود بخود بندہ کو ملتا ہے کوئی طلب

سے حاصل نہیں۔ لہٰذا ان پر شیطان نے نجات کا دروازہ جو کہ طلب علم ہے بند کر دیا۔ اب ان کی یہ حالت ہو گئی کہ علم کے نام سے ایسے ناراض ہوتے ہیں جس طرح رافضی حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے نام سے جلتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ علم حجاب ہے اور علماء اس سے محجوب ہیں جو علم سے مقصود ہے۔ اگر کوئی عالم ان پر انکار کرتا ہے تو اپنے پیروں سے کہتے ہیں کہ یہ باطن میں ہمارے موافق ہے صرف ظاہر میں عوام ضعیف العقول کے دکھانے کو ہماری مخالفت کرتا ہے۔ پھر اگر خوب شدت کے ساتھ ان کی مخالفت کرے تو کہتے ہیں کہ یہ احمق ہے۔ شریعت کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ مقصود اصلی سے محجوب ہے۔ پھر جو کچھ شبہات ان کو واقع ہوتے ہیں انہیں پر عمل کرتے ہیں۔ اگر ان کو عقل ہوتی تو جان لیتے کہ شبہات کے مطابق ان کا عمل کرنا بھی تو ایک علم ہے۔ لہٰذا علم کا انکار کرنا باطل ہو گیا۔ ہم ان کے شبہات ذکر کرتے ہیں اور ان کو کھولتے ہیں۔ وہ شبہات یہ ہیں۔

پہلا شبہ: یہ ہے کہ کہتے ہیں جب تمام امور ازل میں مقدر ہو چکے اور کچھ لوگ سعادت کے ساتھ کچھ لوگ شقاوت کے ساتھ مخصوص ہو گئے اور نیک آدمی بد اور بد آدمی نیک نہیں ہو سکتا اور اعمال بذات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ صرف اس لیے ہیں کہ سعادت حاصل کی جائے اور شقاوت کو دور کیا جائے۔ حالانکہ اعمال کا وجود ہم سے پیشتر ہو چکا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ نفس کو اعمال کے رنج میں ڈالا جائے اور لذتوں سے اس کو روکا جائے۔ کیوں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے وہ لامحالہ واقع ہو گا۔

جواب: اس شبہ کا یہ ہے کہ اس قوم سے کہا جائے کہ اس قول سے تو تمام شرائع کا رد لازم ہے اور سب احکام باطل ٹھہرتے ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام جو کچھ لائے ہیں، گویا ان کو سرزنش کرنا ہے۔ کیوں کہ جب کہا جائے گا کہ قرآن میں آیا ہے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ یعنی نماز قائم رکھو۔ کہنے والا کہے گا کہ کیوں ایسا کروں اگر میں سعید ہوں تو میری بازگشت سعادت کی طرف ہو گی اور اگر میں شقی ہوں تو نماز قائم کرنے سے مجھ کو کچھ نفع نہ ہو گا۔ اسی طرح جب کہا جائے گا کہ ﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ [1] یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ۔ سننے والا جواب دے گا کہ میں اپنے نفس کو اس کی لذت سے کیوں باز رکھوں۔ سعادت اور شقاوت سے فراغت ہو چکی اور قضا وقدر فیصلہ کر چکی

[1] ۱۷/ الاسراء: ۳۲۔

ہے۔علیٰ ہذا القیاس ایسا ہی جواب فرعون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے سکتا تھا جب انہوں نے اس سے کہا تھا ﴿هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ [1] یعنی کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے پھر اس سے بھی ترقی کر کے خالق تک پہنچے اور اس سے کہے کہ تو نے جو پیغمبر بھیجے اس سے کیا فائدہ جو کچھ تو نے حکم لگایا اور مقدر فرمایا وہ جاری ہوگا اور وہ بات جس سے کتابوں کا رد کرنا اور رسولوں کا جاہل ٹھہرنا لازم آئے وہ محال غلط ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کیا جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگ تقدیر پر بھروسہ نہ کریں۔فرمایا کہ تم عمل کرو۔جو شخص جس کے لیے پیدا ہوا ہے اس کو اسی کی توفیق ملے گی۔'' [2]

جاننا چاہیے کہ آدمی کا ایک کسب ہوتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔اسی پر ثواب اور عذاب واقع ہوتے ہیں۔جب وہ اس اختیاری امر میں خلاف کرتا ہے تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں مقدر فرمایا تھا کہ وہ خلاف کرے گا۔صرف اس پر اس کو عذاب کرے گا۔اپنی تقدیر پر سزا نہ دے گا اور اسی لیے قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے اور اس کا یہ عذر نہیں مانا جاتا کہ تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسی لیے تقدیر پر نظر کرنے سے ہٹا کر عمل میں لگایا کہ امر و نہی ظاہری حالت ہے اور جو کچھ ان میں سے مقدر ہے وہ امر باطن ہے۔ہمارا یہ منصب نہیں کہ جس قدر تکلیف شرعی ہم کو معلوم ہوئی اس کو چھوڑ دیں۔کیوں کہ ہم نہیں جانتے قضا کیا جاری ہوئی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہر شخص کو اسی کی توفیق ملے گی جو اس کے لیے مقدر ہے اسباب تقدیری کی طرف اشارہ ہے۔کیوں کہ جس شخص کے لیے جہل کا حکم ہوا اس کے دل سے علم کی محبت دور کر دی جائے گی۔اسی طرح جس کے لیے اولاد مقدر ہے اس کو نکاح کی توفیق ملے گی اور جس کے لیے مقدر نہیں اس کو توفیق نہ ہوگی۔

دوسرا شبہ: یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے مستغنی ہے۔خواہ معصیت

---

[1] ۷۹/ النازعات: ۱۸۔ [2] بخاری: کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشیٰ ......) باب (فاما من اعطی واتقی)، رقم ۴۹۴۵۔ مسلم: کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ، رقم ۶۷۳۳۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب القدر، رقم ۴۶۹۴۔ ترمذی: کتاب القدر، باب ماجاء فی الشقاوۃ والسعادۃ، رقم ۲۱۳۶۔ ابن ماجہ: کتاب السنۃ، باب فی القدر، رقم ۷۸۔

ہو یا طاعت، اللہ تعالیٰ پر اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ ہم بے فائدہ اپنی جانوں کو زحمت میں ڈالیں۔

جواب :اس شبہ کا اول تو وہی پہلا جواب ہے۔ کہ ہم کہیں شریعت کے امور رد ہوئے جاتے ہیں گویا ہم نے رسول یا اس کے بھیجنے والے یعنی خدا سے یوں کہا کہ تم جس چیز کا ہم کو حکم دیتے ہو اس میں کچھ فائدہ نہیں۔ یہ جواب دے کر ہم اس شبہ پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس شخص کو وہم ہو کہ طاعت سے اللہ تعالیٰ کو نفع پہنچتا ہے یا معصیت سے ضرر ہوتا ہے۔ یا اس میں اس کی کوئی غرض ہے تو اس شخص نے خدا کو نہیں پہچانا۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ اغراض اور نفع وضرر سے پاک ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ اعمال کا نفع خود ہمیں کو پہنچتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ [1] ''یعنی جو جہاد کرے گا وہ اپنی ذات کے لیے جہاد کرے گا۔'' ﴿وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ﴾ [2] یعنی جو گناہوں سے پاک رہے گا وہ اپنے واسطے پاک رہے گا۔ طبیب جو مریض کو پرہیز بتاتا ہے تو مریض کی مصلحت کے لیے ہوتا ہے۔ طبیب کا کوئی نفع نہیں جس طرح بدن کا نفع اور نقصان غذائیں ہیں، اسی طرح نفس کا نفع ونقصان بھی علم اور جہل اور عقیدہ، عمل ہیں۔ پس شریعت بمنزلہ طبیب کے ہے۔ جن مصلحتوں کا حکم شریعت نے دیا ہے ان کو وہی جانتی ہے یہ مذہب ان علما کا ہے جو علت نکالتے ہیں اور اکثر علما یوں کہتے ہیں کہ افعال الٰہی کے لیے کوئی علت نہیں۔ دوسرا جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے مستغنی ہے تو اس سے بھی مستغنی ہے کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں۔ حالانکہ اپنی معرفت اس نے ہم پر واجب کر دی ہے۔ پس اسی طرح اس کی اطاعت بھی واجب ہے۔ لہٰذا اس کے حکم پر نظر کرنا چاہیے یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اس حکم سے غرض کیا ہے۔

تیسرا شبہ :وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وسیع ہونا ثابت ہے اور خدا ہم سے عاجز نہ ہوگا۔ لہٰذا کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے نفسوں کو ان کی مراد سے محروم رکھیں۔

جواب :اس کا وہی پہلا جواب ہے کیوں کہ یہ قول اس بات کو شامل ہے کہ انبیا علیہم السلام جو وعید لائے ہیں ان کو پس پشت ڈال دیا جائے اور جس چیز سے ڈرانے میں انہوں نے تشدد کیا ہے

---

[1] ۲۹/العنکبوت:۶۔ [2] ۳۵/ فاطر:۱۸۔

اور مبالغہ کے ساتھ اس کا عذاب بیان کیا، اس کو ہیچ سمجھا جائے یہ شیطانی فریب اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جس طرح رحمت کے ساتھ موصوف فرمایا ہے اسی طرح شدید العقاب بھی صفت بیان کی ہے۔ ہم انبیا علیہم السلام کو دیکھتے ہیں کہ امراض اور فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور لغزشوں پر ان کا مواخذہ ہوتا ہے۔ بھلا کیونکر ایسا نہ ہو جب وہ بزرگ اس سے ڈرتے ہیں جن کے لیے قطعی طور پر نجات ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ قیامت کے دن نَفْسِیْ نَفْسِیْ پکاریں گے۔ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کہیں گے نَفْسِیْ نَفْسِیْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا شخص کہتا ہے (اَلْوَیْلُ لِعُمَرَ اِنْ لَمْ یُغْفَرْ لَهُ) یعنی افسوس ہے عمر کے لیے اگر بخشا نہ گیا۔

جاننا چاہیے کہ جو شخص رحمت کی امید کرے اس کو چاہیے کہ اس کے اسباب اختیار کرے۔ ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ خطاؤں سے توبہ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کھیتی کاٹنے کا امیدوار ہو۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ﴾ [1]

''یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ اس قابل ہیں کہ رحمت خدا کی امید کریں۔ باقی رہے وہ لوگ جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہیں اور رحمت کی امید کرتے ہیں تو ان کی امید بعید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور آخرت کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں رکھے اور مغفرت کی تمنا کرے۔ [2] معروف کرخی کا قول ہے کہ تو جس کی اطاعت نہیں کرتا اس کی

---

[1] ۲/البقرۃ:۲۱۸۔ [2] [ضعیف الاسناد وھو حسن] اس میں ابوبکر بن ابی مریم الغسانی ضعیف ہے۔ اس کو امام ذہبی وابن حجر نے ضعیف کہا ہے۔ ترمذی: کتاب القیامۃ، باب حدیث الکیس من دان نفسہ، رقم ۲۴۵۹۔ ابن ماجہ: کتاب الزہد، باب الموت والاستعداد لہ، رقم ۴۲۶۰۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۱۲۵، کتاب الایمان، رقم ۱۹۱ و ۴/ ۲۸۰، رقم ۷۶۳۹۔ مسند احمد: ۴/ ۱۲۴۔ ضعیف الجامع الصغیر: ۴/ ۱۶۷، رقم ۴۳۱۰۔

رحمت کا امید وار ہونا رسوائی اور حماقت ہے۔ جاننا چاہیے کہ افعال الٰہی میں وہ بات نہیں جس سے لازم آئے کہ اس کے عذاب سے آدمی بے خوف ہو جائے البتہ اس کے افعال میں وہ بات ہے جو اس کی رحمت سے ناامید ہونے کی مانع ہے جس طرح ناامید ہونا خوب نہیں کیوں کہ اس کا لطف واحسان خلق پر ظاہر ہے اسی طرح طمع کرنا بھی اچھا نہیں۔ کیوں کہ اس کا پکڑنا اور بدلہ لینا عیاں ہے۔ جو چوتھائی دینار کے بدلے اشرف عضو یعنی ہاتھ کو کاٹ ڈالے تو اس سے نڈر نہیں ہو سکتے کہ قیامت کو اس کا عذاب بھی ایسا ہی ہو۔

چوتھا شبہ: صوفیہ میں سے ایک قوم کا خیال ہے کہ نفسوں کو ریاضت میں ڈالنے سے مراد ہے کہ ناقص کدورتوں سے نجات پائے۔ لہٰذا جب انہوں نے ایک مدت تک ریاضت کی، پھر انہوں نے دیکھا کہ صفا کا حاصل ہونا دشوار ہے تو بول اٹھے کہ ہم کو کیا حاجت ہے کہ اپنی جانوں کو ایسے امر کے لیے رنج میں ڈالیں جو بشر کو حاصل نہ ہو، یہ سمجھ کر عمل کو چھوڑ بیٹھے۔

جواب: اس شیطانی فریب کا دور کرنا یوں ہے کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ بواطن میں جو صفات بشری پائی جاتی ہیں ان کا مٹا دینا مقصود اصلی ہے مثلاً شہوت اور غصہ وغیرہ کو بالکل نیست کر دے۔ حالانکہ شریعت کی مراد یہ نہیں، اور ممکن نہیں کہ ریاضت سے طبعی چیز زائل ہو جائے۔ خواہشیں کسی نہ کسی فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ کیوں کہ اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو انسان ہلاک ہو جاتا اور اگر خواہش نکاح نہ ہوتی تو نسل منقطع ہو جاتی اور اگر غصہ نہ ہوتا تو انسان آزار دینے والی چیز کو اپنے سے دفع نہ کر سکتا۔ اسی طرح مال کی محبت طبیعت میں جما دی گئی ہے۔ کیوں کہ مال خواہشوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ریاضت سے مراد فقط یہ ہے کہ ان خواہشوں میں سے نفس کو جو تکلیف دے اس سے نفس کو روکے اور اس کو اعتدال پر لے آئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف کی ہے جو نفس کو خواہش سے باز رکھے۔ کہ ﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ [1] نفس کو اسی چیز سے باز رکھا جا سکتا ہے جس کی طلب اس میں موجود ہو اور جب اس کی طلب ہی طبیعت سے زائل ہو گئی تو انسان کو اس کے باز رکھنے کی حاجت نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ [2] یعنی غصہ روکنے والے۔ یوں نہ فرمایا وَالْفَاقِدِينَ الْغَيْظَ یعنی جنہیں غصہ نہ آئے۔ ''کظم'' کے معنی ہیں غصہ کو ہٹانا۔ بولا جاتا ہے

[1] ۷۹/النازعات: ۴۰۔ [2] ۳/آل عمران: ۱۳۴۔

((كَظَمَ الْبَعِيْرُ عَلٰى جِرَّتِهِ اِذَا رَدَّهَا فِیْ حَلْقِهٖ)) جب اونٹ اپنی جگالی نگل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مدح فرمائی جو نفس کو اس بات سے روکے کہ جوش غضب کے موافق عمل کرے۔ اب جس شخص کو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضت سے طبیعتیں بدل جاتی ہیں تو یہ ایک امر محال کا دعویٰ ہے۔ ریاضت سے مراد یہی ہے کہ نفس کے شر اور غضب کو توڑ ڈالے نہ یہ کہ بالکل نفس کو زائل کر دے۔ ریاضت کرنے والا ایسا ہے جیسے طبیب عاقل کہ اس کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے وہ اس میں جو اس کے لیے نافع ہوگا کھائے گا اور جو تکلیف دے گا اس سے باز رہے گا اور ریاضت نہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نادان بچہ کہ جو جی میں آتا ہے کھاتا ہے اور گناہ کرنے کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

پانچواں شبہ: ان میں سے ایک قوم وہ ہے جو ایک مدت ریاضت کرتے رہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے آپ میں ایک جوہر پایا تو کہنے لگے کہ اب ہم کو اعمال کی پروا نہیں ہے اوامر و نواہی صرف عوام کے لیے رسمیں ہیں اگر عوام میں بھی جوہر آ جائے تو ان سے اعمال ساقط ہو جائیں۔ کہتے ہیں کہ نبوت کا ماحصل حکمت اور مصلحت ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ عوام کو پابند کیا جائے اور ہم لوگ عوام میں سے نہیں کہ تکلیف شرعی کے احاطہ میں داخل ہوں۔ کیوں کہ ہم نے جوہر حاصل کر لیا اور حکمت کو خوب پہچان گئے اس قوم کی رائے ہے کہ جوہر حاصل کرنے کا اثر یہ ہے کہ محبت و غیرت بالکل دور ہو جائے۔ حتیٰ کہ کمال کا مرتبہ فقط اس شخص کو حاصل ہوگا جو اپنی بی بی کو کسی اجنبی آدمی کے ساتھ دیکھے تو اس کے رونگٹے نہ کھڑے ہوں۔ اگر اس کو حرارت آ گئی تو گویا حظ نفس کی طرف متوجہ ہے، ابھی کامل نہیں ہوا۔ کیوں کہ اگر کامل ہوتا تو اس کا نفس مر جاتا۔ اس قوم نے غیرت و حمیت کا نام تو نفس رکھا ہے اور بے غیرتی کو جو مخنثوں کا خاصہ ہے کمال ایمان کہتے ہیں۔

جواب: اس شبہ کا ازالہ اس طور پر ہے کہ جب تک صورتیں قائم ہیں کسی صورت سے عبادت کی ظاہری رسمیں چھوٹ نہیں سکتیں۔ کیوں کہ یہ رسمیں لوگوں کی مصلحتوں کے لیے رکھی گئی ہیں اور صفائی قلب کدورت طبع پر غالب آ جاتی ہے۔ لیکن جب انسان ہمیشہ اعمال خیر میں رہتا ہے تو کدورت بیٹھ جاتی ہے اور ٹھہر جاتی ہے۔ پھر ذرا سی چیز اس کو جنبش دے دیتی ہے۔ جیسے ڈھیلا

اس پانی میں پڑ جائے جس کی تہہ میں مٹی بیٹھی ہو۔ طبیعت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے پانی جس میں نفس کی کشتی جاری ہے اور عقل مثل ملاح کے ہے۔ جو شخص طبیعت کے بدل جانے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور جو یوں کہے کہ میں اچھی صورت کو شہوت سے نہیں دیکھتا، وہ سچا نہیں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ان سے ایک لقمہ فوت ہو جائے یا ان کو کوئی گالی دے تو بدل جاتے ہیں۔ اب عقل کی تاثیر کہاں جاتی رہتی ہے۔

یہ لوگ خواہش نفسانی کے تابع ہیں اور ہم نے ان میں سے اکثر کو دیکھا کہ عورتوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ ”رسول اللہ ﷺ باوجود کہ معصوم تھے عورتوں سے مصافحہ نہ فرماتے تھے۔“ [1]
ہم نے سنا ہے کہ صوفیہ میں سے ایک جماعت ہے جو عورتوں سے دوستی رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں۔ پھر سلامت رہنے کے مدعی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ فواحش سے سلامت ہیں اور ہیہات اگر سلامت بھی رہے تو خلوت حرام اور ممنوع چیز سے دیکھنے سے کہاں سلامت رہے اور ناقص خیال دو(ڑ) انے سے اخلاص کہاں رہا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دو بوسیدہ ہڈیاں بھی خلوت میں تنہا ہوں تو ایک دوسرے کا قصد کرے گی۔ بوسیدہ ہڈی کا اشارہ بوڑھے اور بڑھیا کی طرف ہے۔ ابن شاہین کہتے ہیں کہ صوفیہ میں سے ایک وہ قوم ہے جنھوں نے اخوت کا دعویٰ کر کے شرمگاہوں کو مباح کر لیا۔ ان میں سے ایک شخص کسی عورت سے کہتا ہے کہ تم میری منہ بولی بہن بن جاؤ تا کہ جو کچھ ہمارا تمہارا معاملہ ہے اس پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: یہ لوگ شہوت کے مر جانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات آدمی کی زندگی میں ممکن نہیں۔ اتنی بات ہے کہ شہوت کمزور ہو جاتی ہے اور انسان کو جماع کی قدرت نہیں رہتی لیکن جب بھی ہاتھ لگانے اور دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ پھر اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ سب خواہشیں اس سے دور ہو گئیں تو کیا نظر ڈالنے سے شریعت کی ممانعت باقی نہیں جو عام ہے۔ عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ ابونصر نصر آبادی سے کہا گیا کہ بعض صوفیہ عورتوں

[1] مسند احمد: ۲/۲۱۳، ۶/۳۵۷، ۳۵۳، و ۴۵۹۔ مجمع الزوائد: ۸/۶۶، کتاب علامات النبوۃ، باب ماجاء فی الخصائص۔ سلسلہ صحیحہ: ۲/۶۷، رقم ۵۳۰۔ البخاری، رقم (۴۸۹۱، ۵۲۸۸) ومسلم: (۴۸۳۴، ۴۸۳۵)

کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم معصوم ہیں۔ تو کہا کہ جب تک صورتیں قائم ہیں امر اور نہی باقی ہے اور حلال وحرام کا خطاب شرعی موجود ہے اور شبہات میں پڑ جانے کی جرأت وہی کرے گا جو محرمات کا سامنا کرے گا۔ ابوعلی نے روذباری سے کسی نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو یوں کہتا ہے کہ میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ جواب دیا کہ وہ ضرور پہنچ گیا ہے مگر جہنم میں پہنچ گیا ہے۔ ابوالقاسم جنید کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ان کے سامنے معرفت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جو خدا کے عارف ہیں ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ نیکی اور تقرب الی اللہ وغیرہ تمام حرکات ترک کر دیتے ہیں۔ جنید نے جواب دیا کہ یہ قول اس قوم کا ہے جو اعمال کے ساقط کر دینے میں گفتگو کرتے ہیں اور یہ بات میرے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ اس قول کے قائل سے اس شخص کا حال اچھا ہے جو چوری اور زنا کرتا ہے۔ جو خدا کے عارف ہیں انہوں نے خدا ہی سے اعمال لیے ہیں اور ان میں اسی کی طرف رجوع کیا ہے۔ اگر میں ہزار برس تک زندہ رہوں تو اعمال نیک سے ایک ذرّہ کم نہ کروں یہاں تک کہ مجھ میں اور اعمال خیر میں موت حائل ہو جائے عمل خیر نہ چھوڑوں کیوں کہ یہ اعمال میرے معرفت حاصل کرنے میں تاکید کرنے والے ہیں اور قوت پہنچاتے ہیں۔ ابوالحسن نوری نے کہا: جس شخص کو تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے خارج کر دے تو اس کے نزدیک نہ جاؤ اور جس شخص کو دیکھو کہ باطنی حالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس پر اس کی ظاہری حالت نہ دلالت کرتی ہے نہ شہادت دیتی ہے تو اس کو اس کے دین کے بارے میں متہم کرو۔

چھٹا شبہ: کچھ لوگوں نے خوب ریاضت کی۔ اس میں انہوں نے کرامت کی قسم سے کچھ دیکھا یا اچھے خواب نظر آئے، یا کلمات لطیفہ جو فکر وخلوت سے پیدا ہوئے، ان پر مفتوح ہوئے اس سے وہ سمجھ گئے کہ مقصود اصلی کو پہنچ گئے لہٰذا اوامر ونواہی کو ترک کر دیا اور کہنے لگے کہ اوامر ونواہی حصول مقصد کے ذریعے ہیں اور ہم مقصود پا چکے۔ اب ہم کو کوئی چیز ضرر نہیں کرتی۔ جو شخص کعبہ پہنچ گیا اس کی سیر منقطع ہو گئی۔ اس خیال سے ان لوگوں نے اعمال چھوڑ دیئے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ اپنے ظاہر کو خرقہ اور جانماز اور رقص اور وجد سے زینت دیتے ہیں۔ معرفت اور وجد اور

شوق کے بارے میں صوفیہ کے طریقہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

جواب: ان لوگوں کا وہی ہے جو پیشتر والوں کا جواب ہے۔

ابن عقیل نے کہا: جاننا چاہیے کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بھاگے اور طریق شریعت سے دور ہو کر اپنے ایجاد کردہ طریقوں میں پڑ گئے، ان میں اکثر ایسے ہیں جو غیر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اسی عبادت کو خدا کی تعظیم جانتے ہیں اور اپنے خیال میں وسائل گردانتے ہیں اور اکثر ان میں ایسے ہیں جو توحید کے قائل ہیں لیکن عبادات کو ساقط کر دیا اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں عوام کے لیے مقرر ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ جانا کہ اس کی معرفت ایک قعر بعید ہے اور مقام عالی رکھتی ہے اور جو نہیں جانتا اس کی سمجھ سے باہر ہے۔ لہٰذا دوزخ کی آگ سے ڈرایا کیوں کہ آگ کے جلا دینے کا اندازہ لوگ پہچانتے ہیں اور اہل معرفت سے فرمایا: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ﴾ [1] یعنی تم خو اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا نے جانا کہ عبادتیں ایسی ہیں کہ جو اس امر کی مقتضی ہیں کہ صورتوں کے ساتھ اور جہات اور مقامات اور مکانات اور پتھروں سے انسان کو انس ہوا اور قبلہ رو ہونے سے مانوس ہو، تو ایمان کی حقیقتیں ظاہر کیں اور فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ [2] "یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی جانب منہ کرو" اور فرمایا: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا﴾ [3] "قربانیوں کے گوشت کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔" پس معلوم ہو گیا کہ معتمد علیہ مقاصد ہیں اور فقط معارف بغیر امتثال امر کے کافی نہیں۔ جس طرح ملحدین باطنیہ اور اہل شطح صوفیہ نے اعتماد کیا۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی چاشت کے وقت صوفی بنے ظہر سے پہلے پہلے ضرور احمق ہو جائے گا۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص چالیس روز صوفیہ کے پاس رہے گا پھر اس کی عقل اس کے پاس نہ آئے گی۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا:

وَدَعِ الَّذِيْنَ اِذَا اَتَوْكَ تَنَسَّكُوْا

وَاِذَا خَلُوْا كَانُوْا ذِئَابَ حِقَافِ

"ایسے لوگوں کو چھوڑ دو کہ جب تمہارے پاس آئیں تو سر جھکا لیں اور مسکین بن

---

[1] ۳/آل عمران: ۲۸۔ [2] ۲/البقرۃ: ۱۷۷۔ [3] ۲۲/الحج: ۳۷۔

جائیں اور جب تنہا ہوں تو چالاک دست بھیڑیے بن جائیں“

یحییٰ بن معاذ نے کہا: تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ایک وہ علما جو غافل ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو چرب زبان ہیں اور تیسرے وہ جو صوفیہ ہیں سلف وہ تھے کہ ذرا سی بدعت سے بھاگتے تھے اور اس کو چھوڑ کر سنت کو لازم پکڑتے تھے۔ ابوالفتح نے ہم سے بیان کیا کہ چند فقہا کسی رباط میں ایک فقیہ کی تعزیت کے لیے جو انتقال کر گیا تھا بیٹھے، اتنے میں شیخ ابوالخطاب الکلوازی فقیہ میرے ہاتھ کے سہارے وہاں آئے اور رباط کے دروازے پر کھڑے ہو کر بولے! میری شان سے بعید ہے کہ میرے قدیمی اصحاب مجھ کو اس رباط میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ واصحاب کا یہی طریقہ رہا ہے۔ مگر ہمارے اس زمانہ میں بھیڑ اور بکری ایک ہو گئے۔ میں نے ابن عقیل کی کتاب سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کو ان وجھوں سے برا کہتا ہوں جن کے کرنے والے کو شریعت برا کہتی ہے۔ انہیں میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے بطالت کا گھر یعنی رباطیں اختیار کر لی ہیں۔ مسجدوا اور جماعتوں کو چھوڑ کر رباطوں کے ہو رہے۔ پس یہ رباطیں نہ مسجدیں ہیں نہ گھر ہیں نہ سرا ں ہیں۔ بطالت سے ان میں بیٹھ کر اعمال معاش سے جو آتا ہے کھاتے ہیں۔ اور بہائم کے ما کھانے پینے اور ناچ گانے پر اپنے آپ کو جھکا رکھا ہے۔ خرقہ پوشی اور حسن کی چمک دمک اور خاص رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑوں پر اعتماد کیا ہے۔ پھر ظالم اور بدکار اور مال غصب کرنے والے مثلاً بنجر زمین پر محصول لگانے والے اور سپاہی چونگی لینے والے جو ان کو کھانا اور خیرات دیتے ہیں قبول کر لیتے ہیں۔ گانے کے وقت ان کی صحبت میں امرد رہتے ہیں اور شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ یہ لوگ طرب کو وجد اور دعوت کو وقت اور راگ کو قول اور لوگوں کے کپڑے بانٹ لینے کو حکم کہتے ہیں اور جس گھر میں ان کی دعوت ہوتی ہے اس میں سے بغیر دوسری دعوت لازم کیے ہوئے باہر نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ دوسری دعوت واجب ہو گئی۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے اور ایسا کرنا فسق ہے اور جو شخص مکروہ وحرام کو قربت اعتقاد کرے اس اعتقاد کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور اس دوسری دعوت کے لزوم کو بعض لوگ حرام اور بعض مکروہ بتاتے ہیں۔

صوفیہ اپنے آپ کو پیروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہم لوگوں کا اگر کوئی ایسا شیخ (پیر)

ہوتا کہ اپنے حال اس کے سپرد کر دیتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے۔ حالانکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کجی اختیار کروں تو تم لوگ مجھ کو راستی پر لاؤ۔ یوں نہیں فرمایا کہ تم اس کو تسلیم کر لو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کرنا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ پر کس طرح اعتراض کرتے تھے۔ ''ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا تھا کہ ہم ہر طرح امن میں ہیں پھر نماز کیوں قصر کریں۔'' [1] ایک اور صحابی نے آپ سے عرض کیا تھا کہ ''ہم کو تو آپ دو روز سے ملا کر رکھنے سے منع فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ رکھتے ہیں۔'' [2] ایک دوسرے صحابی بولے تھے کہ ہم کو تو آپ فسخ بیع کا حکم دیتے ہیں اور آپ فسخ نہیں فرماتے۔ پھر اس سے بڑھ کر خود اللہ سے فرشتے کہتے ہیں: ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا﴾ [3] ''یعنی کیا تو زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرے گا''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں: ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا﴾ [4] ''اے خدا! کیا تو بیوقوفوں کی حرکات پر ہم کو ہلاک کیے ڈالتا ہے۔'' صوفیہ کا یہ کلام کہ جو پیر کہے اسے تسلیم کر لو صرف اپنے مقلدین کا دل خوش کرنے کے لیے ہے اور ایک حکومت ہے جو اپنے پیروں اور مریدوں پر جماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاَطَاعُوْهُ﴾ [5] ''لوگوں کو سامری نے احمق بنالیا انہوں نے اس کی اطاعت کر لی۔''

شاید یہ کلام بھی انہیں لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ جب معرفت حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا حالانکہ یہ قول کمال زندیقیت ہے۔ کیوں کہ فقہا کا قول بالاتفاق ہے کہ عارف جس حالت پر ترقی کرتا ہے تکلیف شرعی میں اس پر سختی ہوتی ہے جیسے انبیا علیہم السلام کا حال ہے کہ صغائر میں بھی ان پر گرفت ہوتی ہے۔ اب خدا خدا کرنا چاہیے، بھلا اس قوم کی طرف کیا کوئی کان لگائے جو دین سے فارغ ہیں اور جنہوں نے ظالم عاملوں کے

[1] مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم ۱۵۷۳۔ ابوداؤد: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافرین، رقم ۱۱۹۹۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ النساء، رقم ۳۰۳۴۔ ابن ماجۃ: کتاب اقامۃ الصلوات، باب تقصیر الصلاۃ فی السفر، رقم ۱۰۶۵۔ [2] بخاری: کتاب الصوم، باب الوصال، رقم ۱۹۶۲۔ مسلم: کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال فی الصوم، رقم ۲۵۶۳، ۲۵۶۷۔ ابوداؤد: کتاب الصیام، باب فی الوصال، رقم (۲۳۶۰)۔ ترمذی: کتاب الصوم، باب فی کراھیۃ الوصال فی الصیام، رقم ۷۷۸۔ مسند احمد: ۲/۲۳۱۔

[3] ۲/البقرۃ: ۳۰۔ [4] ۷/الاعراف: ۱۵۵۔ [5] ۴۳/الزخرف: ۵۴۔

لباس یعنی مرقعے اور پشمینے اور ملحد خلیفوں کے اعمال یعنی کھانا، ناچ، گانا، وجد اور احکام شرع کا چھوڑ دینا اختیار کر رکھے ہیں۔ زنادقہ کی تو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ شریعت کو چھوڑ دیا جائے۔ اب صوفیہ آئے ہیں۔ انہوں نے ایک نام مقرر کیا اور کہنے لگے کہ حقیقت اور ہے شریعت اور ہے۔ حالانکہ یہ قول قبیح ہے کیوں کہ شریعت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ تو اس کے بعد سوا ان باتوں کے جو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے اور کیا حقیقت ہوگی۔ لہٰذا جو شخص شریعت کو چھوڑ کر حقیقت کو طلب کرے وہ بہکا ہوا اور دھوکا کھائے ہوئے ہے۔

صوفیہ اگر کسی کو سنتے ہیں کہ حدیث روایت کرتا ہے تو کہتے ہیں ان بیچاروں نے اپنا علم مرے ہوؤں سے لیا ہے اور ہم نے اپنا علم زندہ جاوید یعنی اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہتے ہیں حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ (یعنی میرے باپ نے میرے دادا سے روایت کی) تو ہم کہتے ہیں حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ (میرے قلب نے میرے رب سے روایت کی) غرض صوفیہ نے ایسی ایسی خرافات سے نادانوں کے دلوں کو ہلاک کر دیا۔ ان امرا اور دنیاداروں کو علما فقہا سے زیادہ خلاف شرع پیروں اور گانے بجانے والے صوفیوں سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور ان پر وہ بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ جب کہ اہل علم پر ایک پیسہ خرچ کرنا ان کو بار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ علما اطبا کی طرح ہیں اور دوا میں خرچ کرنا بڑا بار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان پیروں اور قوالوں پر خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا مغنیات (گانے والی عورتوں) پر خرچ کرنا، یہ بھی ان کے لیے گویوں اور مداریوں کی طرح سامان تفریح اور لازمہ ریاست ہیں۔ صوفیہ کا علما سے بغض رکھنا بڑی بد دینی ہے۔ کیوں کہ علما لوگوں کو اپنے فتووں کے ذریعہ سے ان کی گمراہی اور فتویٰ کا رد کرتے ہیں اور حق ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ جیسے زکوٰۃ دینا ناگوار ہوتا ہے اور گانے والی عورتوں کو اجرت اور شاعروں کو قصیدوں کے صلے دینا کس قدر سبک معلوم ہوتا ہے اور ایسے ہی صوفیہ کا اہل حدیث سے بغض رکھنا ہے۔

صوفیہ نے شراب سے عقل زائل کرنے کے بدلے میں دوسری چیز اختیار کی۔ اور اس کا نام سماع اور وجد رکھا۔ حالانکہ ایسے وجد میں پڑنا ہے جو عقل کو زائل کر دے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ

شریعت کو اس گروہ کے شر سے محفوظ رکھے جن میں یہ باتیں جمع ہیں کہ مذہب پر خاک ڈالتے ہیں اور خوب عیش اڑاتے ہیں اور ایسے بے معنی الفاظ سے لوگوں کو بہکاتے ہیں جو محض مہمل اور پر تکلف ہیں اور شرع کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں کم ہوگئی۔ اس قوم کے باطل ہونے پر اس سے زیادہ روشن کوئی دلیل نہیں کہ اہل دنیا کی طبیعتیں ان سے ایسی محبتیں رکھتی ہیں جیسے کھیل تماشے والوں اور گانے والیوں سے۔ ابن عقیل نے کہا: اگر کوئی کہنے والا کہے کہ اچھے وہ لوگ ہیں جو صاف ستھرے ہیں، محرابوں میں بیٹھے ہیں اور بڑے خوش اخلاق ہیں۔ میں جواب دوں گا کہ اگر یہ لوگ ایسا طریقہ اختیار نہ کرتے جس ۔ ہنہارے دل کھینچ لیں تو ان کا عیش باقی نہ رہتا اور جس چیز کی تم ان میں تعریف کرتے ہو وہ تو نصاریٰ کی رہبانیت ہے۔ اگر تم دستر خوانوں پر طفیلیوں کی اور بغداد کے مخنثوں کی صفائی ستھرائی اور گانے والیوں کی خوش خلقی ونرم خوئی دیکھو تو سمجھ جا کہ ان لوگوں کا طریقہ مسخرے پن اور دغا بازی کا ہے۔ آدمیوں کو کسی طریقہ سے دھوکا دیتے ہیں زبان سے اور جب ایک گروہ کو نہ علم سے بہرہ ہوا ور نہ کوئی طریقہ آتا ہو تو وہ مال و دولت والوں ۔ دل کس چیز سے اپنی طرف کھینچیں۔

جان لینا چاہیے کہ تکلیف برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور دھوکا دینے والوں کے لیے جماعت کی مفارقت سے زیادہ آسان اور شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں۔ شریعت کو اہل کلام اور اہل تصوف سے بڑھ کر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا۔ اہل کلام تو عقلی شبہات کے وہم میں ڈال کر عقائد کو فاسد کرتے ہیں اور اہل تصوف اعمال میں فساد پیدا کرتے ہیں اور شرعی قوانین کو منہدم کرتے ہیں۔ بطالت اور خوش آوازی پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ سلف ایسے نہ تھے، بلکہ وہ تو عقائد کے بارے میں تسلیم کے بندے تھے اور اعمال کے حق میں کمال جفاکش تھے۔ صوفیہ کی بطالت سے اپنی معاش میں مشغول ہونا بہتر ہے اور ظواہر پر موقوف کرنا بیہودگی میں پڑنے سے اچھا ہے۔ ان دونوں فریق کے طریق کو میں نے جانچا تو اہل کلام کی انتہا تو شک ہے اور اہل تصوف کا انجام شطح ہے۔

صوفیہ نے جو اہل حدیث کی نسبت یوں کہا کہ انہوں نے مرے ہوؤں سے اپنا علم لیا ہے تو گویا نبوت پر طعن کیا اور جس نے یہ کہا کہ حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ تو صریح ظاہر ہوا کہ وہ

رسول اللہ ﷺ سے مستغنی ہے اور جب صریحاً یہ معلوم ہوا تو وہ شخص کافر ہو گیا اور شریعت کے نزدیک اس کلمہ کے تحت میں یہ زندقہ پایا جاتا ہے اور ہم جس شخص کو دیکھیں گے کہ نقل پر حرف گیری کرتا ہے تو جان لیں گے کہ اس نے امر شرع کو بیکار کر دیا اور یہ شخص جو کہتا ہے حَدَّثَنِیْ قَلْبِیْ عَنْ رَبِّیْ اس بات سے کیوں بے خوف ہے کہ یہ شیاطین کے القاء سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ﴾ [1] ''شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں۔'' اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس شخص نے معصوم کی دلیل چھوڑ دی اور اس پر اعتماد کیا جو اس کے دل میں القا ہوتا ہے حالانکہ اس کے دل کا وسواس سے محفوظ رہنا ثابت نہیں۔ ان لوگوں کے دل میں جو بات آتی ہے اس کو خطرہ کہتے ہیں۔ ابن عقیل کہتے ہیں کہ شریعت پر حملہ کرنے والے بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اہل نقل کے اس کے اصل کی حفاظت کے لیے ان کو روکتا ہے اور بذریعہ فقہا کے اس کے معنی کی حفاظت کے لیے ان کو روکتا ہے اور فقہا اور علما دلائل شعائر ہیں۔ جن کے سامنے کذابوں کا سر نہیں اٹھتا۔ ابن عقیل نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اجرت دے کر اپنا گھر خراب کرے تو صوفیہ کی محبت میں رہے اور میں کہتا ہوں کہ فقط گھر ہی نہیں بلکہ دین بھی خراب کرے کیوں کہ صوفیہ نے عورتوں کو اجنبی مردوں کے کپڑے پہنانا جائز رکھا ہے۔ جب یہ لوگ سماع وطرب کے جلسے میں ہوتے ہیں تو اکثر اس درمیان میں عورتوں سے باتیں ہوتی ہیں۔ ایک شخص کی آنکھیں ایک عورت کی طرف گڑ کر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ دعوت کا جلسہ دو شخصوں کے لیے بزم شادی ہو جاتا ہے۔ حاضرین محفل جانے نہیں پاتے کہ ایک شخص کا دل دوسرے پر آ جاتا ہے اور ایک طبیعت دوسری طبیعت پر مائل ہو جاتی ہے۔ عورت اپنے خاوند سے بدل جاتی ہے۔ اب اگر خاوند اس امر پر رضامند ہو گا تو اس کو دیوث کہا جائے گا اور عورت کو روک رکھے گا تو اس سے طلاق مانگے گی اور جس نے خرقہ پہنایا ہے اس سے ملے گی اور ایسے شخص سے اختلاط رکھے گی جس میں حرارت کی طاقت ہے اور نہ طبیعت کو باز رکھ سکتا ہے اور لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں عورت نے توبہ کی، شیخ نے اس کو خرقہ پہنایا تھا۔ وہ اس کی بیٹیوں میں شامل ہو گئی اور اسی پر قناعت نہیں کرتے کہ یوں کہیں یہ لعب اور خطا ہے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ مردوں کے مقامات

---

[1] ۶/ الانعام: ۱۲۱۔

ہیں حالانکہ ان عورتوں کے حق میں موت ہے۔ کتاب وسنت کا حکم دلوں سے اٹھ جاتا ہے۔
یہاں تک ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ کا کلام تھا جو نقل کیا گیا۔ حقیقت میں ابن عقیل بڑے نقاد اور اعلیٰ درجہ کے فقیہ تھے۔

ابو محمد عبدالرحمٰن بن عمر تجیبی کہتے ہیں کہ حسن بن علی بن سیار نے یہ چند شعر کہے ہیں:

رَأَيْتُ قَوْمًا عَلَيْهِمْ سِمَةُ الْخَيْرِ
بِحَمْلِ الرِّكَاءِ مُبْتَهِلَةً"

"میں نے ایک قوم کو دیکھا جو بظاہر اچھے لوگ ہیں، مشکیزہ یا لوٹا لیے پھرتے ہیں۔"

اِعْتَزَلُوا النَّاسَ فِي جَوَامِعِهِمْ
سَأَلْتُ عَنْهُمْ فَقِيلَ مُتَّكِلَةً"

"لوگوں سے کنارہ کش ہو کر ایک جگہ بیٹھ رہے، میں نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا تو جواب ملا کہ اہل توکل ہیں۔"

صُوفِيَّةٌ لِلْقَضَاءِ صَابِرَةٌ سَاكِنَةٌ تَحْتَ حُكْمِهِ نَزَلَه"

"صوفیہ ہیں اور قضائے الٰہی پر صابر ہیں، جو اس کا حکم نازل ہو اس پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

فَقُلْتُ إِذْ ذَاكَ هَؤُلَاءِ هُمُ
النَّاسُ وَمَنْ دُونَ هَؤُلَاءِ رَذْلَةً"

"میں نے یہ سن کر (دل میں) کہا کہ دراصل یہی لوگ انسان ہیں ان کے سوا سب رذیل ہیں۔"

فَلَمْ أَزَلْ خَادِمًا لَهُمْ زَمَنًا،
حَتّٰى تَبَيَّنَتْ أَنَّهُمْ سِفَلَةً"

"لہٰذا ایک زمانہ تک ان کی خدمت کرتا رہا، یہاں تک کہ بعد میں ثابت ہوا کہ وہ لوگ کمینے ہیں۔"

إِنْ أَكَلُوا كَانَ أَكْلُهُمْ سَرَفًا أَوْ لَبِسُوا كَانَ شُهْرَةً مُثْلَةً"

"اگر کھانے پر آمادہ ہوں تو ان کا کھانا اسراف ہے، اور اگر پہنتے ہیں تو شہرت

اور نمائش کے لیے ہوتا ہے۔"

سَلْ شَيْخَهُمْ وَالْكَبِيْرَ مُخْتَبِرًا
عَنْ فَرْضِهِ لَا تَخَالُهُ عَقِلَهُ

"ان کے پیر اور ان کے بڑے سے امتحان کے طور پر اس کا فرض دریافت کرو تو ضرور غافل پاؤ گے۔"

وَاسْأَلْهُ عَنْ وَصْفِ شَادِنٍ غَنِجٍ
مُدَلِّلٍ لَا تَرَاهُ قَدْ جَهِلَهُ

"اور کسی ناز و کرشمہ والے معشوق کی تعریف پوچھو تو ہرگز ناواقف نہ دیکھو گے۔"

عِلْمُهُمْ بَيْنَهُمْ إِذَا جَلَسُوْا
كَعِلْمِ رَاعِي الرِّعَاءِ وَالرَّذَلَهْ

"جب وہ باہم جمع ہو کر بیٹھتے ہیں تو ان کا علم وہی ہے جو چرواہوں، کمینوں اور رذیلوں کا علم ہے۔"

اَلْوَقْتُ وَالْحَالُ وَالْحَقِيْقَةُ
وَالْبُرْهَانُ وَالْعَكْسُ عِنْدَهُمْ مَثَلَهُ

"وقت اور حال، حقیقت اور برہان اور عکس، ان کے نزدیک سب برابر ہیں۔"

قَدْ لَبِسُوا الصُّوْفَ كَيْ يُرَوْا صُلَحاً
وَهُمْ شِرَارُ الذِّئَابِ وَالْحَفَلَهْ

"انہوں نے صوف کا لباس اس لیے پہنا ہے کہ نیک معلوم ہوں، حالانکہ شریر بھیڑیے اور رنگ باز ہیں۔"

وَجَانَبُوا الْكَسْبَ وَالْمَعَاشَ لِكَيْ
يَسْتَأْصِلُوا النَّاسَ شَرُّهَا أَكَلَهْ

"کسب و معاش سے اس لیے الگ ہو گئے ہیں کہ لوگوں کی بیخ کنی کریں، ان کا مال لالچ سے کھا جائیں۔"

وَلَیْسَ مِنْ عِفَّةٍ وَلَا دَعَةٍ
لٰکِنْ بِتَعْجِیْلِ رَاحَةِ الْعَطَلَهْ

''کسب کا چھوڑ دینا کچھ عفت اور پرہیزگاری کی خاطر نہیں بلکہ بیکاری کی راحت حاصل کرنے کی غرض سے ہے۔''

فَقُلْ لِمَنْ مَالَ بِاِخْتِدَاعِهِمْ
اِلَیْهِمْ تُبْ فَاِنَّهُمْ بَطَلَهْ

''جو شخص ان کے مکر کی وجہ سے ان کی طرف مائل ہو اس سے کہہ دو کہ ان سے دور رہو کیوں کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ مِنْ کَلَامِهِمْ وَلَا تُعَاوِدْ لِعُشْرَةِ الْجَهَلَهْ

''اور ان کے ساتھ گفتگو سے خدا کی پناہ مانگو، اور پھر کبھی ان جاہلوں کی صحبت میں نہ جاؤ۔''

صوری کہتے ہیں کہ بعض شیوخ نے مجھ کو یہ چند شعر سنائے۔

اَهْلُ التَّصَوُّفِ قَدْ مَضَوْا
صَارَ التَّصَوُّفُ مَخْرَقَهْ

''جو اہل تصوف تھے وہ گزر گئے، اب تو تصوف دروغ گوئی ہو گیا ہے۔''

صَارَ التَّصَوُّفُ صَیْحَةً وَتَوَاجُدًا وَمَطْبَقَه

''چیخنا، وجد کرنا اور تالیاں بجانا تصوف رہ گیا۔''

تَجْرِیْ عَلَیْکَ صُرُوْفُهُ
وَهُمُوْمُ سِرِّکَ مُطْرِقَهْ

''تو زمانے کی گردشیں اٹھا رہا ہے، اور تیرے دل کی خواہشات رکی ہوئی ہیں۔''

کَذَبَتْکَ نَفْسُکَ لَیْسَ ذَا
سُنَنُ الطَّرِیْقِ الْمُلْحَقَهْ

''تیرا نفس تجھ سے جھوٹ بولتا ہے، خبردار! یہ طریق راست نہیں ہے۔''

باب یازدہم:

ان لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان جو کرامت کے مشابہ کیفیت کو دین سمجھتے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں کہ ابلیس کم علمی کے مطابق انسان پر قابو پاتا ہے۔ جس قدر انسان کا علم کم ہوگا اسی قدر ابلیس زیادہ قابو پائے گا اور جتنا علم زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا قابو کم ہوگا۔ عبادت کرنے والوں میں سے کسی کو روشنی یا نور آسمان پر نظر آتا ہے تو اگر یہ کیفیت ماہ رمضان میں ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ یہ میں نے شب قدر دیکھی، ورنہ کہتا ہے کہ آسمان کے دروازے کھل گئے تھے۔ بعض اوقات جس چیز کی اس کو تلاش ہوتی ہے اتفاق سے وہ مل جاتی ہے تو اس کو کرامت خیال کر بیٹھتا ہے۔ حالانکہ کبھی تو کرامت ہوتی ہے اور کبھی اتفاقیہ ایسا ہو جاتا ہے اور کبھی امتحاناً ہوتا ہے اور کبھی شیطان کے فریب سے ہوا کرتا ہے اور عاقل کی ایسی باتوں سے تسکین نہیں ہوتی۔ خواہ کرامت کیوں نہ ہو۔ ہم زاہدوں کے باب میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

مالک بن دینار اور حبیب عجمی کہتے ہیں کہ شیطان قاریوں کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جیسے لڑکے اخروٹوں سے کھیلتے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شیطان نے ایک کم عقل زاہد کو دھوکا دیا کہ اس کو کرامت کے مشابہ کچھ شعبدہ دکھا دیا حتیٰ کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ مسجد میں آ کر فرش کو ہاتھ سے کریدتا تھا تو جو کنکریاں اس کے ہاتھ میں آتی تھیں تسبیح پڑھا کرتی تھیں اور وہ شخص لوگوں کو گرمی کے میوے جاڑوں میں کھلایا کرتا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ آؤ تم کو فرشتے دکھا دوں اور بہت سی چیزیں دکھاتا تھا۔ شیطان اس شخص کے ساتھ کھیلتا تھا۔ اہل بصرہ میں سے ایک آدمی بیت المقدس کو گیا۔ وہاں حارث کذاب سے ملا۔ حارث نے پہلے حمد الٰہی کی۔ پھر اپنا قصہ سنایا، اور کہا کہ میں نبی مرسل خدا کی طرف سے مبعوث ہوں۔ بصری نے کہا کہ تمہارا کلام تو اچھا ہے لیکن یہ معاملہ غور طلب ہے۔ اس نے کہا: غور کر۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا پھر دوبارہ اس کے پاس گیا۔ اس نے اپنا کلام دہرایا۔ بصری نے جواب دیا کہ تمہاری باتیں عمدہ ہیں اور

میرے دل میں گھر کر گئیں اور تم پر ایمان لے آیا۔ یہ تمہارا دین راست ہے۔ حارث نے اس کو حکم دیا کہ مجھ سے غائب نہ رہنا۔ بصری نے منظور کیا اور اس کے پاس جانے آنے لگا اور اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کرنے لگا کہ کہاں کہاں بھاگ کر ٹھکانا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ حارث کے خاص مقربوں میں سے ہو گیا۔ اس کے بعد اس سے بولا کہ اب مجھ کو اجازت دیجئے حارث نے پوچھا کہاں جانے کی اجازت مانگتے ہو۔ جواب دیا کہ بصرہ جا کر سب سے پیشتر لوگوں کو آپ کے دین کی طرف بلاؤں گا۔ حارث نے اجازت دی۔ وہ شخص فوراً بصرہ میں عبدالملک کے پاس گیا جب عبدالملک کے خیمہ سے قریب ہوا تو چلا کر بولا کہ نصیحت، نصیحت! لشکر والوں نے پوچھا کہ کیسی نصیحت ہے۔ جواب دیا کہ امیر المومنین کے لیے ایک نصیحت لایا ہوں۔ عبدالملک کو اطلاع ہوئی۔ حکم دیا کہ اس کو آنے کی اجازت دیں وہ شخص خیمہ میں داخل ہوا۔ عبدالملک کے پاس اس کے اصحاب بیٹھے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ چلایا کہ نصیحت کہا! کیا نصیحت۔ اس شخص نے کہا کہ خلوت کیجیے کوئی دوسرا آپ کے پاس نہ ہو۔ عبدالملک نے سب کو باہر کر دیا اور کہا کہ قریب آ کر بیان کر۔ وہ قریب آیا، عبدالملک تخت پر بیٹھا تھا۔ پوچھا کہ کیا خبر لایا ہے، جواب دیا کہ حارث کی خبر ہے۔ عبدالملک نے جب حارث کا نام سنا تو غضب ناک ہو کر تخت سے نیچے اتر آیا اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ جواب دیا کہ اے امیر المومنین! وہ بیت المقدس میں ہے میں نے اس کے اندر باہر کے سب ٹھکانے معلوم کر لیے۔ اس کا تمام قصہ جو کچھ گزرا تھا بیان کیا۔ عبدالملک نے کہا تجھ کو یہاں کی اور بیت المقدس کی حکومت بخشی۔ جو کچھ تو مجھ سے کہے وہ کروں۔ کہنے لگا کہ آپ میرے لیے بیت المقدس کی تمام شمعیں یک جا کرائیے اور ہر ایک شمع ایک آدمی کو دیجیے۔ اور سب کو بیت المقدس کی گلیوں پر ترتیب وار کھڑا کیجیے۔ جب میں حکم کر دوں کہ روشن کرو تو سب شمعیں روشن کر لیں۔ یہ انتظام کر کے وہ بصری اکیلا حارث کے مقام پر گیا۔ دروازے پر کھڑا ہو کر دربان سے کہا: میرے لیے نبی اللہ سے اجازت لو۔ دربان نے کہا یہ وقت ان سے ملنے کا نہیں۔ وہ شخص بولا کہ ان کو میرا پتہ نشان دو۔ دربان گیا اور اس شخص کا پتہ بتایا۔ حارث نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو۔ بصری نے کہا روشن کرو۔ تمام شمعیں روشن ہو گئیں۔ گویا دن نکل آیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ جو کوئی تمہاری طرف

سے گزرے اس کو گرفتار کرلو۔ یہ کہہ کر خود حارث کی منزل میں گیا جس کو پہچانتا تھا وہاں ڈھونڈا تو حارث کو نہ پایا۔ حارث کے اصحاب بولے کہ ہیہات تم پیغمبر خدا کو قتل کرنا چاہتے ہو جو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ بصری نے اس کو تلاش کیا تو ایک گڑھے میں پایا۔ جو اس نے تیار کر رکھا تھا۔ بصری نے اپنا ہاتھ اس تنگ گڑھے میں ڈالا اور اس کو باہر نکالا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں باندھ لو۔ لوگوں نے اس کو جکڑ اور گرفتار کر کے پڑاؤ در پڑاؤ عبدالملک کے پاس لائے جب عبدالملک نے اس کی خبر سنی تو ایک سولی نصب کرنے کا حکم دیا اور ایک آدمی سے کہا: اس کو نیزہ مارے۔ اس نے مارا تو نیزہ اس کی ایک پسلی میں آکر رہ گیا۔ کچھ لوگ شور مچانے لگے کہ انبیا پر ہتھیار چلانا روا نہیں۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے جو یہ کیفیت دیکھی تو بڑھ کر حربہ لیا اور حارث کے بھونک کر اس کو مار ڈالا۔ ولید نے کہا: میں نے سنا ہے کہ عبدالملک کے پاس خالد بن یزید بن معاویہ نے آکر کہا کہ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو تم کو اس کے مار ڈالنے کی اجازت نہ دیتا۔ عبدالملک نے کہا یہ کیوں۔ جواب دیا کہ اس کو فقط وحشت تھی اگر تم اس کو بھوکا رکھتے زائل ہو جاتی۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کرامت کے مشابہ کوئی کرشمہ دیکھ کر اکثر صوفیہ بہک گئے ہیں۔ ایک شخص بیان کرتا کہ آج مجھ کو چھ درم کے لیے تشویش تھی جو مجھ پر قرض تھے۔ اتفاقاً فرات کے کنارے جا رہا تھا کہ چھ درم پائے۔ میں نے ان کو اٹھالیا تو پورے چھ درم تھے نہ کم نہ زیادہ۔ اس شخص سے ابو عمران اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ یہ درم خیرات کر ڈالو کیوں کہ یہ تمہاری ملکیت نہیں۔ فقہا کے کلام پر غور کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کیسا فریب کھانے سے دور رہتے۔ ہیں ان درموں کو لقطہ بتایا اور کرامت کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور تعریف (تشہیر) کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ کوفیوں کے مذہب میں دینار سے کم کے لیے تعریف واجب نہیں اور خیرات کرنے کا حکم شاید اس لیے دیا کہ وہ شخص اس کو کرامت نہ سمجھے۔

ایک صوفی نے بیان کیا کہ مجھے ایک روز وضو کرنے کی ضرورت ہوئی۔ یکایک کیا دیکھا کہ میرے سامنے ایک لوٹا جواہرات کا آیا اور ایک چاندی کی مسواک جس کا سرا ریشم سے زیادہ نرم تھا۔ میں نے وہ مسواک کی اور اس لوٹے کے پانی سے وضو کیا اور وہ دونوں چیزیں وہیں

چھوڑ کر چلا آیا۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس شخص کی کم عقلی پر غور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر یہ شخص فقہ کو سمجھتا تو جان لیتا کہ چاندی کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن چونکہ کم علم تھا لہٰذا اس کا استعمال کیا اور سمجھا کہ وہ کرامت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے ساتھ اکرام نہیں فرماتا جس کے استعمال سے شرعاً منع کیا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بطور امتحان کے اس کے لیے ظاہر کیا ہو۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل عقل نے جب جان لیا کہ ابلیس کی فریب دہی بہت سخت ہے تو ان چیزوں سے پرہیز کیا جو بظاہر کرامت معلوم ہوتی ہیں، اس خوف سے کہ کہیں یہ بھی اس کا فریب نہ ہو۔ زہرون سے میں نے سنا، کہتے تھے کہ مجھ سے پرندہ نے گفتگو کی۔ واقعہ یہ کہ ایک بار میں جنگل میں تھا۔ وہاں لیٹ رہا۔ میں نے ایک سفید پرندہ دیکھا۔ مجھ سے بولا کہ اے زہرون! تم راہ بھولے ہوئے ہو۔ میں نے کہا: اے شیطان! کسی دوسرے کو دھوکا دینا۔ دوبارہ اس نے ایسا ہی کہا اور میں نے یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ کود کر میرے شانہ پر آبیٹھا اور بولا کہ میں شیطان نہیں ہوں۔ واقعی تم راستہ بھولے ہوئے ہو۔ مجھ کو خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔

محمد بن یحییٰ بن عمرو نے ہم سے بیان کیا کہ مجھ سے زلفی نے ذکر کیا کہ میں نے رابعہ عدویہ سے کہا اے چچی! تم لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتی؟ جواب دیا کہ مجھ کو لوگوں سے امید ہی کیا ہے۔ یہی ہے کہ میرے پاس آئیں گے اور پھر مجھ پر ایسی باتیں جوڑ کر بیان کریں گے جو میں نہیں کرتی۔ سنتی ہوں لوگ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی جانماز کے تلے درم پاتی ہوں اور میری ہنڈیا بغیر آگ کے پک جاتی ہے۔ زلفی کہتی ہیں میں نے کہا: لوگ تو تمہاری نسبت بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رابعہ کو اپنے گھر میں کھانا اور پانی مل جاتا ہے کیا واقعی تم کو ملتا ہے؟ جواب دیا کہ اے بھتیجی! اگر مجھ کو میرے گھر میں کچھ ملتا بھی تو میں اس کو ہاتھ نہ لگاتی۔ ایک روز جاڑے میں میں نے روزہ رکھا، میرے نفس نے کچھ گرم کھانا مانگا جس پر افطار کروں۔ میرے پاس چربی تھی۔ میں نے جی میں کہا کہ اگر اس کے ساتھ پیاز ہوتی تو اس میں ملا لیتی۔ اتنے میں ایک پرندہ آیا اور اس کی چونچ میں سے ایک پیاز گری۔ جب میں

نے اس کو دیکھا تو اپنے ارادہ سے باز آئی اور ڈری کہ کہیں یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو۔

وہیب کی نسبت میں نے سنا ہے کہ لوگ خواب میں دیکھا کرتے تھے کہ وہیب بہشتی ہیں۔ وہیب کو اس کی خبر ہوئی تو بہت روئے اور کہا: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ شیطان کا فریب نہ ہو۔ ابوحفص نیشاپوری کی نسبت سنا ہے کہ ایک روز باہر نکلے اور ان کے ساتھ ان کے سفر کے ہمراہی تھے۔ ایک جگہ بیٹھ رہے اور ان کے گرد ان کے اصحاب تھے۔ ان کو کچھ باتیں سنائیں جس سے ان کے دل خوش ہوئے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بارہ سنگھا پہاڑ سے اترا اور شیخ کے سامنے آبیٹھا۔ شیخ بہت روئے جب کچھ ٹھہرے تو لوگوں نے عرض کیا، اے استاد! تم نے ہم کو وعظ سنایا ہم خوش دل ہوئے۔ جب یہ وحشی جانور آ کر تمہارے سامنے بیٹھا تو تم کو بے قرار کیا اور رُلا دیا۔ جواب دیا کہ ہاں میں نے اپنے گرد تمہارا مجمع دیکھا اور تمہارے دل خوش ہوئے میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر اس وقت کوئی بکری ہوتی تو اس کو ذبح کرتا اور تمہاری دعوت کرتا۔ یہ خطرہ ہنوز اچھی طرح دل نشین نہ ہوا تھا کہ یہ وحشی جانور آیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں میں فرعون کے مانند تو نہ ہوں کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دریائے نیل کے جاری ہونے کا سوال کیا تھا۔ خدا نے اس کو جاری کر دیا۔ میں نے سوچا کہ میں کیونکر اس بات سے بے خوف ہو سکتا ہوں کہ میرا تمام حصہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دنیا میں عطا فرمائے اور آخرت میں فقیر تہی دست رہ جاؤں۔ اسی خیال نے مجھ کو بے قرار کر دیا۔

ایک شخص نے ہمارے زمانہ میں ایک کورا لوٹا لیا۔ اس میں شہد ڈالا۔ اس لوٹے نے شہد کا مزہ جذب کر لیا۔ وہ شخص ایک سفر میں لوٹے کو ساتھ لے گیا۔ جب بھی نہر سے اس میں پانی بھرتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو پلاتا تھا، وہ اس میں شہد کا مزہ پاتے تھے۔

باب دوازدہم

عوام پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہم بیان کر چکے ہیں کہ شیطان کا فریب بمقدار جہالت کے قوت پاتا ہے۔ عوام کو ایسے ایسے فتنوں میں ڈال رکھا ہے کہ بوجہ کثرت کے ان کا ذکر کرنا غیر ممکن ہے۔ ہم فقط اصول ذکر کرتے ہیں۔ انہیں پر ان کے مثل کو قیاس کرنا چاہیے وہ یہ کہ شیطان ایک آدمی کے پاس آتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ لہٰذا وہ عامی اللہ تعالیٰ کے لیے صورت قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ عجیب عجیب سوال کیا کریں گے حتیٰ کہ پوچھا جائے گا ہم کو تو اللہ نے پیدا کیا مگر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک عراقی آدمی نے مجھ سے سوال کیا کہ ہم کو تو خدا نے پیدا کیا خدا کو کس نے پیدا کیا؟ یہ سن کر میں نے اپنے کانوں میں انگلی ڈال لی اور با آواز بلند کہا:

((صَدَقَ رَسُوْلُ اللهِ، اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ.)) [1]

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ خرابی اس لیے واقع ہوئی کہ حواس غالب ہے۔ کیوں کہ جس کو جو چیز نظر آتی ہے وہ کسی کی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس عامی کو جواب دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمان کو غیر زمان میں اور مکان کو غیر مکان میں پیدا کیا۔ جب کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے لامکاں میں ہے اور اس کے نیچے کچھ نہیں۔ حالانکہ تمہارا حس اس کو بعید جانتا ہے۔ کیوں کہ اس نے ہر چیز کو مکان ہی میں پایا۔ تو وہ ذات کس طرح حس سے طلب کی جاسکتی ہے جس کو حس نہیں پہچان سکتے۔ تم اس بارے میں اپنی عقل سے مشاورت کرو۔ کیوں کہ عقل اچھی مشیر ہے۔ شیطان

---

[1] مسند احمد: ۲/ ۳۸۷۔ مسلم: کتاب الایمان، باب الوسوسۃ فی الایمان، رقم ۳۴۹۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب الجہمیۃ، رقم ۴۷۲۲۔ نسائی: فی عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۱۹۔ باب الوسوسۃ، رقم ۶۶۱۔ سلسلۂ صحیحہ: ۱/ ۱/ ۲۳۳، ۲۳۴، رقم ۱۱۶، ۶۱۷۔

کبھی تقاضائے حس کے مطابق فریب دیتا ہے۔ لہٰذا عوام تشبیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کبھی تعصب مذہبی کی رو سے بہکاتا ہے۔ لہٰذا ایک عامی ایسے امر کے بارے میں جس کی وہ حقیقت نہیں جانتا گالی گلوچ اور مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ بعض تعصب سے خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا مانتے ہیں بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص کرتے ہیں اور اس میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ اہل کرخ البصرہ اور اہل باب البصرہ میں باہم اسی بنا پر برسوں جنگ وقتال اور آتش زنی رہی جس کا بیان بہت طویل ہے۔ اکثر لوگ جو اس بارے میں بحث کرتے ہیں وہ ہیں جو ریشم پہنتے ہیں، اور بے خطا لوگوں کا خون بہاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما ایسے شخصوں سے بیزار ہیں۔

عوام میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے خدا وہی مقدر کرے اور پھر عذاب کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا نے متقی کو تنگ دست اور گنہگار کو فارغ البال کیوں کیا۔ بعض ایسے ہیں کہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں جب کوئی بلا آتی ہے تو پھر جاتے ہیں اور کفر کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جسموں کو بنا کر بگاڑ دینے میں کیا حکمت ہے بعض قیامت کے قائل نہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کا مقصد بر نہ آیا یا کسی بلا میں مبتلا ہو گئے تو کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھنا نہیں چاہتے۔ اکثر اوقات کوئی فاجر نصرانی کسی مومن پر غالب آجائے اس کو مار ڈالے یا مارے تو عوام کہتے ہیں کہ صلیب غالب ہو گئی۔ جب ایسا ہے تو ہم نماز کیوں پڑھیں۔ الغرض یہ تمام آفتیں جن سے عوام پر شیطان قابو پا گیا ہے اس لیے ہیں کہ یہ لوگ علم اور علما سے دور ہیں۔ اگر اہل علم سے دریافت کرتے تو وہ ان کو بتاتے کہ اللہ تعالیٰ حکیم اور مالک ہے، پھر کچھ اعتراض نہ رہتا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عوام میں بعض وہ ہیں جو اپنی عقل پر راضی ہیں اور علما کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ لہٰذا جب علما کا فتویٰ ان کی غرض کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو رد کرتے ہیں علما میں نقص نکالتے ہیں۔ ابن عقیل کہا کرتے تھے کہ میں اتنے برسوں زندہ رہا، جب کبھی کسی کام والے کے کام میں ہاتھ ڈالا تو اس نے کہا تم نے میرا کام خراب کر دیا۔ اگر میں نے کہا کہ میں عالم آدمی ہوں، تو جواب دیا کہ خدا تمہارے علم میں برکت دے۔ یہ تمہارا کام نہیں، اگر تم کرتے

ہوتے تو سمجھتے۔ حالانکہ اس کا کام ایک امر حسی تھا اور میں جس شغل میں ہوں وہ امر عقلی ہے لہٰذا جب میں نے اس کو فتویٰ دیا تو قبول نہیں کیا۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عوام کو شیطان نے ایک یہ دھوکا بھی دیا ہے کہ یہ لوگ بناوٹی زاہدوں اور تارک الدنیا درویشوں کے بڑے جلدی معتقد ہوتے اور ان کو علما پر ترجیح دیتے ہیں یہ لوگ اگر سب سے بڑے جاہل کے جسم پر صوف کا جبہ (درویش کا لباس) دیکھ لیں تو فوراً معتقد ہو جائیں اور اگر وہ سر کو جھکا لے اور خشوع کا اظہار کرے تو فریفتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی اور کہتے ہیں کہ بھلا اس درویش اور فلاں عالم کا کیا مقابلہ، یہ تارک الدنیا وہ طالب دنیا، یہ نہ اچھی غذائیں کھاتا ہے نہ شادی کرتا ہے، حالانکہ محض جہالت ہے اور شریعت محمدی کی تحقیر ہے کہ ایسے زہد کو علم پر ترجیح دی جائے۔ محمد ﷺ بن عبداللہ کی شریعت کو چھوڑ کر زاہدوں کو اختیار کیا جائے۔ خدا کا بڑا احسان ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے، ورنہ اگر آپ کو شادیاں کرتے، پاک وصاف چیزیں کھاتے اور میٹھے اور شہد کی رغبت رکھتے ہوئے پاتے تو آپ سے بھی بداعتقاد ہو جاتے۔

فصل

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اکثر عوام کی توجہ اور رغبت مسافر اور بیرونی زاہدوں کی طرف ہے، ان کو اختیار کرتے ہیں، اپنے شہر والوں کو چھوڑتے ہیں، جن کی حالت آزما چکے اور عقیدہ پہچان چکے۔ حالانکہ اپنے آپ کو اسی کے حوالے کرنا چاہیے جس کی معرفت کا امتحان ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ [1]

"یعنی جب تم یتیموں کو دیکھو کہ ان میں رشد ہے تو ان کا مال ان کے حوالے کرو"۔

اور نیز اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو خلقت کی طرف بھیج کر احسان فرمایا ہے کہ کفار آپ کا حال خوب جانتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ [2]

[1] ۴/النساء:۶۔ [2] ۳/آل عمران:۱۶۴۔

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔''

اور فرمایا: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ﴾ [1] ''یہ لوگ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہنچانتے ہیں'' بعض عوام کہتے ہیں کہ خدا کریم ہے اور اسی کا عفو وسیع ہے اور رجا عینِ ایمان ہے۔ اپنی خام خیالی اور دھوکا کھانے کا نام رجا رکھا ہے اور اسی بات نے عام گناہگاروں کو ہلاک کر دیا۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا کہ فرزدق ایک جماعت میں بیٹھا جو رحمت الٰہی کا ذکر کرتے تھے۔ فرزدق رحمت کے امیدوار ہونے میں سب سے زیادہ فراخ سینہ تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو پاکدامن کو تہمت کیوں لگایا کرتا ہے۔ جواب دیا کہ بھلا مجھ کو یہ بتاؤ کہ جو گناہ میں اپنے پروردگار کا کرتا ہوں اگر یہی گناہ اپنے ماں باپ کا کروں تو کیا ان کا دل اس بات کو گوارا کرے گا کہ مجھ کو تنور میں جھونک دیں۔ لوگوں نے کہا نہیں بلکہ تم پر رحم کریں گے۔ بولا کہ مجھ کو اپنے پروردگار کی رحمت پر ماں باپ سے زیادہ وثوق ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ خیال محض جہالت ہے کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت رقت طبع سے نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو نہ کوئی چڑیا ذبح ہونے پاتی اور نہ کوئی بچہ مرتا اور نہ کوئی دوزخ میں جاتا۔

اصمعی نے کہا: میں ابونواس کے ساتھ مکہ میں تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک امرد لڑکا حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے۔ ابونواس مجھے کہنے لگے کہ واللہ! میں حجر اسود کے پاس سے لڑکے کا بوسہ لیے بغیر نہ ٹلوں گا کہا: میں نے تجھ پر خدا کی مار، خدا سے ڈر۔ اس وقت تو حرمت والے شہر میں ہے اور خدا کے گھر کے پاس ہے۔ جواب دیا کہ میں اس میں مجبور ہوں۔ یہ کہہ کر سنگ اسود کے پاس گیا، لڑکا آیا۔ ابونواس نے بڑھ کر اپنا رخسارہ لڑکے کے رخسارہ پر رکھ کر اس کا بوسہ لیا۔ میں نے کہا: وائے ہو تم پر، اللہ تعالیٰ کے حرم میں ایسا کرتا ہے۔ بولا کہ یہ باتیں رہنے دو۔ میرا پروردگار رحیم ہے۔ پھر دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''عاشق و معشوق کے رخسارے حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت باہم مل گئے، عاشق کی مراد بر آئی اور دونوں پر کچھ گناہ بھی نہ ہوا۔ گویا وہ دونوں وعدہ کر چکے تھے۔''

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس جرأت پر غور کرنا چاہیے جس میں وہ رحمت کی طرف دیکھتا ہے

[1] ٦/ الانعام: ٢٠۔

اور اس حرمت کی قید کو توڑنے پر عذاب کی سختی بھولتا ہے۔ ابونواس کے مرض موت میں لوگ اس کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ اب توبہ کرو۔ جواب دیا کہ کیا تم مجھے ڈراتے ہو۔ مجھ سے حماد بن سلمہ نے بیان کیا کہ یزید رقاشی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر ایک نبی کے لیے ایک شفاعت ہے اور میں نے اپنی شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہے'' [1] تو کیا عجب ہے کہ میں بھی انہیں میں سے ہوں۔

مصنف رحمہ اللہ نے کہا: اس شخص نے دو وجہ سے خطا کی۔ ایک تو یہ کہ جانب رحمت کو دیکھا اور جانب عذاب پر غور نہ کیا۔ دوسرے اس بات کو بھول گیا کہ رحمت فقط توبہ کرنے والے کے واسطے ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ﴾ [2] ''جو توبہ کرتا ہے میں اس کا بخشنے والا ہوں۔'' اور فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ [3]

''میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ میں اسے متقیوں کے لیے لازم کروں گا۔''

یہ تھے شیطان کے فریب جن سے وہ عامۂ عوام کو ہلاک کرتا ہے۔

فصل

بعض عوام کہتے ہیں کہ علما لوگ حدود الٰہی کی نگہداشت نہیں کرتے، فلاں ایسا کرتا ہے فلاں ایسا کرتا ہے۔ بس میری حالت ٹھیک ہے۔ اس شیطانی فریب کا اظہار اس طور پر ہے کہ تکلیف شرعی کے بارے میں جاہل اور عالم برابر ہیں۔ لہٰذا عالم پر خواہش نفسانی کا غلبہ ہونا جاہل کے لیے عذر نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں ہمارے گناہ ہی کس قدر ہیں جو ہم کو عذاب ہوگا اور ہم کون ہیں جن سے مواخذہ ہوگا۔ ہمارے گناہ سے خدا کو کچھ نقصان نہیں اور ہماری اطاعت سے اس کو کوئی نفع نہیں اور اس کا عفو ہمارے جرم سے عظیم تر ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے کہا: خدا کے

---

[1] ابوداود: کتاب السنة، باب فی الشفاعة، رقم ۴۷۳۹۔ ترمذی: کتاب صفة القیامة، باب ماجاء فی الشفاعة، رقم ۲۴۳۵، مسند احمد: ۳/۲۱۳، کشف الاستار: ۴/۱۷۲، کتاب البعث، باب فی الشفاعة، رقم ۳۴۶۹۔ مستدرک الحاکم: ۱/۱۳۹، کتاب الایمان، رقم ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱۔ صحیح الجامع الصغیر: ۳/۲۲۹، ۳۶۰۸۔

[2] ۲۰/طٰہٰ: ۸۲۔ [3] ۷/الاعراف: ۱۵۶۔

سامنے میری حقیقت ہی کیا ہے کہ میں گناہ کروں اور وہ میرا گناہ نہ بخشے۔ حالانکہ یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ شاید ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ضد اور مثل سے مواخذہ کرتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ مخالفت کی وجہ سے یہ لوگ معاند کے مقام میں ہوں گے۔

ابن عقیل نے ایک آدمی کو سنا، کہتا تھا کہ میں کون ہوں کہ خدا مجھ کو عذاب کرے گا۔ اس سے کہا کہ تو وہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو موت دے گا اور فقط تو باقی رہ جائے تو یٰاَیُّهَا النَّاسُ تجھ کو خطاب الٰہی ہوگا۔

بعض عوام کہتے ہیں کہ ہم آئندہ توبہ کرلیں گے اور نیک بن جائیں گے۔ حالانکہ بہت سے امید کرنے والے اپنی امید سے رہ گئے اور موت نے پہلے ہی خاتمہ کر دیا۔ خطا میں جلدی کرنا اور راستی میں منتظر رہنا تو کوئی احتیاط نہیں۔ بسا اوقات توبہ میسر نہیں ہوتی اور اکثر توبہ ٹھیک نہیں ہوتی اور بعض دفعہ قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ قبول بھی ہوگئی تو گناہ کی شرمندگی ہمیشہ رہتی ہے۔ لہٰذا گناہ کے خیال کو ہٹانا حتی کہ دور رہے اس بات سے آسان ہے کہ توبہ کی محنت اٹھائے حتیٰ کہ قبول ہو یا نہ ہو۔

عوام کے لیے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ کسی کا کوئی نسب ہوتا ہے تو اپنے نسب پر مغرور ہو جاتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ میں ابوبکر کی اولاد ہوں۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں اولاد علی ہوں۔ تیسرا کہتا ہے میرا نسب فلاں عالم فلاں زاہد سے ملتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اس معاملہ کی بنا دو باتوں پر رکھتے ہیں ایک تو یہ کہ جو شخص کسی آدمی سے محبت رکھے گا اس کی اولاد اور اس کے گھر والوں کو بھی چاہے گا۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کے لیے شفاعت ہے اور ان کی شفاعت کی زیادہ حق دار ان کی اولاد ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ رہی محبت سو اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی نہیں جیسی آدمیوں کی محبت ہے۔ وہ تو اس شخص سے محبت رکھتا ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اہل کتاب بھی تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان کو اپنے باپ دادا سے کچھ نفع نہیں اور اگر باپ کی محبت اثر کرتی ہے تو بغض بھی ضرور اثر کرتا ہے۔ باقی رہی شفاعت تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ﴾ [1] یعنی شفاعت اسی کی کریں گے جن کے لیے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ نوح علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو کشتی میں بٹھانا چاہا تو ارشاد ہوا ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ [2] یعنی اے نوح! یہ تمہارا لڑکا تمہاری اہل میں سے نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

[1] ۲۱/الانبیاء:۲۸۔ [2] ۱۱/ھود:۴۶۔

کی شفاعت اپنے باپ کے حق میں اور ہمارے نبی کی شفاعت اپنی ماں کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''خدا کے یہاں تمہارے کام نہ آؤں گا۔'' [1] جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے باپ کی نجات سے اس کی بھی نجات ہو جائے گی اس کی مثل ایسی ہے جیسے کوئی یوں سمجھ بیٹھے کہ اس کے باپ کے کھانے سے اس کا بھی پیٹ بھر جائے گا۔

فصل

عوام کو شیطان کا ایک فریب یہ بھی ہے کہ وہ مرد صالح کی محبت پر اعتماد کرتے ہیں پھر اس کے بعد جو کچھ کریں اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایک ان میں سے کہتا ہے کہ میں اہل سنت میں سے ہوں اور اہل سنت خیر پر ہیں اور پھر گناہ سے دور نہیں رہتا۔ یہ فریب اس طور سے دور کیا جائے کہ ان سے کہا جائے، اعتقاد فرض ہے اور گناہوں سے بچنا بھی فرض ہے لہٰذا ان میں سے ایک دوسرے کو کفایت نہیں کرتا۔ اسی طرح رافضی کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت کی محبت سے عذاب سے دور ہیں۔ حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ کیوں کہ فقط تقویٰ عذاب کو دور رکھتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم جماعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں اور خیر کرتے ہیں، یہ ہم سے عذاب کو دور رکھے گا۔ اس کا جواب بھی وہی پہلا جواب ہے۔

عیاروں پر لوگوں کے مال لینے پر تلبیس ابلیس کا بیان

ان لوگوں نے اپنا نام جوان مرد رکھا ہے۔ کہ جوان مرد نہ زنا کرتا ہے اور نہ جھوٹ بولتا ہے اور حرمت کی حفاظت کرتا ہے اور کسی عورت کی پردہ دری نہیں کرتا۔ یہ لوگ باوجود ان سب باتوں کے لوگوں کے مال لوٹنے سے پرہیز نہیں کرتے اور اس بات میں مشہور ہیں کہ مال حرام کے لیے اپنے کلیجے جلا دیتے ہیں اور اپنے طریقہ کا نام جواں مردی رکھا ہے۔ بسا اوقات ان میں سے کوئی

---

[1] بخاری: کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب، رقم ۲۷۵۳۔ مسلم: کتاب الایمان، باب قوله تعالٰی، وانذر عشیرتک الاقربین، رقم ۵۰۳۔ ترمذی: کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الشعراء، رقم ۳۱۸۴۔ نسائی: کتاب الوصایا، باب اذا اوصی لعشیرته الاقربین، رقم ۳۶۷۶۔ سنن الدارمی: ۲/۶۱۷، کتاب الرقاق، باب وانذر عشیرتک الاقربین، رقم ۲۶۳۲۔

قسم کھاتا ہے کہ "بحق الفتوۃ" یعنی جواں مردی کی قسم۔ پھر نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ جوان کے طریقہ میں داخل ہو اس کا لباس و پائجامہ مقرر کرتے ہیں۔ جیسے صوفیہ نے مرید کا لباس مرقعہ رکھا ہے۔ اکثر اوقات ان میں سے کوئی اپنی بیٹی یا بہن سے ایسا کلمہ سنتا ہے جو شان کے خلاف ہو اور بسا اوقات وہ منحرف ہو جاتی ہے تو اس کو مار ڈالتا ہے، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ جواں مردی ہے اکثر اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہم مار پیٹ پر صابر ہیں۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ کہا کرتے تھے کہ ابوالہیثم پر خدا رحم کرے۔ میں نے پوچھا ابوالہیثم کون ہے؟ جواب دیا کہ ایک لوہار ہے جب سزا کے لیے میرے ہاتھ باندھے گئے اور کوڑے نکالے گئے میں نے یکا یک ایک آدمی کو دیکھا کہ میرے کپڑے پیچھے سے کھینچتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو۔ میں نے کہا: تم کو نہیں جانتا۔ جواب دیا کہ میں ابوالہیثم عیار طرار چور ہوں جس کا نام امیر المومنین کے دفتر میں لکھا ہے۔ میں نے متفرق طور پر اٹھارہ ہزار کوڑے کھائے ہیں اور یہ سب ضرب دنیا کے لیے شیطان کی اطاعت پر تھی۔ لہٰذا تم صبر کرو کہ دین کے لیے رحمٰن کی اطاعت پر ضرب کھاتے ہو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ ابوالہیثم وہ ہے جس کو ابو خالد حدّاد کہتے ہیں۔ یہ شخص صبر کرنے میں ضرب المثل ہے۔ خلیفہ متوکل باللہ نے اس سے پوچھا، تیرا صبر کس حد تک ہے۔ جواب دیا کہ آپ ایک تھیلی میں بچھو بھر دیجیے۔ پھر میں اس میں اپنا ہاتھ ڈال دوں۔ حالانکہ جس چیز سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔ آخری کوڑے کی تکلیف مجھ کو اسی قدر ہوتی ہے جس قدر پہلے کی۔ جب مجھ پر ضرب پڑتی ہے اگر میں اس وقت اپنے منہ میں کپڑے کا ٹکڑا رکھ لوں تو میرے اندر جو حرارت نکلتی ہے اس کو جلا دے۔ لیکن میں نے اپنے نفس کو صبر پر قرار دیا ہے۔ یہ سن کر اس سے فتح نے کہا: وائے تو تجھ پر! باوجود اس زبان اور عقل کے کیا چیز تم کو اس بطالت کی حالت پر آمادہ کرتی ہے۔ جواب دیا کہ میں ریاست کو پسند کرتا ہوں۔ متوکل یہ سن کر بولا کہ ہم خلیدمی ہیں۔ فتح نے کہا کہ میں بھی خلیدمی ہوں۔ کسی شخص نے خالد سے کہا: اے خالد! تم میں بھی تو گوشت اور خون ہے۔ کیا ضرب سے تم کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جواب دیا کیوں

نہیں ہوتی۔ضرب سے تکلیف ضرور ہوتی ہے۔لیکن ہم میں وہ قوی صبر ہے جوتم میں نہیں ہے۔
داؤد بن علی نے کہا: جب خالد پکڑا آیا تو میں نے اس کو دیکھنا چاہا۔اس کے پاس گیا۔اس کو دیکھا کہ بیٹھا ہے لیکن ایک جانب قرار نہیں پکڑتا۔کیوں کہ کوڑوں کی ضرب کی وجہ سے اس کے سرین کا گوشت خراب ہو گیا تھا۔اس کے گرد بہت سے جوان جمع تھے۔آپس میں باتیں کرنے لگے کہ فلاں نے آج کوڑے کھائے اور فلاں کے ساتھ ایسا کیا گیا۔خالد نے ان سے کہا: تم دوسروں کی باتیں کیوں کرتے ہو تم بھی ایسا کرو تا کہ لوگ تمہاری باتیں کریں۔مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: غور کرنا چاہیے۔شیطان ان لوگوں کے ساتھ کیسا کھیلتا ہے کہ تکلیف کی سختی پر صبر کرتے ہیں تا کہ ان کو شہرت حاصل ہو اور اگر تھوڑے سے تقویٰ پر صبر کریں تو ان کو ثواب ملے۔تعجب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس حال کو مرتبہ اور فضیلت خیال کرتے ہیں، حالانکہ بڑے گناہوں کے مرتکب ہیں۔

فصل

اکثر عوام نوافل پر اعتماد کرتے ہیں اور فرض کو ضائع کرتے ہیں۔مثلاً مسجد میں اذان سے پہلے آتے ہیں اور نفل پڑھتے ہیں۔پھر جب مقتدی ہو کر فرض ادا کرتے ہیں تو امام پر سبقت کرتے ہیں۔بعض ایسے ہیں کہ فرائض کے وقتوں میں نہیں آتے اور لیلۃ الرغائب یعنی ماہ رجب کی ستائیسویں شب میں ہجوم کرتے ہیں۔بعض وہ ہیں کہ عبادت کرتے ہیں اور روتے ہیں۔حالانکہ بری باتوں پر اڑے ہوئے ہیں ان سے باز نہیں آتے۔اگر ان سے کوئی کچھ کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ آدمی سے نیکی بدی دونوں ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔جمہور عوام اپنی رائے سے عبادت کرتے ہیں لہٰذا جس قدر بھلائی کرتا ہے اس سے زیادہ برائی کرتا ہے۔میں نے ایک عامی کو دیکھا کہ قرآن حفظ کیا اور زاہد بنا، پھر اپنے آپ کو مجبوب کر دیا۔یعنی اپنا عضو تناسل کاٹ ڈالا حالانکہ یہ افحش الفواحش ہے۔

فصل

شیطان نے بہت سے عوام کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ وعظ و ذکر کی مجالس میں شریک ہونا اور متاثر ہو کر رونا ہی سب کچھ ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ مقصود محفل خیر میں شرکت اور رقت ہے۔اس لیے کہ وہ واعظوں سے اس کے فضائل سنتے رہتے ہیں۔اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ مقصود اصلی

تو عمل ہے۔ جب آدمی سنی ہوئی دین کی باتوں پر عمل نہ کرے گا تو یہ سننا اور عمل نہ کرنا ان کے لیے گرفت کا باعث اور وبال جان ہے۔ میں ذاتی طور پر بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو سالہا سال سے مجلس وعظ میں شریک ہوتے ہیں روتے اور متاثر ہوتے ہیں لیکن نہ سود لینا چھوڑتے ہیں، نہ تجارت میں دھوکا دینے سے باز آتے ہیں۔ ارکان صلوٰۃ سے جیسے وہ بے خبر برسوں پہلے تھے، ویسے ہی اب بھی ہیں۔ مسلمانوں کی غیبت، والدین کی نافرمانی میں جس طرح پہلے مبتلا تھے، اسی طرح اب بھی مبتلا ہیں۔ شیطان نے ان کو یہ فریب دے رکھا ہے کہ مجلس وعظ کی حاضری اور گریہ وبکا ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ بعض کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ علما وصالحین کی صحبت ہی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

فصل

مالدار لوگوں کو چار صورت سے شیطان نے فریب دیا۔ ایک ال حاصل ہونے کی جہت سے وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ کیونکر حاصل ہوا۔ ان کے اکثر معاملات کھلم کھلا ربا (سود) ہے۔ وہ اس کو بالکل بھولے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان کے تمام معاملات اجماع سے خارج ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس کو حلال ذریعہ سے مال حاصل ہوا یا حرام سے۔'' [1]

دوسرے بخل کی جہت سے اکثر مالدار ایسے ہیں کہ عفوِ الٰہی پر بھروسہ کر کے زکوٰۃ نہیں نکالتے ہیں پھر ان پر بخل غالب آتا ہے تو خیال کرتے ہیں کہ اسی قدر نکالا ہوا کافی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرتے ہیں۔ مثلاً سال پورا ہونے سے پیشتر ہبہ کر دیتے ہیں اور پھر واپس لے لیتے ہیں اور بعض اس طور پر حیلہ کرتے ہیں کہ فقیر کو ایک کپڑا دیتے ہیں اور اس کی قیمت اس کو دس دینار بتاتے ہیں حالانکہ وہ دو دینار کے برابر ہوتا ہے اور یہ دینے والا جاہل خیال کرتا ہے کہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو گیا اور بعض اس شخص کو زکوٰۃ دیتے ہیں جو سال

---

[1] بخاری: کتاب البیوع، باب قول اللہ عزوجل، یا ایھا الذین آمنو لاتاکلوا الربا اَضْعَافاً مُضَاعَفَة، رقم ۲۰۵۹،۲۰۸۳۔ مسند احمد: ۲/۴۳۵،۴۵۲۔ نسائی: کتاب البیوع، باب اجتناب الشبہات فی الکسب، رقم ۴۴۵۹۔ سنن الدارمی: ۲/۶۹۷، کتاب البیوع: باب فی التشدید فی اکل الرّباء، رقم ۲۴۴۱۔

بھر تک ان کی خدمت کرتا ہے اور در حقیقت وہ اجرت ہوتی ہے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ٹکسال میں جب پہلے درم ڈھالا گیا تو شیطان نے اس کو لے کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں اور ناف پر رکھ کر کہا: تیرے ذریعہ سے میں سرکش بناؤں گا اور تیری بدولت کافر بناؤں گا۔ میں فرزند آدم سے اس بات سے خوش ہوں کہ دینار کی محبت کی وجہ سے میری پرستش کرتا ہے۔ اعمش نے شقیق سے روایت کیا کہ عبداللہ نے کہا: شیطان ہر عمدہ چیز کے ذریعہ سے انسان کو فریب دیتا ہے جب تنگ آ جاتا ہے تو اس کے مال میں لیٹ رہتا ہے اور اس کو کچھ خیرات کرنے سے باز رکھتا ہے۔

تیسرے کثرت مال کی حیثیت سے اس طور پر کہ اپنے آپ کو فقیر سے بہتر جانتا ہے حالانکہ یہ نادانی ہے۔ کیوں کہ فضیلت ان فضائل سے حاصل ہوتی ہے جو نفس کے لیے لازم ہیں۔ پتھر جمع کرنے سے فضیلت نہیں حاصل ہوتی جو نفس سے خارج چیز ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے:

غِنَی النَّفْسِ لِمَنْ یَعْقِلُ   خَیْرٌ مِنْ غِنَی الْمَالِ

وَفَضْلَ النَّفْسِ فِیْ الْاَنْفُسِ   لَیْسَ الْفَضْلُ فِی الْحَالِ

”عقل مندوں کے نزدیک مال کی تونگری سے نفس کی تونگری بہتر ہے کیوں کہ انسان کی فضیلت ذات میں ہوتی ہے حالت میں فضیلت نہیں ہوتی۔“

چوتھے مال کے خرچ کرنے میں۔ بعض ایسے ہیں کہ بطور فضول خرچی کے صرف کرتے ہیں۔ کبھی مکان بنواتے ہیں جو مقدار ضرورت سے زائد ہوتا ہے، دیواروں کو خوب آراستہ کرتے ہیں، تصویریں بناتے ہیں جو سب کو نظر آئیں، جس سے کبر و غرور ظاہر ہو اور کبھی کھانے ایسے کرتے ہیں جن میں اسراف ہوتا ہے اور ان سب حرکتوں کا کرنے والا احرام یا مکروہ فعل سے محفوظ نہیں رہتا۔ حالانکہ اس سے ہر چیز کا سوال ہوگا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فرزند آدم! اللہ تعالیٰ کے سامنے سے تیرے قدم نہ ہٹیں گے یہاں تک کہ تجھ سے چار چیزوں کا سوال ہوگا۔ ایک عمر کو کس کام میں فنا کیا؟ دوسرے جسم کو کس چیز میں مبتلا رکھا؟ تیسرے مال کہاں سے حاصل کیا؟ چوتھے

مال کس جگہ صرف کیا؟ [1]

بعض مالدار ایسے ہیں جو مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں۔ مگر ان کا مقصود ریا اور شہرت ہوتی ہے اور یہ کہ ان کا نام چلے۔ اور یادگار رہے۔ چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں۔ اگر رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا اور جانتا ہے (نام کندہ کرانے کی کیا ضرورت) ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک دیوار بنانے کو کہا جائے، جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے رمضانِ مبارک میں شہرت کے لیے موم بتیاں (چراغ) بھیجتے ہیں، حالانکہ ان کی مسجدوں میں سال بھر اندھیرا پڑا رہتا ہے۔ اس لیے کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا تیل مسجد میں دینے سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہیں ہوتی جو رمضان میں ایک موم بتی بھیج دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ اس شمع کی قیمت دے کر محتاجوں کو خوش کر دینا زیادہ بہتر تھا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت روشنی کرنے سے اسراف لازم آتا ہی جو ممنوع ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ ریا اپنا عمل کر رہی ہے۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ مسجد میں جایا کرتے تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک چراغ ہوتا تھا۔ اس کو وہاں رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔

بعض مال داروں کا قاعدہ ہے کہ جب خیرات کرتے ہیں تو فقیر کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو دیکھتے ہیں، اس میں اپنی مدح چاہتے ہیں اور فقیر کا ذلیل کرنا منظور ہوتا ہو۔ بعض ایسے ہیں کہ دینار لیتے ہیں اور وہ دینار کم وبیش چار دانگ ہوتا ہے۔ اکثر اوقات کھوٹے دینار ہوتے ہیں۔ سب کے سامنے کھول کر ان کو خیرات کرتے ہیں، تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں امیر نے دینار فقیروں کو دیئے۔ اس کے برخلاف متقدمین صلحا کا قاعدہ تھا کہ ایک چھوٹے سے کاغذ میں بھاری دینار جو ڈیڑھ دینار کے وزن سے زیادہ ہوتا تھا لپیٹ کر چپکے سے فقیر کو دے دیا کرتے تھے۔ وہ فقیر جب کاغذ کو چھوٹا دیکھتا تو خیال کرتا تھا کہ کچھ ذرا سا ٹکڑا اس میں ہوگا، پھر جب اس کو ٹٹولتا تھا اور

[1] تاریخ بغداد: ۸/۴۴، فی ترجمۃ (۴۱۰۰) الحسین بن داود البلخی۔ حلیۃ الاولیاء: ۸/۷۶، رقم (۱۱۴۳۳) فی ترجمۃ ۳۹۵۔ شقیق البلخی، ترمذی: رقم (۲۴۱۷) دارمی: رقم (۵۴۳) معجم الکبیر: ۱۱/۱۰۲، رقم (۱۱۱۷۷)۔ معجم الصغیر مع الروض الدانی: ۲/۴۹، رقم ۷۶۰۔ تاریخ بغداد: ۱۱/۴۴۱، ۲۱/۴۴۰۔ کنز العمال: رقم (۳۹۰۱۴)۔ سلسلۂ صحیحہ: رقم ۹۴۶۔

اس کو گول پاتا تھا تو سمجھتا تھا کہ چاندی کا درم ہے۔ لہٰذا خوش ہوتا تھا۔ پھر جب دیکھتا تھا کہ دینار سے زائد ہے تو اس کی خوشی بہت بڑھ جاتی تھی۔ لہٰذا ہر مرتبہ پر دینے والے کا ثواب دو چند ہوتا جاتا تھا۔

بعض مال دار ایسا کرتے ہیں کہ غیروں کو خیرات دیتے ہیں اور اپنے اقربا کو چھوڑتے ہیں حالانکہ بہتر اقربا کو دینا ہے۔ سلمان بن عامر نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ ''مسکین کو صدقہ دینا صرف ایک صدقہ ہی ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا دو باتیں ہیں ایک صدقہ، دوسرے صلۂ رحمی۔'' [1]

بعض مالدار ایسے ہیں کہ اقارب کو صدقہ دینے کی فضیلت جانتے ہیں مگر ان میں باہم عداوت ہوتی ہے۔ لہٰذا باوجود اقربا کی محتاجی کا علم ہونے کے ان کی خبر گیری سے باز رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر ان کی اعانت کرتے تو تین ثواب پاتے ایک صدقہ، دوسرے قرابت، تیسرے خواہش نفسانی کا مارنا۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''افضل صدقہ وہ ہے جو کینہ رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے۔'' [2] مصنف رحمہ اللہ نے کہا: یہ صدقہ افضل اس لیے ہے کہ خواہش کی مخالفت کی جاتی ہے۔ کیوں کہ جو شخص اپنے رشتہ داروں کو محبت کی وجہ سے صدقہ دے گا تو وہ اپنی خواہش پر خیرات کرے گا۔

بعض مالدار ایسے ہیں کہ خیرات کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کو نفقہ دینے میں تنگی کرتے ہیں، ابو زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا، کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''افضل صدقہ وہ ہے جو اپنی فراغت کے بعد ہو، اور پہلے ان کو دو جو تمہارے عیال ہیں'' [3] اور نیز ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ دو۔ ایک آدمی نے عرض

---

[1] مسند احمد: ۴/ ۱۷، ۱۸، ۲۱۴۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی الاقارب، رقم ۲۵۸۳۔ ابن ماجۃ: کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ، رقم ۱۸۴۴۔ داری: ۱/ ۴۲۶، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی القرابۃ، رقم ۱۶۳۲۔ ترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی القرابۃ، رقم ۶۵۸۔

[2] مسند احمد: ۵/ ۴۱۶۔ مجمع الزوائد: ۳/ ۱۳۶، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی الاقارب و...... الطبرانی فی الکبیر: ۴/ ۱۶۵، رقم ۳۹۲۳۔ الطبرانی فی الاوسط: ۳/ ۳۲۰، رقم ۳۲۷۹۔ صحیح الجامع الصغیر، رقم ۱۱۲۱۔

[3] مسند احمد: ۳/ ۳۳۰، ۳۴۶۔ صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۸/ ۱۳۴، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ التطوع، رقم ۳۳۴۵۔ صحیح موارد الظمآن: ۱/ ۳۶۱، کتاب الزکاۃ، باب ای الصدقۃ افضل، رقم ۶۸۶/ ۸۲۶۔ مجمع الزوائد: ۳/ ۱۱۵، کتاب الزکاۃ، باب ای الصدقۃ افضل۔

کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر صرف کرو۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: اس کو اپنی بی بی پر خرچ کرو۔ وہ بولا میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا: اسے اپنی اولاد کو دو۔ کہنے لگا، میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: اس کو اپنے نوکر کو بخشو۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔'' [1]

بعض کا قاعدہ ہے کہ وصیت کرنے میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور حقیقی وارث کو محروم رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور یہ نہیں یاد رکھتے کہ ان کے بیمار ہوتے ہی وارثوں کے حقوق اس مال کے متعلق ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وصیت کرتے وقت خیانت کرے گا وبا میں پھینکا جائے گا''۔ وبا دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔'' [2] اعمش نے خیثمہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیطان کہتا ہے کہ فرزند آدم مجھ پر غالب نہیں آتا، اور اگر غالب بھی آتا ہے تو میں اس میں اس کو تین باتوں کا حکم کرتا ہوں۔ مال کا ناحق لینا، ناحق میں صرف کرنا، حق سے باز رکھنا۔'' [3]

فصل

فقرا کو بھی شیطان نے فریب دیا۔ بعض فقیر ایسے ہیں کہ فقر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ غنی ہوتے ہیں۔ اب اگر بغیر ضرورت وہ سوال کرتے ہیں اور لوگوں سے کچھ لیتے ہیں تو فقط آتش دوزخ جمع کرتے ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مال بڑھانے (جمع کرنے) کے لیے لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ تو آگ کے انگارے مانگتا ہے۔ اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے'' [4] اور اگر یہ شخص لوگوں سے کچھ سوال نہیں کرتا اور اظہار فقر سے اس کی

---

[1] مسند احمد: ۲/ ۲۵۱، ۴۷۱۔ ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم، رقم ۱۶۹۱۔ نسائی: کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ عن ظہر غنی وتفسیر ذلک، رقم ۲۵۳۶۔ مستدرک الحاکم: ۱/ ۵۷۵، کتاب الزکاۃ، رقم ۱۵۱۴۔ صحیح موارد الظمآن: ۱/ ۳۶۲، کتاب الزکاۃ، باب النفقۃ علی الاھل والاقارب ونفسہ، رقم ۶۸۸، ۸۲۸، ۸۳۰۔

[2] [ضعیف] الفردوس بمأ ثور الاخبار لابی شجاع الدیلمی، رقم ۵۵۱۷۔

[3] کشف الاستار: ۴/ ۲۱۴، کتاب الزہد، باب الورع، رقم ۳۵۵۸۔ مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۲۵، کتاب الزہد، باب ما یخاف علی الغنی من مالہ وغیرہ۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱/ ۹۸، رقم ۲۸۸۔

[4] مسلم: کتاب الزکاۃ، باب کراھیۃ المسألۃ للناس، رقم ۲۳۹۹۔ ابن ماجۃ: کتاب الزکاۃ، باب من سأل الناس عن ظہر غنی، رقم ۱۸۳۸۔ مسند احمد: ۲/ ۲۳۱، صحیح ابن حبان مع الاحسان: ۸/ ۱۸۷۔ کتاب الزکاۃ، باب المسألۃ والاخذ...... ۳۳۹۳۔

مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو مرد زاہد کہیں تو ریا کار ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے جو نعمت بخشی ہے اس کو چھپا کر فقر کا اظہار اس لیے کرتا ہے کہ خیرات نہ کرنا پڑے تو اپنے بخل کے ساتھ خدا کا ناشکر گزار ہے اور ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پھٹے پرانے حال میں دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ تیرے پاس کچھ مال ہے۔ جواب دیا ہاں فرمایا کہ پھر خدا کی نعمت کا اظہار کرنا چاہیے [1] اور اگر فقیر محتاج ہو تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ فقر کو چھپائے اور تجمل کا اظہار کرے۔ کیوں کہ سلف میں اکثر ایسے بزرگ تھے جو اپنے ساتھ ایک کنجی رکھتے تھے اور خیال دلاتے تھے کہ ان کا کوئی گھر ہے۔ حالانکہ رات کو فقط مسجدوں میں رہا کرتے تھے۔

فقرا پر ایک شیطان کا فریب یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو مالدار سے اچھا سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ جس چیز کی مالدار کو رغبت ہے یہ لوگ اس سے بے رغبت ہیں حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ کیوں کہ خیر و صلاح ایک چیز کے عدم و وجود پر موقوف نہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ ایک اور امر پر منحصر ہے۔

اکثر عوام کو شیطان نے فریب دیا کہ عادت کے موافق عمل جاری رکھیں اور یہی اسباب اکثر ان کی ہلاکت کے ہیں۔ ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عوام اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ ایک آدمی پچاس برس تک اسی طریقہ پر زندگی بسر کرتا ہے جس پر اس کا باپ تھا، اور اس بات کو نہیں دیکھتا کہ خطا پر تھا یا صواب پر۔ اسی قسم کی تقلید یہود و نصاریٰ اور اہل جاہلیت اپنے اسلاف کی کرتے تھے اور اسی طرح مسلمان اپنی نماز اور عبادتوں میں عادت کے موافق عمل کرتے ہیں۔ ایک آدمی برسوں تک زندہ رہتا ہے اور جس طرح لوگوں کو دیکھتا ہے اسی طرح نماز پڑھ لیا کرتا ہے حالانکہ سیدھی طرح اَلْحَمْدُ نہیں پڑھ سکتا، اور نہ یہ جانتا ہے کہ واجبات کیا ہیں۔ اسی قدر سیکھ لینے کی توفیق اس کو اس لیے نہیں ہوتی کہ دین فضول سمجھتا ہے اور ہاں اگر تجارت کا ارادہ کرے تو سفر سے پیشتر اس شہر کے اخراجات کا حال پوچھتا پھرتا ہے۔ تم

---

[1] ابوداؤد: کتاب اللباس، باب فی غسل الثوب وفی الخلقان، رقم ۴۰۶۳۔ نسائی: کتاب الزینۃ، باب ذکر ما یستحب من لبس الثیاب وما یکرہ منہا، رقم ۵۲۹۶۔ مستدرک الحاکم: ۴/۲۰۱، کتاب اللباس، رقم ۷۳۶۴۔ ترمذی: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الاحسان والعفو، رقم ۲۰۰۶۔ مسند احمد: ۳/۴۷۳، ۴/۴۷۴۔

دیکھتے ہو کہ ایک آدمی امام سے پہلے رکوع اور سجدہ کرتا ہے اور اتنا نہیں جانتا کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا تو ایک رُکن میں اس کی مخالفت کی اور پھر جب امام سے پہلے سر اٹھایا تو دو رکنوں میں مخالفت ہوگئی۔ لہٰذا اس کی نماز باطل ہوئی۔ بسا اوقات امام کے ساتھ سلام پھیر دیتا ہے حالانکہ اس پر تشہد واجب باقی رہ گیا ہے جس کا ذمہ دار امام نہیں۔ لہٰذا اس کی نماز باطل ہوگئی۔ اکثر اوقات بعض لوگ فرض چھوڑتے ہیں اور نوافل زیادہ پڑھتے ہیں اور بسا اوقات وضو میں بعض عضو مثلاً ایڑی خشک رہ جاتی ہیں۔ اکثر اوقات ہاتھ میں انگوٹھی ہوتی ہے جو انگلی میں تنگ ہوا کرتی ہے وضو کے وقت اس کو پھراتے نہیں اور اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا، لہٰذا وضو صحیح نہیں ہوتا۔ رہے ان کے معاملات تو خرید و فروخت میں ان کی یہ حالت ہے کہ اکثر فاسد ہوتے ہیں اور وہ شریعت کا حکم نہیں جانتے۔ ان لوگوں پر یہ امر دشوار گزرتا ہے کہ معاملات میں کسی فقیہ کی تقلید کریں۔ کیوں کہ حکم شرعی کے تحت میں داخل ہونا ناپسند کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز فروخت کریں اور اس میں کھوٹ نہ ہو اور اس کا عیب نہ چھپایا گیا ہو۔ ردی سونے کا عیب جلا دے کر چھپاتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورت سوت کات کر اس کو تر کر لیتی ہے تا کہ وزن بھاری ہو جائے۔

عوام کا عادت کے موافق ایک عمل یہ بھی ہے کہ رمضان شریف میں نماز فرض میں تاخیر کرتے ہیں اور حرام مال پر افطار کرتے ہیں اور لوگوں کی غیبت کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر لکڑی سے بھی مارا جائے تو عادت کے طور پر روزہ نہیں توڑے گا کیوں کہ عادتاً روزہ توڑنا برا سمجھا جاتا ہے۔

بعض عوام وہ ہیں کہ کوئی چیز اجرت پر لینے سے ربا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میرے پاس بیس دینار ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر خرچ کر ڈالوں گا ختم ہو جائیں گے۔ میں ان سے ایک مکان اجرت پر لوں اور اس کی اجرت کھاؤں۔ یہ شخص خیال کرتا ہے کہ اس کی یہ حرکت درست ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ مکان کو کچھ نقد پر رہن رکھتے ہیں اور اس کا سودا ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضرورت کی جگہ ہے۔ اکثر اوقات ایک شخص کے پاس دوسرا مکان ہوتا ہے اور اس کے گھر میں اس قدر اسباب ہوتا ہے کہ اگر اس کو بیچ ڈالے تو رہن رکھنے کی ضرورت نہ پڑے اور کرایہ لینے کی حاجت نہ ہو۔ لیکن اس کو اپنے جاہ و مرتبہ کا خوف ہوتا ہے کہ

کہیں یہ لوگ یوں نہ کہنے لگیں کہ فلاں شخص نے اپنا مکان بیچ ڈالا یا وہ شخص تانبے کی جگہ مٹی کے برتن استعمال کرتا ہے۔

ان کا عادت کے موافق عمل کرنا یہ بھی ہے کہ کاہن نجومی اور رمال کے قول پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ امر لوگوں پر شائع (عام) ہے۔ ہمیشہ سے بڑے بوڑھوں کی عادت رہی۔ کمتر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سفر کرے یا کپڑے بدلے یا حجامت کرائے اور نجومی سے پوچھ کر اس کے قول پر عمل نہ کرے ان کے گھر جنتری سے خالی نہیں رہتے اور بہت سے ایسے گھر ہیں جن میں کوئی قرآن شریف نہیں۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ کسی نے آپ سے کاہن کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کوئی چند نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کاہن لوگ کبھی کبھی ایسی بات بیان کرتے ہیں جو ٹھیک ہوتی ہے۔ فرمایا کہ وہ کلمۂ حق ہوتا ہے، جس کو جن اچک لیتا ہے اور آکر اپنے ساتھی کے کان میں پھونک دیتا ہے۔ جس طرح مرغی چونچ مار کر ایک دانہ اٹھا لیتی ہے اور اس میں سو (۱۰۰) سے زیادہ جھوٹی باتیں ملا دیتا ہے۔'' [1] صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص جوتشی (منجم) کے پاس آئے اور اس سے کچھ پوچھے تو چالیس روز اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔'' [2] ابوداؤد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات سچ جانے تو وہ شخص اس (دین) سے بیزار ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔'' [3]

عوام کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ریشم (کے لباس) اور سونے کی انگوٹھی پہنتے ہیں اور

---

[1] بخاری: کتاب الادب: باب قول الرجل للشی: لیس بشی، رقم ۶۲۱۳، ۷۵۶۱۔ مسلم: کتاب الاسلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان، رقم ۵۸۱۷۔ مسند احمد: ۶/ ۸۷۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/ ۱۳۸، کتاب القسامۃ، باب ماجاء فی النھی عن الکھانۃ واتیان الکاھن۔ [2] مسلم: کتاب السلام، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان، رقم ۵۸۲۱۔ مسند احمد: ۴/ ۶۸، ۵/ ۳۸۰۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۸/ ۱۳۸، کتاب القسامۃ، باب ماجاء فی النھی عن الکھانۃ واتیان الکھان۔ حلیۃ الاولیاء: ۱۰/ ۴۲۲، رقم ۱۵۷۹۰، فی ترجمۃ (۶۸۸) محمد بن الحسین الخثوعی۔ [3] ابوداؤد: کتاب الطب، باب فی الکاھن، رقم ۳۹۰۴۔ ترمذی: کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان الحائض، رقم ۱۳۵۔ ابن ماجہ: کتاب الطھارۃ، باب النھی عن اتیان الحائض، رقم ۶۳۹۔ سنن الکبریٰ للنسائی: ۵/ ۳۲۳۔ کتاب عشرۃ النساء، باب (۳۱)، رقم ۹۰۱۷۔ صحیح الجامع الصغیر للالبانی، رقم ۵۸۱۵۔

اکثر بعض آدمی ریشم کے پہننے سے پرہیز کرتے ہیں پھر خاص وقت میں پہنتے ہیں۔ مثلاً خطیب جمعہ کے دن۔

نیز ان کی عادات میں سے ہے کہ بری بات پر انکار کرنا مہمل جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے بھائی یا رشتہ دار کو دیکھتا ہے کہ شراب پیتا ہے، ریشمی کپڑے پہنتا ہے اور اس پر انکار (اظہار ناپسندیدگی) نہیں کرتا اور نہ اس سے کچھ کشیدہ ہوتا ہے۔ بلکہ گہرے دوست کی طرح اس سے میل جول رکھتا ہے۔

ایک ان کی عادت یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے پر چبوترا بناتا ہے جس سے مسلمانوں کا عام راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کے گھر کے دروازے پر بہت سا بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے جس کا دور کرنا اس پر واجب ہے اور وہ نہیں کرتا۔ بعض دفعہ اپنے گھر کے دروازے پر جھڑکاؤ کرتا ہے اور زیادہ پانی ڈالتا ہے ایسے میں کوئی وہاں پھسل کر گر پڑے تو اس پر ضمان (جرمانہ) واجب ہے اور اس کا اس کو گناہ ہوا کہ مسلمانوں کی اذیت کا سبب بن گیا ہے۔

ایک ان لوگوں کی یہ عادت ہے کہ (بازاری) حمام میں بغیر تہبند کے داخل ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جب تہبند باندھے ہوتے ہیں تو سمیٹ کر تہبند کو رانوں پر ڈال لیتے ہیں۔ جس سے سُرین کے دونوں جانب نظر آتے ہیں اور بدن ملنے والے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ شرمگاہ کا بعض حصہ دیکھتا ہے۔ کیوں کہ شرمگاہ گھٹنے سے ناف تک ہے۔ پھر خود وہ شخص دوسرے لوگوں کی شرمگاہیں دیکھتا ہے۔ نہ باہم آنکھیں نیچی کرتے ہیں نہ اس پر انکار کرتے ہیں۔

ایک ان کی عادت یہ ہے کہ بی بی کا حق پورے طور پر ادا نہیں کرتے۔ بعض وقت بی بی کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنا مہر معاف کر دے اور اس طرح خاوند خیال کرتا ہے کہ اس کے ذمہ سے بی بی کا مہر ساقط ہو گیا۔ بعض آدمی اپنی ایک بی بی کی جانب دوسری بی بی کی نسبت زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا تقسیم (اور عدل) میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اس بات کو سہل انگاری سمجھ کر خیال کرتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: ''جس کی دو بیبیاں ہوں اور ایک کی دوسری سے زیادہ وقعت کرے قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا۔ کہ اپنا ایک جانب کا دھڑ کھینچتا ہو گا جو گرتا ہوا یا

جھکتا ہوا ہوگا۔'' [1]

ایک ان لوگوں کی عادت ہے کہ میت کو تابوت میں رکھ کر دفن کرتے ہیں اور یہ فعل مکروہ ہے اور کفن گراں قیمت کا بناتے ہیں حالانکہ کفن اوسط درجہ کا ہونا چاہیے اور میت کے ساتھ اس کے سب کپڑے دفن کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیوں کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے اور میت پر نوحہ وماتم قائم کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی اور اس کے جسم پر ایک گندھک کا کرتا اور خارش کی چادر ہوگی۔'' [2] صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو گریبان پھاڑے اور اپنے منہ پر طمانچے مارے اور جاہلیت کا کفر بکے۔'' [3] یہ لوگ میت کے بعد کم درجہ کا لباس پہنتے ہیں اور مہینوں اور برسوں یہ حالت رکھتے ہیں۔ اکثر اس مدت میں کوٹھے پر نہیں سوتے۔ ایک ان کی عادت ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں جا کر آگ جلاتے ہیں اور بڑے بزرگ کی قبر سے مٹی (بطور تبرک) لیتے ہیں۔

ابن عقیل نے کہا: جب جاہلوں اور پیٹ کے بندوں پر شرعی تکلیفیں سخت پڑیں تو انہوں نے شرعی طریقے چھوڑ کر ان طریقوں کی تعظیم شروع کی جن کو خود انہوں نے اپنے لیے مقرر کیا ہے۔ وہ طریقے ان کو آسان معلوم ہوئے۔ کیوں کہ ان کی بدولت کسی غیر کے حکم کے ماتحت ہو کر نہ رہے۔ یہ لوگ میرے نزدیک کافر ہیں جنہوں نے ایسے طریقے نکالے۔ مثلاً قبروں کی تعظیم

---

[1] ابوداؤد: کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، رقم ۲۱۳۳۔ ترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، رقم ۱۱۴۱۔ نسائی: کتاب عشرۃ النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائہ، رقم ۸۸۹۰۔ وفی الکبریٰ لہ: ۵/۲۰۸، کتاب عشرۃ النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائہ، رقم ۸۸۹۰۔ اور دیکھیے صحیح ابن ماجہ: ۲/۱۵۶، کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء، رقم ۲۰۰۰/۱۶۱۶۔ [2] مسلم: کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ رقم ۲۱۶۰۔ مسند احمد: ۵/۳۴۲، ۳۴۳۔ ابن ماجہ: کتاب الجنائز، باب فی النھی عن النیاحۃ رقم ۱۵۸۱۔ مستدرک الحاکم: ۱/۵۳۹، کتاب الجنائز، رقم ۱۴۱۳۔ سنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۶۳، کتاب الجنائز، باب ماورد من التغلیظ فی النیاحۃ والاستماع لھا۔

[3] بخاری: کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب، رقم ۱۲۹۴۔ مسلم: کتاب الایمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب و...... رقم ۲۸۵۔ ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی ضرب الخدود وشق الجیوب عند المصیبۃ، رقم ۹۹۹۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب شق الجیوب، رقم ۱۸۶۵۔ مسند احمد: ۱/۳۸۶۔

کرتے ہیں اور اُن سے لپٹتے ہیں۔ شریعت نے انہیں باتوں سے منع کیا ہے کہ قبروں پر آگ جلائی جائے اور ان کو بوسہ دیا جائے اور ان پر حلقہ باندھا جائے، اور اپنی حاجتوں میں میت کو خطاب کیا جائے اور اس مضمون کے رقعے لکھے جائیں کہ اے میرے آقا! میرے لیے ایسا ایسا کر دیجیے اور تبرکاً قبر کی مٹی لی جائے۔ یہ سب حرکتیں ان لوگوں کی پیروی ہے جو لات وعزیٰ کو پوجتے تھے۔ تم کو کوئی ان لوگوں میں ایسا نہ ملے گا جو (ان بدعات کو چھوڑ کر کسی احکام الٰہی مثلاً) زکوٰۃ کے بارے میں تحقیق کرے اور وہ حکم دریافت کرے جو اس پر لازم ہے۔ ان کے نزدیک قابل افسوس وہ شخص ہے جو مشہد الکہف کو بوسہ نہ دے اور چہارشنبہ کے روز مسجد مأمونیہ کی دیواریں نہ چھوئے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنازہ حمالوں نے نہیں اٹھایا تھا۔ اس کے ساتھ نوحہ خوانی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی قبریں چونے اور اینٹ سے گچ نہ کی گئی تھیں۔ دامن تک ان کے کپڑے چاک نہیں کیے اور قبر پر گلاب کا عرق نہیں چھڑکا اور کپڑوں سمیت ان کو دفن نہیں کیا۔

فصل

عورتوں کو جو شیطان نے فریب دیئے ہیں وہ بہت کثرت سے ہیں۔ میں نے جداگانہ عورتوں کے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان کے متعلق تمام عادات وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس مقام پر چند امور بیان کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت زوال کے بعد حیض سے پاک ہوتی ہے اور عصر کے وقت غسل کرتی ہے اور فقط عصر کی نماز ادا کرتی ہے۔ اس کی خبر نہیں کہ ظہر بھی اس کے ذمہ واجب ہو چکی تھی۔ بعض عورتیں ایسی ہیں کہ وہ دو دن تک غسل نہیں کرتیں اور عذر پیش کرتی ہیں کہ کپڑوں کو دھونا ہے اور حمام میں جانا ہے۔ رات کو غسل جنابت میں تاخیر کرتی ہیں یہاں تک کہ دن نکل آتا ہے اور جب کوئی عورت (بازاری) حمام میں داخل ہوتی ہے تو تہبند نہیں باندھتی اور سمجھتی ہے کہ فقط تین ہی تو ہیں، میں ہوں، میری بہن ہے اور لونڈی ہے، یہ سب میری طرح عورتیں ہیں پھر پردہ کس سے کروں۔ حالانکہ یہ تمام باتیں حرام ہیں۔ غسل میں بلا عذر تاخیر کرنا جائز نہیں اور نہ عورت کو یہ روا ہے کہ دوسری عورت کا جسم ناف سے گھٹنوں تک دیکھے خواہ بیٹی ہو یا ماں ہو۔ ہاں اگر لڑکی چھوٹی ہو تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب سات برس کی ہو جائے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔

کبھی عذر بعض اوقات عورت بیٹھ کر نماز پڑھتی ہے حالانکہ کھڑے ہونے کی قدرت رکھتی ہے ایسی حالت میں نماز باطل ہوتی ہے۔ پیش کرتی ہے کہ آج بچے نے کپڑے نجس کر دیئے حالانکہ اس کے دھونے پر قادر ہے اور کہیں جانے آنے کا ارادہ کرے تو خوب آرائش کرے، اور مانگ نکال کر کپڑے بدلے۔ مگر نماز اس کے نزدیک ایک امر سہل ہے۔ اکثر عورتیں نماز کے واجبات کچھ نہیں جانتی ہیں اور کسی سے نہیں پوچھتیں۔ اکثر عورتوں کا وہ بدن نماز میں کھل جاتا ہے جو نماز کو باطل کرتا ہے اور وہ اس میں کچھ قباحت نہیں سمجھتیں۔

بعض عورتیں حمل ساقط کر دینے کو آسان سمجھتی ہیں اور یہ نہیں جانتیں کہ روح دمیدہ کو ساقط کر دیں گی تو ایک مسلمان کا خون کریں گی۔ پھر جو کفارہ ان پر واجب ہو اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتیں۔ کفارہ یہ ہے کہ عورت توبہ کرے اور اس کی دیت اس کے وارثوں کو دے اور وہ دیت ایک غلام یا لونڈی ہے جس کی قیمت اس بچے کے ماں باپ کی دیت کا بیسواں حصہ ہوا اور اس دیت کے مال سے اس ماں کو جس نے حمل ساقط کیا کچھ ورثہ نہ ملے گا۔ اگر دیت نہ دے سکے تو ایک غلام آزاد کرے اور اگر غلام آزاد نہ کر سکے تو دو مہینے کے روزے رکھے۔

کبھی عورت اپنے خاوند کے ساتھ رہنے سہنے کو برا کہتی ہے اور کبھی خاوند کو برے کلموں سے یاد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ تو میری اولاد کا باپ ہے اور ہم دونوں میں معاملہ اس اس طرح ہے اور خاوند کے بغیر اجازت کہیں چلی جاتی ہے اور کہتی ہے کہ کسی گناہ کے ارادے سے تو نہیں گئی تھی حالانکہ فقط اس کا گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں۔

بعض عورتیں ایسی ہیں کہ قبروں پر جا کر بیٹھ رہتی ہیں اور شوہر کے سوا دوسروں کے ماتم کے لیے ماتمی لباس پہنتی ہیں اور سوگ مناتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو جائز نہیں کہ کسی میت کے سوگ میں بیٹھے بجز اپنے شوہر کے کہ اس (شوہر) کا سوگ چار مہینے دس روز تک کرے۔“ [1]

[1] بخاری: کتاب الجنائز، باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا، رقم ۱۲۸۰، ۱۲۸۱۔ مسلم: کتاب الطلاق باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ، رقم ۳۷۲۵۔ ابوداوٗد: کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنہا زوجہا، رقم ۲۲۹۹۔ ترمذی: کتاب الطلاق، باب ماجاء فی عدۃ المتوفی عنہا زوجہا، رقم ۱۱۹۵، ۱۱۹۶۔ نسائی: کتاب الطلاق باب الرخصۃ للحادۃ المسلمۃ، رقم ۳۵۵۷، ۳۵۶۳۔ ابن ماجہ: کتاب الطلاق، باب ماھل تحد المرأۃ علی زوجہا، رقم ۲۰۸۶۔

بعض اوقات عورت کو اس کا شوہر اپنے بستر پر بلاتا ہے وہ انکار کر دیتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں۔ ابو حازم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب آدمی اپنی بی بی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے جس سے رات بھر اس کا شوہر اس پر ناراض رہے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔'' [1] یہ حدیث صحیحین میں ہے۔

کبھی عورت اپنے شوہر کے مال میں تصرف کرتی ہے۔ حالانکہ اس کو جائز نہیں کہ شوہر کے گھر سے بغیر اس کی اجازت و رضا مندی کے کوئی چیز نکالے۔ بعض اوقات اس شخص کو کچھ دیتی ہے جو اس کے لیے کنکریوں سے کھیلتا ہے یا اس کو شوہر کی محبت کے لیے تعویذ گنڈا پھونک پڑھ کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب حرام ہے اور کبھی لڑکوں کے کان چھدانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتی۔ حالانکہ یہ حرام ہے اور اگر ایسی باتوں سے بچی رہی اور مجلس وعظ میں آنے لگی تو بسا اوقات شیخ صوفی کے ہاتھ سے خرقہ پہنتی ہے اور اس سے مصافحہ کرتی ہے اور ان بزرگ کی بیٹیوں میں داخل ہو جاتی ہے اور عجائب حرکات میں پھنس جاتی ہے۔ ہم کو اسی قدر بیان پر اقتصار کر کے عنانِ قلم کو روکنا چاہیے کیوں کہ یہ امر بہت طویل ہے۔ اگر ہم بیانات مذکورہ ہی کو شرح وبسط سے بیان کریں تو یہ کتاب کئی جلدوں میں جمع ہو۔ ہم نے فقط تھوڑا سا بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو خطاؤں اور لغزشوں سے بچائے رکھے اور نیک بات اور نیک کام کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

[1] بخاری: کتاب النکاح، باب اذا باتت المرأۃ مھاجرۃ فراش زوجھا، رقم ۵۱۹۳/۵۱۹۴۔ مسلم: کتاب النکاح، باب تحریم امتناعھا من فراش زوجھا، رقم ۳۵۳۸۔ ابوداود: کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأۃ، رقم ۲۱۴۱۔ نسائی فی الکبریٰ: ۵/۳۱۳، کتاب عشرۃ النساء، باب فی المرأۃ تبیت مھاجرۃ لفراش زوجھا، رقم ۸۹۷۰۔ مسند احمد: ۲/۴۳۹، ۴۸۰۔

باب سیز دہم:

طولِ اَمَل کے ساتھ تمام لوگوں پر تلبیس ابلیس کا بیان

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اکثر یہودی اور نصرانی کے دل میں محبت اسلام گزرتی ہے۔ ابلیس ہمیشہ اس کو مشغول رکھتا ہے اور کہتا ہے جلدی نہ کر اور اچھی طرح سمجھ لے، اسی طرح اس کو ٹالتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اسی کفر پر مر جاتا ہے۔ اسی طرح گنہگار کو توبہ کے لیے ٹالتا ہے اور اس کو شہوات سے غرض حاصل کرنے میں جلدی کراتا ہے اور توبہ کر لینے کی آرزو دلاتا ہے۔ چنانچہ کوئی (گمراہ) شاعر کہتا ہے:

لَا تَعْجَلِ الذَّنْبَ لِمَا تَشْتَهِیْ وَتَأْمَلُ التَّوبَةَ مِنْ قَابِلٍ

"تو خواہش کے مطابق گناہ میں جلدی کر اور آئندہ سال توبہ کرنے کی امید رکھ۔"

بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے نیکی کا ارادہ کیا۔ شیطان نے ان کو ٹال دیا اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے مقام فضیلت پر پہنچنے کی کوشش کی، شیطان نے ان کو دوسری طرف لگا دیا۔ بسا اوقات فقیہ آدمی اپنے درس کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہے، شیطان اس سے کہتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کر لے۔ یا عبادت کرنے والا رات کو نماز پڑھنے کے لیے اٹھتا ہے۔ اس سے کہتا ہے کہ ابھی تیرے لیے بہت وقت ہے۔ اسی طرح ہمیشہ کسل اور سستی کی محبت دلاتا رہتا ہے اور عمل میں ٹالا کرتا ہے اور نہایت طول امل پر حالت پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا عقلمند کو چاہیے کہ دوراندیشی پر عمل کرے، وقت کا خیال رکھے اور آئندہ پر کام موقوف رکھنا چھوڑ دے اور امید کرنے سے روگردانی کرے۔ کیوں کہ جس شخص کو خوف دلایا گیا ہے وہ نڈر نہیں ہوا کرتا اور گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔ تمام نیکی میں کوتاہی اور بدی میں رغبت کرنے کا سبب طول امل ہے اور آدمی ہمیشہ اپنے جی میں باتیں کیا کرتا ہے کہ برائیاں چھوڑ کر نیکیاں کرے، لیکن اس کا نفس یہ وعدہ ہی دیتا رہتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ شام تک چلے گا تو دن بھر سست رفتار رہے گا اور جس کو صبح تک زندگی کی امید ہوگی تو رات میں کم کام کرے گا اور جو کوئی موت کی صورت سامنے تصور کرے گا وہ کوشش میں سرگرم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جو نماز ادا کیا کرو اس کو رخصتی

اور آخری نماز سمجھا کرو۔ [1]

کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میں تم کو لفظ ''عنقریب'' سے ڈراتا ہوں کیوں کہ یہی لفظ شیطان کا بڑا لشکر ہے (مطلب یہ ہے کہ یوں نہ کہنا چاہیے کہ میں عنقریب ایسا کروں گا یا آئندہ چل کر دیکھا جائے گا) جو شخص دور اندیشی پر عمل کرتا ہے اور جو طول امل کی وجہ سے ٹھہر جاتا ہے ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ سفر میں گئے اور ایک گاؤں میں داخل ہوئے۔ دور اندیش آدمی گیا اور سفر کے لیے جو ضروری چیزیں تھیں وہاں سے خرید لیں، اور کوچ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ کوتاہی کرنے والے نے دل میں کہا کہ عنقریب تیار ہو جاؤں گا، کیوں کہ اکثر ہم نے ایک ایک مہینہ قیام کیا ہے۔ اتنے میں ایک دم کوچ کا نقارہ بج گیا اور دور اندیش نے فوراً اپنی گٹھڑی سنبھالی اور کوتاہی کرنے والا افسوس اور رشک کرتا رہا۔ اسی طرح جب ملک الموت آجائے تو پہلے شخص کو کچھ ندامت نہ ہوگی اور دوسرا جس نے آئندہ پر کام اٹھا رکھا اور (عنقریب کا) دھوکا کھایا، موت کے وقت نادم ہو کر شور وغل مچائے گا۔ جب طبیعت میں کاہلی اور طول اَمل کی محبت ہوتی ہے، پھر شیطان آ کر ابھارتا ہے کہ مقتضائے طبیعت پر عمل کرے تو جفا کشی اور محنت گراں گزرتی ہے مگر جو شخص اپنے نفس کو بیدار کرے وہ جان لے گا کہ میں لڑائی کی صف میں ہوں اور دشمن بھاگتا نہیں اور اگر بھاگ بھی جاتا ہے تو خفیہ طور پر اس کے لیے کوئی مکر و فریب کرتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص دشمن کے لیے کمین گاہ قائم کرے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ دشمن کے مکر سے ہم کو سلامت رکھے اور دنیا کے فتنوں اور نفس کی شرارتوں سے بچائے۔ وہی (اللہ) قریب و مجیب ہے (غرض دنیا کے لوگوں کی مثال یہ ہے۔ بعض ان میں وہ بھی ہیں جو مستعد اور بیدار دل ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی انہیں مومنوں میں سے کرے۔ (آمین)

تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

---

[1] مستدرک الحاکم: ۴/ ۳۶۲، کتاب الرقاق، رقم ۷۹۲۸۔ مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۲۹، کتاب الزہد، باب جامع فی المواعظ۔ مجمع البحرین: ۸/ ۲۵۷، کتاب الزہد، باب جامع فی المواعظ، رقم ۵۰۶۹۔ معجم الاوسط للطبرانی: ۴/ ۳۵۸، رقم ۴۴۲۷۔ اور دیکھیے سلسلۂ احادیث صحیحہ: ۴/ ۵۴۴، ۵۴۷، رقم ۱۹۱۴۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بہترین اور جامع کتاب
وما أرسلنك إلا
رحمة للعالمين
تالیف
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری
مکتبہ اسلامیہ

شہرۂ آفاق کتاب
الرحیق المختوم
کے نامور مصنف کی ایک اور شاہکار تصنیف
قادیانیت
اپنے آئینے میں
مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
مکتبہ اسلامیہ